جلد ششم	حدیث: ۱۲۰۴ ـ ۱۵۵۵	کتاب الصلوٰۃ

زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور ۲۴۷۵۵۴

مصنف
حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب امروہوی
استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

جلد سادس: حدیث: ۱۳۰۴-۱۵۵۵

کتاب الصلوٰۃ

۲۴۷۵۵۴
زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور یوپی

السَّمحُ المحمُود
فی حل
سُنَنِ أبي داؤد
جلد ٦

مصنف: حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب امروہوی

تصحیح کنندہ: مولانا رضی آزاد قاسمی

سن اشاعت: ۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۷ھ

باہتمام

ذوالفقار علي

ناشر

زکریا بکڈپو دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴ (انڈیا)

کمپیوٹر کتابت: الفضل کمپیوٹرس دیوبند 95 57 51 47 99

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے السمح المحمود فی حل سنن ابی داؤد کا سات جلدوں میں عظیم علمی و تحقیقی کام مکمل ہو چکا ہے، مزید جلدوں پر کام جاری ہے، انسانی استطاعت کے مطابق ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔

تاہم انسان سے غلطی اور سہو کا صادر ہونا عین ممکن ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا اعتراف بھی ہے اس لیے اگر قارئین کرام کو ایسی غلطی نظر آجائے جو قابل اصلاح ہو تو اس کی نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ذوالفقار علی

مالک زکریا بک ڈپو دیوبند

أَبْوَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ

تہجد کی نماز کے ابواب

بَابُ نَسْخِ قِيَامِ اللَّيْلِ وَ التَّيْسِيرِ فِيهِ

تہجد کی فرضیت کا منسوخ ہونا اور اس میں سہولت کا بیان

۱۳۰۴-- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ ابْنِ شَبُّوَيْهِ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: " فِي الْمُزَّمِّلِ {قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ}، نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الَّتِي فِيهَا: {عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ} - وَنَاشِئَةُ اللَّيْلِ أَوَّلُهُ -وَكَانَتْ صَلَاتُهُمْ لِأَوَّلِ اللَّيْلِ "، يَقُولُ: "هُوَ أَجْدَرُ أَنْ تُحْصُوا مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ، وَذَلِكَ أَنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا نَامَ لَمْ يَدْرِ مَتَى يَسْتَيْقِظُ، وَقَوْلُهُ: أَقْوَمُ قِيلًا هُوَ أَجْدَرُ أَنْ يَفْقَهَ فِي الْقُرْآنِ، وَقَوْلُهُ: {إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا} "، يَقُولُ: «فَرَاغًا طَوِيلًا»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ مزمل میں فرمایا ہے (قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ) یعنی کھڑا رہ رات میں بجز تھوڑی رات کے اس آیت کو منسوخ کیا (عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ وَنَاشِئَةُ اللَّيْلِ) الخ کی آیت نے جو اسی سورہ مزمل کے آخر میں ہے (آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جانا کہ تم اس پر عمل نہ کرسکو گے پس اس نے تم کو معاف کیا پس اب قرآن کا جتنا حصہ تمہیں آسان لگے وہ پڑھلو) اور یہ جو فرمایا ہے إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ اس سورت کے آغاز میں اسکا مطلب یہ ہے کہ اول شب میں نماز پڑھنا سخت روندتا ہے یعنی زیادہ مناسب ہے اس غرض کے لیے تم پورا کرو اسکو جو تم پر فرض ہوا رات میں اٹھنا اور نماز پڑھنا، اس لیے کہ اول شب میں انسان جاگتا رہتا ہے اور فرض کی ادائیگی اس کے لیے آسان ہے اور اقوم قیلا سے مراد یہ ہے کہ رات کا وقت بہت اچھا ہے قرآن کو سمجھنے کے لیے اور یہ جو کہا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا الخ اس کے معنی یہ ہیں کہ دن میں تجھ کو فراغت ہوتی ہے۔

۱۳۰۴-اخرجه السيوطي في "الدر المنثور" ۲۸۶/۶، وزاد نسبته لمحمد بن نصر، وابن مردويه، والبيهقي في "السنن".

۱۳۰۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي الْمَرْوَزِيَّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ سِمَاكٍ الْحَنَفِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «لَمَّا نَزَلَتْ أَوَّلُ الْمُزَّمِّلِ، كَانُوا يَقُومُونَ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، حَتَّى نَزَلَ آخِرُهَا، وَكَانَ بَيْنَ أَوَّلِهَا وَآخِرِهَا سَنَةٌ»

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سورہ مزمل کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو رات کو اتنا ہی قیام کرتے جتنا رمضان میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسکا آخری حصہ نازل ہوا۔ اور اسکے ابتدائی و آخری حصہ کے نزول میں ایک سال کا فصل ہے۔

مقصد ترجمہ: صلوٰتِ نافلہ کا بیان چل رہا ہے ان ہی صلوٰت نافلہ میں ایک اہم ترین نماز ''صلوٰۃ تہجد'' بھی ہے، جو بے پناہ اجر و ثواب کی حامل ہے، یہ نماز صالحین کا طریقہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے قربت کا، گناہوں سے بچنے کا اور برائیوں کے کفارہ ادا کرنے کا ذریعہ ہے، ہمارے مصنفؒ نے اسی نماز کے فضائل و مسائل کو بیان کرنے کے لیے تقریباً بارہ ابواب قائم کیے ہیں، اولاً ایک باب ''قیام اللیل'' عنوان جلی کی حیثیت سے قائم کیا ہے پھر دیگر ابواب قائم کیے ہیں، ان دیگر ابواب میں پہلا باب ''نسخ قیام اللیل والتیسیر فیه'' قائم کیا ہے، جس سے یہ ثابت کیا ہے کہ قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز اب فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی:

سورہ ''مزمل'' کے شروع میں ''قُمِ اللَّيْلَ'' سے حضور اکرم ﷺ اور سب مسلمانوں پر قیام اللیل کو فرض قرار دیا گیا تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا؛ مگر اس کے طول میں اختیار تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور کم از کم ایک تہائی رات ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس فرض کی ادائیگی میں اکثر عزیمت پر عمل فرماتے اور زیادہ سے زیادہ رات کا وقت اس نماز میں گزارتے تھے، جو دو تہائی رات کے قریب ہوتا تھا، ہر رات میں یہ عمل پھر دن میں دین کی دعوت و تبلیغ اور ذاتی ضروریات اس طویل اور ثقیل نماز کی پابندی سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے پاؤں ورم کر آئے، ان کی یہ مشقت اور محنت اللہ کے سامنے تھی؛ مگر علم الٰہی میں پہلے ہی سے متعین تھا کہ اتنی محنت کا فریضہ چند روز ہی رکھا جائے گا، تاکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام محنت اور ریاضت کے خوگر ہو جائیں، جس کی طرف آیت: ''إنا سنلقى عليك قولاً ثقيلاً'' میں اشارہ پایا جاتا ہے، کہ آپ سے یہ محنت اور مشقت اس لیے لی جارہی ہے کہ آپ کو قول ثقیل یعنی قرآن کی خدمت سپرد ہونے والی ہے، جو اس مشقت سے بڑی مشقت ہے۔

۱۳۰۵- أخرجه السيوطي في "الدر المنثور" ۲۸۶/۲، وزاد نسبته لمحمد بن نصر، وابن مردويه، والبيهقي في "السنن".

بہر حال علم ازلی کے مطابق جب یہ حکمت ریاضت ومحنت کے خوگر بنانے کی پوری ہوگئی تو یہ فرض قیام اللیل بھی منسوخ کردیا گیا، اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سورۂ مزمل کی آیات سے صرف قیام اللیل کے طول کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو اور نماز تہجد کا فرض بدستور باقی رہا، پھر شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ واللہ اعلم

سنیت ابھی بھی باقی ہے:

ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور تمام امت سے یہ فرض منسوخ کردیا گیا البتہ اس کی سنیت یا استحباب اب بھی باقی ہے، اور یہ نماز عنداللہ پسندیدہ ہے۔

رجال حدیث: أحمد بن محمد المروزي بن شبوية: ان کا پورا نسب اس طرح ہے: أحمد بن محمد بن ثابت بن عثمان بن مسعود بن يزيد الخزاعي، أبو الحسن بن شبوية المروزي، ان کی روایات تبع تابعین سے ہیں "مرو" کے قریب "ماخون" نامی گاؤں کی طرف نسبت کی وجہ سے ماخونی بھی کہلاتے ہیں، ابن حجر عسقلانیؒ نے اور امام ذہبیؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور دیگر ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو بھی نقل کیا ہے۔ (موسوعہ تراجم)

علي بن حسين: یہ علی بن حسین بن واقد القرشی ہیں، کنیت ابوالحسن یا ابوالحسین ہے، ۱۳۰ھ میں پیدائش اور ۲۱۱ھ میں وفات ہے، امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں، امام مسلمؒ نے "مقدمۂ مسلم" میں ان سے روایت لی ہے، اس کے علاوہ اصحاب سنن اربعہ نے بھی ان سے روایت لی ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں "صدوق لهم" لکھا ہے، امام مزیؒ نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ ابوحاتم نے ان کو "ضعیف الحدیث" کہا ہے، ابن حبان نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ میں ان کے پاس سے گزرتا تھا لیکن میں نے ان سے روایت نہیں لی۔ (موسوعۃ التراجم مکتبہ شاملہ)

أبيه: یہ حسین بن واقد المُروزی ہیں، جو "مرو" کے قاضی بھی رہے ہیں، کبار اتباع تابعین میں سے ہیں، ۱۵۹ھ میں وفات ہوئی ہے، بخاری نے تعلیقاً روایت لی ہے، اور دیگر اصحاب خمسہ نے اصلاً روایت لی ہے، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "ثقة له أوهام" لکھا ہے۔ امام مزیؒ نے تہذیب الکمال میں اکثر ائمہ جرح وتعدیل سے ان کی توثیق نقل کی ہے البتہ امام ساجی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: "فيه نظر وهو صدوق لهم"۔

يزيد النحوي: یہ یزید بن ابی سعید نحوی ہیں، صغار تابعین کے معاصرین میں سے ہیں، ۱۳۱ھ میں ظلماً قتل کئے گئے ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عباسؓ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات کی تفسیر بیان فرمارہے ہیں کہ سورۂ مزمل کے

شروع میں جو آیت ہے: ''قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلاً نصفه أو انقص منه قليلا أو زد عليه '' اس قیام اللیل یعنی رات کی نماز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات باستثناء قلیل نماز میں مشغول رہیں، امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے، سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ ''علم أن لن تحصوه فتاب عليكم '' نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی، اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لیے آسان ہو اتنا وقت خرچ کرنا کافی ہے پھر اس سورت کی شروع کی آیات اور آخر کی آیات میں نزول کے اعتبار سے ایک سال کا فاصلہ ہے۔

قوله: قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلاً: ''اللَّيْل'' پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے اس نے پوری رات کے معنی دیئے اور مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات قیام اللیل میں مشغول رہیں، بجز قلیل کے، مگر چوں کہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لیے اس کی تشریح اس طرح فرمادی: ''نصفه أو انقص منه قليلا أو زد عليه ''یعنی نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم کردیں یا نصف سے کچھ بڑھا دیں۔

قوله: ''علم أن لن تحصوه فتاب عليكم ''یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم اس کا احصاء نہ کرسکو گے، احصاء کے لفظی معنی شمار کے ہیں، اور مراد یہاں عمل احصاء ہے یعنی اس طویل وقت پر مداومت نہ کرسکو گے، اور یہ آیت درحقیقت تنسیخ حکم کی علت ہے، اصل آیات جن کے ذریعہ سے نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ''إن ربك يعلم'' سے شروع ہو کر ''فاقرؤوا ما تيسر من القرآن'' تک ہیں۔

قوله: ''فتاب عليكم'' لفظ توبہ کے اصل معنی تو رجوع کے ہیں، گناہ سے توبہ کو بھی اسی لیے رجوع کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے جرم سے رجوع ہوتا ہے، اس جگہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم قیام اللیل کی فرضیت کا واپس لے لیا ہے۔

قوله: فاقرؤوا ما تيسر من القرآن: یعنی نماز تہجد جواب فرض کے بجائے سنت رہ گئی اس میں جس قدر قرآن آسانی سے کوئی شخص پڑھ سکے وہ پڑھ لیا کرے کسی خاص مقدار کی تعیین نہیں ہے۔

قوله: ''وناشئة الليل '' حضرت ابن عباسؓ نے ناشئة الليل کے معنی بیان کئے کہ اس کے معنی ہیں اوّل لیل، ویسے یہ لفظ ''عافية '' کے وزن پر ہے جس کے معنی ہیں رات کے کسی نماز کے لیے کھڑا ہونا، اس معنی کے لحاظ سے لفظ ''ناشئة الليل '' بمعنی تہجد ہو گیا۔

قوله: أقوم قيلاً: یعنی رات کے وقت میں تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماؤ اور ثبات کے ساتھ ہوسکتی ہے کیوں کہ مختلف قسم کی آوازوں اور شور و شغب سے قلب پریشان نہیں ہوتا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یہ بیان کئے

کہ تہجد تفقہ فی القرآن کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

قولہ: إن لك في النهار سبحا طويلاً: لفظ ''سبح'' کے معنی جاری ہونے کے ہیں، پانی میں تیرنے کو بھی ''سبح'' کہتے ہیں کہ پانی میں بغیر کسی رکاوٹ کے گھومنا پھرنا آسان ہے، یہاں مراد ''سبح'' سے دن بھر کے مشاغل ہیں، جن تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کے لیے یا اپنی معاشی ضروریات کے لیے چلنا پھرنا سب داخل ہے، حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر ''فراغ'' سے کی ہے۔ یعنی فراغ مالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے اسی لیے رات کا وقت عبادت کے لیے ہونا چاہیے۔

مصنفؒ نے دوسرے طریق سے جو روایت پیش کی ہے اس میں یہ وضاحت کرنا مقصود ہے کہ آیات منسوخہ اور ناسخہ کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے، سورت کا آخری حصہ بارہ مہینہ تک آسمان میں روک رکھا، سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا، جس سے قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوکر تخفیف ہوگئی اور اس کے بعد قیام اللیل صرف نفل رہ گیا۔ (مسند احمد: ۶/ ۵۳)

بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ

تہجد کا بیان

۱۳۰۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ، إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ مَكَانَ كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ، فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا، طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سوتا ہے تو شیطان اسکی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر بات جما دیتا ہے کہ ابھی رات باقی ہے سو تا رہ۔ پس اگر وہ جاگ جاتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وہ نماز میں مشغول ہو جاتا ہے تو تیسری گرہ

۱۳۰۶- رواه البخاري ۳/ ۲۰ في التهجد، باب عقد الشيطان على قافية الرأس إذا لم يصل بالليل، وفي بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ومسلم رقم (۷۷۶) في صلاة المسافرين، باب [ص: ۷۰] ماروي فيمن نام الليل اجمع، والموطأ: ۱/ ۱۷۶، في قصر الصلاة في السفر، باب جامع الترغيب في الصلاة، والنسائي: ۳/ ۲۰۳، و ۲۰۴ في قيام الليل، باب الترغيب في قيام الليل.

کھل جاتی ہے پس جب صبح ہوتی ہے تو وہ پاک نفس اور چاک وچوبند ہوتا ہے ورنہ خبیث النفس اور کاہل پڑا رہتا ہے۔

مقصد ترجمہ: باب سابق میں حضرت امام ابوداؤدؒ نے نماز تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کو بیان کیا تھا، اب اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ نماز تہجد اب مسنون بھی نہیں ہے، مصنفؒ نے اسی وہم کو دفع کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے اور اس میں چار حدیثیں لائے ہیں جن میں تہجد کی فضیلت اور ترغیب کے ساتھ ساتھ اس نماز کا مسنون ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

لغات حدیث:یعقد: عَقَدَ يَعْقِدُ (ض) عُقْدَةً: گرہ لگانا، قافية: گردن کا پچھلا حصہ، گدی، جمع قوافِ آتی ہے، طَيِّبَ النفس: طَيِّب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے نفس لذت حاصل کرے، اور یہ صیغہ صفت ہے بولا جاتا ہے: رجلٌ طَيِّبُ النفس أي صافي القلب، صادق النية، لہٰذا طیب النفس سے مراد یہاں پاکیزہ نفس ہے جس پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں۔

خَبِيثُ النفس: یہ بھی صیغہ صفت ہے اور طیب النفس کی ضد ہے، فاسد، خراب اور ناپسندیدہ کے اوپر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

كَسْلَان: جمع كَسَالَى بمعنی سست، اس کو بھی صفت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، بولا جاتا ہے: ''ولد كسلان'' اپنے کام اور ذمہ داری کی ادائیگی میں سست۔

تشریح حدیث: انسان جب سونے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر بیٹھ کر منتر پڑھتا ہے اور گرہ لگاتا ہے، جادو اور منتر پڑھنے والوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کلمات پڑھتے جاتے ہیں اور گرہ لگاتے جاتے ہیں، یہ طریقہ انھوں نے شیطان ہی سے سیکھا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ستر ہاتھ کی رسی لاتا ہے اور اس پر منتر پڑھتا ہے: ''عليك ليل طويل فارقد'' اور گرہ لگاتا جاتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سونے والا سوتا رہ جائے اور اس کو تہجد کی نماز کی توفیق نہ ہو اور اس کی لگائی ہوئی گرہیں باقی رہیں اور پھر وہ نماز فجر ترک کرنے کے سبب عذاب کا مستحق ہوجائے۔

اب شیطان کے اس تصرف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تہجد کے وقت ہمت کرکے اٹھ جائے اور ذکر، وضوء اور تہجد کی نماز کو بجالائے اس سے شیطان کی لگائی ہوئی گرہیں کھل جائیں گے، اور صبح کے وقت انسان کو اپنی طبیعت میں خوش دلی اور نشاط کا احساس ہوگا اور اگر سوتا رہ گیا تو صبح کے وقت بددلی اور سستی رہے گی۔

فقہ الحدیث: تہجد کی نماز اگرچہ واجب تو نہیں لیکن اس کے ترک کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی لگائی ہوئی گرہیں لگی رہ جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی کبھی نماز فجر بھی قضا ہوجاتی ہے اور انسان عذاب کا مستحق بن جاتا ہے اور اگر نماز فجر قضاء بھی نہ ہوئی تو نفس کا فساد اور طبیعت کا کسلان تو رہتا ہی ہے، اس لیے مبارک نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لايقولَنّ أحدكم خَبثَتْ نفسي ولكن ليقل لقست نفسي'' (بخاری، کتاب الادب، باب: لا يقل خبثت نفسي) اب حدیث باب میں اسی کلمہ کو استعمال کیا گیا ہے جس سے صحیحین کی روایت میں ممانعت ہے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق اس بات سے ہے کہ انسان اپنے بارے میں ''خبثت نفسي'' کا لفظ استعمال کرے اور صحیحین کی روایت میں جو استعمال ہوا ہے وہ حقیقت کو بیان کرنے کے لیے دوسرے کی صفت کے طور پر ہوا ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہو گیا، یا یہ کہا جائے کہ بغیر کسی مصلحت اور محرک کے تو اس کو استعمال نہ کیا جائے البتہ اگر کوئی محرک ہو تو استعمال کی اجازت ہے، مثلاً تحذیر یا تنفیر مقصود ہو جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔

اور تیسری توجیہ یہ بھی ہے کہ ممانعت کا تعلق تو اس سے ہے کہ آدمی کا معدہ خراب ہو گیا ہو اور وہ بیمار پڑ گیا اور اس کی طبیعت متلانے لگی ہو تو وہ آدمی اپنے لیے ''خبثت نفسي'' استعمال نہ کرے اس لیے کہ ''خبث'' کا لفظ بہت سخت ہے، اس سے انسان کے باطن کے فساد کی طرف اشارہ ہوتا ہے حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، لہٰذا ایسے مریض شخص کو اس سے منع کر دیا گیا اور یہاں حدیث باب میں باطن کی خرابی کو ہی بیان کرنا مقصود ہے، لہٰذا ممانعت کا تعلق الگ موقع سے ہے اور استعمال کا تعلق دوسرے موقع سے ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۰۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُمَيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي قَيْسٍ، يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: «لَا تَدَعْ قِيَامَ اللَّيْلِ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُهُ، وَكَانَ إِذَا مَرِضَ، أَوْ كَسِلَ، صَلَّى قَاعِدًا»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیسؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رات کی نماز کو مت چھوڑو کیونکہ رسول ﷺ اسکو کبھی نہیں چھوڑتے تھے اگر کبھی بیمار ہوتے یا کسل ہوتا تو بیٹھ کر پڑھتے۔

رجال حدیث: أبو داؤد: یہ سلیمان بن داؤد بن جارود ابوداؤد طیالسی ہیں، صغار تبع تابعین میں سے ہیں، ثقہ راوی ہیں، البتہ بعض احادیث میں ان سے اخطاء واقع ہوئی ہیں۔

یزید بن خمیر: یہ یزید بن خمیر بن یزید الرحبی الہمدانی ہیں، ابن حجر عسقلانیؒ نے ''صدوق'' اور امام ذہبیؒ نے

۱۳۰۷- تفرد به أبو داود من بين اصحاب الستة واخرجه أحمد (۶/ ۲۴۹)، والبخاري في «الأدب المفرد» (۸۰۰)

الکاشف میں ''ثقہ'' لکھا ہے۔ یحییٰ بن معین نے بھی ثقہ کہا ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ اور ابو حاتم نے ''صالح الحدیث'' کہا ہے۔ ابن حبان نے ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب:۱۱/ ۳۲۳)

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نماز تہجد کی تاکید فرما رہی ہیں کہ اس نماز کی پابندی کرو اس کو ترک نہ کرو؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اس کو کبھی نہ چھوڑتے تھے، اگر آپ ﷺ بیمار بھی ہوتے یا تھکے ہوتے تو بھی پڑھا کرتے تھے، البتہ بیماری کے وقت یا تھکان اور سستی کے وقت بیٹھ کر اس نماز کو ادا کر لیا کرتے تھے۔

۱۳۰۸- حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ «رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى، وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ، نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبَى، نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ اس مرد پر رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے اور اگر وہ نہ اٹھے تو اسکے چہرہ پر پانی کے چھینٹے دے (تا کہ اٹھ جائے) اور اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں اس عورت پر جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے اور اگر وہ نہ اٹھے تو اسکے منہ پر پانی چھڑک دے۔

تشریح حدیث: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس خاوند اور بیوی کو رحمت باری کی دعا دے رہے ہیں جو طاعت الٰہی میں ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہوں، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحمت نازل کرے جو رات میں اٹھ کر صلاۃ تہجد ادا کرے اور اس نیک عمل کے لیے اپنی بیوی کو بھی اٹھائے، اور اگر نیند کی وجہ سے یا زیادہ کسل مندی کی وجہ سے بیوی نہ جاگے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار دے اور اگر بیوی پہلے بیدار ہو جائے تو اسی طرح کا عمل شوہر کے ساتھ کرے۔

حاصل یہ ہے کہ میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک دوسرے کے مددگار بنیں، ایک دوسرے کا ساتھ دیں، اور رحمت خداوندی کے مستحق بنیں، اور یہی بات احباب ورفقاء پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ طاعت وخیر کے امور میں ایک دوسرے کو تعاون دیں۔

فقہ الحدیث: زندوں کو بھی دعائے رحمت دے سکتے ہیں جیسا کہ مردوں کو دے سکتے ہیں۔

آدمی کے لیے خود بھی بیدار ہونا اور گھر والوں کو بھی تہجد کے لیے بیدار کرنا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے۔

جو شخص اٹھنے میں سستی کا مظاہرہ کرے تو جائز طریقہ سے تنبیہ کرنا اور جگا دینا بھی پسندیدہ عمل ہے، مثلاً پانی کے چھینٹے

۱۳۰۸-أخرجه النسائي: كتاب قيام الليل والتطوع بالنهار، باب: الترغيب في قيام الليل (۱۶۰۹)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء فيمن أيقظ أهله من الليل (۱۳۳۶).

مار کر یا اس کے پیر کو دبا کر جگا دینا۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۳۰)

۱۳۰۹- حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، الْمَعْنَى، عَنِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا، أَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَمِيعًا، كُتِبَا فِي الذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ»، «وَلَمْ يَرْفَعْهُ ابْنُ كَثِيرٍ، وَلَا ذَكَرَ أَبَا هُرَيْرَةَ، جَعَلَهُ كَلَامَ أَبِي سَعِيدٍ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: وَأُرَاهُ ذَكَرَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ سُفْيَانَ مَوْقُوفٌ»

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ وحضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص رات میں اپنی بیوی کو (نماز تہجد کے لیے) جگائے اور پھر وہ دونوں نماز پڑھیں تو اللہ تعالی انکو ذاکرین اور ذاکرات میں لکھ دے گا۔ ابن کثیر نے اس روایت کو مرفوعا روایت نہیں کیا اور نہ ہی اسمیں ابوہریرہؓ کا ذکر ہے بلکہ ابوسعید کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس روایت کو ابن مہدی نے سفیان سے نقل کیا ہے اور کہا کہ میرا خیال ہے اسمیں ابوہریرہ کا ذکر ہے نیز ابوداؤد نے کہا کہ سفیان کی حدیث موقوف ہے۔

رجال حدیث: محمد بن کثیر: یہ محمد بن کثیر العبدی ابوعبداللہ البصری ہیں، ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۲۲۳ھ میں وفات ہوئی ہے، ثقہ رواۃ میں سے ہیں، کتب ستہ کے مصنفین نے ان سے روایات لی ہیں، ان کے تلامذہ میں امام بخاریؒ اور امام ابوداؤدؒ بھی شامل ہیں۔

علي بن الأقمر: یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔

شیبان: یہ شیبان بن عبدالرحمن تمیمی ہیں، ایک زمانہ تک کوفہ میں رہے اس کے بعد بغداد چلے گئے، صاحبِ کتاب کے نام سے مشہور ہیں، ثقہ راوی ہیں، ۱۶۴ھ میں وفات ہوئی ہے۔

تشریح حدیث: حدیث میں ''اہل'' سے مراد اس کی اہلیہ یعنی بیوی بھی ہوسکتی ہے اور اس کے تمام اہل خانہ یعنی اس کی بیوی، اس کی اولاد اس کے اقارب اور اس کے غلام وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں۔

قوله: فَصَلَّيَا أَو صَلَّى: اس جگہ راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے تثنیہ کا صیغہ ''فصليا'' فرمایا یا واحد کا صیغہ ''صلى'' فرمایا، پہلی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا اور پھر وہ دونوں نماز کی دو رکعتیں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نماز کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں، مطلب دونوں صورتوں میں ایک

۱۳۰۹- اخرجه ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب: ما جاء فيمن ايقظ اهله من الليل (۱۳۳۶).

ہی ہے یعنی دونوں کا نماز کی دو دو رکعتیں پڑھنا اور دو رکعتیں ذاکرین کی فہرست میں داخل ہونے کے لیے اقل مقدار ہے۔

قوله: "كُتِبَا في الذاكرين" یعنی وہ دونوں مرد وعورت اگر تہجد کی دو رکعتیں ہی پڑھنے کا التزام رکھیں تو ان کا شمار ان مردوں اور عورتوں میں ہوگا جن کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورۃ الاحزاب آیت نمبر (۳۵) میں اس طرح ذکر فرمائی ہے: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵

قوله: "ولم يرفع ابن كثير الخ" سند میں مصنف کے دو استاذ تھے ایک محمد بن کثیر اور دوسرے محمد بن حاتم، مصنفؒ ان دونوں کی سند کے اختلاف کو بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ محمد بن حاتم نے تو اس حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور دو صحابہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے جب کہ محمد بن کثیر نے اس حدیث کو موقوفاً نقل کیا ہے اور موقوفاً بھی ایک صحابی سے یعنی حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضرت ابوہریرہؓ کو ذکر ہی نہیں کیا۔

قال أبو داؤد: "رواه ابن مهدي عن سفيان" اس حدیث کا تیسرا طریق یہ ہے کہ سفیان ثوری سے نقل کرنے والے عبدالرحمن بن مہدی ہیں، انھوں نے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے ابن کثیر کی طرح سے؛ لیکن ابن مہدی نے دونوں صحابی سے ہی موقوفاً نقل کیا ہے نہ کہ صرف حضرت ابوسعید خدری سے۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث تین سندوں سے مروی ہے: (۱) طریق ابن کثیر عن سفیان۔ یہ طریق ابوسعید خدریؓ پر موقوف ہے۔ (۲) محمد بن حاتم عن عبید اللہ بن موسیٰ۔ یہ طریق حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ دونوں ہی سے مرفوعاً ہے۔ (۳) ابن مہدی عن سفیان یہ طریق حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ دونوں ہی پر موقف ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۳۳)

فقه الحديث: باب سے قیام اللیل کی ترغیب، فعل خیر پر تعاون، کثرت ذکر اللہ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے انسان کو چاہیے کہ اس مبارک نماز کی پابندی کرے اور مغفرت واجر عظیم کے حصول میں سعی کرے۔ آگے بھی چند ابواب تک قیام اللیل کے مسائل ہی بیان کئے جائیں گے۔

بَابُ النُّعَاسِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں نیند آنے کا بیان

۱۳۱۰- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ

۱۳۱۰- صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب: الوضوء من النوم (۲۱۲)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: أمر من نعس في صلاته بأن يرقد (۲۲۲۶/ ۷۸۶)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة عند النعاس (۳۵۵)، النسائي: كتاب الطهارة، باب: النعاس، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ما جاء في المصلي إذا نعس (۱۳۷۰).

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ، لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ، فَيَسُبَّ نَفْسَهُ».

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو سو جائے یہاں تک کہ اسکی نیند بھر جائے؛ کیونکہ اگر اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ استغفار کرنا چاہے اور لگے اپنے آپکو گالیاں دینے۔

مقصد ترجمه: انسان کو نماز جیسی اہم ترین عبادت ہوش کی حالت میں پڑھنی چاہیے، جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز نہ پڑھے، کیوں کہ نیند کے غلبہ کی حالت میں اس کو خبر نہیں رہتی کہ میں صحیح پڑھ رہا ہوں یا غلط بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بے خبری میں اپنے لیے بددعا کرنے لگے اور وہ بددعا اس کے لیے وبال جان بن جائے۔ اسی مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے مصنفؒ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، پھر چوں کہ تہجد کے وقت نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس جگہ پر اس کو بیان کر رہے ہیں۔

تشریح حدیث: نَعَسَ يَنعَسُ نُعَاسًا: اونگھنا، نیند کی ابتداء، اس کے لیے ''وَسَن'' کا لفظ بھی آتا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ''نُعاس'' ایک لطیف ہوا ہے جو دماغ کی طرف سے آتی ہے اور آنکھ بند کر دیتی ہے دل تک اس کا اثر نہیں پہنچتا جب دل تک پہنچ جائے تو وہ نوم ہے۔ (بذل المجہود: ۵/۵۵۱)

اب حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے کیوں کہ اس وقت نیند کے غلبہ کی وجہ سے زبان اور حواس پر پورا قابو نہیں رہتا معلوم نہیں زبان سے کیا نکل جائے ہوسکتا ہے کہ جہاں صحیح معنی اور اچھے معنی کے الفاظ نکلنے چاہئیں وہاں غلط معنی اور برے معنی کے الفاظ نکل جائیں، مثلاً چاہتا ہے: أللھم اغفر لي'' کہنا، جس کے معنی ہیں اے اللہ! میری مغفرت فرما اور اس کی جگہ بہت معمولی سے فرق یعنی غین کے بجائے عین کے ساتھ زبان سے یوں نکل جائے اللھم اعفِرْ لي اے اللہ! مجھے مٹی میں ملا دے، یہ اپنے ہی لیے بددعا کے الفاظ ہیں، کیوں کہ ''عَفَر'' کا لفظ ذلت وخواری سے کنایہ ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ انسان کی زبان سے غیر اختیاری طور پر جو کچھ نکلتا ہے اس پر تو مواخذہ نہیں ہوتا لہٰذا نیند کے غلبہ کی حالت میں بغیر ارادہ کے جو بددعائیہ کلمات نکل جائیں ان پر تو بدرجۂ اولیٰ مواخذہ نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ حالت تو عدم شعور کی حالت ہے اور حدیث میں آیا ہے: رفع عن الأمة الخطأ والنسيان.

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو تسلیم ہے کہ انسان کی زبان سے غیر اختیاری طور پر جو نکلتا ہے اس میں نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی مؤاخذہ ہے؛ لیکن یہ تو ممکن ہے کہ غیر اختیاری طور پر نکلنے والے کلمات سبب کے طور پر ضرر اور نقصان کا باعث بن جائیں، جیسا کہ اگر غلطی سے بغیر ارادے کے زہر پی لیا جائے تو اس میں گناہ نہیں ہے لیکن یہ موت کا سبب بن جاتا ہے، اسی طرح حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **لاتدعوا على أنفسكم ولا على أولادكم ولا على أموالكم** (مسلم: ۳۰۰۹) کوئی بھی انسان اپنی اولاد یا مال کی ہلاکت کا دعا میں قصد نہیں کرتا بلکہ غصہ کی حالت ہی میں کہہ دیتا ہے لیکن اس کے باوجود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع کر دیا تا کہ بغیر ارادے کے نکلے ہوئے بددعائیہ کلمات بھی اس کے حق میں مضر ثابت نہ ہوسکیں، بالکل اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اس حالت میں نماز سے منع کر دیا ہے۔ واللہ اعلم (بذل: ۵/ ۵۵۳)

فقه الحديث: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی ترغیب ملتی ہے کہ نماز خشوع، فراغ قلب اور نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہیے اگر نیند کا غلبہ ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھے اور یہ حکم عام ہے فرائض و نوافل سب کو شامل ہے؛ لیکن فرائض کو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اتنا مؤخر نہ کرے جس سے نماز قضا ہو جائے، البتہ امام مالکؒ نے اس کو خاص کیا ہے نوافل کے ساتھ کہ نیند کے غلبہ کے وقت نوافل نہ پڑھے جائیں جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو فرائض تو وقت ہی پر پڑھے جائیں گے اگر چہ نیند کا غلبہ ہو، کیوں کہ فرائض میں مقتدی کو قراءت تو کرنی ہے نہیں؛ لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مالکیہ کا یہ استدلال کہ ''فرائض میں مقتدی کو قراءت نہیں کرنی'' یہ استدلال بے محل ہے، اس لیے کہ دعا تو مقتدی بھی پڑھتے ہیں۔

ہاں اگر اس کو صرف تہجد کے ساتھ خاص کیا جائے تو قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ تہجد کا وقت ہی غلبۂ نوم کا وقت ہوتا ہے۔

حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادات میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی احتیاطی پہلو سے ہی یہ حکم مذکور فرمایا تھا۔ (شرح نووی علی مسلم: ۶/ ۷۴، طبع بیروت)

۱۳۱۱- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ، فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْآنُ عَلَى لِسَانِهِ، فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ، فَلْيَضْطَجِعْ».

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات میں نماز کے لیے کھڑا ہو اور قرآن اس کی زبان پر لڑکھڑانے لگے اور جو کہہ رہا ہے اسکی اسکو خبر نہ ہو تو ایسی صورت میں اسکو چاہیے کہ سو جائے۔

لغات حديث: اسْتَعْجَمَ: استعجم الكلامُ عليه: دشوار ہونا، مبہم ہونا، عجز سے ساکت ہونا، استعجم

۱۳۱۱- مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: أمر من نعس في صلاته... بأن يرقد (۷۸۷/ ۲۲۳) (تحفة: ۱۰/ ۱۴۷۲۱).

القراءة: پڑھنے پر قادر نہ ہونا۔

تشریح حدیث: اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ جب کوئی تہجد کی نماز پڑھے اور قرآن کا پڑھنا اس کی زبان پر دشوار ہو جائے، غلبۂ نوم کی وجہ سے اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ صحیح پڑھ رہا ہوں یا غلط تو اس کو آرام کی غرض سے لیٹ جانا چاہیے، کیوں کہ جو شخص تعب کی وجہ سے عبادت کو موقوف کر دے اور نئی توانائی کے قصد سے آرام کرنے لگے تا کہ آگے عبادت کے وقت خوش دلی اور نشاط باقی رہے تو اس کی نیند بھی عبادت ہی ہوگی جیسا کہ مشہور ہے: ''نوم العالم عبادة''۔

۱۳۱۲- حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ، وَهَارُونُ بْنُ عَبَّادٍ الْأَزْدِيُّ، أَنَّ إِسْمَاعِيلَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَهُمْ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْمَسْجِدَ، وَحَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ سَارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَا هَذَا الْحَبْلُ؟» فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذِهِ حَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ تُصَلِّي، فَإِذَا أَعْيَتْ تَعَلَّقَتْ بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لِتُصَلِّ مَا أَطَاقَتْ، فَإِذَا أَعْيَتْ، فَلْتَجْلِسْ»، قَالَ زِيَادٌ: فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» فَقَالُوا: لِزَيْنَبَ تُصَلِّي، فَإِذَا كَسِلَتْ، أَوْ فَتَرَتْ أَمْسَكَتْ بِهِ، فَقَالَ: «حُلُّوهُ»، فَقَالَ: «لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا كَسِلَ أَوْ فَتَرَ، فَلْيَقْعُدْ».

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے بیچ میں ایک رسی بندھی ہوئی ہے پوچھا: یہ رسی کیوں ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ رسی حمنہ بنت جحش کی ہے وہ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس رسی سے لٹک جاتی ہیں، رسول ﷺ نے فرمایا: نماز اتنی ہی پڑھنی چاہیے جتنی طاقت ہو، پس جب تھک جائے تو بیٹھ جائے، زیاد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ رسی زینب کی ہے وہ نماز پڑھتی ہیں جب انکو کسل ہوتا ہے یا وہ تھک جاتی ہیں تو اسکو تھام لیتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو کھول دو تم میں سے ہر شخص اتنی ہی نماز پڑھے جس حد تک طبیعت میں آمادگی ہو، جب اسکو سستی آئے یا وہ تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

لغات حدیث: أَعْيَتْ: باب افعال سے ہے، أَعْيَا يُعْيِي إِعْيَاءً: چلنے والے کا تھک جانا، عاجز ہونا، طاقت نہ رکھنا، كَسِلَتْ (س) كَسَلاً: سست ہونا، فَتَرَتْ (ن، ض) فُتُورًا: تیزی کے بعد ساکن ہونا، اور سختی کے بعد نرم پڑنا۔

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان رسی بندھی ہوئی

۱۳۱۲-البخاري: كتاب التهجد، باب: ما يكره من التشديد في العبادة (۱۱۵۰)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: أمر من نعس في صلاته أو استعجم عليه القرآن أو الذكر بأن يرقد أو يقعد حتى يذهب عنه ذلك (۲۱۹ / ۷۸۴)، النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: الاختلاف على عائشة في إحياء الليل (۱۶۴۳).

ہے، پوچھا کہ یہ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضرت حمنہ بنت جحش (یا زینب) نماز پڑھتی ہیں اور جب وہ تھک جاتی ہیں اور خود کھڑا رہنا مشکل ہوجاتا ہے تو اس میں لٹک جاتی ہیں یعنی اس کو باندھ کر کھڑی ہوجاتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس رسی کو کھول دو ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ تو عبادت میں غلو اور تشدد ہے، جب تک طبیعت میں نشاط ہو نماز پڑھنی چاہیے اور جب طبیعت اکتا جائے، تھکن اور سستی ہوجائے تو بیٹھ جانا چاہیے اور بیٹھ کر نماز پڑھ لینی چاہیے، یا یہ مطلب ہے کہ آرام کی خاطر بیٹھ جائے اور سوجائے پھر جب طبیعت سے کسل دور ہوجائے تو دوبارہ نماز پڑھے۔

فقه الحديث: عبادت میں اپنی طاقت اور بساط کی بقدر مشغول ہو، طاعات میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، بے رغبتی کے ساتھ عبادت کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، عبادت میں جب تعب اور بے دلی کا احساس ہو تو آرام کے لیے بیٹھ جائے اور کسی مباح کام میں مشغول ہوجائے، جیسے بیوی بچوں سے گھر والوں سے بات چیت کرنے لگے، یا سوجائے، اور قصد نئی توانائی کا حصول ہو تا کہ آگے عبادت میں رغبت اور خوش دلی حاصل رہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ نفس عبادت کا شائق اور عادی ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے عمل میں مشقت کا خوگر ہو، ان کاہل اور آرام طلب لوگوں کی طرح نہ بن جائے جو ذرا سی عبادت میں تھک جاتے ہیں، بلکہ ان اکابر و اسلاف سے سبق لینا چاہیے جو پہلے دو رکعت نفل پڑھنے اور ایک پارہ کی تلاوت سے بھی نفس پر گرانی محسوس کرنے لگتے تھے جب انھوں نے آہستہ آہستہ زیادہ عمل کی عادت ڈالی تو پھر سو رکعتیں نفل پڑھنا اور دس دس پاروں کی تلاوت کرنا بھی ان کے لیے آسان ہوگیا۔ (المنهل العذب المورود: ۷/ ۲۳۵)

نوٹ: حدیث میں مذکور واقعہ حضرت حمنہ اور حضرت زینب دونوں ہی کے بارے میں ہے، مصنف نے بھی دونوں کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

بَابُ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ

جس شخص کا وظیفہ ناغہ ہوجائے تو وہ کیا کرے

۱۳۱۳- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ، ح وحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ الْمَعْنَى، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، وَعُبَيْدَ اللَّهِ، أَخْبَرَاهُ،

۱۳۱۳- مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: جامع صلاة الليل ومن نام عنه (۱۴۲/ ۷۴۷)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما ذكر فيمن فاته حزبه من الليل فقضاه بالنهار (۵۸۱)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: متى يقضي من نام عن حزبه من الليل (۱۷۸۹)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء فيمن نام عن حزبه من الليل (۱۳۴۳).

أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَبْدٍ–قَالَ:عَنِ ابْنِ وَهْبٍ:ابْنُ عَبْدِ الْقَارِيُّ–قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ «مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ – أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ – فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ»

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنا وظیفہ یا ورد پڑھے بغیر سو جائے پھر صبح کو اٹھ کر فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کا ثواب ایسا ہی لکھا جائے گا گو یا اس نے رات کو پڑھا ہو۔

تشریح حدیث: حِزب: روزانہ کے معمول کو کہتے ہیں، جو ''وظیفہ'' یا ''ورد'' بھی کہلاتا ہے، یعنی کسی کا یہ مقرر کر لینا کہ ہر روز اس وقت میں نماز کی اتنی رکعتیں یا قرآن پاک کی اتنی مقدار یا ماثورہ ادعیہ واذ کار میں سے یہ یہ چیز اتنی بار پڑھوں گا اور اس کا پڑھنا وہ روز کا معمول بنا لے۔

پس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے رات میں پڑھنے کا کچھ وظیفہ مقرر کر رکھا ہو خواہ نماز کی صورت میں ہو خواہ تلاوت قرآن پاک کی صورت میں خواہ اوراد واذ کار کی صورت میں اور ہر رات میں اس کو وہ پڑھتا ہو تو اگر کسی رات میں وہ وظیفہ پڑھنے سے رہ جائے اور پھر وہ شخص دن میں فجر کی نماز کے بعد اور وقتِ زوال سے پہلے پہلے اس وظیفہ کو پڑھ لے تو اس کے لیے اتنا ہی ثواب لکھا جاتا ہے جتنا کہ رات میں معمول کے مطابق اس وظیفہ کے پڑھنے پر ملتا اور یہی حکم دن کے وظیفہ کا بھی ہے اگر دن کا وظیفہ پڑھنے سے رہ گیا پھر رات میں اسکو پڑھ لیا تو دن کے پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے، کیوں کہ دن اور رات آپس میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

حدیث میں خاص رات کے وظیفہ کا ذکر اس لیے ہوا کہ اکثر رات ہی میں ایسا ہوتا ہے کہ نیند کے غلبہ کیوجہ سے تہجد کی نماز پڑھنے سے رہ جاتی ہے اور اسی مناسبت سے امام ابوداؤدؒ نے یہ ترجمۃ الباب بھی قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں یہ حدیث بھی لائے ہیں۔

فقہ الحدیث: صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رات میں پڑھنے کے لیے وظائف واوراد کی تعیین مشروع ہے۔

بَابُ مَنْ نَوَى الْقِيَامَ فَنَامَ

جس نے رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کی نیت کی اور پھر نہ اٹھ سکا

۱۳۱۴–حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ

۱۳۱۴ –النسائي: كتاب قيام الليل، باب: من كان له صلاة بالليل فغلبه عليها النوم (۳/۲۵۷).

رَجُلٍ، عِنْدَهُ رَضِيٌّ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا مِنَ امْرِئٍ تَكُونُ لَهُ صَلَاةٌ بِلَيْلٍ، يَغْلِبُهُ عَلَيْهَا نَوْمٌ، إِلَّا كُتِبَ لَهُ أَجْرُ صَلَاتِهِ، وَكَانَ نَوْمُهُ عَلَيْهِ صَدَقَةً»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتا ہو اور پھر رات اس پر نیند غالب آ جائے (اور وہ اٹھ نہ سکے) مگر اس کے واسطے ثواب لکھا جائے گا اور سونا اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا۔

مقصد ترجمہ: جو شخص اوّل شب میں اس عزم کے ساتھ سویا کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے گا؛ لیکن غلبۂ نوم کی وجہ سے بیدار نہ ہو سکا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیت اور عزم کی وجہ سے اجر وثواب عطا فرمائے گا، اسی کی وضاحت کے لیے امام ابوداوُدؒ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

رجال حدیث: عَنْ رَجُلٍ عِنْدَہٗ رِضًی: رجل مبہم کا مصداق تو اسود بن یزید نخعی ہیں، ان کی صفت ''رِضًی'' لائی گئی ہے اور ''رِضًی'' مصدر ہے، مصدر کے ساتھ صفت لانا مبالغہ کے لیے ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: ''رجل صدق'' ''زید عدل'' اب مطلب یہ ہے کہ سعید بن جبیر ایسے شخص سے روایت کر رہے ہیں جو ان کے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ ایک قسم کی تعدیل مبہم ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ نقل کر رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کی نماز کا عادی ہو اور پھر کسی دن غلبۂ نوم کی وجہ سے رات کی نماز اس سے فوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کی اس نیت کی وجہ سے جو اوّل شب میں کی تھی نماز کا ثواب عطا فرما دیں گے اور اس کے سونے میں بھی اجر وثواب ہوگا۔

فقہ الحدیث: صاحبِ منہلؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو اس نیکی اور خیر کا بھی بدلہ ملتا ہے جس کو وہ کر تو نہ سکا لیکن نیت کر رکھی تھی، یعنی صرف نیک نیتی پر بھی اجر ملتا ہے۔

نیز اس حدیث سے قیام اللیل کی ترغیب وتحریض بھی معلوم ہوتی ہے کہ آدمی کو اس کی نیت اور کوشش تو کرنی ہی چاہیے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۳۹)

آگے مصنفؒ افضل لیل یعنی رات کے بہتر حصہ کی روایات لا رہے ہیں کہ رات کے کس حصہ میں عبادت کرنی چاہیے۔

☆☆☆

بَابُ أَيِّ اللَّيْلِ أَفْضَلُ؟

عبادت کے لیے رات کا کون سا حصہ افضل ہے

۱۳۱۵- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: " يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟ "

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب عرش سے آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں قبول کروں کون شخص مانگتا ہے مجھ سے کہ میں اس کو دوں، کون شخص معافی مانگتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کروں۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصود رات کے اس حصہ کی نشان دہی کرنا ہے جس کو بندہ عبادت کے لیے منتخب کرے اور جس حصہ میں باری تعالیٰ کی رحمت خاصہ کا نزول ہوتا ہو، چناں چہ مصنفؒ نے حدیث لاکر اس حصہ کی نشان دہی فرمادی کہ یہ حصہ عبادت کے لیے زیادہ موزوں ہے وہ ہے رات کا آخری تہائی حصہ۔

تشریح حدیث: روایت میں آیا کہ رات کے ثلث آخر میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ جو دعا مانگے گا اس کی دعا قبول کی جائے گی، جو سوال کرے گا اس کو عطا کیا جائے گا، اور جو گناہوں سے بخشش کا خواستگار ہوگا اس کے گناہوں کی مغفرت کی جائے گی۔

اہل کرم اس دنیا میں کسی کو دعوت دے کر بلاتے ہیں تو اس کو محروم واپس نہیں کرتے، پھر اکرم الاکرمین جب نزول فرما کر اعلان کرے تو جو اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہوگا تو اس کو یقیناً نوازا جائے گا اور آخرت میں یہ عمل خصوصی مدح کا سبب بنے گا۔

نزولِ باری کا مطلب:

نزول کے لغوی معنی ہیں اوپر سے نیچے آنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے معنی اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہی کے منافی ہیں، اور وہ معنی یقیناً مراد نہیں ہوسکتے، اس لیے یا اس لفظ کے معنی مرادی ہیں سلف کے اصول کے مطابق تفویض

۱۳۱۵- البخاري: كتاب التهجد، باب: الدعاء والصلاة من آخر الليل (۱۱۴۵)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل (۱۶۸ / ۷۵۸)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب: حدثنا الأنصاري، حدثنا معن (۳۴۹۸)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في أي ساعات الليل أفضل (۱۳۶۶).

کا طریقہ اختیار کیا جائے، ظاہری معنی بھی مراد نہ لیں اور تاویل کی راہ بھی اختیار نہ کریں، اوران کے معنی اللہ کے سپرد کر کے اس پر ایمان لے آئیں یا پھر متاخرین اور متکلمین کے ذوق کے مطابق ایسی تاویل کریں جو مسلمات شرعیہ سے متعارض نہ ہوں، مثلاً یہ کہ (۱) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں کے حق میں جو رحمت کا اظہار اور ان کی دعاؤں کو قبول کرنے کا جو کرم کررہا ہے اس کو نزول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) یا پھر نزول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو نازل فرماتا ہے اور چوں کہ فرشتوں کا نزول خدا کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے اس کو خدا کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔

فائدہ: سنن ترمذی کی روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے پہلے تہائی حصہ کے گزرنے پر نزول فرماتا ہے جب کہ اس حدیث میں آیا کہ اس وقت نزول فرماتا ہے جب کہ رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے، ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے غافل نہیں کرتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نزول حسی تو ہے نہیں، جو تعارض ہو، بلکہ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت کا بندوں کی طرف متوجہ ہونا، اور عنایات کے متوجہ ہونے میں کمی زیادتی ہے، ایک تہائی رات گزرنے پر اللہ تعالیٰ کی عنایت بندوں کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوتی ہے مگر اس وقت کم مبذول ہوتی ہے پھر جب دوسرا تہائی حصہ گزرجاتا ہے اور آخری تہائی باقی رہتا ہے تو عنایات پہلے سے زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

یا پھر یہ کہا جائے کہ کسی رات میں ایسا ہوتا ہوگا جیسا کہ حدیث باب میں ہے اور کسی رات میں ایسا ہوتا ہوگا جیسا کہ سنن ترمذی کی روایت میں ہے۔

بَابُ وَقْتِ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ

رسول اللہ ﷺ تہجد کے لیے رات میں کس وقت اٹھتے تھے

۱۳۱۶- حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ يَزِيدَ الْكُوفِيُّ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُوقِظَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِاللَّيْلِ، فَمَا يَجِيءُ السَّحَرُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ حِزْبِهِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو رات کو جگادیتا اور آپ ﷺ صبح ہونے سے پہلے اپنے ورد سے فارغ ہوجاتے۔

مقصد ترجمہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تہجد کی نماز کا معمول کس وقت کا تھا؟ اس کو بیان کرنے کے لیے

۱۳۱۶- السنن الكبرى للبيهقي، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب الترغيب في قيام جوف الليل الآخر [۳/ ۴۶۵۸/۵]

مصنفؒ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور اس میں صحابۂ کرام کی آٹھ روایتیں نقل فرمائی ہیں، شروع میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تین سندوں سے نقل فرمایا ہے۔

تشریح حدیث: ''اِن'' مخففہ من المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے، اور ''سحر'' سین اور ''حاء'' کے فتح کے ساتھ رات کے آخری چھٹے حصہ پر بولا جاتا ہے، اور ''حزب'' متعینہ وظیفہ، خواہ نماز کی شکل میں ہو یا وظائف واذکار کی صورت میں، اور مطلب حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا یہ ہوا کہ آپ ﷺ رات کے سدس اخیر کے آنے سے پہلے پہلے اپنے وظائف یعنی نماز تہجد، تلاوت قرآن وغیرہ سے فارغ ہوجایا کرتے تھے اور کیوں نہ ہوتے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بیدار کردیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی۔

۱۳۱۷- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، ح وحَدَّثَنَا هَنَّادٌ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، وَهَذَا حَدِيثُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهَا: أَيَّ حِينٍ كَانَ يُصَلِّي؟ قَالَتْ: «كَانَ إِذَا سَمِعَ الصُّرَاخَ، قَامَ فَصَلَّى».

ترجمہ: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول ﷺ کس وقت نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: جس وقت مرغ کی بانگ سنتے تو کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے۔

تشریح حدیث: یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے اس میں مضمون اس کا اس طرح ہے، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جس کو پابندی سے کیا جائے وہ پسند تھا، پھر مسروق نے معلوم کیا کہ آپ ﷺ تہجد کے لیے کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے، ''صراخ'' بضم الصاد وفتح الراء بمعنی مرغ کی آواز کہا جاتا ہے کہ عرب میں مرغ آدھی رات کے بعد تقریباً دو بجے سے بانگ دینا شروع کر دیتا ہے۔

فقه الحديث: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ شب کے نصف اخیر میں قیام اللیل فرمایا کرتے ہیں اور سدس اخیر سے پہلے فارغ ہوجایا کرتے تھے۔

۱۳۱۸- حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ،

۱۳۱۷- البخاري: كتاب قيام الليل، باب: من نام عند السحر (۱۱۳۲)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل (۱۳۱/ ۷۴۱)، النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: في قيام الليل (۱۶۱۷)

۱۳۱۸- البخاري: كتاب التهجد، باب: من نام عند السحر (۱۱۳۳)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم (۱۳۲/ ۷۴۲)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في الضجعة بعد الوتر وبعد ركعتي الفجر (۱۱۹۷).

قَالَتْ: «مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا»، تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب میرے پاس ہوتے تو صبح کو سوتے ہوتے تھے۔

تشریح حدیث: أَلْفَاهُ إِلْفَاءً: پانا، لفظی ترجمہ ہوگا نہیں پایا آپ ﷺ کو سحر نے جب کہ آپ ﷺ میرے پاس ہوتے تھے مگر اس حال میں کہ آپ سوئے ہوتے تھے اس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرما رہی ہیں کہ میرے یہاں سحر کے وقت حضور ﷺ کا معمول سونے کا تھا، پچھلی روایت سے معلوم ہوا تھا کہ اٹھتے تھے مرغ کی آواز سن کر اور اس سے معلوم ہوا کہ قیام لیل سے فارغ ہو کر سحر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا عمل رمضان کے علاوہ میں تھا، رمضان میں تو سحر (سدس اخیر) میں آپ ﷺ سحری کھانے میں مشغول ہوتے تھے، پھر فجر کی نماز کے لیے آجاتے تھے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیام اللیل کا اہتمام کرنے والوں کے لیے آخر شب میں سونا مستحب ہے اس سے نشاطِ طبع پیدا ہوتا ہے اور فجر کی نماز پڑھنا دیگر معمولات کا پورا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہی معمول حدیث میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی آیا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تحسین بھی فرمائی ہے: ”أحب الصلاة إلى الله صلاة داؤد“ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل کی کیفیت یہ تھی کہ مغرب سے عشاء تک جو رات کا ایک سدس ہوتا ہے عبادت کرتے، اس کے بعد نصف لیل تک آرام کرتے پھر بیدار ہو کر ایک ثلث صلاۃ اللیل میں گزارتے، پھر آخری سدس میں سو جاتے۔

۱۳۱۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الدُّؤَلِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ابْنِ أَخِي حُذَيْفَةَ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ، صَلَّى».

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو جب بھی کوئی حادثہ پیش آتا تو نماز پڑھتے۔

لغات حدیث: حَزَبَهُ: حَزَبَ يَحْزَبُ حزبًا: پہنچنا، لاحق ہونا، اور ”امر“ سے مراد غم اور پریشانی ہے، چناں چہ ایک روایت میں ”حَزَنَه“ کے الفاظ بھی ہیں۔

تشریح حدیث: مطلب یہ ہے کہ جب مصیبت اور آفت کی کوئی صورت پیش آتی یا رنج وفکر کے کسی معاملہ سے دو چار ہوتے تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے، ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ کی یاد اور نماز میں مشغول ہو جانا غم اور فکر کو ہلکا کر دیتا ہے دوسرے یہ کہ ایسے وقت میں نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرنا ہے: ”يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا

۱۳۱۹- أخرجه احمد (۵/۳۸۸)

بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ''یعنی اے ایمان والوں مشکلوں اور غموں میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔

شراح حدیث تحریر کرتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آدمی نماز جیسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر عالم ربوبیت کھل جاتا ہے اور جب عالم ربوبیت کھل جاتا ہے تو وہ دنیا کی کسی شئی کے حاصل رہنے سے بہت خوش ہوتا ہے اور نہ کسی شئی کے چلے جانے سے وحشت میں مبتلا ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت:

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بایں معنی ثابت ہوسکتی ہے کہ کوئی معاملہ دن میں بھی پیش آسکتا ہے اور رات کو بھی، نیز صلاۃ کا عموم قیام اللیل کو بھی شامل ہے۔ (المنہل: ۷/ ۲۴۷)

۱۳۲۰-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا الْهِقْلُ بْنُ زِيَادٍ السَّكْسَكِيُّ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَبِيعَةَ بْنَ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيَّ، يَقُولُ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِيهِ بِوَضُوئِهِ وَبِحَاجَتِهِ، فَقَالَ: «سَلْنِي»، فَقُلْتُ: مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ: «أَوَ غَيْرَ ذَلِكَ؟» قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ: «فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ».

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور میں آپ ﷺ کے وضو اور ضروریات کے لیے پانی لاتا تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ مانگتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ، میں نے کہا مجھے بس یہی چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر اپنے لیے کثرت سے سجدے کر کے میری مدد کر۔

رجال حدیث: الهِقْل بن زِيَادِ السَّكْسَكِيّ: بکسر الهاء وسکون القاف، یہ ان کا لقب ہے، نام ان کا یا تو محمد ہے یا عبداللہ ہے، ابوحاتم نے ''صالح الحدیث'' اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اور ''السکسکي'' یمن کے ایک محلہ سکاسک کی طرف نسبت ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوفراس ہے، قبیلہ سے اسلمی اور مدینہ منورہ کے باشندہ ہیں، اہل صفہ میں ان کا شمار کیا جاتا ہے، آں حضرت ﷺ کے خادم تھے، سفر وحضر میں کسی موقع پر بھی سرکار دو عالم ﷺ سے

۱۳۲۰-مسلم: كتاب الصلاة، باب: فضل السجود والحث عليه (۲۲۶/ ۴۸۹)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب: منه حدثنا إسحاق بن منصور (۳۴۱۶)، النسائي: كتاب التطبيق، باب: فضل السجود (۱۱۳۷)، و(۱۱۳۹)، وكتاب قيام الليل، باب: ذكر مايستفتح به القيام (۱۶۱۷)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: مايدعو به إذا انتبه من الليل (۳۸۷۹).

جدائی برداشت نہ تھی، ہمہ وقت ساتھ رہا کرتے تھے، ۶۳ھ میں انتقال ہوا ہے۔

حضرت ربیعہؓ چوں کہ رات میں اپنا آرام اور سونا چھوڑ کر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں مستعد رہتے تھے، اس لیے ان کی اس خدمت کے بدلے میں آپ ﷺ نے ان کے لیے انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: کہ دنیا اور آخرت کی کسی سرفرازی کی تمنا رکھتے ہو؟ اگر رکھتے ہو تو بیان کرو، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے تمہاری وہ تمنا پوری کراؤں گا، ظاہر ہے کہ ایک جاں نثار خادم اور ایک وفا شعار غلام جس نے دنیا میں اپنے محبوب آقا کی خدمت اور رفاقت اختیار کر کے سب کچھ پالیا تھا اس کی تمنا اس کے سوا اور کچھ کیا ہو سکتی تھی کہ اس محبوب آقا کی وفات و معیت کا شرف اس کو جنت میں بھی حاصل ہو جائے چناں چہ حضرت ربیعہؓ نے اپنی اسی طلب و تمنا کا اظہار فرمایا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے سچے عاشق کی اس طلب کو دیکھا تو فرمایا: تمہاری واحد تمنا اگر یہی ہے اور تم اسی پر مصر ہو تو پھر اپنی تمنا پوری کرانے اور اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے اس طور سے میری مدد کرو کہ نماز بہت پڑھا کرو اور سجدہ میں خوب دعا کیا کرو، یعنی کثرتِ صلاۃ و سجود چوں کہ وہ وسیلہ ہے جس کو پکڑ کر بندہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تمنا کر سکتا ہے اور تقرب کے بڑے سے بڑے مقام تک جا سکتا ہے، اس لیے تم اس وسیلہ کو پکڑ کر اپنے آپ کو اس مرتبہ کے قابل بناؤ اور میں تمہارے لیے اس مرتبہ کی دعا کرتا ہوں، اس بات کو جان رکھو کہ مراد کے حاصل ہونے کا راستہ اور مقصود کو پانے کے لیے تدبیر کار یہی ہے کہ میں جو کہوں اور جو بتاؤں اس پر تم عمل بھی کرو یہ نہیں کہ صرف خواہش اور دعا کو کافی سمجھ بیٹھو۔

فتح قفل ارچہ کلید ست اے عزیز ☆ جنبش از دست تو می خواہند نیز

(عزیز من! تالا اگر چہ کنجی ہی سے کھلتا ہے مگر کنجی کو گھمانے کے لیے ہاتھ کا حرکت کرنا بھی تو ضروری ہے)

فقہ الحدیث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کرنی اور ان کو راضی و خوش کرنا سعادت و سرفرازی اور عزت و شرف کے حاصل ہونے کا نہایت کارگر ذریعہ ہے، حضرت سیدِ کائنات، خلاصۂ موجودات صلاۃ اللہ وسلامہ کی رضاء اور خوشنودی کو پانا تو اکسیر سعادت ہے۔

نیز اس میں تنبیہ ہے کہ طالب صادق کو چاہیے کہ آخرت کی نعمتوں کے ماسوا کو اپنا مطلوب و مقصود نہ بنائے؛ کیوں کہ قائم و دائم رہنے والی نعمتیں تو آخرت ہی کی ہیں، دنیا کی لذتوں کی طرف التفات نہ کرے جو فنا ہونے والی ہیں۔

لیکن طالب صادق اس شرط کو بھی یاد رکھے کہ بندگی میں اپنی طرف سے قصور واقع نہ ہونے پائے، محض خواہش اور آرزوؤں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ اسلاف کا کہنا ہے: کسی خواہش و آرزو کی تکمیل کے لیے عملی کوشش اور جد و جہد نہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا ٹھنڈا لوہا کاٹنا ہے۔

کارکن کاربگذر از گفتار ☆ کاندریں راہ کار دارد کار

(عمل کروزبانی جمع خرچ سے بچو کیوں کہ اس راستہ میں عمل ہی عمل ہے)

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جنت میں حضرات انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو مجاہدۂ نفس کا کوشاں رہنا چاہیے، نیز کثرت نماز بلندئ مراتب کا سبب ہے اسی حدیث سے ان حضرات نے بھی استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کثرت رکوع وسجود طولِ قیام سے افضل ہے۔ واللہ اعلم (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۴۹)

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ کثرت سجود سے مراد کثرت صلاۃ ہے اور صلاۃ کا اطلاق صلاۃ اللیل پر بھی ہوتا ہے۔

۱۳۲۱- حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فِي هَذِهِ الْآيَةِ: {تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ} قَالَ: «كَانُوا يَتَيَقَّظُونَ مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ يُصَلُّونَ»، وَكَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ: قِيَامُ اللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ یہ جو قرآن کی آیت ہے جس میں اللہ تعالی یوں فرماتا ہے کہ یہ میرے عبادت گذار بندے ایسے ہیں کہ ان کے پہلو انکے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو امید وبیم کے عالم میں پکارتے ہیں اور ہم نے انکو جو نعمت دی اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مغرب وعشاء کے درمیان جاگتے تھے اور نماز پڑھتے تھے مگر حسن کہتے ہیں کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے۔

تشریح حدیث: علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت: ''تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا'' میں اللہ تعالی نے جن لوگوں کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں اور بستروں سے اٹھ کر اللہ تعالی کے ذکر اور دعا میں مشغول ہوجاتے ہیں، اب بستروں سے اٹھ کر ذکر ودعا میں مشغول ہونے سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اہل علم کی ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد صلاۃ بین المغرب والعشاء ہے، اور اس میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں، یا جو عشاء کے انتظار میں عشاء سے پہلے جاگتے رہتے ہیں حضرت انس ؓ کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ مصنف ؒ نقل فرمارہے ہیں۔

۱۳۲۱- الترمذي رقم (۳۱۹۴) في التفسير، باب ومن سورة السجدة، وقال: هذا حديث حسن صحيح لا نعرفه إلا من هذا الوجه. وذكره السيوطي في "الدر المنثور" ۵/ ۱۷۵، وزاد نسبته لابن أبي شيبة، ومحمد بن نصر، وابن المنذر، وابن أبي حاتم، وابن مردويه، والبيهقي في سننه.

جب کہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے مراد نماز تہجد اور نوافل ہیں، چناں چہ مسند احمد، سنن ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، ایک روز میں دورانِ سفر صبح کے وقت آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے اور جہنم سے دور کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایک بڑی چیز کا سوال کیا ہے مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان کردے اس کو وہ آسان ہوجاتی ہے اور فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، روزہ رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو، اور فرمایا کہ اب میں تمھیں نیکی کے ابواب بتلادیتا ہوں وہ یہ ہیں کہ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ آدمی کے گناہوں کی آگ بجھادیتا ہے اسی طرح آدمی کی نماز درمیان شب میں اور یہ فرما کر قرآن مجید کی آیت مذکورہ تلاوت فرمائی "تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ..." سنن ترمذی کی اس حدیث کا متن یہ ہے:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ، تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ: الصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ قَالَ: ثُمَّ تَلَا ("تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ" حَتَّى بَلَغَ (يَعْمَلُونَ)

(سنن الترمذي: ت، بشار: ۴/ ۳۰۸)

صاحب بذل المجہود نے بھی اس سے مراد قیام اللیل ہی کو لیا ہے، ہمارے مصنف رحمہ اللہ اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں ان کی رائے بھی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے اسی لیے انھوں نے حسن بصریؒ کے قول کو بھی نقل فرمادیا ہے۔

فقه الحديث: صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کثرت صلوٰۃ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

مصنفؒ نے اسی حدیث کے دو طریق بیان فرمائے ہیں اس طریق میں سعید بن ابی عروبہ سے نقل کرنے والے یزید ہیں اور اگلے طریق میں ابن ابی عدی اور یحییٰ بن سعید ہیں اور متن میں بھی کچھ فرق ہے جس کی تشریح آگے کی جائے گی۔

۱۳۲۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ}، قَالَ: «كَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ»، زَادَ فِي حَدِيثِ يَحْيَى: وَكَذَلِكَ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ.

۱۳۲۲- السنن الكبرى للبيهقي (۳/ ۲۸/ ۴۷۴۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے جو یہ فرمایا ہے کہ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، یعنی وہ تھوڑی رات سوتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے بیچ میں نماز پڑھتے ہیں اور یحیی کی روایت میں یہ ہے کہ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ سے بھی یہی مراد ہے۔

تشریح حدیث: حضرت انس بن مالکؓ نے ''كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ'' کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ سورۂ سجدہ کی آیت ''تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ'' کا مصداق بھی یہی لوگ تھے۔

ابن جریر وغیرہ نے اس آیت کا مصداق مطلقاً عبادت میں شب بیداری کرنے والوں کو قرار دیا ہے، خواہ وہ رات کے کسی بھی حصہ میں جاگتے ہوں، اور عبادت کرتے ہوں، امام ابوجعفر باقرؒ نے کہا کہ اس آیت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سوویں بلکہ عشاء کے منتظر رہیں، ہمارے مصنفؒ نے قیام اللیل کے تحت اس روایت کو لاکر اس طرف اشارہ کردیا کہ اس کا مصداق تہجد پڑھنے والے ہیں۔

بَابُ افْتِتَاحِ صَلَاةِ اللَّيْلِ بِرَكْعَتَيْنِ

رات کی نماز میں اولاً دو رکعت پڑھنے کا بیان

۱۳۲۳-حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ»،

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھے۔

مقصد ترجمہ: مسائل تہجد چل رہے ہیں، انھیں میں سے ایک مسئلہ یہ بیان کیا جارہا ہے کہ جب آدمی تہجد کے ارادے سے اٹھے تو تہجد کی تیاری کے طور پر نشاط کی خاطر پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ لے اس کے بعد تہجد کی نماز شروع کرے، اس مقصد کے لیے مصنفؒ نے باب میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

تشریح حدیث: صحیح مسلم میں یہی روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب رات میں تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرتے، ملاعلی

۱۳۲۳-مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: الدعاء في صلاة الليل (۱۹۸/ ۷۶۸).

القاریؒ نے مرقاۃ میں ''الازہار'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ان دو رکعتوں سے مراد تحیۃ الوضوء کی دو رکعتیں ہیں۔ جن کو ہلکی اور مختصر پڑھنا مستحب ہے، لیکن آگے ملا علی القاریؒ نے ازہار کی بات کو مرجوح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دو ہلکی رکعتیں تہجد ہی کی ہوتی تھیں، جن کو تحیۃ الوضوء کے قائم مقام کہہ سکتے ہیں۔ (المرقاۃ شرح مشکوۃ: ۳/ ۹۰۳)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان دو رکعتوں کا مقصد تھا حصولِ نشاط وانبساط (شرح طیبی)

حضرت شیخ زکریاؒ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ فروع شوافع میں ہے کہ ان دو رکعتوں کی تخفیف میں حکمت یہ تھی کہ شیطان کی لگائی ہوئی تیسری گرہ بھی جلدی سے کھل جائے، اس لیے کہ دو گرہیں تو وضو اور ذکر سے کھل چکی ہیں، یہ تیسری گرہ ان دو ہلکی رکعتوں سے کھل جائے گی اور اب نشاط کے ساتھ تہجد کی نماز ہوگی۔ (بذل: ۵/ ۵۶۶)

صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ حدیث میں ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔ واللہ اعلم (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۵۲)

۱۳۲۴- حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ، عَنْ رَبَاحِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِذَا بِمَعْنَاهُ زَادَ، ثُمَّ لِيُطَوِّلْ بَعْدُ مَا شَاءَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، وَجَمَاعَةٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، أَوْقَفُوهُ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ، وَكَذَلِكَ رَوَاهُ أَيُّوبُ، وَابْنُ عَوْنٍ، أَوْقَفُوهُ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ، وَرَوَاهُ ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ: فِيهِمَا تَجَوُّزٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے اسی کے ہم معنی روایت ہے کہ جس میں یہ جملہ زائد ہے "ثم لیطول بعد ماشاء یعنی اس کے بعد پھر جتنا چاہے طول کر دے، ابوداود کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حماد بن سلمہ، زہیر بن معاویہ اور ایک جماعت نے ہشام سے بواسطہ ابن سیرین حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف کیا ہے، اسی طرح اس کو ایوب اور ابن عون نے حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف کیا ہے اور ابن عون نے محمد سے روایت نقل کی اس میں یہ لفظ ہے فِيهِمَا تَجَوُّزٌ۔

تشریح حدیث: ماقبل میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع نقل فرمائی تھی، اب مصنفؒ اس کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ حدیث ابوہریرہؓ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں ہی طرح مروی ہے، اس کا مدار سند ہشام بن حسان ہے، ان سے مرفوعاً نقل کرنے والے چار حضرات ہیں، طریق سابق میں سلیمان بن حیان تھے مسند احمد میں محمد بن مسلمہ ہیں، سنن بیہقی میں ابواسامہ ہیں، صحیح مسلم میں ابوخالد ہیں، معلوم ہوا کہ مرفوعاً نقل کرنے میں سلیمان بن حیان

۱۳۲۴- أخرجه أحمد في مسنده (۲/ ۲۴۲)

منفرد نہیں ہیں، رہے موقوفاً نقل کرنے والے تو وہ بھی متعدد ہیں جن میں ایوب ہیں، حماد بن مسلمہ ہیں، ابن عون ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں ہی طرح ٹھیک ہے۔

قولہ: ثم لیطوِّل بعدُ ماشاء: یہ وہ اضافہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی موقوف روایت میں ہے، مرفوع میں نہیں ہے، اور مطلب اس کا یہ ہے اور آدمی پہلے دو خفیف رکعتیں پڑھ لے، اس کے بعد جتنی لمبی نماز چاہے پڑھے۔

قولہ: قال: فبهما تجوز: یہ لفظ مصدر بھی ہوسکتا ہے یعنی ان دونوں رکعتوں میں اختصار ہونا چاہیے اور فعل مضارع بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں اس کی ایک ''تاء'' تخفیفاً محذوف ہوگی أی: ''تتجوَّز'' کہ آپ اس میں اختصار کریں اور یہ امر کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اس میں ''زاء'' کا سکون ہوگا أی تجوَّز کہ ان دو رکعتوں میں اختصار کرو، مفہوم تینوں صورتوں میں قریب قریب ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۵۲)

۱۳۲۵- حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ يَعْنِي أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَلِيٍّ الْأَزْدِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبْشِيٍّ الْخَثْعَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «طُولُ الْقِيَامِ»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن حبشي الخثعمي سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: دیر تک نماز میں کھڑے رہنا۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سنن ترمذی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: أي الصلاة أفضل؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''طول القنوت'' اس کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ اہل علم میں اختلاف ہے کہ نماز میں طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود؟ بعض اہل علم کثرت سجود کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض طول قیام کو۔ ہمارے یہاں اس مسئلہ پر کلام گزر چکا ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت:

مصنفؒ نے اس حدیث کو اس باب میں اس طرف اشارہ کرنے کے لیے نقل کیا ہے کہ صلاۃ اللیل کے آغاز میں جو تخفیف رکعتین کا حکم تھا وہ استحبابی تھا، چناں چہ اگر کسی نے دو لمبی رکعتوں سے شروع کیا تو بھی درست ہے۔ (المنہل: ۷/ ۲۵۵)

۱۳۲۵- السنن الكبرى للبيهقي (۳/ ۱۴/ ۴۶۹۰)

بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى

رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں

۱۳۲۶- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ، صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز (تہجد) کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں، جب تم میں سے کسی کو خوف ہو کہ فجر کا وقت ہو گیا ہے تو وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے وہ سب نماز کو طاق کر دے گی۔

مقصد ترجمہ: ماقبل میں ایک باب صلاۃ النہار کے تعلق سے قائم کیا تھا کہ دن کی نماز میں کتنی کتنی رکعات کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل ہے؟ یہاں صلاۃ اللیل کے مسئلہ کو واضح کر رہے ہیں، عنوان سے معلوم ہو رہا ہے کہ رات کی نماز کو دو دو رکعت کر کے پڑھنا چاہیے۔

تشریح حدیث: ایک صحابی جن کا نام المعجم الصغیر للطبرانی میں ابن عمرؓ مذکور ہے نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ رات کی نماز کتنی رکعات کر کے پڑھی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کی (نفل) نماز دو دو رکعات ہے، ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت کے بعد تشہد ہے، اب آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ نفل نماز میں رات کو افضل یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھے، ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔

حضرات صاحبین علیہما الرحمہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ رات میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے اور دن میں چار چار رکعت اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مصنفؒ نے باب سابق میں بیان کیا کہ رات میں طول قیام افضل ہے اور جب قیام لمبا ہوگا تو قراءت بھی زیادہ ہوگی اس لیے دو دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ آگے فرمایا:

توتر له ماقد صلى: یعنی رات (تہجد) کی نماز دو دو رکعت پڑھتے رہو پھر جب تہجد کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو اور وتر کا نمبر آئے تو آخری شفعہ پر سلام پھیرنے کے بجائے اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے تو یہ ایک رکعت سابق شفعہ

۱۳۲۶ - مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: صلاة الليل مثنى مثنى (۷۴۹/ ۱۴۵)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: كيف الوتر بواحدة؟ (۳/ ۲۳۳)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ما جاء في صلاة الليل ركعتان (۱۳۲۰)

کے ساتھ مل کر اس کو وتر بنا دے گی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ وتر کی رکعات تین ہی ہیں، جیسا کہ حنفیہؒ کہتے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

بَابٌ فِي رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز میں جہراً قراءت کرنا

۱۳۲۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْوَرَكَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ، وَهُوَ فِي الْبَيْتِ»

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ میں اس طرح قراءت کرتے تھے کہ باہر والے کو آواز سنائی دیتی تھی۔

مقصد ترجمه: حضرت امام ابوداودؒ کا مقصد صلاۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز میں قراءت کی کیفیت کو بیان کرنا ہے کہ اس نماز میں قراءت کو بلند آواز سے بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ کسی سونے والے کو کوئی ایذا نہ پہنچے اور آہستہ آواز سے بھی قراءت کی جاسکتی ہے۔ مصنفؒ نے اپنے مقصد کے ثبوت کے لیے سات حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا عمل، آپ ﷺ کا حضرات صحابہ کو اعتدال فی القراءت کی تعلیم اور جہر فی القراءت کے مواقع مذکور ہیں، ساتوں حدیثوں کی تشریح پیش ہے۔

تشریح حدیث: ''الحجرۃ'' کا اطلاق مسقّف اور غیر مسقّف دونوں قسم کے مکان پر ہوتا ہے، اسی طرح ''بیت'' کا اطلاق بھی دونوں پر ہوتا ہے، تمام شراح حدیث نے اس جگہ پر ''بیت'' سے مسقّف حصہ کو مراد لیا ہے، اور ''حجرہ'' سے غیر مسقّف یعنی گھر کا صحن مراد لیا ہے، لہٰذا اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت تہجد کی نماز میں ایسی آواز کے ساتھ ہوتی تھی کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر پڑھتے تو صحن میں موجود شخص سن لیتا، یعنی نہ بہت بلند آواز سے پڑھتے اور نہ اتنی پست آواز کے ساتھ کہ کوئی نہ سنے۔

شراح حدیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بیان رات کی نماز کی قراءت کا ہے، جب آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھتے تو اس وقت کی قراءت اس کی بہ نسبت زیادہ بلند ہوتی تھی۔

۱۳۲۷- السنن الكبرى للبيهقي (۳/ ۱۶/ ۲۶۹۸) وقال: رواه سعيد بن منصور، عن ابن أبي الزناد، وقال في متنه: يسمع قراءته من وراء الحجرة وهو في البيت.

فقه الحديث: صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں اعتدال پسندیدہ شئ ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے عمل کے ذریعہ اسی اعتدال کی تعلیم دی ہے، یہاں اگر چہ آپ ﷺ کی نماز کا اعتدال مذکور ہے لیکن دیگر چیزوں میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۱۳۲۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ زَائِدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْوَالِبِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: «كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا، وَيَخْفِضُ طَوْرًا»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «أَبُو خَالِدٍ الْوَالِبِيُّ اسْمُهُ هُرْمُزُ»

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو کبھی بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اور کبھی پست آواز سے ابوداود نے کہا: کہ ابوخالد والبی کا نام ہرمز ہے۔

رجال حديث: ''أبو خالد الوالبي'' ان کا نام ہُرمُز ہے، جیسا کہ مصنفؒ نے بھی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ''ہرم'' ہے۔ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور ابوحاتم نے ''صالح الحدیث'' لکھا ہے، جب کہ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ''مقبول'' اور ذہبی نے ''الکاشف'' میں ''صدوق'' لکھا ہے۔ ۱۰۰ھ میں وفات ہوئی۔

تشريح حديث: ''طَوْرًا'' کہتے ہیں: دفعہ جیسے ایک دفعہ یا دو دفعہ، اور کبھی جیسے کبھی ایسا اور کبھی ویسا جمع اَطْوار آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حالت اور وقت کی مناسبت سے جس طرح پڑھنا بہتر سمجھتے اسی طرح پڑھتے، چناں چہ آپ ﷺ تنہا ہوتے تو بلند آواز سے قراءت فرماتے اور اگر قریب میں کوئی سورہا ہوتا تو پست آواز سے قراءت فرماتے۔

۱۳۲۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً، فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُصَلِّي يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ، قَالَ: وَمَرَّ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَهُ، قَالَ: فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ، مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ

۱۳۲۸- المستدرك على الصحيحين للحاكم (۱/ ۴۵۴/ ۱۱۶۶) ولفظه: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ «إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ رَفَعَ صَوْتَهُ طَوْرًا، وَخَفَضَهُ طَوْرًا»، وَكَانَ يَذْكُرُ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ» هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ".

۱۳۲۹- الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في قراءة الليل (۴۴۷).

تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ»، قَالَ: قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: وَقَالَ لِعُمَرَ: «مَرَرْتُ بِكَ، وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ»، قَالَ: فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُوقِظُ الْوَسْنَانَ، وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ - زَادَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ: - فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا»، وَقَالَ لِعُمَرَ: «اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا».

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات کو نکلے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ پست آواز سے قراءت کررہے ہیں اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ بلند آواز سے قراءت کررہے ہیں، جب یہ دونوں حضرات نبی کریم ﷺ کی مجلس میں جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! میں جب تمھارے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ تم پست آواز سے قراءت کررہے تھے (اس کی کیا وجہ ہے) حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: کہ میں اس کو سناتا تھا جو سرگوشی کو بھی سن لیتا ہے: پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! جب میں تمھارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بلند آواز سے قراءت کررہے ہو (بتاؤ اس کی کیا وجہ تھی) حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں سونے والے کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا، حسن کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم اپنی آواز تھوڑی بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: اے عمر تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔

لغات حدیث: الوسنان: نعسان کے وزن پر ہے، ان لوگوں کو وسنان کہا جاتا ہے جو ابتدائی نیند میں ہوتے ہیں، لیکن یہاں مطلقاً سونے والے مراد ہیں۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون تو ترجمہ سے واضح ہے، البتہ افادہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات شیخین کو اس حدیث میں اعتدال کی راہ سمجھائی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت جہر معتدل کے ساتھ کی جائے اور یہی افضل ہے۔

● ۱۳۳۰- حَدَّثَنَا أَبُو حُصَيْنِ بْنُ يَحْيَى الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ لَمْ يَذْكُرْ، فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: «ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا»، وَلِعُمَرَ: «اخْفِضْ شَيْئًا»، زَادَ: وَقَدْ سَمِعْتُكَ يَا بِلَالُ وَأَنْتَ تَقْرَأُ مِنْ هَذِهِ السُّورَةِ، وَمِنْ هَذِهِ السُّورَةِ، قَالَ: كَلَامٌ طَيِّبٌ يَجْمَعُ اللَّهُ تَعَالَى بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كُلُّكُمْ قَدْ أَصَابَ.

● ۱۳۳۰- السنن الكبرى للبيهقي (۳/ ۱۷/ ۴۷۰۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی قصہ مذکور ہے مگر اس میں حضور ﷺ کا حضرت ابوبکرؓ سے آواز بلند کرنے اور حضرت عمرؓ سے آواز پست کرنے کا حکم مذکور نہیں ہے؛ بلکہ اس میں حضرت بلالؓ سے فرمایا: اے بلال! میں نے تمھارے بارے میں سنا ہے کہ تم تھوڑا اس سورت میں سے پڑھتے ہو اور تھوڑا اس سورت میں سے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ کلام سب کا سب پاکیزہ ہے اللہ ایک کو دوسرے سے ملاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم سب نے ٹھیک کیا۔

تشریح حدیث: حدیث سابق میں حضرت ابوبکر وعمرؓ کا جو قصہ بیان کیا گیا تھا اس کو حضرت ابوقتادہؓ کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ نے بھی بیان کیا ہے، البتہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس واقعہ میں یہ حصہ نقل نہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات (ابوبکرؓ وعمرؓ) کو قراءت میں اعتدال کا حکم دیا تھا، یہ حصہ صرف حضرت ابوقتادہؓ کی بیان کردہ روایت میں ہے، ہاں حضرت ابوہریرہؓ نے اس کی جگہ حضرت بلالؓ کے تعلق سے یہ نقل کیا ہے۔

> ''کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: کہ بلال! کبھی تم اس سورت سے پڑھتے ہو اور کبھی اس سورت سے یعنی کچھ آیات ایک سورت کی اور کچھ آیات دوسری سورت سے، اس پر انھوں نے عرض کیا کہ اللہ رب العزت کا کلام بہت شیریں ہے اس لیے میں کبھی ان آیات سے لطف اندوز ہوتا ہوں اور کبھی ان آیات سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کلکم قد أصاب''

حضرت بلالؓ کے تعلق سے اس قصہ کو حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے حضرت ابوقتادہؓ نے بیان نہیں کیا صاحب منہل لکھتے ہیں کہ محمد بن نصر کی کتاب ''قیام اللیل'' میں یہ اضافہ اور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا: ''اقرأ السورة علي وَجهِهَا'' یعنی ایک ہی سورت کو پڑھو، کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے ایسا نہ کرو۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۶۰)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

''کلکم قد أصاب'' کا مطلب یہ ہے کہ نماز تہجد میں جس نے سراً پڑھا اس نے بھی صحیح کیا، جس نے جہراً پڑھا اس نے بھی صحیح کیا اور جس نے کچھ اس سورت سے پڑھا کچھ اس سورت سے پڑھا اس نے بھی درست کیا۔

اب اس پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ روایت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکرؓ کو آواز بلند کرنے کے لیے اور حضرت عمرؓ کو آواز پست کرنے کے لیے فرمایا تھا، اور محمد بن نصر کی روایت کے مطابق حضرت بلالؓ کو مختلف سورتوں سے پڑھنے کو منع فرمایا تو یہ تعارض ہوا کہ ''کلکم قد أصاب'' میں ان کے عمل کی تصویب ہے، اور باب کی سابقہ روایت اور محمد بن نصر کی روایت میں ان حضرات کے عمل کی عدم تصویب ہے؟

اس کا جواب بذل میں یہ دیا ہے کہ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ''کلکم قد أصاب'' میں ان کے عمل کی

تصویب ہے اور جواز ہے، اور سابقہ روایت میں اور محمد بن نصر کی بیان کردہ روایت میں اولیٰ اور افضل کی طرف رہنمائی ہے۔(بذل المجہود:۵/۷۷)

فقه الحديث: صاحب منہل فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ آدمی نماز میں مختلف سورتوں کی مختلف آیات پڑھے، بلکہ ایک ہی جگہ سے جتنی پڑھنا چاہے پڑھے۔

۱۳۳۱-حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَرَأَ، فَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَرْحَمُ اللَّهُ فُلَانًا كَأَيٍّ مِنْ آيَةٍ أَذْكَرَنِيهَا اللَّيْلَةَ، كُنْتُ قَدْ أَسْقَطْتُهَا»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ هَارُونُ النَّحْوِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ فِي الْحُرُوفِ، وَكَأَيٍّ مِنْ نَبِيٍّ.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رات کو اٹھا اور باآواز بلند قرآن پڑھا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے اس نے رات کئی آیتیں مجھے یاددلادیں جو میں بھول چکا تھا، ابوداؤد کہتے ہیں: کہ ہارون نحوی نے حماد بن سلمہ سے سورہ آل عمران کی یہ آیت نقل کی وَكَأَيٍّ مِنْ نَبِيٍّ"۔

رجال حديث: "رَجلاً" اس کا مصداق عبداللہ بن یزید انصاری ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

تشريح حديث: حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ مسجد نبوی میں تہجد کی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے، دوسری طرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرۂ مبارکہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے جو سورت رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے وہی سورت یہ صحابی بھی پڑھ رہے تھے، مگر یہ صحابی زور سے پڑھ رہے تھے جس کی آواز حضور ﷺ تک پہنچ رہی تھی، آپ ﷺ کی چند آیات بھولے سے چھوٹ گئیں، ان صحابی کے زور سے پڑھنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو وہ آیات یاد

۱۳۳۱-البخاري (۹/ ۷۵، ۷۶) في فضائل القرآن، باب نسيان القرآن، وباب من لم ير بأساً أن يقول: سورة البقرة وسورة كذا وكذا، وفي الشهادات، باب شهادة الأعمى وأمره ونكاحه، وفي الدعوات، قول الله تعالى {وصل عليهم}، ومسلم رقم (۷۸۸) في صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن.

وفي رواية البخاري ومسلم: عائشة -رضي الله عنها- قالت: سَمِعَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم رجلاً يقرأ في سورة بالليل، فقال: «يرحمهُ الله، لقد أذكرني كذا وكذا آية كنتُ أُنسيتُها من سورة كذا وكذا». وفي رواية: «أسقطتُهنَّ من سورةِ كذا» وفي أخرى قالت: كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَسمَعُ قراءةَ رجلٍ في المسجد، فقال: «رحمه الله، لقد أذكرني آية كنتُ أُنسيتُها».
[جامع الأصول: ۲/ ۴۶۰]

آ گئیں، آپ ﷺ کو اس پر خوشی ہوئی تو آپ ﷺ نے ان صحابی کو دعائیہ کلمات سے نوازا اور فرمایا: یرحم الله فلانًا‘‘

قال أبو داؤد: رواه هارون النحوي: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ امام النحو ہارون نحوی نے مذکورہ بالا حدیث کو حماد بن سلمہ کے واسطہ سے سورۂ آل عمران کی آیت (۱۴۶) ’’وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ‘‘ کے ذیل میں حروف یعنی اختلاف قراءت کی مناسبت سے ذکر کیا ہے، ہمارے مصنفؒ نے بھی اس حدیث کو ’’کتاب الحروف والقراءات‘‘ حدیث نمبر (۳۹۷۰) میں نقل کیا ہے۔

اب ہارون نحویؒ اور امام ابوداؤد دونوں کا مقصد ’’و كائن من نبي ‘‘میں اختلاف قراءت کو بیان کرنا ہے اور بطور نظیر کے اس حدیث کو پیش کیا ہے کہ ’’و كائن من نبي ‘‘ میں دو قراءتیں ہیں، ایک ’’كَائِن ‘‘ بروزن فاعل اور دوسری ’’كَأَيِّن‘‘ بفتح الكاف والهمزه وتشديد الياء المكسورة ونون الساكنه پہلی قراءت ابن کثیر کی ہے اور دوسری قراءت جمہور کی ہے۔

فقه الحديث: اس حدیث سے بھی تہجد کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنے کا ثبوت ہوا؛ لیکن یہ اسی صورت پر محمول ہے جب کہ کسی کو ایذاء نہ ہو، جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں اس کی تصریح آ رہی ہے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر نسیان بھی طاری ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل ابواب سجود السہو میں گزر چکی ہے۔

۱۳۳۲- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: اعْتَكَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُونَ بِالْقِرَاءَةِ، فَكَشَفَ السِّتْرَ، وَقَالَ: «أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ، فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ»، أَوْ قَالَ: «فِي الصَّلَاةِ»

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اعتکاف کیا آپ ﷺ نے لوگوں کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو پردہ اٹھا کر فرمایا: تم میں سے ہر ایک اپنے پروردگار کو پکارتا ہے لہذا کوئی دوسرے کو ایذاء نہ دے اور نہ اپنی آواز قرآن پڑھنے میں دوسرے کے مقابلہ میں بلند کرے یا یہ کہا: کہ اپنی آواز دوسرے کے مقابلہ میں بلند نہ کرے۔

تشريح حديث: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبادت کے لیے اپنے معتکف میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو سنا کہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے معتکف سے پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ تم میں سے

۱۳۳۱ - المستدرك على الصحيحين للحاكم (۱/ ۴۵۴/ ۱۱۶۹) وقال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" وأحمد في مسنده (۱۸۱/ ۳۹۳/ ۱۱۸۹۶)

ہر ایک عبادت میں مشغول ہے اور وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہے اور رب بلند آواز اور آہستہ آواز دونوں کو سنتا ہے، اس لیے اپنی آوازوں کو زیادہ بلند کر کے ایک دوسرے کی عبادت میں خلل ڈال کر ایذاء نہ پہنچاؤ، اور ایک روایت میں تو مطلقاً ہے کہ بلند آواز سے قرآن پڑھ کر ایک دوسرے کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نماز میں بلند آواز سے قراءت کر کے ایک دوسرے کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔

فقه الحديث: مسجد میں اعتکاف کرنا اور نوافل کا پڑھنا درست ہے اور اگر کسی دوسرے کی عبادت میں خلل پڑتا ہو تو بلند آواز سے قراءت کرنا بھی مکروہ ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۷/ ۲۶۴)

۱۳۳۳- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ، كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ، كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ».

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زور سے قرآن پڑھنے والا ایسا ہے جیسا سب کے سامنے دکھا کر صدقہ دینے والا اور آہستہ قرآن پڑھنے والا ایسا ہے جیسے خاموشی سے صدقہ دینے والا۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں قراءت بالجہر کو صدقہ بالجہر اور قراءۃ بالسر کو صدقہ بالسر سے تشبیہ دی گئی ہے، اور چھپا کر صدقہ دینا ظاہری طور پر صدقہ دینے سے افضل ہے، لہٰذا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ اسی طرح قرآنِ کریم آہستہ پڑھنا بلند آواز سے قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔

لیکن اس موقع پر دیگر احادیث کی روشنی میں یہ تفصیل جان لینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم کا آہستہ آواز سے پڑھنا اس شخص کے لیے افضل ہے جسے ریاء کا خوف ہو اور وہ اس سے بچنا چاہتا ہو اور بلند آواز سے پڑھنا اس شخص کے لیے افضل ہے جو ریاء میں مبتلا ہونے کا خوف نہ رکھتا ہو بشرطیکہ اس کے باآواز بلند پڑھنے کی وجہ سے نمازیوں، سونے والوں یا اور کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور باآواز بلند پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ اس طرح دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے، بایں طور کہ لوگ سنتے ہیں جس سے انھیں ثواب ملتا ہے یا دوسرے لوگ قرآن سن سن کر سیکھتے ہیں یا یہ کہ دوسروں کو رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے، نیز یہ کہ بلند آواز سے پڑھنا شعائرِ دین اور اللہ کے کلام کا برملا اظہار کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ ان فوائد کی وجہ سے باآواز بلند پڑھنا افضل ہوگا۔

الكوكب الدری میں لکھا ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ نافلہ ہے کہ وہ سراً افضل ہے، "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سراً

۱۳۳۳- الترمذي رقم (۲۹۲۰) في ثواب القرآن، باب رقم (۲۰)، والنسائي ۵/ ۸۰، في الزكاة، باب المسر بالصدقة، وإسناده حسن، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب.

صدقہ نافلہ علانیہ سے ستر (۷۰) درجہ افضل ہے"۔ رہے صدقات واجبہ زکوۃ وغیرہ تو اس کا علانیہ ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ زکوۃ شعائر اسلام میں سے ہے، اور شعائر کو علی الاعلان ہی ادا کیا جاتا ہے، نیز زکوۃ دینے والے کو کوئی سخی نہیں کہتا اور نفلی صدقات ادا کرنے والے کو سخی سمجھا جاتا ہے اس لیے ایک جگہ جہر میں ریاء کا احتمال ہے دوسری جگہ نہیں، بس ایسے ہی قراءت میں ریاء کا احتمال ہو تو سراً افضل ہوگی ورنہ اگر دیگر فوائد مقصود ہوں تو جہراً افضل ہوگی۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۶۳، مرقاۃ: ۴/ ۳۰۵)

بَابٌ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ

تہجد کی رکعتوں کا بیان

یہ ایک طویل وعریض باب ہے اس میں مصنفؒ نے تین صحابہ کرامؓ کی چونتیس حدیثوں کو نقل فرمایا ہے، پچیس حدیثیں تو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں، آٹھ حضرت ابن عباسؓ سے، اور ایک حدیث حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے، ان تکثیر روایات سے مصنفؒ کا مقصود حضور اکرم ﷺ کی تہجد کی رکعات کو بیان کرنا ہے کہ آپ ﷺ تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔

۱۳۳۴- حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ، وَيُوتِرُ بِسَجْدَةٍ، وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ الْفَجْرِ، فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں دس رکعتیں پڑھتے تھے اور وتر کی ایک رکعت اور فجر کی دو سنتیں اس طرح کل ملا کر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح سند: حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث مصنفؒ نے پچیس سندوں سے نقل فرمائی ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ کی تہجد کی نماز کی تفصیلات مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ حدیث مختلف کتابوں میں منقول ہے اس کو بنیادی طور سے حضرت عائشہؓ سے نقل کرنے والے بارہ حضرات ہیں: (۱) عبداللہ بن شقیق (۲) سعد بن ہشام (۳) عبداللہ بن عبدالرحمن (۴) عبید بن عمیر (۵) محمد بن منتشر (۶) عروہ بن زبیر (۷) اسود بن یزید (۸) علقمہ بن وقاص (۹) عمرہ بنت عبدالرحمن (۱۰) زرارہ بن ابی اوفی (۱۱) قاسم بن محمد (۱۲) عبداللہ بن ابی قیس۔ ہمارے مصنف نے ان تمام کی روایات کی طرف اشارہ کر دیا ہے، ہم پہلے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا مطلب نقل کرتے ہیں اس کے بعد مسئلۃ الباب سے متعلق تفصیلی گفتگو کریں گے اور پھر باب کی تمام روایات کی تشریح نقل کرتے چلیں گے۔

۱۳۳۴ - البخاري: كتاب التهجد، باب: كيف صلاة النبي صلى الله عيه وسلم؟ (۱۱۴۰)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي كل في الليل وأن الوتر ركعة، وأن الركعة صحيحة/ ۱۲۸ـ (۷۳۸).

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کو دس رکعات پڑھتے اور ایک رکعت کے ذریعہ (آخری شفعہ کو) وتر بنا لیتے، ایک رکعت الگ پڑھنا مراد نہیں ہے، صحیح بخاری میں یہی روایت ہے تو اس میں: ''**يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة منها الوتر وركعتا الفجر**'' اس میں مطابقاً یہ بات کہی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز کی مجموعی تعداد تیرہ رکعات تھی۔ جن میں وتر بھی شامل ہے اور فجر کی دو سنتیں بھی، جب کہ دوسری احادیث میں جب وتر کو مستقلاً الگ ذکر کیا گیا ہے تو تین رکعات نقل فرمائی گئی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حدیث میں ایک رکعت وتر پڑھنا نہیں ہے بلکہ ایک رکعت کے ذریعہ وتر بنانا مراد ہے، کہ آپ ﷺ دو دو رکعات کر کے نماز پڑھتے رہتے تھے، پھر اخیر والے شفعہ کو ایک رکعت کے ذریعہ وتر بنالیا کرتے تھے، کیوں کہ اس سلسلہ میں روایات دو قسم کی ہیں ایک وہ روایات جن میں صلاۃ اللیل (تہجد) اور وتر دونوں کو ملا کر بیان کیا گیا ہے، دوسری وہ روایات جن میں وتر اور تہجد الگ الگ بیان کی گئی ہیں، وتر کی تین رکعات مستقل طور پر نقل کی گئی ہیں۔

روایات الباب کا تجزیہ:

باب کی تمام روایات مذہب احناف کے مطابق ہیں، البتہ صرف دو حدیثیں ایسی ہیں کہ وہ بہ ظاہر ہمارے خلاف ہیں؛ اس لیے تاویل کی ضرورت ہے، ہم یہیں پر ان دونوں روایتوں کی نشان دہی اور ان کی تاویلات کو نقل کر دیتے ہیں۔

پہلی حدیث تو وہ ہے جو حضرت عائشہؓ سے (۱۳۳۸) نمبر پر آرہی ہے، جس میں ہے: ''**يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر منها بخمس لا يجلس في شيء من الخمس حتي يجلس في الآخرة فيسلّم**'' یہ روایت ایسی ہے کہ اس میں صلاۃ اللیل اور وتر الگ الگ مذکور ہیں لیکن وتر کی تین رکعت کے بجائے پانچ رکعتیں مذکور ہیں، جو ہمارے مذہب کے بہ ظاہر خلاف ہے اب علماء احناف نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت مضطرب ہے، اور دوسرا یہ کہ اس کا مطلب پانچ رکعتیں وتر کی پڑھنا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر آرام کے لیے جلوس فرماتے؛ کیوں کہ تہجد کی رکعات لمبی ہوتی تھیں، پھر جب آپ ﷺ تہجد سے فارغ ہوگئے اور صرف وتر کی نماز باقی رہ گئی تو تھوڑی دیر حسب معمول آرام فرمانے کے بعد وتر کے لیے تیار ہوتے، لیکن آپ ﷺ وتر سے پہلے مختصر سی دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے اور پھر بغیر جلوس کے وتر کی تین رکعت ادا فرماتے، مطلب یہ ہے کہ یہاں نفس جلوس کی نفی نہیں ہے بلکہ اس جلوس کی نفی ہے جو تہجد کے ہر شفعہ کے بعد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دوسری حدیث اس باب میں وہ ہے جو حضرت عائشہؓ سے ہی (۱۳۴۲) نمبر پر آرہی ہے، اس مفصل حدیث میں ہے: ''**كَانَ يُوتِرُ بثماني ركعاتٍ لا يجلس إلّا في الثامنة...**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی سلام سے

نو رکعات پڑھی ہیں، اور ہر دو رکعت پر قعود اور تشہد بھی نہیں کیا، اب یہ روایت بھی مذہب احناف کے بالکل خلاف ہے، اس لیے علماء احناف کی طرف سے اس کا جواب بھی یہی دیا گیا ہے کہ اس میں ہر دو رکعت پر مطلق جلوس کی نفی نہیں ہے بلکہ جلوس بدون السلام کی نفی ہے یعنی آٹھویں رکعت سے قبل چھ رکعت تک ہر دو رکعت پر آپ ﷺ بیٹھ کر سلام پھیرتے لیکن آخری شفعہ میں آپ ﷺ نے رکعتین پر جلوس بدون سلام فرمایا اور وتر کی تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے، پھر تیسری رکعت پوری کر کے اس پر سلام پھیرا، اس حدیث میں وتر کی دوسری رکعت پر ثامنہ کا اور تیسری پر تاسعہ کا اطلاق مجموعی رکعات کے اعتبار سے کیا گیا ہے، اور اس تاویل کی دلیل سنن ترمذی کی وہ حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور جب صبح کا خوف ہوتا تو آخری شفعہ کو وتر بنا لیتے اور اس کا آپ ﷺ نے حکم بھی فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت کے ذریعہ وتر بنا، لہٰذا اسی معنی کے اعتبار سے یہ حدیث ہمارا مستدل ہو گی۔

وتر کی نماز کی رکعات کی تعداد اور طریقہ:

وتر کی نماز میں کتنی رکعات ہیں؟ اور اس نماز کی ادائے گی کا طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں امام ابوداؤدؒ نے مستقل طور پر ابواب الوتر قائم کئے ہیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ وتر کے مسئلہ پر اسی جگہ تفصیلی کلام کیا جائے، یہاں تو صرف اتنی بات جان لینی چاہیے کہ حنفیہ کے یہاں وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعت ہے، دیگر ائمہ کے مذاہب اور دلائل کو ہم ابواب الوتر ہی میں بیان کریں گے، اگرچہ کچھ شراح حدیث نے وتر کے مسئلہ کو بھی اسی جگہ چھیڑا ہے۔

۱۳۳۵- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا، اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جس میں سے ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ روایت کے مضمون سے ملتا جلتا ہے، البتہ اس میں تہجد کی نماز کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنے کی زیادتی منقول ہے، جس کا مقصود طویل قیام کے بعد حصول استراحت ہوتا تھا، اس کی

۱۳۳۵- مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: صلاة الليل، وعدد ركعات النبي صلى الله عيه وسلم في الليل... (۷۳۶/ ۱۲۱)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في وصف صلاة النبي صلى الله عيه وسلم بالليل (۴۴۰)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: كيف الوتر بواحدة؟ (۳/ ۲۴۴)، وباب: كيف الوتر باحدى عشرة ركعة (۳/ ۲۴۳).

تفصیلی بحث "باب الاضطجاع بعد رکعتي الفجر" کے تحت گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں گیارہ رکعت میں سے آٹھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ہوتی تھیں۔ واللہ اعلم

١٣٣٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَنَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ، وَهَذَا لَفْظُهُ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، وَقَالَ نَصْرٌ: عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، إِلَى أَنْ يَنْصَدِعَ الْفَجْرُ، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ ثِنْتَيْنِ، وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ، وَيَمْكُثُ فِي سُجُودِهِ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ، قَامَ، فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ»،

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر صبح صادق تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر کی پڑھتے اور سجدہ میں اتنی دیر ٹھہرتے جتنی دیر میں تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھے جب مؤذن اذان سے فارغ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے پھر داہنی کروٹ پر لیٹتے یہاں تک کہ مؤذن بلانے کے لیے آتا۔

تشریح سند: قوله: "وقال نصر: عن ابن أبي ذئب والأوزاعي" یعنی مصنفؒ کے دوسرے استاذ نصر بن عاصم نے اپنی روایت میں "حدثنا الوليد بن مسلم عن ابن أبي ذئب والأوزاعي عن الزهري" نقل کیا ہے، یعنی اوزاعی کے ساتھ ابن ابی ذئب کا بھی اضافہ کیا ہے جب کہ عبدالرحمن بن ابراہیم کی روایت میں ولید اور زہری کے درمیان اوزاعی ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد اور فجر کے وقت کے شروع ہونے تک کے وقفہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، "يَنصدِع" کے معنی ہیں "ينشق" بمعنی ظاہر ہونا۔ ان گیارہ رکعات کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور پھر اخیر والے شفعہ کو ایک رکعت کے ذریعہ وتر بنا لیا کرتے تھے۔

قوله: "ويمكث في سجوده قدر مايقرأ أحدكم خمسين آية" اس جملہ کے دو مطلب سمجھے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے آپ ﷺ کی تہجد کی نماز کے سجود کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کا ہر سجدہ اتنا لمبا ہوتا تھا کہ اتنی

١٣٣٦- البخاري: كتاب الوتر، باب: ماجاء في الوتر (٩٩٤)، مسلم: كتاب الصلاة، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عيه وسلم في الليل، وأن الوتر ركعة، وأن الركعة صلاة صحيحة (٧٣٦)، النسائي: كتاب الأذان، باب: إيذان الأئمة بالصلاة (٦٨٤)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في كم يصلي بالليل؟ (١٣٥٨).

دیر میں عام آدمی قرآن کریم کی پچاس آیات پڑھ سکتا ہے، آپ ﷺ دعا میں اجتہاد کے پیش نظر طویل طویل سجدے کیا کرتے تھے اس مطلب کی تائید ان تمام روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجود میں مختلف قسم کی دعائیں پڑھا کرتے تھے، چناں چہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سجدے میں: ''أللهم اني أعوذ برضاك من سخطك، و معافاتك من عقوبتك، و أعوذ بك منك، لا أحصي ثناء عليك، أنت كما أثنيت على نفسك'' حالتِ سجدہ میں اس کے علاوہ اور بھی متعدد دعاؤں کا پڑھنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور آپ کا ارشاد بھی ہے: ''فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم'' لہٰذا اس حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی وجہ سے سجدے کی طوالت کو بیان کیا جارہا ہے۔

دوسرا مطلب وہ ہے جس کو امام نسائیؒ اور دوسرے محدثین نے سمجھا ہے وہ یہ کہ تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر آپ ﷺ ایک سجدۂ طویلہ کیا کرتے تھے، اور یہ سجدہ اتنا طویل ہوا کرتا تھا کہ اتنی دیر میں تقریباً پچاس آیات پڑھی جاسکتی ہیں، اس مطلب کے اعتبار سے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدۂ منفردہ سے تقرب الٰہی حاصل کرنا درست بھی ہے یا نہیں؟ **الکوکب الدری** میں سجدۂ منفردہ کے بارے میں عدم جواز کو اختیار کیا گیا ہے۔ (الکوکب الدری:۱/ ۴۱۸)

اسی لیے ملا علی القاریؒ اور صاحب منہلؒ نے اس حدیث کے ذیل میں یہ کہا ہے کہ ''فیسجدُ'' میں ''فا'' تفصیلیہ ہے، یعنی نماز تہجد کے سجود کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ:۳/ ۲۶۰)

قوله: ''إذا سكت المؤذن بالأولى'' یعنی جب مؤذن اذان اوّل سے فارغ ہوجائے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھتے اور فجر کی دوسنت پڑھتے ''بالأولى'' میں حرف ''باء'' ''مِن'' کے معنی میں ہے، اور اولیٰ سے مراد اذان ہے، تانیث ''مناداۃ'' کے اعتبار سے لائی گئی ہے، پھر فجر کی اذان کو اذان اوّل اقامت کے اعتبار سے کہا گیا ہے، اذان کو اذان اوّل اور اقامت کو اذان ثانی کہہ دیا جاتا ہے، اسی طریقہ سے ''من صلاة الفجر'' میں کلمہ ''من'' لام کے معنی میں ہے أي لصلاة الفجر، سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں ''سکت المؤذن'' کی جگہ ''سکب المؤذن'' بھی آیا ہے، اور ''سکب'' کے معنی ہیں، ڈالنا، اور ڈالنے سے مراد بھی فارغ ہونا ہے، لہٰذا مفہوم اور معنی دونوں صورتوں میں یکساں ہی ہے۔ واللہ اعلم

آگے حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نماز تہجد سے فارغ ہوکر فجر کی اذان کے فوراً بعد سنت ادا کرکے تھوڑی دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ مؤذن آپ کے پاس آکر اطلاع دیتے کہ فجر کی جماعت کا وقت ہوگیا ہے، چناں چہ اس کے بعد آپ ﷺ اٹھ کر فجر کی فرض نماز پڑھاتے، یہ مسئلہ ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ فجر کی سنت پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی شرعی حیثیت کیا تھی رجوع کرلیا جائے۔

فقه الحديث: حدیث سے فقہی طور پر یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز تہجد میں طوالت کو اختیار کرنا چاہیے، سجود میں کثرت

دعا کا اہتمام کرنا چاہیے نیز فجر کی دو سنتوں میں اختصار اور ان کے بعد تھوڑی دیر اضطجاع محمود ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/۲۶۶)

۱۳۳۷- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَيُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، أَخْبَرَهُمْ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: «وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ، وَيَسْجُدُ سَجْدَةً قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ» وَسَاقَ مَعْنَاهُ، قَالَ: وَبَعْضُهُمْ يَزِيدُ عَلَى بَعْضٍ

ترجمہ: ابن شہاب سے بھی سابقہ حدیث کی طرح روایت ہے البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ اتنی دیر تک سجدہ کرتے جتنی دیر میں تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھے سر اٹھانے سے قبل، اور جب مؤذن فجر کی اذان سے فارغ ہوتا اور صبح ظاہر ہوجاتی تو... باقی حدیث سابق ہے البتہ بعض کی روایت میں کچھ اضافہ ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، اس میں ابن شہاب زہری سے نقل کرنے والے یونس اور عمرو بن حارث ہیں، ان حضرات نے زہری سے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو نقل کیا تو یہ اضافہ کیا کہ جب مؤذن فجر کی اذان سے فارغ ہوجاتا اور فجر خوب روشن ہوجاتی یعنی اسفار ہوجاتا تو مؤذن آپ ﷺ کو نماز کے لیے اطلاع دینے کے لیے آتے۔

قولہ: "قال: وبعضهم يزيد على بعض" یہ عبداللہ بن وہب کا مقولہ ہے، فرماتے ہیں کہ میرے اساتذہ میں سے بعض نے اس حدیث میں کچھ اور بھی اضافہ نقل کیا ہے، درحقیقت ابن وہب نے اس حدیث کو اپنے تین اساتذہ سے سنا ہے ایک ابن ابی ذئب، دوسرے عمرو بن حارث اور تیسرے یونس بن یزید، اب ان تین حضرات میں سے بعض نے بعض کی روایات سے کمی زیادتی نقل کی ہے، ابن وہب اسی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

فقه الحديث: صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اذان فجر غلس میں مستحب ہے اور نماز کے لیے اسفار افضل ہے تاکہ اس سے فجر کے وقت کی وسعت بھی معلوم ہوجائے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/۲۶۶)

۱۳۳۸- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُوتِرُ مِنْهَا بِخَمْسٍ، لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْخَمْسِ، حَتَّى يَجْلِسَ فِي الْآخِرَةِ، فَيُسَلِّمُ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ

۱۳۳۷- انظر الحديث السابق.

۱۳۳۸- الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الوتر بخمس (۴۵۹)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: كيف الوتر بخمس؟ (۳/۲۴۰)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في كم يصلي بالليل؟ (۳۵۹).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں پانچ وتر کی ہوتی تھیں اور ان پانچ رکعتوں میں سے کسی رکعت میں نہیں بیٹھتے تھے سوائے آخری رکعت کے اور پھر سلام پھیرتے ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن نمیر نے ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں عروہ سے نقل کرنے والے ان کے صاحبزادے ہشام ہیں، انھوں نے اس حدیث میں وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ پانچ رکعات پڑھنے کو نقل کیا ہے، اسی کے ظاہر سے شوافع نے ایتار خمس پر استدلال کیا ہے کہ ایک سلام کے ساتھ پانچ رکعات وتر کی پڑھی جاسکتی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیان جواز کے لیے ہے ورنہ شوافع کے نزدیک بھی افضل یہی ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے پھر اخیر میں ایک رکعت کے ذریعہ سے اس کو وتر بنالیا جائے۔

ہمارے نزدیک اس حدیث کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ پانچ رکعات مسلسل ایک سلام سے پڑھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تک تو یہ ہوتا رہا کہ آپ تہجد کی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر جلوس فرماتے یعنی آرام کے لیے، پھر جب آپ ﷺ تہجد سے فارغ ہوجاتے اور صرف وتر کی نماز باقی رہ جاتی تو تھوڑی دیر حسب معمول آرام فرمانے کے بعد وتر کے لیے اٹھتے لیکن اس وقت آپ ﷺ صرف وتر کی تین رکعات پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ اسی کے شروع میں نفل کی مختصر سی دو رکعت بھی پڑھتے، پھر اس کے فوراً بعد بغیر جلوس للاستراحت کے تین رکعت وتر کی پڑھتے، حاصل یہ ہے کہ یہاں نفس جلوس کی نفی نہیں بلکہ جلوس للاستراحت کی نفی ہے، اور یہ تاویل کوئی بعید تاویل نہیں ہے۔ (بذل المجہود: ۵/ ۵۸۳)

۱۳۳۹–حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے۔

۱۳۴۰–حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبَانُ، عَنْ يَحْيَى،

۱۳۳۹ – البخاري: كتاب التهجد، باب: ما يقرأ في ركعتي الفجر (۱۱۶۴)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عيه وسلم... (۷۳۷)

۱۳۴۰ – مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عيه وسلم ۱۲۶ – (۷۳۸)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: إباحة الصلاة بين الوتر وبين ركعتي الفجر (۳/ ۲۵۱)، وباب: وقت ركعتي الفجر (۳/ ۲۵۶).

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، " أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، كَانَ يُصَلِّي ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ، ثُمَّ يُصَلِّي - قَالَ مُسْلِمٌ بَعْدَ الْوِتْرِ، ثُمَّ اتَّفَقَا - رَكْعَتَيْنِ، وَهُوَ قَاعِدٌ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، قَامَ فَرَكَعَ، وَيُصَلِّي بَيْنَ أَذَانِ الْفَجْرِ وَالْإِقَامَةِ رَكْعَتَيْنِ "

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعتیں پڑھتے اور ایک رکعت وتر کی پڑھتے اور وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے اور فجر کی اذان و اقامت کے بیچ میں دو رکعتیں پڑھتے۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے، ان تیرہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے آپ ﷺ آٹھ رکعات تہجد کی پڑھتے اس کے بعد ایک رکعت کے ذریعہ وتر بناتے یعنی ایک شفعہ کو ایک رکعت کے ذریعہ وتر بناتے گویا یہ تین رکعت ہوتی تھیں، پھر وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت اور پڑھتے، یہ کل مجموعی تعداد تیرہ رکعات ہو جاتی تھیں۔

قولہ: "فإذا أراد أن يركع قام فركع" یعنی آپ ﷺ وتر کی نماز کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے، ان دو رکعتوں میں جب آپ ﷺ رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع بیٹھے بیٹھے نہ کرتے بلکہ رکوع کے لیے اولاً کھڑے ہوتے پھر رکوع میں جاتے تھے یہ تو ان الفاظ کا ظاہری مطلب ہوا، لیکن یہ مطلب اس روایت کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو رکوع بھی بیٹھ کر ہی کرتے تھے، رکوع کرنے کے لیے قیام نہ کرتے تھے، صاحب بذل فرماتے ہیں کہ اس کو اختلاف احوال پر محمول کر لیا جائے کہ کبھی آپ ﷺ نے ایسا کیا ہے اور کبھی ایسا۔

جب کہ دوسرا مطلب اس جملہ کا یہ بھی لیا ہے کہ یہ جملہ وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھی جانے والی دو رکعت سے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ تہجد کی آٹھ رکعت سے متعلق ہے اور مطلب اسکا یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کمزور ہو گئے تھے اور تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے تو آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور قراءت طویلہ بھی بیٹھ کر فرماتے تھے، لیکن جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہوتے اور کچھ آیات کھڑے ہو کر بھی پڑھتے اس کے بعد رکوع اور سجود فرماتے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے۔

"عن عائشة أن رسول الله ﷺ لم يكن يصلي قاعدًا حتى إذا أراد أن يركع قام فقرأ نحوًا من ثلاثين أو أربعين آية ثم ركع" (بخاري، تقصير الصلاة، باب إذا صلى قاعدا ثم صح أو وجد خفة، وفي التهجد، باب: قيام النبي ﷺ بالليل)

اس کے بعد اخیر میں آپ ﷺ دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔

۱۳۴۱-حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ، وَلَا فِي غَيْرِهِ، عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ: «يَا عَائِشَةُ، إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ، وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے زوجہ رسول حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں نماز تہجد کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ رمضان یا غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے پہلے آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے خوب اچھی طرح اور خوب لمبی اس کے بعد آپ ﷺ چار رکعت اور پڑھتے خوب اچھی طرح اور خوب لمبی پھر تین رکعت پڑھتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپ ﷺ وتر سے پہلے سوجاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

تشریح حدیث: ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سوال کیا کہ رمضان کی راتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت کیا ہوتی تھی، ابوسلمہ کی مراد حضور اکرم ﷺ کی نماز تہجد کی صفت اور تعداد رکعت دونوں ہی کو معلوم کرنا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے جواب سے ظاہر ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی نماز تہجد کی رکعات کی تعداد بھی بیان فرمائی اور ان کی صفت کو بھی بیان فرمایا کہ یہ آٹھ رکعتیں بڑی عمدہ اور شاندار ہوا کرتی تھیں، پھر حضرت ابوسلمہؓ نے بطورِ خاص رمضان میں نماز تہجد کے بارے میں اس لیے سوال کیا تھا کہ رمضان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ہدایات موجود تھیں۔

غیر مقلدین کا غلط استدلال:

ابوسلمہؓ کے سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا: "ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة" یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

۱۳۴۱-البخاري: كتاب التهجد، باب: قيام النبي صلى الله عيه وسلم بالليل في رمضان وغيره، مسلم: كتاب صلاة الليل، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عيه وسلم في الليل، وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة ۱۲۶ (۷۳۸)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في وصف صلاة النبي صلى الله عيه وسلم (۴۳۹)، النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار (۱۷۹۵).

اس جملہ سے غیر مقلدین نے یہ استدلال کرلیا کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں ہیں، اس سے زیادہ نہیں، غیر مقلدین کا یہ استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے اور تراویح کی رکعات پر اس سے استدلال کرنا بالکل غیر معقول ہے۔

(۱) کیوں کہ حضرت عائشہؓ کا ''غیر رمضان'' کو شامل کر کے جواب دینا یہ بتا رہا ہے کہ سوال ایسی نماز سے متعلق ہے جو غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور ایسی نماز تہجد تو ہوسکتی ہے تراویح نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اسے غیر رمضان میں پڑھنے کا کوئی قائل نہیں۔

(۲) خود حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد کی آٹھ رکعت سے کم وبیش کے بارے میں بھی وارد ہے، چناں چہ انھیں سے تیرہ رکعت بھی مروی ہے یعنی ان سے تہجد کی رکعتوں کی تعیین کے بارے میں اختلاف واضطراب ہے لہٰذا استدلال تام نہیں۔

(۳) اسی روایت میں ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھنے کا ذکر ہے اور غیر مقلدین کا مذہب اس کے خلاف ہے، اس لیے جب وتر میں یہ روایت ان کے نزدیک حجت نہیں تو تراویح کی رکعات میں حجت کیسے مانی جاسکتی ہے۔

تراویح کی رکعات کے تعلق سے مستقل ابواب آرہے ہیں ہم تفصیلی طور پر وہیں کلام کریں گے۔

قولہ: ''يصلي أربعًا'' الفاظ کے ظاہر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے چار رکعات ایک سلام سے پڑھی ہوں گی، اگرچہ احتمال اس کا بھی ہے کہ دو دو کر کے پڑھی ہوں البتہ آرام چار پڑھ کر کیا ہو اس لیے خود حضرت عائشہؓ نے چار کو ذکر کردیا ہے، اس کی تائید حدیث: ''صلاة الليل مثني مثني'' سے ہوتی ہے۔

قولہ: ''فلا تسأل عن حسنهن وطولهن'': یعنی پہلے آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے، آپ ان کی عمدگی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھیے، آپ ﷺ کی یہ چار رکعتیں اتنی لمبی اور اتنی شاندار ہوتی تھیں کہ الفاظ میں اس کیفیت کو بیان نہیں کیا جاسکتا، پھر تھوڑی دیر آرام فرماتے اور سوجاتے پھر بیدار ہوکر اگلی چار رکعتیں پڑھتے وہ بھی نہایت شاندار اور لمبی ہوتی تھیں، پھر آرام فرماتے، پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔

قولہ: ''أتنام قبل أن توتر'' حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ یعنی کیا سونے سے آپ ﷺ کی وضو نہیں ٹوٹتی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھ سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا یعنی اگر مجھے کوئی ناقض وضو امر پیش آجائے تو فوراً پتہ چل جاتا ہے اس لیے میری نیند ناقض وضو نہیں، یہ مسئلہ ہمارے یہاں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی اس لیے کہ نیند ناقض وضو ہوتی ہے مظنۂ خروج ریح کی وجہ سے اور جب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نیند میں غفلت ہی نہ ہوگی تو خروج ریح کا مظنہ بھی نہیں ہوگا لہٰذا ان کی نیند ناقض وضو بھی نہ ہوگی۔

کیا انبیاء کی نیند مطلقاً ناقض وضو نہیں ہے؟:

سات چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہیں جن میں ان کا کوئی بشر شریک نہیں ہے: (۱) وحی (۲) عصمت (۳) نیند صرف ان کی آنکھوں پر آتی ہے ان کے قلوب نہیں سوتے (۴) موت کے وقت ان کو اختیار دیا جاتا ہے (۵) نبی کی قبر اس کی جائے وفات پر بنتی ہے (٦) زمین ان کے اجسام کو نہیں کھاتی (۷) انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں، ان ساتوں چیزوں کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔

اس وقت ہمیں تیسرے نمبر کی خصوصیت پر کلام کرنا ہے علامہ ابن عبدالبرؒ الاستذکار میں لکھتے ہیں کہ نکتہ اس میں یہ ہے کہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے، اسی وجہ سے انبیاء کے خواب حجت ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سورۂ ''الصافات آیت / ۱۰۲'' کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کے خواب حجت ہیں، صحیح بخاری (حدیث/ ۳۵۷۰) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''إنا مَعْشَرَ الأنبياء تَنَامُ اَعْيُنُنَا وَلَا تنام قُلُوْبُنَا'' رہا لیلۃ التعریس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوتے رہ جانا تو وہ ''إني لأنسَي أو أُنَسّي لأَسُنَّ'' کی قبیل سے ہے، امت کے لیے ایک نمونہ ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سلا دیا تھا۔ (الاستذکار: ۱/ ۷۵)

ابن عبدالبر ہی اپنی دوسری کتاب التمہید کے اندر رقم طراز ہیں: کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند آپ ﷺ کی عقل پر غالب نہ آتی تھی، اور نہ ہی دماغ کو متاثر کرتی تھی، اور آپ ﷺ کی صرف آنکھیں سویا کرتی تھیں دل نہیں سوتا تھا، اور یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر انبیاء کی بھی خصوصیت تھی، اہل فقہ واثر کا یہی مذہب ہے اور جو اس میں مخالفت کرے وہ بدعتی ہے، اور آگے فرماتے ہیں: ''والنوم إنما يحكم له بِحُكم الحَدَثِ إِذَا خَمَرَ القَلْبَ وَخَامَرَهُ وكان رسولُ الله ﷺ لا يُخَامِرُ النومُ قَلْبَهُ'' (التمہید: ۵/ ۲۰۸)

سنن ابوداوٗد میں کتاب الطہارۃ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث گزری ہے: ''كان رسول الله ﷺ محفوظًا''

(سنن ابو دائود، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء من النوم)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ''بأن عينيه تنامان ولا ينام قلبه فيدرك الحدث وليس أحد من أمته في ذٰلك مثله فتنتقض طهارتهم'' (بذل المجہود: ۵/ ۵۹۴)

صاحب منہل تحریر فرماتے ہیں: ''كان وضوءه ﷺ لا ينقضه النوم لعلمه بما يكون منه ولا يعارضه ما تقدم في حديث التعريس عن عمران بن حصين من أنه ﷺ نام حتي طلعت، لأن إدراك طلوع الشمس متعلق بالعين لا بالقلب لأنه من المحسوسات'' (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۷۰)

مختلف کتب حدیث وفقہ کی مراجعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) نیند سے وضو کے ٹوٹنے کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ خروج ریح کا انسان کو پتہ نہ چل سکے یعنی وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے اپنا شعور کھو بیٹھے، اگر نیند ایسی نہیں ہے تو ناقض وضو نہیں، اسی کو کتب فقہ میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ اگر استرخاء مفاصل ہوجائے تو نیند ناقض وضو ہے۔

(۲) یہ بات متعدد روایات سے ثابت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل نہیں سوتا تھا صرف آنکھیں سوتی تھیں، اور دل کے نہ سونے کا مطلب ہے کہ اگر خروج ریح ہوتا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا فوراً پتہ چل جاتا تھا، جب کہ عام انسان اگر سوئے تو استرخاء مفاصل کی صورت میں اسے خروج ریح کا پتہ اور احساس ہی نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند تمام انسانوں سے بالکل الگ ہے، جس وقت آپ ﷺ سوتے ہیں اس وقت بھی آپ ﷺ کا قلب ذکر اللہ میں مشغول ہوتا ہے صرف زبان ذکر اللہ سے رکتی ہے، آپ ﷺ کی نیند غفلت کی نہیں ہوتی بلکہ بیداری والی ہوتی ہے، اس لیے کہ نیند کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے اوپر وحی کا نزول ہوتا ہے، چناں چہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہوا کرتے ہیں اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ آپ کی نیند غفلت کی نہ ہو اور ظاہری بات ہے کہ جب آپ کی نیند غفلت کی نہ ہوئی تو ناقض وضو بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا: قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ (الصافات: ۱۰۲) پس تمام کے تمام انبیاء نیند کی حالت میں بھی اپنے قلوب اپنے اجسام اور اپنی ارواح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آپ ﷺ کی نیند تو کیا غفلت طاری کرے گی آپ تو حالت موت میں بھی اپنی قبر مبارک کے اندر درود وسلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

(۳) رہا یہ مسئلہ اگر گہری نیند نہ ہو تو تھکن دور نہ ہوگی، اور بدن میں چستی پیدا نہ ہوگی تو یہ بات عام انسانوں کے اعتبار سے تو کہی جاسکتی ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ عام انسانوں جیسا نہیں، آپ ﷺ کی تھکن کے ازالہ اور بدن میں چستی پیدا کرنے کے لیے صرف آنکھوں کا سونا ہی کافی تھا، مخلوق میں اس کی نظیر بھی ہے بھیڑیا اپنی صرف بائیں آنکھ سے سوتا ہے اور دائیں آنکھ اس کی بیدار رہتی ہے، تاکہ وہ دائیں آنکھ سے اپنی حفاظت کرے، اسی کے بارے میں ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ينَامُ بِإحدَى مُقْلَتَيهِ وَيَتَّقِي ☆ بِأُخرَى المَنَايَا فَهُوَ يَقْظَانُ نَائِمُ

جب ایک درندہ ایک وقت میں بیدار بھی رہ سکتا ہے اور سو بھی سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ایک نبی کو اس فضل وانعام سے نہیں نواز سکتا۔

(۴) وضو کرنا نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شریعت کے ظاہری احکام میں اپنی امت کے ساتھ شریک ہیں؛ مگر آپ ﷺ کی کچھ خصوصیات بھی ہیں، ان ہی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں اور علت بھی احادیث کے اندر اس کی ظاہر ہے کہ ایک تو آپ پر غفلت طاری نہیں ہوتی تو آپ کا خواب بھی وحی ہے۔

(۵) روایات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی تو سو کر اٹھنے کے بعد وضو کیا ہے اور کبھی سونے کے بعد وضو نہیں کیا ہے، جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ جب نیند کی حالت میں آپ کو خروج ریح ہوا تو آپ نے وضو کیا اور جب خروج ریح نہ ہوا تو آپ نے وضو نہیں فرمایا، اسی کو علامہ زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ یہی تو آپ کی خصوصیت تھی کہ نیند میں بھی آپ کو ناقض وضو پیش آتا تو فوراً پتہ چل جاتا تھا برخلاف عام انسانوں کے کہ ان کو استرخاء مفاصل والی صورت میں پتہ نہیں چل پاتا۔

رہی یہ بات کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی عشاء کی وضو سے فجر یا تہجد کی نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ تو اس کے ثبوت یا عدم ثبوت پر مسئلہ کا مدار نہیں ہے، مسئلہ کا مدار تو اس پر ہے کہ آپ ﷺ کو کبھی غفلت کی نیند آتی ہی نہیں، اور آپ ﷺ گہری نیند نہ سو کر بھی اپنی تھکن دور کر لیتے ہیں جیسا کہ عرض کیا گیا کہ بھیڑیا تو ایک درندہ ہونے کے باوجود اپنی صرف ایک آنکھ سے نیند پوری کرتا ہے پھر یہ کہ ایک آنکھ سوتی ہے اور ایک جاگتی ہے، رسول اللہ ﷺ تو نبی ہیں آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں سوئیں اور دل نہ سوئے تو اس میں کوئی بُعد نہیں۔ واللہ اعلم

ہم ذیل میں حضرات علماء متقدمین کے کچھ اقوال اور تحریریں اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں، نیز ایک یہودی نے حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے یہ اعتراض کیا کہ آپ ﷺ بے وضو کے نماز پڑھتے تھے اس کے جواب میں ایک عرب عالم نے جو لکھا ہے اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔

فَإِنْ قُلْتَ فَمَا تَقُولُ فِيْ نَوْمِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْوَادِيْ وَقَدْ قَالَ: ''إن عَيْنِي يَنامانِ وَلَايَنَامُ قَلْبِيْ'' فَاعْلَم ان للعلماءِ فِيْ ذٰلِكَ اَجْوِبَة. مِنْهَا أن المراد بان هٰذا حكم قلبه عند نومه وغيبته في غَالِبِ الْأَوْقَاتِ. وَقَدْ يَنْدُرُ مِنْهُ غَيْرُ ذٰلِكَ... كَمَا يَنْدُرُ مِنْ غَيْرِهِ خِلَافِ عَادَتِهِ. وَيُصَحِحُ هٰذَا التَّأْوِيلَ قَوْلُهُ ﷺ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِهِ ''إِنَّ اللهَ قَبَضَ اَرواحنا'' وقول بلال: ''ما أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ. وَلٰكِنَّ مثل هٰذا اِنَّمَا يَكُوْنُ مِنْهُ لِأَمْرٍ يُرِيْدُهُ اللهُ مِنْ إِثْبَاتِ حُكْمٍ وَتَأسِيس سُنَّة وإظْهَارِ شرع. وَكما قَالَ فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ. ''وَلَوْشَاءَ اللهُ لَايْقَظْنَا وَلٰكِنَّ اَرَادَ أَنْ يَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ''.

الثَّانِي: أَنَّ قَلْبَهُ لَا يَسْتغرِقُهُ النَّوْمُ حَتَّى يَكُوْنَ مِنْهُ الْحَدثُ فِيهِ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ كَانَ مَحْرُوسًا، وَأَنَّهُ كَانَ يَنَامُ حَتّٰى يَنفخَ وَحَتّٰى يُسْمَعَ غَطِيطُهُ (۲) ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ وَحديث ابن عباس المذكور فيه وضوء عِنْدَ قِيَامِهِ

مِنَ النَّوْمِ فِيْهِ نَوْمُهُ مَعَ أَهله فَلَا يمكن الاحتجاج به على وضوءه بمُجَرَّدِ النَّوْمِ.. إذ لَعَلَّ ذٰلِكَ لِمُلَامَسَةِ الْأَهْلِ أَوْ لِحَدَثٍ آخَرَ. فَكَيْفَ وَفِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ نَفسِهِ... ثُمَ نام حتى سمعتُ غطيطهُ.. ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلاةُ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَقِيْلَ: "لَايَنَامُ قَلْبُهُ مِنْ أَجَلِ أَنَّهُ يُوحٰى إِلَيْهِ فِيْ النَّوْمِ" وليس قصة الوادي إلا نوم عينيه عَنْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ فِعْلِ القلب وقَدْ قَالَ ﷺ: "إِنَّ اللهَ قَبَض أَرْوَاحنا ولَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غيرِ هٰذَا" (الشفا بتعريف حقوق المصطفي: وحاشية الشمني: ۲/ ۱۵۴)

ومن خصائصه انه كان لا ينام قلبه اذا نامت عيناه ولا ينتقض وضوءه بالنوم ويري من وراء ظهره كما تري من أمامه وتطوعه بالصلاة قاعدا كتطوعه قائما في الثواب ويتعين على المصلى اجابته ولا تبطل الصلاة بخطابه (بهجة المحافل وبغية الأماثل: ۲/ ۱۹۴)

النوم في حقه صلّى الله عليه وسلّم غير ناقض للوضوء، وهذا هو الصحيح، لما ثبت في الصحيح عن ابن عباس أنه صلّى الله عليه وسلّم نام حتى نفخ ثم قام فصلى ولم يتوضأ. قال الحافظ في التلخيص الحبير: (لا ينتقض وضوءه صلّى الله عليه وسلّم بالنوم). (انظر التلخيص الحبير (۳/ ۱۳۵) شمائل الرسول ﷺ: ۲/ ۱۴۶)

فقال: «يا عائشة، إنَّ عينيَّ تنامان ولا ينام قلبي»

وإنّما كان لا ينام قلبه! لأنّ القلب إذا قويت فيه الحياة لا ينام إذا نام البدن، وكمال هذه الحالة كان لنبينا محمد صلّى الله عليه وسلم، ولباقي الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فهو من خصائصه على الأمم؛ لا على الأنبياء؛ بنصّ حديثه المارّ! والفرق بيننا وبينهم: أنّ النوم يتضمّن أمرين: راحة البدن، وهو الّذي شاركونا فيه. والثّاني: غفلة القلب، وقلوبهم مستيقظة إذا ناموا، سليمة من أضغاث الأحلام، مشتغلة في تلقّف الوحي والتفكر في المصالح؛ على مثل حال غيرهم إذا كان يقظانا، ولذا كانت رؤياهم وحيا، ولا ينقض النّوم وضوءهم. ويحصل لمن أحيا الله قلبه بمحبّته واتباع رسوله من ذلك الحال الّذي كماله للمصطفى جزء بحسب نصيبه من محبّته عليه الصلاة والسّلام، ولكنّهم؛ ولو شاركوا الأنبياء في جزء ما من ذلك، ليسوا كهم! لانتقاض وضوئهم، ورؤياهم ليست وحيا بإجماع.

وقد جمع العلماء بين هذا الحديث وبين حديث نومه عليه الصّلاة والسلام في الوادي؛ حيث كانوا قافلين من سفر عن صلاة الصّبح حتّى طلعت الشّمس وحميت حتّى أيقظه عمر رضي الله تعالى عنه بالتكبير!! كما أخرجه البخاري ومسلم؛ عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنهما؛

فقال النّووي: له جوابان: أحدهما: أنّ القلب إنّما يدرك الحسّيات المتعلّقة به؛ كالحدث والألم

ونحوهما، ولا يدرك مايتعلّق بالعين؛ لأنّها نائمة والقلب يقظان.

الثاني: أنه كان له حالان؛ حال كان قلبه لا ينام؛ وهو الأغلب، وحال ينام فيه قلبه؛ وهو نادر، فصادف هذا - أي: قصة النوم عن الصلاة - قال: والصّحيح المعتمد هو الأوّل، والثاني ضعيف، بل شاذّ؛ لمخالفته لصريح «ولا ينام قلبي» الشّامل لسائر الأحوال؛ إذ الفعل المنفي يفيد العموم (منتهى السؤل على وسائل الاصول إلى شمائل الرسول ﷺ: ۲/۳۰۲)

قلوب الأنبياء أكبر من قلوب العارفين، ولذلك لا تنام؛ لأنها على صفة الملائكة، يسبحون الله الليل والنهار، لا يفترون، وكذلك قلب النبى [لا ينام لأنه على ذكر مستمر، والله تعالى أعلم]، والذى ينام: الغافل اللاهي. (نهاية الإيجاز في سيرة ساكن الحجاز: ۱/۴۲۹)

مضمون الشبهة:

يتهم بعض المتطاولين النبي ﷺ بالنفاق، إذ إنه كان يأمر بما لا يفعل، ويستدلون على ذٰلك بأنه كان يصلي بغير وضوء مع أن هٰذا مخالف للشريعة الإسلامية، ويتساءلون: ألا يعد هٰذا مخالفة صريحة لما يأمر به النبي المسلمين من قيام الليل، وتجديد الوضوء لمن قام من النوم؟ ويهدفون من وراء ذٰلك إلي الطعن في أخلاق النبي ﷺ.

الرد:

اختص الله عزوجل. النبي ﷺ ببعض الصفات التي يتميز بها عن بقية البشر، ومن هٰذه الصفات أنه ﷺ كانت تنام عيناه ولا ينام قلبه، فلا ينتقض وضوءه بالنوم۔

من الصفات التي اختص بها ﷺ أنه كانت تنام عيناه ولا ينام قلبه. يختلف نوم النبي ﷺ عن نوم غيره من البشر، فالإنسان العادي عندما ينام لا يتحرك من حواسه إلا ما يبقيه على قيد الحياة فقط، أما النبي ﷺ فلا ينام قلبه وإن نامت عيناه فهو في ذكر متواصل لله عزوجل ولا يفتر قلبه عن ذكر الله وإن فتر لسانه، وأكدت العديد من الأحاديث النبوية علي هٰذا، من ذٰلك ما جاء عن السيدة عائشة. عن النبي ﷺ أنه قال "ياعائشة، إن عيني تنامان ولا ينام قلبي"۔ (اخرجه البخاري في صحيحه، أبواب التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره (۱۰۹۲) وفي مواضع اخري، ومسلم في صحيحه، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي في الليل (۱۷۵۷) فنومه ﷺ كله يقظة؛ ليعي الوحي إذا أوحي إليه في المنام؛ إذ رؤيا الأنبياء عليهم السلام. وحي؛ بدليل قوله عزوجل حكاية عن إبراهيم عليه السلام: فلما بلغ معه السعي قال يابني إني أري في المنام أني

أذبحك فانظر ماذا ترى) (الصافات: ۱۰۲) شمائل المصطفى ﷺ. د. وهبة الزحيلي، دار الفكر، دمشق، ط ۱، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶م، ص/ ۹۴، بتصرف يسير... ويؤكد ذلك مارواه أبو سلمة بن عبدالرحمن أنه سأل عائشة رضي الله عنها: "كيف صلاة رسول الله ﷺ في رمضان؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ، وَلَا فِي غَيْرِهِ، عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَع ركعات فلا تسأل عَن حُسْنِهِن وطُولِهِنَّ، ثُمَّ أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ تَنَامُ قبلَ أن توتِرَ؟ قال: تنام عيني وَلَا يَنَامُ قَلْبِي» (أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب المناقب، باب كان النبي ﷺ تنام عيناه ولاينام قلبه (۳۳۷۶).. وفي رواية أنس بن مالك: "والنبي ﷺ نائمة عيناه، ولاينام قلبه وكذلك الأنبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم".

(أخرجه البخاري في صحيحه، كتابُ المناقب باب كان النبي ﷺ. تنام عيناه ولاينام قلبه (۳۳۷۷) وفي موضع آخر.

فالأنبياء جميعا متوجهون لله بقلوبهم وأجسادهم وأرواحهم. حتي في نومهم وإن كان قليلا، كما كان سيدنا محمد ﷺ.

من خلال ذلك يمكن لنا أن نقول لهؤلاء الذين يزعمون أن النبي ﷺ كان يقوم من نومه ويصلي بغير وضوء: إن ماتظنونه مطعنا علي النبي ﷺ ما هو إلا خطأ في فهمكم، فإن الحقيقة التي تجهلونها هي أن انتقاض الوضوء بالنوم راجع إلي فقد السيطرة عند النوم على أماكن الإخراج، فإن تمت السيطرة على هذه الأماكن وضبطها فلا ينتقض الوضوء، وبناء عليه فإن الذي ينام وهو جالس متمكن في جلسته كما قرر بعض الفقهاء والعلماء. فإنه لاينتقض وضوءه سواء في ذلك النبي أم غيره.

وإذا ثبت أن النبي ﷺ لاينام قلبه حين تنام عيناه، فإنه تكون له سيطرة علي ذاته، وهذه منحة من الله، معها لا ينتقض وضوءه كما لاينتقض وضوء الرجل العادي إذا نام وهو جالس متمكن، والله يمنح الإمكانات لمن يشاء لا حرج على فضله.

فعلى الرغم من أن النبي يشارك أمته في التشريع غالبا، الا أن له خواص اختصه الله بها، فيشدد عليه أحيانا على نحو ما فعل فى قيام الليل، وصوم الوصال، وينقص له أحيانا على نحو مافعل في إعفائه من المهر والولي، والشاهدين، والقسم بين الزوجات في المسائل العائلية.

وعليه فلم يكن النبي ﷺ يصلي بغير وضوء كما يزعمون؛ لأن وضوءه. بكل بساطة. لم يكن ينتقض بنومه ﷺ.

الخلاصة:

ليس صحيحا أن النبي ﷺ كان ينام نوما عميقا ثم يقوم يصلي بغير وضوء. وانتقاض الوضوء بالنوم.

كما قرر بعض الفقهاء. راجع إلي فقد السيطرة عند النوم على أماكن الإخراج، فلا ينتقض وضوء النائم جالسا سواء كان النبي أم غيره، هذا من ناحية، ومن ناحية أخري فإن النبي ﷺ كانت تنام عيناه ولا ينام قلبه، فكانت له سيطرة على ذاته، وهذه منحة إلهية وهبها الله لأنبيائه. صلوات الله عليهم. دون غيرهم من البشر.

۱۳۴۲- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي، فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ لِأَبِيعَ عَقَارًا كَانَ لِي بِهَا، فَأَشْتَرِيَ بِهِ السِّلَاحَ وَأَغْزُو، فَلَقِيتُ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: قَدْ أَرَادَ نَفَرٌ مِنَّا سِتَّةٌ أَنْ يَفْعَلُوا ذَلِكَ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ وِتْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَدُلُّكَ عَلَى أَعْلَمِ النَّاسِ بِوِتْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأْتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَأَتَيْتُهَا، فَاسْتَتْبَعْتُ حَكِيمَ بْنَ أَفْلَحَ، فَأَبَى، فَنَاشَدْتُهُ فَانْطَلَقَ مَعِي، فَاسْتَأْذَنَّا عَلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: حَكِيمُ بْنُ أَفْلَحَ، قَالَتْ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: سَعْدُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَتْ: هِشَامُ بْنُ عَامِرٍ الَّذِي قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَتْ: نِعْمَ الْمَرْءُ كَانَ عَامِرٌ، قَالَ: قُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، حَدِّثِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: «أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ» قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثِينِي عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ، قَالَتْ: " أَلَسْتَ تَقْرَأُ: يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ؟ "، قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَتْ: «فَإِنَّ أَوَّلَ هَذِهِ السُّورَةِ نَزَلَتْ، فَقَامَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ، وَحُبِسَ خَاتِمَتُهَا فِي السَّمَاءِ اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا، ثُمَّ نَزَلَ آخِرُهَا، فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِيضَةٍ» قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثِينِي عَنْ وِتْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: «كَانَ يُوتِرُ بِثَمَانِ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ، ثُمَّ يَقُومُ، فَيُصَلِّي رَكْعَةً أُخْرَى، لَا يَجْلِسُ إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ وَالتَّاسِعَةِ، وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي التَّاسِعَةِ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ، فَتِلْكَ إِحْدَى

۱۳۴۲- مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: جامع صلاة الليل (۷۴۶)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: قيام الليل (۳/ ۱۹۹)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ما جاء في الوتر بثلاث وخمس وسبع وتسع (۱۱۹۱) بقصة الوتر فقط.

عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ، فَلَمَّا أَسَنَّ، وأخذ اللَّحم، أوْتر بسبْع ركْعاتٍ، لمْ يجْلِسْ إلَّا فِي السَّادِسَةِ وَالسَّابِعَةِ، وَلَمْ يُسلِّمْ إلَّا في السّابعة، ثمّ يُصلّي ركْعتيْن وهو جالِسٌ، فَتِلْكَ هِيَ تِسْعُ رَكَعاتٍ يا بُنيَّ، وَلَمْ يَقُمْ رسُولُ اللَّه صلَّى الله عليه وسلَّمَ لَيْلَةً يُتِمُّهَا إِلَى الصَّبَاحِ، وَلَمْ يَقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةٍ قَطُّ، وَلَمْ يصُمْ شهْرًا يُتِمُّهُ غيْر رَمَضَانَ، وَكَانَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً دَاوَمَ عَلَيْهَا، وَكَانَ إِذَا غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ مِنَ اللَّيْلِ بِنَوْمٍ، صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً» قَالَ: فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: «هٰذا وَاللَّهِ هُوَ الْحَدِيثُ، وَلَوْ كُنْتُ أُكَلِّمُهَا لَأَتَيْتُهَا حَتَّى أُشَافِهَهَا بِهِ مُشَافَهَةً» قَالَ: قُلْتُ: لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ لَا تُكَلِّمُهَا مَا حَدَّثْتُكَ ".

ترجمه: حضرت سعد بن ہشامؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر میں اپنی زمین بیچنے کے لیے جو کہ مدینہ میں تھی بصرہ سے مدینہ آیا تا کہ میں اس کے ذریعہ ہتھیار خرید سکوں اور جہاد میں شرکت کروں پس چند اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ میری ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھ سے بیان کیا ایک مرتبہ ہم چھ افراد نے بھی ایسا ہی کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن نبی ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا (یعنی جہاد میں شرکت کی غرض سے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی تھی تا کہ وہ ان کی طرف سے بےفکر ہو کر پوری یکسوئی سے جہاد میں شریک ہوں) اور فرمایا کہ تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار میں بہترین نمونہ عمل ہے۔ پھر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس آیا اور ان سے رسول ﷺ کے وتر کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ میں تم کو اس ہستی کا پتہ دیتا ہوں جو رسول ﷺ کے وتر سے پوری طرح واقف ہے لہذا تو حضرت عائشہؓ کے پاس جا (کیونکہ وہی سب سے زیادہ واقف حال ہیں) پس میں حضرت عائشہؓ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا اور حکیم بن افلح سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ انھوں نے انکار کیا لیکن میں نے انکو چلنے کے لیے قسم دی تو وہ میرے ساتھ گئے۔ پھر ہم دونوں حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور ان سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا حکیم بن افلح۔ پھر انھوں نے کہا پوچھا تیرے ساتھ دوسرا کون ہے؟ کہا سعد بن ہشام۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا، کیا اس عامر کا بیٹا ہشام جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے؟ میں نے کہا، جی، انھوں نے کہا کہ عامر کیا ہی خوب آدمی تھے۔ میں نے عرض کیا، ام المؤمنین مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق بیان فرمائیے، انھوں نے فرمایا، کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ کیونکہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے، میں نے عرض کیا، آپ ﷺ کی نماز تہجد کا حال بیان فرمائیے پوچھا، کیا تو نے سورہ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا کیوں نہیں ضرور پڑھی ہے۔ فرمایا جب اس صورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رات کو نماز

کے لیے کھڑے ہونے لگے یہاں تک کہ (دیر دیر تک کھڑے رہنے کی بنا پر) ان کے پاؤں میں ورم آ گیا۔ اور اس سورۃ کی آخری آیتیں بارہ مہینے تک آسمان پر رکی رہیں۔ پھر اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو رات میں تہجد پڑھنا فرض نہ رہا بلکہ نفل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھ سے آپ ﷺ کے وتر کا حال بیان فرمائیے آپ ﷺ تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور آٹھویں رکعت کے بعد بیٹھتے تھے درمیان میں نہ بیٹھتے تھے، پھر کھڑے ہوتے اور ایک رکعت مزید پڑھتے اور صرف آٹھویں اور نویں رکعت کے بعد بیٹھتے اور سلام نہ پھیرتے مگر نویں رکعت کے بعد۔ اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اس طرح کل گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ اے بیٹے پھر جب آپ ﷺ ضعیف ہو گئے اور جسم بھاری ہو گیا تو آپ ﷺ وتر کی سات رکعتیں پڑھنے لگے چھٹی رکعت کے بعد بیٹھتے بیچ میں نہ بیٹھتے پھر ساتویں رکعت کے بعد بیٹھتے اور سلام نہ پھیرتے مگر ساتویں رکعت کے بعد پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے کل ملا کر نو رکعتیں ہوئیں اے بیٹے اور آپ ﷺ کسی رات کو پوری رات صبح تک نہیں کھڑے ہوئے اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ نے ایک رات میں قرآن ختم کیا اور نہ ہی کسی مہینے میں پورے مہینے کے روزے رکھے سوائے ماہ رمضان کے اور جب آپ ﷺ کسی نماز کو شروع کرتے تو ہمیشہ اس کو پڑھا کرتے اور اگر کسی دن رات میں آپ ﷺ پر نیند غالب ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھتے (سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن کر) میں ابن عباس کے پاس آیا اور ان سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا بخدا یہ ایسی حدیث ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ سے میری بول چال ہوتی تو میں انہی کی زبان سے یہ حدیث سن لیتا میں نے کہا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تمھاری ان سے بات چیت نہیں ہوتی تو میں تم سے یہ حدیث بیان نہ کرتا۔

رجال حدیث: اس حدیث کی سند میں مع سعد بن ہشامؒ کے کل پانچ راوی ہیں اور سب ثقہ درجہ کے ہیں اسی وجہ سے محدثین نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

تشریح حدیث: حضرت انس بن مالکؓ کے چچازاد بھائی سعد بن ہشام انصاری تابعین میں سے ہیں، ہندوستان کے ایک علاقہ ''مکران'' میں شہید ہوئے ہیں، وہ بیان کر رہے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تاکہ جہاد کے لیے فارغ ہو جائیں، پھر میں مدینہ طیبہ آیا جہاں میری زمین جائداد تھی تاکہ میں اس زمین کو فروخت کر کے ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں، مدینہ منورہ پہنچ کر میری ملاقات چند صحابہ کرامؓ سے ہوئی میں نے ان سے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو کہا کہ ایسا نہ کرو، اس لیے کہ ہم میں سے بھی چھ حضرات نے یہی ارادہ کیا تھا کہ اپنی بیویوں کو طلاق دے کر، زمین جائداد بیچ کر جہاد کے لیے چلے جائیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس عمل سے منع فرما دیا۔ اور یوں فرمایا: اے لوگوں میرے اندر تمہارے لیے نمونہ ہے، نکاح کرنا میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرات صحابہؓ کی اس گفتگو کو سن کر سعد بن ہشام اپنے ارادے سے رُک گئے اور اپنی بیوی سے مراجعت کر لی، یہ

مضمون صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔

قولہ: فأتيتُ ابنَ عَبَّاسٍ: اس کے بعد سعد بن ہشام حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے جا کر رسول اکرم ﷺ کی نمازِ وتر کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم اس ہستی کے پاس جاؤ جو روئے زمین پر رسول اللہ ﷺ کی نمازِ وتر کو سب سے زیادہ جاننے والی ہے یعنی حضرت عائشہؓ کے پاس، اور ان سے جا کر معلوم کرو، وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آ کر بتانا، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ کے پاس اس لیے بھیجا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے، وہ حضور ﷺ کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھیں، جب سعد بن ہشام نے حضرت عائشہؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ایک تابعی حکیم بن افلح سے درخواست کی کہ وہ میرے ساتھ حضرت عائشہؓ کے پاس چلیں، اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے ان کی معرفت ہے، حضرت حکیم بن افلح نے جانے سے معذرت کی۔

صحیح مسلم میں اس معذرت کی وجہ بھی لکھی ہے وہ یہ حکیم بن افلح نے حضرت عائشہؓ سے منع کیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے قضیہ میں نہ پڑیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان کی رائے نہ مانی اور حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا، اس وجہ سے حکیم بن افلح نے حضرت عائشہ کے پاس جانے سے منع کیا، مگر جب سعد بن ہشام نے قسم دے کر چلنے کو کہا تو تیار ہو گئے اور چلے گئے۔

قولہ: ”حدثني عن خلق رسول اللہ ﷺ“: یعنی حضرت سعد بن ہشام نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے درِ دولت پر حاضر ہو کر کہا: اے اہل ایمان کی مادر مہرباں! مجھے حضور اکرم ﷺ کے خلق کے بارے میں بتایئے، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ”خلق رسول اللہ ﷺ كان القرآن“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اخلاق کریمہ اور اوصافِ حمیدہ کے تعلق سے جن جن اچھائیوں اور بھلائیوں کا ذکر کیا ہے اور کسی بھی نبی یا ولی کے حوالہ سے جو بھی مکارم اخلاق اور محاسن آداب بیان کیے ہیں ان سب کو اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے میں سمو لیا تھا، اور قرآن کریم نے جن اعلیٰ خصائل و نیک عادت کی تعلیم و ترغیب دی ہے ان سب سے آں حضرت ﷺ کی ذات آراستہ تھی اور آپ ﷺ کے تمام افعال و عادات اور اطوار قرآن کریم کے عین مطابق و موافق تھے۔

قولہ: ”قالت: هشام بن عامر الذي قتل يوم أحد“: یہاں حرف استفہام مقدر ہے، اور ”الذي قتل“ صفت ہے عامر کی نہ کہ ہشام کی اور عامر دادا ہیں سعد بن ہشام کے، مطلب سوال کا یہ تھا کہ سعد اس ہشام کے بیٹے ہیں جن ہشام کے والد جنگ اُحد میں شریک ہو کر جامِ شہادت نوش کرنے والے تھے، اور ان کا نام عامر تھا، یعنی کیا یہ سعد بن عامر کے پوتے ہیں؟ حکیم بن افلح نے جواب دیا کہ: جی ہاں! اس پر حضرت عائشہؓ نے عامر کی تعریف فرمائی اور کہا کہ عامر تو بہت

ہی اچھے آدمی تھے۔

قولہ: "ألست تقرأ القرآن يأيها المزمل": یعنی حضور اکرم ﷺ کی قیام اللیل کے بارے میں معلوم کرنا ہے تو سورۂ مزمل پڑھو، جب سورۂ مزمل کا اوّل حصہ نازل ہوا تو حضرات صحابہ رات رات بھر کھڑے ہوکر تہجد کی نماز ادا کرتے تھے یہاں تک کہ ان قدموں پر ورم آجاتا تھا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سال کے بعد اس سورت کے آخر کو نازل فرمایا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ کردی گئی البتہ اس کی سنیت ابھی بھی باقی ہے۔

قولہ: "كان يوتر بثمان ركعات": یہی ٹکڑا ترجمۃ الباب سے متعلق بھی ہے کہ آپ تہجد میں کل گیارہ رکعات پڑھتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ نو رکعات تو تہجد کی مع وتر کے ہوتی تھیں اور اخیر میں دو رکعتیں نفل ہوتی تھیں جو آپ بیٹھ کر پڑھ لیا کرتے تھے، پھر جب آپ ﷺ کبیر السن ہوگئے تو سات رکعات تہجد مع الوتر کی ہوتی تھیں اور دو رکعت بیٹھ کر یعنی کل نو رکعات ہوتی تھیں۔

آگے حضرت عائشہؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عبادات کے تعلق سے اعتدال کو بیان فرمایا کہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ ﷺ پوری کی پوری رات نماز میں گزار دیتے ہوں بلکہ آپ ﷺ سوتے بھی تھے اور عبادت بھی کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ ایک ہی رات میں پورا قرآن بھی نہیں پڑھتے تھے بلکہ تھوڑا تھوڑا پڑھتے تھے، کبھی رمضان کے علاوہ کسی بھی پورے مہینے کے روزے بھی نہ رکھتے تھے بلکہ کبھی رکھے اور کبھی نہ رکھے، البتہ کبھی کبھی شعبان کے پورے روزے رکھ لیا کرتے تھے، اس سے آپ ﷺ کے اعتدال اور امت کے لیے شفقت کا پتہ چلتا ہے۔

قولہ: كان إذا صلى داوم عليها: جب آپ ﷺ کوئی نفل عبادت خواہ نماز ہو یا کوئی اور عبادتی عمل شروع کردیتے تو پھر اس پر مداومت اختیار کرتے، آپ ﷺ اس کا اہتمام کرتے کہ اس عمل کو ہمیشہ کرتے رہیں، وہ چھوٹنے نہ پائے سوائے اس صورت کے کہ یا تو کوئی عذر مانع ہوجائے یا بیان جواز کی غرض سے کبھی اس کا چھوڑنا ہی مقصود ہو۔

قولہ: وكان إذا غلبته عيناه: یعنی کبھی غلبۂ نوم کی وجہ سے آپ ﷺ کی تہجد کی نماز رہ جاتی تو اس کی قضا کے طور پر دن میں بارہ رکعات پڑھ لیا کرتے تھے، صاحب بذل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا بارہ رکعات پر اکتفاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تہجد کے فوت ہونے کی صورت میں بھی آپ ﷺ وتر کی نماز تو رات ہی میں پڑھ لیا کرتے تھے، اگر وتر بھی رات میں فوت ہوئی ہوتی تو یقیناً اس کو بھی دن میں ادا فرماتے معلوم ہوا کہ وتر رات ہی میں ادا کرلیا کرتے تھے۔ (بذل المجهود: ۵/ ۲۰۰)

قولہ فأتيتُ ابنَ عباسٍ: سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو سن کر حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں واپس آیا اور یہ حدیث ان کو سنائی تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کو پسند فرمایا اور یوں فرمایا: اگر حضرت عائشہؓ سے میری بول چال ہوتی تو میں خود جاکر حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو براہِ راست سنتا، اس پر حضرت سعد بن ہشام نے کہا کہ اگر

مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کی حضرت عائشہؓ سے بول چال نہیں ہے تو میں آپ کو یہ حدیث نہ سناتا تاکہ آپ خود ہی جا کر سننے پر مجبور ہوتے۔

اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی بھی مسلمان سے قطع تعلقی ممنوع ہے پھر ابن عباسؓ نے ایسا کیوں کیا؟

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ممنوع وہ ترکِ تکلم ہے جو عند اللقاء ہو یعنی ایک مسلمان کی دوسرے سے ملاقات ہو پھر بھی وہ آپس میں کلام کرنے سے اعراض کریں، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایسی صورت پیش ہی نہ آئی حضرت ابن عباسؓ کو ایسی ضرورت بھی پیش نہ آئی ہوگی کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس جاتے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ ترکِ تکلم اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ دینی غرض کی وجہ سے تھا، اور سبب اس کا یہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے منع کیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے باہمی نزاع میں نہ پڑیں مگر حضرت عائشہؓ نے ان کی رائے کو نہ مانا اور امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا، جس کو ابن عباسؓ جائز نہ سمجھ رہے تھے، اور اگر ترکِ تکلم کسی مسئلہ شرعی کی بنیاد پر ہو تو درست بھی ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۷۵)

فقه الحديث: اس طویل حدیث سے مختلف مسائل شرعیہ کا استنباط ہوتا ہے جن کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات ترکِ رہبانیت کی ہیں۔

(۲) اگر کسی سے کوئی مسئلہ معلوم کیا جائے اور مسؤل کو وہ مسئلہ اچھی طرح مستحضر نہ ہو تو اپنے سے بڑے کی طرف رہنمائی کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ کی طرف رہنمائی فرمائی۔

(۳) انسان کو قرآن کریم میں بیان کیے گئے اخلاق و آداب کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۴) قیام اللیل شروع میں فرض تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۵) پوری رات بھی قیام کرنا شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۶) اسی طرح رمضان کے علاوہ لگاتار پورے مہینہ کے روزے رکھنا بھی منشاء شریعت کے خلاف ہے۔

(۷) انسان جن اوراد و وظائف کو شروع کر دے تو ان پر مداومت کرنی چاہیے۔ (المنہل العذب المورود: ۶/ ۲۷۶)

۱۳۴۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، بِإِسْنَادِهِ نَحْوَهُ، قَالَ: يُصَلِّي ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيهِنَّ إِلَّا عِنْدَ الثَّامِنَةِ، فَيَجْلِسُ، فَيَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَدْعُو، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَهُوَ

۱۳۴۳- سنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، قيام الليل رقم (۱۶۲۱)

جَالِسٌ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَةً، فَتِلْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ، فَلَمَّا أَسَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخَذَ اللَّحْمَ، أَوْتَرَ بِسَبْعٍ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ بِمَعْنَاهُ إِلَى مُشَافَهَةٍ.

ترجمہ: سعید بن عروبہؒ نے بسند قتادہ سابقہ حدیث کی طرح روایت کیا ہے مگر اس روایت میں سعید نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور اس میں درمیان میں نہیں بیٹھتے تھے سوائے آٹھویں رکعت کے پس جب آپ ﷺ قعدہ میں بیٹھتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور اس سے دعا مانگتے اور پھر ایسی آواز سے سلام پھیرتے جو ہمیں سنائی دیتی پھر سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت پڑھتے تھے اے بیٹے اس طرح آپ ﷺ کی گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں جب آپ ﷺ کی عمر زیادہ ہوگئی اور آپ ﷺ کا جسم بھاری ہوگیا تو سات رکعت کے ذریعہ طاق کرنے لگے اور سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے لگے (راوی نے حدیث آخر تک بیان کی)۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں قتادہ سے نقل کرنے والے ہمام تھے اور اس طریق میں سعید بن ابی عروبہ ہیں، سعید بن ابی عروبہ نے اپنے ساتھی ہمام کی دو جگہ مخالفت کی ہے، ایک تو یہ کہ ہمام کی روایت میں تھا کہ حضور اکرم ﷺ آٹھویں رکعت پر جلوس فرماتے تھے، اور سلام نہیں پھیرتے تھے مگر نویں رکعت پر، جب کہ سعید کی روایت میں یہ ہے کہ آٹھویں رکعت پر بھی سلام پھیرتے تھے۔

دوسری جگہ مخالفت یہ ہے کہ ہمام کی روایت میں وتر کی رکعت کا پڑھنا مذکور تھا ان دو رکعتوں سے پہلے جو آپ ﷺ بیٹھ کر پڑھ لیا کرتے تھے، اور سعید کی روایت میں وتر بیٹھ کر پڑھی جانے والی دو رکعتوں کے بعد پڑھنا مذکور ہے۔

اب یہ وہم سعید کی روایت میں کس کا ہے؟ اس بارے میں امام نسائی تو فرماتے ہیں: ''ولا أدري من الخطأ...''، جبکہ صاحب بذل المجہود کی رائے یہ ہے کہ یہ وہم محمد بن بشار کی طرف سے ہے۔ (المنہل: ۷/۲۷۷، بذل: ۵/۲۰۱)

۱۳۴۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا كَمَا قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ،

ترجمہ: یحییٰ بن سعید کی طرح منقول ہے۔ اس میں یہ جملہ ہے کہ آپ ﷺ کا سلام ہمیں سنائی دیتا تھا۔

۱۳۴۵-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ ابْنُ بَشَّارٍ بِنَحْوِ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: وَيُسَلِّمُ تَسْلِيمَةً يُسْمِعُنَا.

۱۳۴۴ -سنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، قيام الليل رقم (۱۶۲۱)

۱۳۴۵ -صحيح ابن خزيمة (۲/۱۴۳/۱۰۷۸)

ترجمہ: سعید سے اسی طرح منقول ہے۔ ابن بشار نے بھی یحییٰ بن سعید کی طرح حدیث نقل کی لیکن یہ زائد ہے کہ آپ ﷺ اس طرح سلام پھیرتے تھے جو ہمیں سنائی دیتا تھا۔

تشریح حدیث: یہ بھی دونوں طریق حدیث سابق ہی کے ہیں، اب مجموعی اعتبار سے قتادہ کی اس حدیث کے چار طریق ہو جاتے ہیں، جن میں پہلا طریق تو ہمام کا ہے اور تین طریق میں سعید بن ابی عروبہ کے ہیں، مسلم شریف میں بھی یہ روایت متعدد طرق سے مطولاً و مختصراً مروی ہے۔

۱۳۴۶- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ الدِّرْهَمِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، حَدَّثَنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى، أَنَّ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سُئِلَتْ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، فَقَالَتْ: " كَانَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِهِ، فَيَرْكَعُ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ، وَيَنَامُ وَطَهُورُهُ مُغَطًّى عِنْدَ رَأْسِهِ، وَسِوَاكُهُ مَوْضُوعٌ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ سَاعَتَهُ الَّتِي يَبْعَثُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَتَسَوَّكُ، وَيُسْبِغُ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَقُومُ إِلَى مُصَلَّاهُ، فَيُصَلِّي ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، يَقْرَأُ فِيهِنَّ: بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ، وَمَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَا يَقْعُدُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا حَتَّى يَقْعُدَ فِي الثَّامِنَةِ، وَلَا يُسَلِّمُ، وَيَقْرَأُ فِي التَّاسِعَةِ، ثُمَّ يَقْعُدُ، فَيَدْعُو بِمَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدْعُوَهُ، وَيَسْأَلَهُ، وَيَرْغَبَ إِلَيْهِ، وَيُسَلِّمُ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً شَدِيدَةً يَكَادُ يُوقِظُ أَهْلَ الْبَيْتِ مِنْ شِدَّةِ تَسْلِيمِهِ، ثُمَّ يَقْرَأُ وَهُوَ قَاعِدٌ بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَيَرْكَعُ وَهُوَ قَاعِدٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الثَّانِيَةَ، فَيَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَهُوَ قَاعِدٌ، ثُمَّ يَدْعُو مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدْعُوَ، ثُمَّ يُسَلِّمُ وَيَنْصَرِفُ، فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَّنَ، فَنَقَّصَ مِنَ التِّسْعِ ثِنْتَيْنِ، فَجَعَلَهَا إِلَى السِّتِّ وَالسَّبْعِ، وَرَكْعَتَيْهِ وَهُوَ قَاعِدٌ، حَتَّى قُبِضَ عَلَى ذَلِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "،

ترجمہ: حضرت زرارہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کی رات کی نماز کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا، آپ ﷺ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے پھر گھر آ کر چار رکعتیں پڑھتے تھے اس کے بعد اپنے بستر پر جا کر سو جاتے تھے اور وضو کا پانی آپ ﷺ کے سرہانے ڈھکا رہتا تھا اور مسواک بھی رکھی رہتی تھی یہاں تک کہ رات میں جس وقت اللہ چاہتا آپ ﷺ کو اٹھا دیتا پھر آپ ﷺ مسواک کرتے اور اچھی طرح وضو کرتے

۱۳۴۶- سنن النسائي (۱۳۲۸/۶۵/۳) - كتاب السهو باب السجود بعد الفراغ من الصلاة.

پھر نماز پڑھنے کی جگہ پر آتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت جو اللہ کو منظور ہوتی پڑھتے اور کسی رکعت کے بعد نہ بیٹھتے جب آٹھویں رکعت پڑھ چکتے تو بیٹھتے لیکن سلام نہ پھیرتے بلکہ نویں رکعت کے لیے بیٹھتے اور دعا کرتے جہاں تک اللہ چاہتا اور اس سے سوال کرتے اور اس کی طرف متوجہ ہوتے پھر ایک سلام زور سے پھیرتے اتنی آواز سے کہ قریب ہوتا کہ گھر والے جاگ اٹھیں پھر بیٹھے بیٹھے سورہ فاتحہ پڑھتے اور بیٹھے بیٹھے رکوع کرتے پھر دوسری رکعت بھی بیٹھے بیٹھے ہی رکوع وسجود کرتے پھر دعا مانگتے جب تک اللہ چاہتا پھر سلام پھیرتے اور نماز سے فارغ ہو جاتے آپ ﷺ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے جب آخر حیات میں آپ ﷺ کا جسم بھاری ہو گیا نو رکعات میں سے دو رکعتیں کم کر دیں اور چھ سات رکعتیں کھڑے ہو کر اور دو بیٹھ کر پڑھنے لگے اور پھر اسی طریقہ پر پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

رجال حدیث: علي بن حسين: یہ علی بن حسین بن مطر درہمی بصری ہیں، ٢٥٣ھ میں وفات ہوئی ہے، صدوق درجہ کے راوی ہیں۔

ابن أبي عدي: یہ محمد بن ابراہیم بن ابی عدی ابوعمرو بصری ہیں، دادا کی طرف منسوب ہیں، صغار تبع تابعین میں سے ہیں ١٩٤ھ میں وفات ہوئی ہے، ثقہ راوی ہیں۔

بهز بن حكيم بن معاوية بن حيدة القشيري: یہ ابوعبدالملک البصری ہیں، ١٦٠ھ میں وفات ہوئی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو صدوق درجہ کا راوی قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ ان کی احادیث پر حسن کا حکم لگاتے ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلاۃ اللیل کے بارے میں سوال کیا گیا، سائل غالباً سعد بن ہشام ہی تھے جن کا ذکر ماقبل کی روایات میں ہے، حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر آپ ﷺ گھر آتے اور چار رکعات پڑھ کر بستر پہ آرام کرنے کے لیے آجاتے، غالباً یہ چار رکعات عشاء کی سنن رواتب ہوں گی۔

قوله: وطَهُوره مغطّي: طہور بفتح الطاء بمعنی وہ پانی جس سے طہارت حاصل کی جائے، مُغَطّي صیغۂ اسم مفعول ہے بمعنی ڈھکا ہوا، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رات ہی کو اس اہتمام کے ساتھ سوتے تھے کہ تہجد کی تیاری کر لیتے پانی اور مسواک کو اپنے پاس رکھ لیتے تاکہ رات میں تہجد کے وقت پریشانی نہ ہو۔

قوله: ويسلم تسليمةً واحدةً شديدةً: یعنی آپ ﷺ جب وتر کی نماز سے فارغ ہوتے تو ایک سلام بلند آواز سے کہ سونے والا بھی جاگ جائے، اور ممکن ہے کہ زور سے سلام پھیرنے کا مقصد ہی اہل خانہ کو بیدار کرنا ہو، یاد رہے کہ ایک سلام کو زور سے پھیرنے سے دوسرے سلام کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ سلام تو دو ہی ہوتے تھے مگر ایک سلام آہستہ آواز سے

اور دوسرا بلند آواز سے، اس کی تفصیل ابواب السلام میں گزر بھی چکی ہے۔

فقہ الحدیث: حدیث باب سے حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کسی بھی عبادت کی تیاری اس کے وقت کے آنے سے پہلے ہی کر لینا بہتر ہے۔

جب آدمی سو کر اٹھے تو مسواک بھی کرنی چاہیے۔

آدمی میں جتنی طاقت ہو اسی کی بقدر عبادت کرنی چاہیے جب ضعف طاری ہو جائے تو عبادت میں کمی کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نوافل کو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے البتہ ماقبل میں یہ تفصیل آ چکی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹھ کر پڑھنا یا کھڑے ہو کر پڑھنا برابر ہے، آپ ﷺ کو ہر حال میں پورا ثواب ہی ملتا تھا، جب کہ امت کے لیے بیٹھ کر نوافل پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۷۹)

۱۳۴۷- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ بِإِسْنَادِهِ، قَالَ: يُصَلِّي الْعِشَاءَ، ثُمَّ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ، لَمْ يَذْكُرِ الْأَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ، وَقَالَ فِيهِ: فَيُصَلِّي ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَلَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ، إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ، فَإِنَّهُ كَانَ يَجْلِسُ، ثُمَّ يَقُومُ، وَلَا يُسَلِّمُ فِيهِ، فَيُصَلِّي رَكْعَةً يُوتِرُ بِهَا، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمَةً يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ حَتَّى يُوقِظَنَا، ثُمَّ سَاقَ مَعْنَاهُ.

ترجمہ: ہارون بن عبداللہ، یزید بن ہارون نے بہز بن حکیم سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنے بستر پر آتے، اس روایت میں عشاء کے بعد چار رکعت پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ، آپ ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے اور اس میں قراءت، رکوع اور سجدہ برابر کرتے اور صرف آٹھویں رکعت کے بعد بیٹھتے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اس کے بعد ایک رکعت پڑھ کر ان کو طاق کرتے اور بلند آواز سے سلام پھیرتے جس سے ہماری آنکھ کھل جاتی۔

تشریح حدیث: سابقہ روایت میں بہز بن حکیم سے نقل کرنے والے ابن ابی عدی تھے اور اس روایت میں یزید بن ہارون ہیں، دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں عشاء کے بعد چار رکعتوں کا ذکر تھا اور اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے، البتہ اس دوسری روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضور ﷺ کی تہجد کی آٹھ رکعتیں قراءت،

۱۳۴۷- مسند أحمد مخرجا (۴۰/ ۱۸/ ۲۴۰۱۹)

رکوع اور سجود کے اعتبار سے برابر ہوتی تھیں، مصنفؒ نے بہز بن حکیم کی اس روایت کو مزید دو سندوں سے اور پیش کیا ہے۔

۱۳۴۸- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ، عَنْ بَهْزٍ، حَدَّثَنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِهِ، فَيُصَلِّي أَرْبَعًا، ثُمَّ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ، ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ، وَلَمْ يَذْكُرْ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِي التَّسْلِيمِ حَتَّى يُوقِظَنَا.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا رسول ﷺ کی نماز کے متعلق۔ تو فرمایا: کہ حضور ﷺ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لاتے اور چار رکعت پڑھتے اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لے جاتے، باقی روایت حسب سابق ہے البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ، سلام اتنی زور سے پھیرتے کہ ہماری آنکھ کھل جاتی۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں بہز بن حکیم سے نقل کرنے والے ان کے تیسرے شاگرد مروان بن معاویہ ہیں، انھوں نے اپنی روایت میں یہ نقل نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی آٹھوں رکعتیں برابر برابر ہوتی تھیں، اسی طرح سے انھوں نے یہ بھی نقل کیا کہ آپ ﷺ ایک سلام زور سے پھیرتے تھے۔

۱۳۴۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَلَيْسَ فِي تَمَامِ حَدِيثِهِمْ

ترجمه: سعد بن ہشام نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن حماد بن سلمہ کی روایت دوسروں کی روایت کے برابر نہیں۔

تشریح حدیث: یہ بہز بن حکیم کے چوتھے شاگرد حماد بن سلمہ کی حدیث ہے، ماقبل میں ابن ابی عدی، یزید بن ہارون اور مروان بن معاویہ کی حدیث گزری ہے۔

قوله: وليس في تمام حديثهم: اس جملے کے دو مطلب ہیں، ایک تو یہ کہ حماد بن سلمہ کی روایت سابقہ تینوں راویوں (ابن ابی عدی، یزید بن ہارون، مروان) کی روایت کے مساوی نہیں ہے، اس صورت میں لفظ ''تمام'' مضاف ہے ''حديثهم'' کی طرف صاحب بذل نے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ (بذل المجهود: ۵/ ۱۰۷)

۱۳۴۸ - أخرجه النسائي في السنن الكبرى، كتاب الصلاة باب: الوتر بتسع (۱/ ۴۴۸/ ۴۵۳)
۱۳۴۹ - تفرد به أبو داود.

جب کہ صاحب منہلؒ نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تین راویوں (ابن ابی عدی، یزید بن ہارون اور مروان) کی روایات میں زرارہ بن اوفی اور عائشہؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا اور حماد بن سلمہ کی روایت میں سعد بن ہشام کا واسطہ ہے، مصنفؒ کا مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ حماد بن سلمہ کی روایت کے مقابلہ میں ان تینوں کی روایت مکمل نہیں ہے، اس صورت میں ''حَدِيثُهُمْ'' مرفوع ہے، اور اصل تقدیری عبارت ہے: ''وليس حديثهم في تمام'' کہ ان تینوں کی روایت تمام نہیں ہے اور تمام نہ ہونے کی وجہ ترک واسطہ ہے۔ (المنہل: ۷/ ۲۸۱)

۱۳۵۰-حَدَّثَنَا مُوسَى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، " أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُوتِرُ بِتِسْعٍ - أَوْ كَمَا قَالَتْ: وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت کہ رسول ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے نو رکعتیں وتر کی (یا کچھ ایسا ہی کہا) اور دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اور دو رکعتیں فجر کی سنت پڑھتے اذان اور اقامت کے درمیان۔

تشریح حدیث: اس روایت ''یوتر بتسع'' کے بارے میں نسخوں میں اختلاف ہے بعض نسخوں تو ''یوتر بتسع'' یعنی نو رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے اور بعض نسخوں میں ''یوتر بسبع'' ہے کہ سات رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ اسی وجہ سے راوی نے ''أو کماقالت'' کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں، یاد رہے کہ روایت میں ایک سلام سے نو رکعت پڑھنے کی کوئی تصریح نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا ہو۔

۱۳۵۱-حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِتِسْعِ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَوْتَرَ بِسَبْعِ رَكَعَاتٍ، وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ الْوِتْرِ يَقْرَأُ فِيهِمَا، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ، فَرَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى الْحَدِيثَيْنِ خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، مِثْلَهُ قَالَ فِيهِ: قَالَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ: يَا أُمَّتَاهُ كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ وتر کی نو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر (جب ضعیف ہو گئے تو) سات رکعتیں پڑھنے لگے اور رکعتیں وتر کے بعد پڑھتے، جس میں بیٹھ کر قراءت کرتے اور پھر رکوع کرتے اور سجدہ کرتے

۱۳۵۰-اخرجه النسائي في السنن الكبرى (۲/ ۱۷۴/ ۱۴۵۳)
۱۳۵۱-تفرد به أبو داود.

،امام ابوداؤد نے کہا: کہ ان دونوں روایتوں کو خالد بن عبداللہ واسطی نے نقل کیا ہے، جس میں یہ ہے کہ علقمہ بن وقاص نے کہا: اماں جان! دو رکعتیں کیسے پڑھتے تھے؟ پھر اسی کے ہم معنی روایت بیان کی۔

تشریح حدیث: مطلب یہ ہے کہ وتر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے، ان دو رکعتوں میں جب قراءت مکمل ہوتی تو رکوع سے پہلے کھڑے ہوجاتے پھر رکوع و سجود کرتے تھے، صاحب منہل فرماتے ہیں کہ رکوع سے پہلے کھڑے ہونا بعض اوقات میں ہوتا تھا ورنہ تو جب آپ ﷺ بیٹھ کر قراءت کرتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر ہی کر لیتے تھے۔

قال أبو داؤد: ''روي الحديثين خالد بن عبدالله'' الخ ماقبل میں مصنفؒ نے دو تابعین (ابوسلمہ، اور علقمہ) کی روایت کو بیان کیا تھا پھر ان دونوں ہی کی روایت کو مصنفؒ کے شیخ الشیخ حماد بن سلمہ نے بیان کیا تھا، اب مصنف فرمارہے ہیں کہ میرے دوسرے شیخ الشیخ خالد بن عبداللہ الواسطی نے بھی ان دونوں (ابوسلمہ اور علقمہ) کی روایت نقل کی ہے، گویا خالد بن عبداللہ عدیل ہیں، حماد بن سلمہ کے، لیکن حماد بن سلمہ اور خالد بن عبداللہ کی روایت کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ حماد کی روایت میں حضرت عائشہؓ سے کسی بھی طرح کے خطاب کے ذریعہ سوال کرنا مذکور نہیں ہے، جب کہ خالد کی روایت میں ''یا أُمَّتَاهْ'' کے خطاب کے ذریعہ حضرت عائشہؓ سے سوال کرنا مذکور ہے، پھر حضرت عائشہؓ نے سوال کے جواب میں تفصیلی جواب دیا ہے۔

قوله: ''یا أمتاه'' بضم الهمزه وفتح الميم المشددة، اس میں حرف ''ت'' یاءِ متکلم سے بدل ہے اور ''الف'' منادی مستغاث کی طرح زائدہ ہے، اور ''ہاء'' سکتہ کے لیے ہے ترجمہ ہوگا: اے میری ماں!

مصنفؒ نے خالد بن عبداللہ کی جس روایت کو ''قال أبو داؤد'' کے ذریعہ معلقاً روایت کیا ہے اس کو آگے ہی ''**وهب بن بقية عن خالد**'' کے طریق سے موصولاً ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

۱۳۵۲-حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: أَخْبِرِينِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ فَيَنَامُ، فَإِذَا كَانَ جَوْفُ اللَّيْلِ قَامَ إِلَى حَاجَتِهِ وَإِلَى طَهُورِهِ، فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ

۱۳۵۲-النسائي: كتاب قيام الليل، باب: ذكر اختلاف الناقلة عن عائشة في ذلك (۳/ ۲۲۰).

وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، ثُمَّ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، ثُمَّ يَضَعُ جَنْبَهُ، فَرُبَّمَا جَاءَ بِلَالٌ، فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ يُغْفِي، وَرُبَّمَا شَكَكْتُ أَغْفَى، أَوْ لَا، حَتَّى يُؤْذِنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَكَانَتْ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتَّى أَسَنَّ أَوْ لَحُمَ، فَذَكَرَتْ مِنْ لَحْمِهِ مَا شَاءَ اللَّهُ " وَسَاقَ الْحَدِيثَ .

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشامؒ سے روایت ہے کہ جب میں مدینہ میں آیا تو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ مجھ سے رسول ﷺ کی رات کی نماز کا حال بیان کیجیے انہوں نے فرمایا کہ رسول ﷺ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور پھر اپنے بستر پر آ کر سو رہتے درمیان شب بیدار ہوتے تو پہلے قضائے حاجت کے لیے جاتے اور پانی لے کر وضو کرتے پھر مسجد میں جا کر آٹھ رکعتیں پڑھتے سب رکعتیں، قیام، رکوع سجود میں برابر ہوتیں پھر ایک رکعت وتر کی پڑھتے پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے پھر لیٹ جاتے اسکے بعد بلالؓ آ کر رسول ﷺ کو نماز کے لیے ہشیار کرتے یہی آپ ﷺ کی نماز تھی جب آپ ﷺ کی عمر زیادہ ہوگئی اور جسم بھاری ہوگیا پھر رسول ﷺ کے فربہ ہوجانے کا حال بیان کیا

تشریح سند: قولہ: ''حدثنا وهب بن بقية الخ'' سابقہ روایت کے تحت مصنفؒ نے خالد بن عبداللہ کی روایت کا حوالہ دیا تھا، مگر چوں کہ خالد مصنفؒ کے استاذ نہیں ہیں بلکہ استاذ الاساتذہ ہیں جس کی وجہ سے روایت معلق ہوئی، مصنفین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تعلیق کے بعد اس کا وصل کرتے ہیں یعنی سند کا ابتدائی حصہ ذکر کر کے سند کی تکمیل کرتے ہیں، چناں چہ مصنفؒ نے بھی ''حدثنا وهب بن بقية عن خالد'' کہہ کر سند کی تکمیل کر دی، یہی روایت سنن بیہقی (۲/ ۳۳) میں ہے انھوں نے ابوداؤد کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ''حدثناه وهب بن بقية عن خالد'' اھ یعنی ''حدثناہ'' میں ضمیر لا کر بات واضح کر دی کہ یہ ماقبل کی تعلیق کا وصل ہے، اب آگے ''ابن المثنی'' سے نئی حدیث شروع ہو رہی ہے۔ لیکن اکثر نسخوں میں یہاں غلطی واقع ہے وہ یہ کہ ''ابن المثنی'' سے پہلے ''حاء تحویل'' لکھی ہوئی ہے، حالاں کہ یہاں سے تو نئی سند شروع ہو رہی ہے حاء تحویل کا یہاں کوئی مطلب ہی نہیں، لہٰذا یہ حاء تحویل غلط ہے، نیز جب ابن المثنی سے نئی سند کی ابتداء ہو رہی ہے تو پھر اس کے شروع میں ''حدثنا'' بھی پورا لکھا ہوا ہونا چاہیے، اور حدیث کا نمبر بھی یہیں لگانا چاہیے، یعنی اس طرح ہونا چاہیے ''۱۳۵۲ــ حدثنا ابنُ المثني حدثنا ابن الأعلى...'' لیکن چوں کہ جس طرح عام نسخوں میں لکھا ہوا تھا ہم نے اسی طرح لکھ دیا ہے اور غلطی ہوئی ہے، ہم نے جو لکھا ہے وہ خلاصہ ہے بذل المجہود اور المنہل کا۔ واللہ اعلم (المنہل: ۷/ ۲۸۳، بذل: ۵/ ۶۰۹)

تشریح حدیث: قولہ: ''فتوضأ'' یعنی آپ ﷺ سو کر اٹھتے استنجے وغیرہ سے فراغت کے بعد وضو کر کے نماز تہجد شروع فرماتے۔

قوله: يُخَيَّل إِلَيَّ: صیغۂ مجہول ہے، یعنی میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام رکعتوں میں قراءت، رکوع اور سجود کے اعتبار سے برابری رکھتے تھے۔

قوله: "ثم يضع جنبه": یعنی فجر کی دوسنتوں سے قبل تھوڑی دیر استراحت کے لیے لیٹ جاتے، اسی کو دوسری روایات میں اضطجاع سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

قوله: ثم يغفي: بضم الياء أي ينام نومًا خفيفًا، بولا جاتا ہے "أغفيت أغفاءً" میں تھوڑا سا سویا، ہلکی نیند سویا، اب مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد اور وتر کی نماز سے فراغت کے بعد فجر کی سنتوں سے قبل تھوڑی دیر لیٹ جایا کرتے تھے، مگر یہ لیٹنا اتنا مختصر ہوتا تھا کہ بسا اوقات تھوڑی ہی دیر میں حضرت بلالؓ فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے آجاتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کو شک ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کی آنکھ لگی بھی ہے یا نہیں۔

قوله: حَتَّى أَسَنَّ أو لَحِمَ: بعض نسخوں میں "سَنَّ" بھی ہے لیکن مشہور "أَسَنَّ" ہی ہے، أَسَنَّ الرَّجلُ: بوڑھا ہونا، عمر رسیدہ ہونا، اور "لَحِمَ" باب کرم سے ہے، لَحُمَ لَحَامَةً بمعنی موٹا ہونا، جسم میں زیادہ گوشت والا ہونا، مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ عمر رسیدہ ہوگئے اور آپ ﷺ کا بدن بھاری ہوگیا تو آپ نے تہجد کی رکعات میں کمی کر دی تھی۔

۱۳۵۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، ح وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَآهُ اسْتَيْقَظَ، فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ، وَهُوَ يَقُولُ: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ} حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِسِتِّ رَكَعَاتٍ، كُلُّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ، ثُمَّ أَوْتَرَ - قَالَ عُثْمَانُ: بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ فَأَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَخَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَقَالَ ابْنُ عِيسَى: ثُمَّ أَوْتَرَ، فَأَتَاهُ بِلَالٌ، فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ، ثُمَّ اتَّفَقَا - وَهُوَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي لِسَانِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي

۱۳۵۴-مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: الدعاء بمر صلاة الليلة: ۱۹۱-(۷۶۳) النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: ذكر ما يستفتح به القيام (۳/ ۲۱۰).

نُورًا، وَاجْعَلْ خَلْفِي نُورًا، وَأَمَامِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُورًا، وَمِنْ تَحْتِي نُورًا ، اللَّهُمَّ وَأَعْظِمْ لِي نُورًا»،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول ﷺ کے گھر سوئے، تو دیکھا آپ ﷺ جاگے اور مسواک کر کے وضو کی اور یہ آیت پڑھی: ان فی خلق السموٰت والارض الخ سورت کے ختم تک، اس کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جس میں قیام رکوع اور سجود میں طول کیا، پھر آکر سو رہے، یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے، پھر ایسا ہی تین بار کیا اور چھ رکعت وتر پڑھے، عثمان کی روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں، پھر مؤذن بلانے کے لیے آیا تو آپ ﷺ نماز کے واسطے تشریف لے گئے، ابن عیسی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وتر پڑھے بلال آئے اور نماز کے واسطے اطلاع کی، جب صبح صادق ہوگئی آپ ﷺ نے فجر کی دو رکعتیں سنت پڑھیں، پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ یہ دعا پڑھ رہے تھے: اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي لِسَانِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا، وَاجْعَلْ خَلْفِي نُورًا، وَأَمَامِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُورًا، وَمِنْ تَحْتِي نُورًا، اللَّهُمَّ وَأَعْظِمْ لِي نُورًا.

تشریح حدیث: یہاں سے مصنفؒ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو تفصیل سے بیان کررہے ہیں اور لگاتار چھ سندیں بیان کیں ہیں، ہم مجموعی طرق کو سامنے رکھ کر حدیث کی تشریح کرتے ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ فرمارہے ہیں کہ جب میں چھوٹی عمر کا تھا تو ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں گزاری، اور اس رات میں باری کے لحاظ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان کے یہاں تھے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے ساتھ کچھ دیر باتیں کیں پھر سو گئے، پھر جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی یا تہائی سے بھی کچھ کم تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر سورۂ آل عمران کی آیت (۱۹۰) پڑھی: ''إِنَّ فِي خلق السموات الخ'' پھر کھڑے ہوئے اور مشک سے پانی لیا پھر اچھی طرح وضو کیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی، ادھر میں بھی کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کے وضو کی طرح وضو کر کے آپ ﷺ کی بائیں طرف نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے گھما کر دائیں طرف کھڑا کرلیا، پھر آپ ﷺ نے تہجد اور وتر پڑھے اور آرام کے لیے لیٹ گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے، نیند میں خراٹے لینا بسا اوقات سانس کی نالی کے کشادہ ہونے اور قوائے جسم کی صحت وشفافیت کی علامت ہوا کرتا ہے، پھر جب فجر طلوع ہوئی اور معمول کے مطابق سنتِ فجر پڑھنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے سنتِ فجر ادا کی اور فجر کی سنت اور فرض کے درمیان آپ ﷺ نے یہ طویل دعا کی جو کہ متن میں مذکور ہے۔

فقه الحديث: نیند سے بیدار ہو کر مسواک کرنا سنت ہے، اسی طرح قرآن کی مذکورہ آیات کا پڑھنا بھی سنت ہے، حنفیہ کے مسلک کے مطابق وتر کا تین رکعات ہونا بھی اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد حدیث میں مذکور دعا کا پڑھنا بھی مسنون ہے، اکثر مشائخ کا معمول تھا کہ وہ اس دعا کو ضرور پڑھا کرتے تھے، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ''عوارف'' میں لکھا ہے کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں پایا جس نے اس دعا کو پابندی سے پڑھنے کا معمول بنایا ہو اور ایک خاص قسم کی برکت سے وہ سرفراز نہ ہوا ہو، لہٰذا اس دعا کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۱۳۵۴-حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، نَحْوَهُ قَالَ: وَأَعْظِمْ لِي نُورًا، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ قَالَ أَبُو خَالِدٍ الدَّالَانِيُّ، عَنْ حَبِيبٍ فِي هَذَا، وَكَذَلِكَ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ، وَقَالَ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي رِشْدِينَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

ترجمه: خالد نے حصین سے اسی طرح روایت کیا ہے اس میں اعظم لی نورا کا جملہ ہے، امام ابوداؤد نے کہا کہ: ابو خالد دالانی نے بواسطہ حبیب اور سلمہ بن کہیل نے بواسطہ ابی رشدین نے ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے

تشريح حديث: یہاں سے مصنفؒ نے تین تعلیقات نقل کی ہیں، ایک ''وہب بن بقیہ عن خالد عن حصین'' دوسری ''ابو خالد دالانی عن حبیب بن ابی ثابت'' اور تیسری ''سلمہ بن کہیل عن ابی رشدین'' ان تینوں تعلیقات کو لانے کا مقصد محمد بن عیسیٰ اور عثمان بن ابی شیبہ کی روایت کو تقویت دینا ہے اور تقویت بھی صرف ایک جملہ کے ثبوت میں یعنی ''اعظم لي نورًا'' کے ثبوت میں؛ اس لیے کہ رواۃ کا اس جملہ کے نقل کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے ''أعطني نورًا'' بھی نقل کیا ہے اور بعض نے ''أللهم اعظم لي نورًا'' بھی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم (المنہل العذب المورود: ۷/ ۲۸۷)

۱۳۵۵-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ لَيْلَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنْظُرَ كَيْفَ يُصَلِّي، فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، قِيَامُهُ مِثْلُ رُكُوعِهِ، وَرُكُوعُهُ مِثْلُ سُجُودِهِ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ، فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ، ثُمَّ قَرَأَ بِخَمْسِ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ}، فَلَمْ يَزَلْ يَفْعَلُ هَذَا حَتَّى صَلَّى عَشْرَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ قَامَ، فَصَلَّى سَجْدَةً وَاحِدَةً، فَأَوْتَرَ بِهَا، وَنَادَى الْمُنَادِي عِنْدَ ذَلِكَ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَمَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ، فَصَلَّى سَجْدَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ جَلَسَ حَتَّى صَلَّى

۱۳۵۴-انظر التخريج المتقدم.
۱۳۵۵-المعجم الكبير للطبراني (۱۸/ ۲۹۶/ ۷۶۱)

الصُّبْحَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «خَفِيَ عَلَيَّ مِنَ ابْنِ بَشَّارٍ بَعْضُهُ»

ترجمہ: فضل بن عباس سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول ﷺ کے پاس رہا؛ تا کہ دیکھوں کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ پس آپ ﷺ اٹھے، وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام رکوع کے برابر تھا اور رکوع سجدہ کے برابر، اس کے بعد آپ ﷺ سو رہے، پھر جاگے اور وضو کیا اور مسواک کی، پھر سورہ آل عمران کی پانچ آیتیں پڑھیں: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الخ، پھر ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ دس رکعتیں کیں، پھر کھڑے ہوئے اور وتر کی ایک رکعت پڑھی، تب ہی مؤذن نے اذان دی، آپ ﷺ کھڑے ہوئے، جب مؤذن اذان دے چکا تو آپ ﷺ دو مختصر سی رکعتیں پڑھ کر بیٹھ رہے، اس کی بعد صبح کی نماز پڑھی، ابوداؤد نے کہا کہ: ابن بشار کی حدیث کا بعض حصہ مجھ پر مخفی رہا۔

رجال حدیث: زہیر بن محمد: یہ زہیر بن محمد العنبری التمیمی ہیں، کنیت ابوالمنذر ہے، اہل شام کی روایت ان سے غیر مستقیم ہے، ابوحاتم رازی نے کہا ہے: ''محله الصدق'' امام نسائی نے ضعیف لکھا ہے، (تہذیب التہذیب وتہذیب الکمال)

شریک بن عبداللہ: یہ ابوعبداللہ القرشی المدنی ہیں، صغار تابعین میں شمار ہوتا ہے، ۱۴۰ھ میں وفات ہوئی ہے، ابن حجر عسقلانی نے ''صدوق يخطئ'' کہا ہے، جب کہ یحییٰ بن معین نے ''لا بأس به'' اور نسائی نے ''ليس بقوي'' کہا ہے امام ساجی فرماتے ہیں: ''يري القدر'' (تہذیب التہذیب: ۴/ ۳۳۸)

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون تو واضح ہے البتہ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس طریق میں واقعہ بجائے عبداللہ بن عباس؄ کے ان کے بھائی فضل بن عباس؄ کا مروی ہے، تمام محدثین اس واقعہ کو عبداللہ بن عباس؄ کا قرار دیتے ہیں صرف ہمارے مصنف؈ اس ایک طریق کے لحاظ سے اس کو حضرت فضل ابن عباس؄ کا واقعہ قرار دے رہے ہیں، البتہ محمد بن نصر نے بھی اس واقعہ کو فضل بن عباس؄ کا قرار دیا ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ اس روایت میں وہم واقع ہوا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ وہم شریک راوی کی جانب سے ہوا ہو چوں کہ وہ متکلم فیہ رواۃ میں سے ہیں، یا پھر اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت میمونہ کے گھر میں رات گزارنے کا واقعہ جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس؄ کا ہے اسی طرح فضل بن عباس؄ کا بھی ہو، مگر ہمیں قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں تعدد نہیں ہے اور واقعہ تو حضرت عبداللہ بن عباس؄ کا ہی ہے لیکن راوی نے مطلق ابن عباس دیکھ کر فضل بن عباس؄ نقل کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

قوله: قال أبو داؤد: ''خَفِيَ عَلَيَّ الخ'' یعنی محمد بن بشار کی اس حدیث کے بعض کلمات کو میں اچھی طرح محفوظ نہیں کرسکا ہوں، جیسے بھی سنے ہیں میں نے نقل کر دیئے ہیں مصنف؈ کا یہ کلام بھی کچھ نہ کچھ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ روایت میں کوئی وہم ہے، ہوسکتا ہے کہ مصنف؈ کی غرض اپنے اس کلام سے اسی کی طرف اشارہ کرنا ہو کہ

یہاں فضل بن عباس ؓ کا نام محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۵۶-حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ الْأَسَدِيُّ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَمَا أَمْسَى، فَقَالَ: «أَصَلَّى الْغُلَامُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَاضْطَجَعَ حَتَّى إِذَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ، «قَامَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ صَلَّى سَبْعًا - أَوْ خَمْسًا - أَوْتَرَ بِهِنَّ، لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ»

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کے پاس رہا، رسول ﷺ شام کو گھر میں تشریف لائے تو پوچھا کہ: کیا لڑکے نے نماز پڑھ لی؟ گھر والوں نے کہا: ہاں پڑھ لی، پس آپ ﷺ لیٹ گئے، جب رات گذری جتنی کہ خدا کو منظور تھی آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور وضو کیا، پھر سات یا پانچ رکعتیں طاق کر کے پڑھیں اور سب کے آخر میں سلام پھیرا۔

تشریح حدیث: اس روایت میں بھی مبیت ابن عباس ؓ کا واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اس روایت سے سمر فی اللیل کے جواز کو ثابت کیا ہے، ہمارے مصنفؒ نے قیام اللیل کو ثابت کیا ہے، صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض محارم کی موجودگی میں بھی اپنی بیوی کے ساتھ سویا جاسکتا ہے۔ (المنہل: ۷/۲۸۹)

۱۳۵۷-حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعًا، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَدَارَنِي، فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسًا، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ - أَوْ خَطِيطَهُ -، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى الْغَدَاةَ»،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر رات میں رہا رسول ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آئے پھر چار رکعتیں پڑھیں اور سورہے اسکے بعد آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ ﷺ کے بائیں جانب آ کھڑا ہوا، آپ ﷺ نے مجھے گھما کر اپنی داہنی طرف کھڑا کر لیا، پس اس مرتبہ آپ

۱۳۵۶-البخاري: كتاب العلم، باب: السمر في العلم (۱۱۷)، والنسائي في الكبرى.

۱۳۵۷-البخاري: كتاب العلم، باب: السمر في العلم (۱۱۷)، النسائي في الكبرى.

ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر آپ ﷺ سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی پھر (جاگے) اور کھڑے ہوکر دو رکعتیں فجر کی سنت پڑھیں، اسکے بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث کا طریق خامس ہے، اس میں یہ وضاحت اور آئی کہ آپ ﷺ فجر کی دوسنتوں کو پڑھ کر سو گئے تھے اور پھر اٹھ کر فرض نماز ادا کی وضونہیں فرمایا کیوں کہ آپ ﷺ کی نیند ناقض وضونہیں ہے۔

۱۳۵۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَ: فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَوْتَرَ بِخَمْسٍ وَلَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُنَّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے، دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں پڑھیں، پھر پانچ رکعتوں سے طاق کیا، درمیان میں نہ بیٹھے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث کا چھٹا طریق ہے، اس طریق میں حضرت ابن عباس ؓ فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ نے تہجد کی آٹھ رکعات دو دو کر کے پڑھی تھیں، سابقہ روایت میں اس کی وضاحت نہ تھی، نیز یہ کہ حضرت ابن عباس ؓ اس روایت میں ایتار بخمس موصولاً کو بیان کر رہے ہیں، اب شوافع کے یہاں تو یہ جائز ہے لیکن حنفیہ کے یہاں درست نہیں، اس لیے حنفیہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں جلوس طویل کی نفی ہے نفس قعدہ کی نہیں، اور جن پانچ رکعتوں پر وتر کا اطلاق کیا ہے ان میں وتر کی تین رکعتوں کے بعد کی نفل کی دو رکعتیں بھی شامل ہیں، دراصل آپ ﷺ پہلے وتر کی تین رکعتیں پڑھتے اور سلام پھیرنے کے بعد ذکر و دعا کے لیے طویل جلوس نہیں کرتے، بلکہ وتر کے بعد نفل کی دو رکعتیں پڑھتے اس کے بعد جس قدر چاہتے ذکر و دعا کرتے۔ واللہ اعلم

۱۳۵۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً بِرَكْعَتَيْهِ قَبْلَ الصُّبْحِ، يُصَلِّي سِتًّا مَثْنَى مَثْنَى، وَيُوتِرُ بِخَمْسٍ، لَا يَقْعُدُ بَيْنَهُنَّ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ»

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں سمیت تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پہلے چھ رکعتیں دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے، پھر پانچ رکعتیں بیٹھ کر طاق کرتے اور صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔

۱۳۵۸- انظر: التخريج السابق۔

۱۳۵۹- مسند احمد مخرجا (۴۳/ ۳۷۷/ ۲۶۳۵۸)

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں بھی ایتار خمس مذکور ہے جس کی تاویل حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے تحت لکھی جا چکی ہے۔

۱۳۶۰-حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً بِرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رات کو فجر کی سنتوں سمیت تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح حدیث: اس روایت میں اجمالی طور پر تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے کوئی کیفیت منقول نہیں ہے۔

۱۳۶۱-حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَجَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ الْمُقْرِئَ أَخْبَرَهُمَا، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ قَائِمًا، وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانَيْنِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا»، قَالَ جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ فِي حَدِيثِهِ: وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا بَيْنَ الْأَذَانَيْنِ، زَادَ جَالِسًا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر آٹھ رکعتیں پڑھیں اور اذان واقامت کے درمیان دو سنتیں پڑھیں اور ان دو رکعات کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں چھوڑا، جعفر بن مسافر کی روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ نے فجر کی اذان واقامت کے درمیان دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھیں۔

تشریح حدیث: یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھتے پھر تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھتے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، ان دو رکعتوں کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''لایَدَعهما'' کہ آپ ﷺ ان دو رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

قوله: ''زاد جالسًا'' یعنی راویٔ حدیث جعفر نے اپنی روایت میں ''صلی رکعتین بین الأذانین جالسًا'' کہا، جب کہ نصر بن علی کی روایت میں جالساً نہیں ہے، جب کہ بخاری کی روایت میں ''جالساً'' کی قید وتر کے بعد پڑھی جانے والی دو رکعتوں کے بارے میں ہے، فجر کی سنتوں کے بارے میں ''جالساً'' کی قید نہیں ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ فجر کی دو سنتوں کے بارے میں ''جالساً'' کی قید راوی حدیث جعفر کا وہم ہے، یا یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ

۱۳۶۰-مسلم: كتاب صلاة الليل، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل.... (۱۳۴/ ۷۳۴).

۱۳۶۱-البخاري: كتاب التهجد، باب: المداومة على ركعتي الفجر (۱۱۵۹).

نے کبھی عذر کی وجہ سے فجر کی دوسنتوں کو بھی بیٹھ کر ہی پڑھ لیا ہوگا۔

فقہ الحدیث: صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں کہ اس روایت میں وتر کی نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ وتر کے الگ تہجد کی صرف آٹھ رکعت پڑھنا مذکور ہے، اب اس سے بہ ظاہر حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں اس لیے کہ جب حضرت عائشہؓ وتر کے ساتھ تہجد کو بیان کرتی ہیں تو گیارہ رکعت بیان کرتی ہیں اور جب وتر کو ذکر نہیں کرتی ہیں تو صرف آٹھ رکعت نقل کرتی ہیں، جس کا صاف مطلب نکل رہا ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (بذل المجہود: ۵/ ۲۱۷)

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے فجر کی دوسنتوں کی تاکید اور اہتمام پر استدلال کیا ہے، اور بھی دیگر روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ ان دو رکعتوں کو سفر ہو یا حضر نہایت پابندی سے ادا فرمایا کرتے تھے۔

۱۳۶۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ؟ قَالَتْ: «كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ، وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ، وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ، وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ، وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ، قُلْتُ: مَا يُوتِرُ؟ قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ يَدَعُ ذَلِكَ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَحْمَدُ: وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی قیسؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعات کو طاق کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: کبھی سات پر، کبھی نو پر، کبھی گیارہ پر، اور کبھی تیرہ رکعات پر، عدد کو طاق کرتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے سات رکعات سے کم کبھی نہیں پڑھیں اور نہ ہی تیرہ رکعات سے زیادہ، آپ ﷺ نے پڑھیں اور ابوداؤد نے کہا کہ احمد بن صالح نے اپنی روایت میں یہ زیادتی نقل کی کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ فجر سے پہلے کی دو رعکت میں نقص نہیں کرتے تھے۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ نقص (کمی) سے مراد کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ فجر کی سنتوں کو آپ ﷺ کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے، احمد کی روایت میں نو رکعات کا ذکر نہیں ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن ابی قیسؒ کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے ساتھ کتنی رکعت وتر کی پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے اسی کا تفصیلی جواب دیا اور جواب میں چار، چھ، آٹھ اور دس کا عدد ذکر کرکے ہر ایک کے ساتھ تین کا عدد ذکر کیا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف

۱۳۶۲- مسند احمد مخرجا (۴۲/ ۸۱/ ۲۵۱۵۹)

راتوں کے قیام کی تفصیل بیان کررہی ہیں کہ کبھی آپ نے چار اور تین، کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین اور کبھی دس اور تین رکعات پڑھیں، اس میں چار، چھ، آٹھ اور دس رکعات تو تہجد کی ہوگئیں اور وتر کی تین ہی رکعات رہیں۔

اس روایت سے ۔۔۔یہ کا مسلک صاف طور پر واضح ہورہا ہے کہ آپ ﷺ کی وتر کی نماز تو روزانہ تین ہی رکعات ہوتی تھی، البتہ تہجد کی نماز میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، وقت میں گنجائش ہوتی تو زیادہ پڑھ لیتے اور اگر تنگی ہوتی تو کم کرلیتے، نیز حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں کہ آپ ﷺ کا قیام اللیل سات رکعات سے کم نہیں ہوتا تھا، اور تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، جس کی تطبیق ہم ماقبل میں بھی لکھ چکے ہیں کہ سات رکعات کی صورت میں چار رکعات تہجد تین رکعات وتر، نو کی صورت میں چھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر، گیارہ کی صورت میں آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر اور تیرہ کی صورت میں آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر اور دو رکعات وہ جو وتر کے بعد آپ ﷺ بیٹھ کر پڑھ لیا کرتے تھے، اور جس روایت میں پندرہ رکعات قیام اللیل منقول ہے اس میں وہ دو ہلکی اور خفیف رکعتیں بھی شامل ہیں جن کو آپ ﷺ تہجد شروع کرنے سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے، اس تطبیق کی روشنی میں تمام روایات متفق بھی ہوجاتی ہے۔

قوله: زاد أحمد بن صالح: "ولم يكن يوتر ركعتين قبل الفجر" یہاں "وَتَرَ يَتِرُ وَتْرًا" نقص کے معنی میں یا ترک کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ فجر کی دوسنتوں کو نہیں چھوڑتے تھے، جب حضرت عائشہؓ نے ناغہ کرنے یا چھوڑنے کے لیے "یوتر" کا لفظ ارشاد فرمایا تو حضرت عبداللہ بن ابی قیسؒ کی سمجھ میں نہیں آیا اس پر حضرت عائشہؓ نے وضاحت کردی کہ "یوتر" سے مراد "یدع" ہے، کہ آپ ﷺ صبح کی دوسنتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ ہمیشہ پڑھتے تھے۔

۱۳۶۳- حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ، فَقَالَتْ: «كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ اللَّيْلِ، ثُمَّ إِنَّهُ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَتَرَكَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُبِضَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قُبِضَ، وَهُوَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ، وَكَانَ آخِرُ صَلَاتِهِ مِنَ اللَّيْلِ الْوِتْرَ»

ترجمه: حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے رسول ﷺ کی

۱۳۶۳- مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل (۷۴۰)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في وصف صلاة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل (۴۴۲)، النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: وقت ركعتي الفجر

رات کی نماز کا حال دریافت کیا؟ انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے، پھر دو رکعتیں کم کردی اور گیارہ پڑھنے لگے، پھر آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس زمانہ میں آپ ﷺ نو رکعتیں پڑھتے تھے اور سب سے آخر میں وتر پڑھتے تھے۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہؓ اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کی رات کی نماز کا حال بیان کررہی ہیں، کہ آپ ﷺ رات میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے، جن میں آٹھ رکعات تہجد کی اور تین رکعات وتر کی اور دو رکعتیں وہ جو کہ آپ ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھ لیا کرتے تھے، پھر آپ ﷺ نے اس میں تخفیف کردی تھی کہ بیٹھ کر پڑھی جانے والی رکعات کو چھوڑ دیا تو تعداد گیارہ رہ گئی، پھر اس میں بھی آخری عمر میں تخفیف کردی تو تعداد نو رکعات رہ گئی، چھ رکعات تہجد کی، اور تین رکعات وتر کی۔

اس حدیث میں سنتِ فجر کا ذکر نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ حقیقتاً صلاۃ میں داخل نہیں ہیں، البتہ بعض روایات میں ان کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ تہجد و وتر سے فراغت کے بعد جلدی ہی فجر کی اذان ہوگئی تو آپ نے ان سنتوں کو بھی ادا کرلیا پھر آرام کرلیا تو گویا وہ بھی تہجد کے ساتھ ساتھ ہوگئیں اس لیے ان کو بھی ذکر کردیا۔

۱۳۶۴-حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ ، أَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ؟ قَالَ: " بِتُّ عِنْدَهُ لَيْلَةً وَهُوَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ، فَنَامَ حَتَّى إِذَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ - أَوْ نِصْفُهُ - اسْتَيْقَظَ، فَقَامَ إِلَى شَنٍّ فِيهِ مَاءٌ، فَتَوَضَّأَ وَتَوَضَّأْتُ مَعَهُ، ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ عَلَى يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَلَى يَمِينِهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِي كَأَنَّهُ يَمَسُّ أُذُنِي كَأَنَّهُ يُوقِظُنِي، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَدْ قَرَأَ فِيهِمَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى حَتَّى صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ، ثُمَّ نَامَ، فَأَتَاهُ بِلَالٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَامَ، فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى لِلنَّاسِ "

ترجمہ: حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا

۱۳۶۴-البخاري: كتاب الوضوء، باب: قراءة القرآن بعد الحدث وغيره (۱۸۳)، مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: الدعاء في صلاة الليل وقيامه(۷۶۳/ ۱۸۲-۱۸۵)، الترمذي في "الشمائل"، النسائي: كتاب الأذان، باب: إيذان المؤذنين الأئمة بالصلاة (۲/ ۳۰)، وكتاب قيام الليل، باب: ذكر ما يستفتح به القيام (۳/ ۲۱۰)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في كم يصلي بالليل؟(۱۳۶۳).

کہ رسول ﷺ رات کی نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: کہ ایک رات میں آپ ﷺ کے پاس رہا، اس رات آپ ﷺ میمونہ کے پاس تھے، آپ ﷺ سو گئے، جب تہائی یا آدھی رات گذری تو اٹھے اور ایک مشک کی طرف گئے جس میں پانی تھا، آپ ﷺ نے وضو کیا تو میں نے بھی وضو کیا، پھر آپ ﷺ نماز کو کھڑے ہوئے، میں آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے مجھے اپنی داہنی طرف کھڑا کر لیا، پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا گویا میرے کان مل کر مجھے ہوشیار کیا، پھر دو رکعتیں ہلکی پھلکی پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی اور سلام پھیر دیا، اس کے بعد وتر سمیت گیارہ رکعتیں پڑھیں، پھر سو رہے، اس کے بعد بلال آئے اور کہا: الصلوٰۃ یا رسول اللہ! آپ پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں اور اسکی بعد لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔

۱۳۶۵- حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ حَبِيبٍ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا رَكْعَتَا الْفَجْرِ، حَزَرْتُ قِيَامَهُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِقَدْرِ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ»، لَمْ يَقُلْ نُوحٌ: مِنْهَا رَكْعَتَا الْفَجْرِ

ترجمه: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کے پاس رہا، رسول ﷺ رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو تیرہ رکعتیں پڑھیں، جس میں دو رکعتیں فجر کی سنتوں کی پڑھیں، میں نے آپ ﷺ کے قیام کا اندازہ کیا تو آپ ﷺ کا قیام سورہ مزمل کے برابر تھا، نوح کی روایت میں فجر کی سنتوں کا ذکر نہیں ہے۔

تشریح احادیث: یہ دونوں حدیثیں مبیت ابن عباس ؓ سے متعلق ہیں، اور مبیت ابن عباس ؓ والی حدیث ماقبل میں بھی چھ سندوں سے گزر چکی ہے، بہتر تھا کہ مصنف ؒ ان دونوں طریق کو بھی وہیں نقل کر دیتے؛ تا کہ تمام طرق ایک ساتھ جمع ہو جاتے، یہاں کے طرق میں یہ بات بھی آئی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تہجد کی نماز میں ہر رکعت میں قراءت کی مقدار سورۂ مزمل کی بقدر تھی، یہ حضرت ابن عباس ؓ کا اپنا تخمینہ ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۶۶- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَخْبَرَهُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ، قَالَ: «فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ - أَوْ فُسْطَاطَهُ - فَصَلَّى

۱۳۶۵- النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: ذكر ما يستفتح به القيام (۲۱۰/۳).

۱۳۶۶- مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: الدعاء في صلاة الليل وقيامه (۷۶۵/ ۱۹۵)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في كم يصلي بالليل (۱۳۶۲).

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ أَوْتَرَ فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً»

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں دیکھوں گا کہ رسول ﷺ رات کی نماز کیونکر پڑھتے ہیں؛ لہذا میں آپ ﷺ کے دروازے (یا خیمہ کی چوکھٹ پر) سر رکھ سو رہا رسول ﷺ پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی پڑھی، پھر دو رکعتیں ان سے قدرے کم لمبی پڑھیں، پھر دو رکعتیں اس سے کم اور پھر دو رکعتیں اس سے کم اس کے بعد وتر پڑھے، یہ سب کل تیرہ رکعتیں ہوئی۔

لغات حدیث: لَأَرْمُقَنَّ: رَمَقَهُ بِعَيْنِهِ رَمْقًا (ن): دیر تک دیکھنا، فَتَوَسَّدْتُ: تَوَسَّدَ الوِسَادَةَ تَوَسُّدًا: سر کے نیچے تکیہ رکھنا، عَتَبَتَهُ: چوکھٹ، سیڑھی کا زینہ، (ج) عَتَبٌ وَعَتَبا، فُسطَاط: خیمہ، جمع فَسَاطِيط آتی ہے۔

تشریح حدیث: حضرت زید بن خالدؓ اپنے کسی سفر کا واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ میں نے دن میں یہ ارادہ کیا کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کہ آپ ﷺ کس طرح قیام اللیل کرتے ہیں؟ اس غرض سے جب رات ہوئی تو میں آپ ﷺ کے خیمہ کے دروازے کو تکیہ بنا کر یعنی اس پر سر رکھ کر سو گیا، روایت میں عتبہ اور فسطاط کا جو شک ہے وہ کسی راوی کا ہے۔ بہر حال یہ رات کو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر آپ کے خیمہ کی چوکھٹ یعنی اس کے دروازے پر سر رکھ کر سو گئے، رات کو جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام اللیل کیا تو انھوں نے اس کو دیکھا اور بیان کر رہے ہیں کہ آپ نے دو رکعت پڑھی جو انتہائی لمبی تھی، "طویلتین" کے لفظ کو تین مرتبہ نقل کیا دو رکعتوں کے طول کو بتانے کے لیے، یہ مطلب نہیں کہ آپ نے چھ رکعت پڑھیں، اس کے بعد پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو رکعتوں کی بہ نسبت کچھ مختصر تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اور بھی مختصر تھیں، اس طرح آپ نے آٹھ رکعات پڑھیں اور تین وتر پڑھے، تو آپ ﷺ کی قیام اللیل میں تیرہ رکعات ہو گئیں۔

فقہ الحدیث: اس سے حضرات صحابہؓ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معمولات کو شدت اہتمام کے ساتھ دیکھنا ثابت ہوتا ہے، اور ان حضرات کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے عمل کو دیکھ کر اپنے لیے نمونہ بنائیں۔ واللہ اعلم

۱۳۶۷- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۱۳۶۷- النسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب: ذكر ما يستفتح به القيام (۲۱۰/۳).

وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: «فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ، أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الآيَاتِ الْخَوَاتِمِ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي»، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: " فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ، فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، فَأَخَذَ بِأُذُنِي يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، – قَالَ الْقَعْنَبِيُّ: سِتَّ مَرَّاتٍ – ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى الصُّبْحَ "

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں اپنی خالہ اور زوجہ رسول ﷺ حضرت میمونہ کے پاس ایک رات رہا، پس میں تو تکیہ کے عرض میں لیٹا اور آپ ﷺ اسکے طول میں لیٹے، آپ ﷺ سو رہے، جب رات آدھی ہوگئی یا اس سے کچھ کم یا اس سے کسی قدر زیادہ تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور بیٹھ کر نیند کا اثر دور کرنے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرنے لگے، پھر سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر ایک مشک کی طرف گئے جو لٹکی ہوئی تھی، پھر اس سے پانی لے کر اچھی طرح وضو کیا، اس کے بعد نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ: میں بھی اٹھا اور جس طرح آپ ﷺ نے وضو کیا تھا میں نے بھی کیا اور نماز پڑھنے کے لے آپ ﷺ کے برابر آ کھڑا ہوا، آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر ملنے لگے، آپ ﷺ نے دو دو رکعتیں کر کے بارہ رکعتیں پڑھی، پھر وتر پڑھے اس کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن نماز کے لیے بلانے کو آیا آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد باہر تشریف لائے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

تشریح حدیث: یہ اس باب کی آخری حدیث ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے، اس میں بھی وہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر رات گزارنے کا واقعہ بیان کررہے ہیں، البتہ واقعہ کی ترتیب کچھ اس طرح بیان کررہے ہیں کہ ان کو ان کے والد حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے یہاں بعد عشاء کسی کام سے بھیجا، ان کو وہاں دیر ہوگئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب یہیں ٹھہر جاؤ، چناں چہ وہ ٹھہر گئے، اور رات کو اس طرح سوئے کہ تکیہ کی چوڑائی میں سر رکھا اور حضور ﷺ و حضرت میمونہؓ دونوں تکیہ کی لمبائی میں سر رکھ کر لیٹے، چوں کہ آپ ﷺ اس طرح لیٹتے تھے کہ داہنی کروٹ

لیٹنے کی صورت میں استقبال قبلہ ہو جائے تو ایک تکیہ پر تینوں کے سر رکھنے کی شکل یہ رہی ہوگی کہ تکیہ طول میں شرقاً وغرباً رکھا ہوا تھا، عرض اس کا جنوب وشمال میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ تکیہ کے طول میں سر رکھ کر اس طرح لیٹے کہ سر مغرب کی جانب اور قدمیں مشرق کی جانب ہو گئے، اور حضرت ابن عباسؓ تکیہ کے عرض کی اس جانب لیٹے جو شمال کی طرف تھا، یعنی شمال کی طرف کو پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے کیوں کہ اگر عرض کی اس جانب میں لیٹیں گے جو جانب جنوب میں ہے تو پاؤں قبلہ کی طرف ہو جائیں گے، کیوں کہ مدینہ میں قبلہ جانب جنوب میں ہے، اس لیٹنے کی ظاہری شکل اس طرح ہوگی:
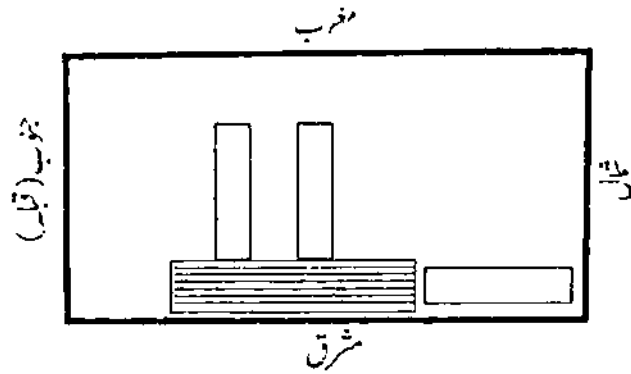
علامہ باجیؒ مالکیؒ سے منقول ہے کہ حدیث میں ''وسادۃ'' سے مراد تکیہ نہیں ہے، بلکہ بستر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بستر کے طول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ لیٹ گئے اور عرض میں حضرت ابن عباسؓ لیٹ گئے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ کے پیروں میں (المنتقی: ۱/ ۲۱۷) لیکن علامہ باجی کے بیان کردہ یہ معنی حدیث کے ظاہری الفاظ سے میل نہیں کھاتے، اسی وجہ سے امام نوویؒ نے ''وسادۃ'' کے عام معنی ہی مراد لیے ہیں، حضرت شیخؒ نے اوجز المسالک میں امام نوویؒ کے بیان کردہ معنی ہی کو مراد لیا ہے اور اس کی تائید میں کتاب العلل لابی زرعہ رازی کی ایک حدیث بھی پیش کی ہے: ''عن ابن عباس: ''أتيت خالتي ميمونة، فقلت: إني أريد أن أبيت عندكم، فقالت: كيف تبيت؟ وإنما الفراش واحد، فقلت: لاحاجة لي بفراشكم، أفرش نصف إزازي، وأما الوسادة فإني أضع رأسي مع رأسكما من وراء الوسادة'' یہ حدیث علامہ باجی کے بیان کردہ معنی کی نفی کرتی ہے۔ (اوجز المسالک: ۲/ ۵۸۸)

خلاصة الباب: اس باب میں کل ۳۴ روایات پیش ہوئیں ان میں سے ۲۵ / پچیس روایات تو حضرت عائشہؓ سے اور آٹھ روایات حضرت ابن عباسؓ سے اور ایک حضرت زید بن خالدؓ سے، ان تمام روایات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام اللیل کی تفصیل آئی ہے، جو روایات مذہب احناف کے بظاہر خلاف تھیں ہم نے ان کے مقام پر ان کی توجیہ نقل کر دی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقَصْدِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

۱۳۶۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ، حَتَّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ، وَإِنْ قَلَّ»، وَكَانَ إِذَا عَمِلَ عَمَلًا أَثْبَتَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اتنا یہ عمل کر جتنا کہ تم کر سکو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ثواب دیتے دیتے) نہیں تھکتا؛ لیکن تم (عمل کرتے کرتے) تھک جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی کام پسندیدہ ہے جس پر ہمیشہ عمل کیا جائے اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو، اور آپ ﷺ جب کسی کام کو کرتے تو اس پر مداومت اختیار فرماتے

مقصد ترجمہ: ''قصد'' کے معنی ہیں: راستہ کی استقامت، اعتدال اور میانہ روی، اسی سے ہے ''قصد السبیل'' یعنی وہ راستہ جو سیدھا ہو اور حق تک پہنچانے والا ہو، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ یہاں نماز میں میانہ روی کرنے کا مطلب ہے، افراط یا تفریط سے پرہیز کرنا، ماقبل میں امام ابوداؤدؒ نے قیام اللیل کو تفصیل سے بیان کیا تھا، اب ہو سکتا تھا کہ راتوں کو خوب مجاہدہ کیا جائے، لمبی لمبی نمازیں پڑھی جائیں، اس لیے امام ابوداؤدؒ نے یہ باب قائم کیا کہ نفلی عبادات میں اعتدال اور ایسی میانہ روی ہونی چاہیے کہ جو ہمیشہ کے لیے نبھ جائے، نہ تو ایسی کمی کرے جو مطلوب و مستحسن کے خلاف ہو، نہ ایسی زیادتی اور ایسا مبالغہ کرے جو نبھ نہ سکے اور نماز میں اعتدال علی سبیل المثال مذکور ہے ورنہ تو تمام ہی چیزوں اور عبادات میں راہ اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔

لغات حدیث: ''اِكْلَفُوْا'' صیغہ امر ہے، كَلِفَ يَكْلَفُ كَلَفًا (س) بمعنی کسی معاملہ میں تکلیف اٹھانا، برداشت سے کام لینا، یعنی اتنے کام کی تکلیف اٹھاؤ جو قابل تحمل ہو۔ يَمَلُّ: مَلَّ فُلَانٌ الشَّيْءَ (س) مَلَلاً و مَلَالاً: کسی چیز سے اکتا جانا، تنگ آ جانا۔ أَدْوَمُ: یہ صیغہ اسم تفضیل ہے، دَامَ يَدُوْمُ دَوَامًا ہمیشہ رہنا، ثابت رہنا، ٹھہرنا۔

تشریح حدیث: مصنفؒ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے یہ مختصر ہے صحیح بخاری میں اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک عورت خولہ بنت تویتؓ کی نماز کا ذکر کیا کہ یہ بہت نمازیں پڑھتی ہیں، نبی علیہ

۱۳۶۸- البخاري: كتاب الرقاق، باب: القصد والمداومة على العمل (۶۴۶۲)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره ۲۱۵ - (۷۸۲)، النسائي: كتاب القبلة، باب: المصلي يكون بينه وبين الإمام عشرة (۲/ ۶۸)، ابن ماجه: كتاب الزهد، باب: المداومة على العمل (۴۲۳۸).

الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کی بات کو سن کر فرمایا: اس طرح عبادت میں غلو نہ کرو رک جاؤ، اتنا زیادہ بار اپنے اوپر نہ لینا چاہیے جس کا نبھانا دشوار ہو جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے عبادت کا بہتر اور پسندیدہ طریقہ تعلیم فرمایا: ''اکلفوا من العمل ماتطیقون'' کہ اتنا کام کرو جس کو نبھا سکو عمل کی مقدار اتنی نہ ہو کہ تھک کر ترک عمل کی نوبت پہنچے۔

اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: فإن الله لا يملّ حتى تَمَلّوا اللہ کی قسم اللہ تو ثواب دینے سے تھکے گا نہیں، تم ہی عبادت کرنے سے تھک جاؤ گے۔

اشکال:

ملال کے معنی ہیں کسی چیز کو حرص ومحبت سے شروع کرنے کے بعد استثقال وکراہیت اور تنگ دلی کے باعث ترک کر دینا، اور یہ مخلوق کی صفات ہیں جب کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بھی ملال کی نسبت ہو سکتی ہے، حالاں کہ یہ اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی ہے؟

جواب اشکال:

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ملال کا استعمال مشاکلت کے طور پر ہوا ہے۔ مثلاً:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (شوریٰ آیت/ ۴۰)

اور برائی کا بدلہ ہے برائی ویسی ہی۔

بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقتاً نہیں محض صورۃً برائی ہوتی ہے، سیئہ کا اطلاق اس پر مشاکلۃً ہوا ہے، کیوں کہ سیئہ کا بدلہ سیئہ نہیں ہے، علامہ عینیؒ نے ایک دوسری مثال یہ پیش کی ہے۔

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (سورۂ بقرہ آیت/ ۱۹۴)

جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے کی۔ یعنی اگر کافر ماہِ حرام، حرم مکہ اور تمہارے احرام کی حرمت سے قطع نظر کر کے آمادۂ جنگ ہوں تم بھی کسی حرمت کا خیال نہ کرو، یہ منکرین اسلام کے اعتداء (زیادتی) کے جواب میں جو کارروائی ہے اس کو بھی اعتداء کہا گیا ہے، حالاں کہ یہ حقیقتاً اعتداء نہیں ہے، محض صورۃً اعتداء ہے۔

(عمدۃ القاری: ۱/ ۳۷۹)

امام خطابیؒ نے یہ جواب دیا ہے: ''فکنى عن الترك بالملال الذي هو سبب الترك'' یعنی ملال کا نتیجہ ترک ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب واجر کو ترک نہیں فرماتے جب تک کہ تم عمل ترک نہیں کرتے، بعض حضرات نے یہ توجیہ

کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ملال نہیں ہے وہ دینے سے نہیں تھکتا تو تمہاری طرف سے ملال کا مظاہرہ قطعاً نامناسب ہے اس لیے صرف ایسے کام اختیار کرو جن کو نبھا سکو۔

عمل میں مداومت سے تقرب کی شان نمایاں رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق واقعی کا اظہار ہوتا ہے، خودغرضی کی نوعیت نہیں ہوتی کہ غرض نکلنے کے بعد عمل کو غیر ضروری سمجھنے لگے، جب وفاداری دنیازمندی کو مقصد بنالیا جائے تو اعمال کسی بھی حالت میں ترک نہیں کیے جاسکتے، کوئی غرض کا بندہ ہے یا واقعی مطیع وفرماں بردار ہے؟ دوامِ عمل یا ترک عمل سے اس کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

قوله: "وكان إذا عمل عملاً أثبته" یہ حضرت عائشہؓ کا کلام ہے جس سے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کو بیان کررہی ہیں، کہ آپ ﷺ جب کوئی عمل کرتے تھے تو ثابت رکھتے تھے یعنی مداومت فرماتے تھے ایسا نہیں کہ ایک دن کیا پھر ترک کردیا۔

فقه الحديث: حدیث باب میں مداومتِ عمل کی فضیلت مذکور ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے جو بھی عمل خواہ کم ہی کیوں نہ ہو شروع کیا جائے اس کو ہمیشہ کیا جائے یہ اللہ کو بہت پسند ہے، اور مداومت عمل اسی صورت میں آسان ہوگا جب اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت پر بڑے ہی شفیق اور مہربان تھے، امت کو ایسے ہی کاموں کی ترغیب دی جن میں ان کے لیے آسانی اور نرمی ملحوظ ہو۔

۱۳۶۹- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا عَمِّي، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ، فَجَاءَهُ، فَقَالَ: «يَا عُثْمَانُ، أَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِي»، قَالَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَكِنْ سُنَّتَكَ أَطْلُبُ، قَالَ: «فَإِنِّي أَنَامُ وَأُصَلِّي، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَاتَّقِ اللَّهَ يَا عُثْمَانُ؛ فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصَلِّ وَنَمْ»

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے عثمان بن مظعون کو بلایا اور فرمایا: کیا تو میرے طریقہ کو ناپسند کرتا ہے؟ وہ بولے: یارسول! نہیں، میں تو آپ ہی کے طریقہ کو تلاش کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس اے عثمان! تو اللہ سے ڈر؛ تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے، تیرے مہمان کا حق ہے اور خود تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، پس

۱۳۶۹- مسند أحمد مخرجا (۴۳/۳۳۴/۲۶۳۰۸)

کبھی کبھی روزہ بھی رکھ اور کبھی نہ رکھ، نماز بھی پڑھ اور سویا بھی کر۔

رجال حدیث: ''عَمِّي'' یہ یعقوب بن ابراہیم ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

''أَبِي'' یہ ابراہیم بن سعد ہیں یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔

''ابن اسحق'' یہ محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر المدنی ہیں، مشہور مختلف فیہ رواۃ میں سے ہیں، امام بخاریؒ ان سے تعلیقاً روایت لیتے ہیں، ابن حجر عسقلانیؒ نے ان پر حکم لگایا ہے: ''صدوق یدلس ورمي بالتشیع والقدر''

''عثمان بن مظعون'' مشہور صحابیٔ رسول ہیں، صرف تیرہ حضرات صحابہ کے بعد ایمان لے آئے تھے اور ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جنھوں نے اسلام کی سب سے پہلی ہجرت کی ہے، ملک حبشہ کی طرف جو اسلام جو سب سے پہلی ہجرت ہوئی ہے اس میں شریک رہے، غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی اور اس کے بعد ۲ھ ہی میں وفات پا گئے، مدینہ منورہ میں وفات پانے والے سب سے پہلے مہاجر یہی ہیں، سنن ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کی وفات کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

تشریح حدیث: انھوں نے ''تبتل'' کا ارادہ کیا یعنی یہ ارادہ کیا کہ عورتوں سے علیحدگی اختیار کروں گا، تا کہ تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہوں، اس کی اطلاع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا، یہ آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عثمان! کیا میرے طریقہ سے اعراض کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم تو آپ ہی کی سنت اور طریقہ کو اختیار کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، ہماری حیات کا مقصد ہی آپ ﷺ کی پیروی ہے۔

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر میرے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو تو پھر میرا طریقہ ''تبتل'' نہیں ہے بلکہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں تو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں اور کبھی روزہ رکھتا ہوں، کبھی نہیں بھی رکھتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، اس لیے اے عثمان! اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو تمہارے گھر والوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اس حق کا ادا کرنا بھی عبادت ہے، تمہارے پاس مہمان آئیں ان کا بھی حق ہے ان کے ساتھ خوش روئی سے ملو ضیافت کا معاملہ کرو اور خود تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے؛ لہٰذا کھانا پینا اور دیگر بشری ضروریات میں اپنا خیال رکھو، اگر تم اطاعت کی کثرت سے اپنے آپ کو تھکا لو گے تو مذکورہ حقوق کی ادائیگی کس طرح کرو گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کسی بھی عمل میں میانہ روی اختیار کرو ایک عمل میں کثرت اختیار کرنے سے دوسرے فرائض کی انجام دہی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔

۱۳۷۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، كَيْفَ كَانَ عَمَلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ؟ قَالَتْ: «لَا، كَانَ كُلُّ عَمَلِهِ دِيمَةً، وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطِيعُ»

ترجمہ: حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ: آپ کس طرح عمل کرتے تھے؟ کیا آپ مخصوص ایام میں عمل کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں، آپ کا عمل ہمیشہ ہوتا تھا اور تم میں سے کون اتنی طاقت رکھتا ہے جتنی کہ آپ رکھتے تھے۔

تشریح حدیث: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر مہینہ تین دن کے روزے رکھنے کی ترغیب دی تھی، جس سے حضرت علقمہؒ نے یہ سمجھا کہ شاید آپ ﷺ ہر ماہ کے تین روزوں کے لیے ایام کو بیض (تیرہویں، چودھویں، پندرہویں) کو خاص کر لیتے ہوں گے، اس لیے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، اس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا عمل تو دائمی ہوتا تھا لیکن اس میں توسع تھا کہ کبھی ایام بیض میں رکھ لیے اور کبھی دوسرے دنوں میں، آپ ﷺ نے ایام بیض ہی کی تعیین نہیں فرمائی تا کہ وسعت رہے اور آسانی سے امت بھی عمل کر سکے، اگر ایام بیض ہی کو متعین کر دیتے تو اس پر دوام مشکل ہوتا اور آپ ﷺ کا عمل ہمیشہ ہوتا تھا، وقت کی تعیین نہ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ آسان ہو جاتی ہے، یہی ثابت کرنا ترجمۃ الباب کا مقصد بھی ہے۔

قولہ: "دِيمَةٌ" ہلکی اور برابر ہونے والی بارش، جھڑی، جمع "دِيَم" آتی ہے، مجازاً ہر اس کام اور عمل کو "دِيمة" کہا جاتا ہے جو مسلسل اور معتدل طریقہ پر ہو۔

الحمد للہ یہاں ابواب قیام اللیل کی تکمیل ہوگئی، آگے امام ابوداؤد، رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی نماز یعنی تراویح کی تفصیلات کو نقل فرما رہے ہیں۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان کے ابواب کی تفصیلات

یہاں سے امام ابوداؤدؒ نے ماہ رمضان کی نماز سے متعلق سات ابواب قائم کیے ہیں، اور مقصود "مسائل رمضان" کو بیان کرنا نہیں ہے؛ بلکہ رمضان میں پڑھی جانے والی نماز کے بارے میں تفصیلات نقل کرنا ہے، رمضان کے مسائل تو

۱۳۷۰- البخاري: كتاب الصوم، باب: هل يخص شيئا من الأيام (۱۹۸۷)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره ۲۱۷- (۷۸۳)، والترمذي في "الشمائل"، والنسائي في "الكبرى".

کتاب الصوم میں بیان کریں گے، چناں چہ ماہ رمضان کی نماز کے تعلق سے مصنفؒ نے جو ابواب قائم کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) باب: قیام شہر رمضان　　(۲) باب: لیلۃ القدر

(۳) باب لیلۃ القدر　　(۴) باب لیلۃ القدر

(۵) باب لیلۃ القدر　　(۶) باب لیلۃ القدر

(۷) باب لیلۃ القدر

یعنی ان سات ابواب میں سے ایک باب تو ماہ رمضان میں قیام اللیل یعنی تراویح کے متعلق ہے اور چھ ابواب لیلۃ القدر کی عبادت سے متعلق ہیں، اور مصنفؒ کی عادت ہے کہ جب ایک مسئلہ سے متعلق متعدد ابواب لانے ہوتے ہیں تو ایک جامع باب قائم کر دیتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں بھی کیا ہے، تفریع کے معنی ہیں تفصیل اور تجزیہ۔

بَابٌ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان کے قیام (تراویح) کا بیان

حضرت امام ابوداؤدؒ یہاں سے نماز تراویح کے مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے مصنفؒ نے اس باب میں کل سات حدیثیں نقل کی ہیں، جن میں سے تین حضرت ابو ہریرہؓ کی، تین حضرت عائشہؓ کی اور ایک حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ کی ہم ان ساتوں احادیث کی تشریح سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ تراویح کے مسئلہ پر مفصل کلام کر دیں اور پھر باب کی سب احادیث کا ترجمہ وتشریح پیش کریں، چناں چہ ہماری ذیل کی گفتگو دلائل صحیحہ کی روشنی میں اس پر ہوگی کہ تراویح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور اس کی صحیح تعداد بیس رکعات ہے۔

قیام رمضان سے مراد تراویح ہے:

حضرات محدثینؒ کے یہاں قیام رمضان سے مراد تراویح کی نماز ہے، اور تہجد کے لیے وہ قیام اللیل کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: ''**المراد بقيام رمضان صلاة التراويح يعني أنه يحصل بها المطلوب من القيام، لأن قيام رمضان لايكون إلا بها، وأغرب الكرماني فقال: اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح**'' (فتح الباری: ۴/۲۱۷)

رکعاتِ تراویح:

تراویح کی رکعات کی تعداد کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہ کا موقف بیس رکعات کے سنت ہونے کا ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں، ان ائمہ اربعہ میں سے سب اس بات کے قائل ہیں کہ تراویح کی بیس رکعات سنت ہیں، چناں چہ فتاویٰ قاضی خاں (۱ / ۱۱۲) میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ تراویح کی بیس رکعت مسنون ہیں، امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا مسلک بیس رکعت تراویح کا لکھا ہے (سنن ترمذی: ۱ / ۱۶۶) امام احمد بن حنبلؒ کا مختار قول بیس رکعات کا ہے (المغنی لابن قدامہ: ۲ / ۱۶۷) حضرت امام مالکؒ کا بھی ایک قول بیس رکعات ہے۔ (بدایۃ المجتہد: ۱ / ۱۵۲) البتہ امام مالکؒ سے ایک روایت میں چھتیس اور ایک میں اکتالیس رکعتیں بھی مروی ہیں، اکتالیس والی روایت میں تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں نفل بعد الوتر کی شامل ہیں؛ اس لیے ان سے وہی روایتیں رہ گئیں ایک بیس رکعات کی اور ایک چھتیس رکعات کی، پھر ان چھتیس رکعات کی اصل یہ ہے کہ اہل مکہ کا معمول بیس رکعات تراویح کا تھا لیکن وہ ہر ترویحہ کے درمیان ایک طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ چوں کہ طواف نہیں کر سکتے تھے اس لیے انھوں نے اپنی نماز میں ایک طواف کی جگہ چار رکعتیں بڑھا دیں، اس طرح ان کی تراویح اہل مکہ کے مقابلہ میں سولہ رکعتیں زیادہ ہوگئیں، اس سے معلوم ہوا کہ اصلاً ان کے نزدیک بھی رکعاتِ تراویح بیس تھیں۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲ / ۱۶۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیس رکعات تراویح پر حضرات ائمہ اربعہ کا تفاق ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب:

موجودہ زمانے کے غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ تراویح کی صرف اور صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں، اور کہتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے، غیر مقلدین اس سلسلہ میں تشدد کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آٹھ رکعات سے زیادہ پڑھنا بدعت ہے، چناں چہ ایک غیر مقلدین مولوی عبد الجلیل اپنی کتاب ''نبی کی نماز'' میں تحریر کرتا ہے: اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ نبی صاحب ﷺ نے بیس رکعات تو پڑھی ہی نہیں البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ پڑھی ہیں، اب سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے خدا پاک نے نبی صاحب ﷺ ہی کی فرماں برداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا لوگوں (صحابہ) کی؟ دین، اسلامی شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتیوں کو دیا ہے؟ لوگوں (صحابہ) کا زیادہ مقدار تراوح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ (نبی کی نماز: ص/ ۵۴)

ہم پہلے ان غیر مقلدین کے دلائل کو نقل کر کے ان کے جوابات لکھتے ہیں، کہ شریعت کی روشنی میں ان کے دلائل کی کیا حیثیت ہے، تراویح کے آٹھ رکعات ہونے پر ان کا استدلال کرنا کہاں تک درست ہے اس کے بعد جمہور اہل سنت والجماعت کے دلائل کو پیش کریں گے۔

آٹھ رکعات تراویح کی پہلی دلیل:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: «مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاَثًا قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلاَ يَنَامُ قَلْبِي [صحيح البخاري: كتاب التهجد: بابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِه:(۲/ ۵۳/ ۱۱۴۷)]

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: آں حضرت ﷺ کی نماز ماہ رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ رکعات سے بڑھاتے تھے، نہ غیر رمضان میں، چار رکعات اس طرح پڑھتے تھے کہ ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو پھر چار رکعات پڑھتے ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو، پھر تین رکعت وتر پڑھتے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ! آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھ سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

یہ ہے غیر مقلدین کی پہلی دلیل، جس سے وہ پورے زور وشور کے ساتھ استدلال کرتے ہیں کہ تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں ہیں، لیکن ان مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس نماز کا تذکرہ فرمارہی ہیں جو رمضان کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے اور ظاہر کہ سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا، یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہؓ جیسی سخن فہم اور منشاء سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ، ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان نہیں کرسکتا چہ جائے کہ حضرت عائشہؓ جیسی کی، ذہین وصاحب سلیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا؟

اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے، چوں کہ تراویح کے متعلق تو خود بخاری کی حدیث ہے جس کو ہم عنقریب نقل کریں گے کہ آپ ﷺ نے تراویح کی

نماز صرف تین روز پڑھائی ہے، پھر صحابہ کرامؓ تشریف لائے مگر آپ ﷺ تشریف نہیں لائے، اور نماز نہیں پڑھائی، پس جب کہ روایات صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ تراویح کی نماز صرف تین دن پڑھائی ہے جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی، تو پھر ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا دھوکہ دہی نہیں تو اور کیا ہے؟

تہجد کی نماز آں حضرت ﷺ سال بھر پڑھتے تھے؛ مگر نہ کبھی اس میں اس طرح اجتماع ہوا، نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی، نہ کبھی آں حضرت ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے تصریح کردی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا مذکورہ ارشاد نماز تہجد کے متعلق ہے نہ کہ نماز تراویح کے متعلق۔

شارح بخاری علامہ کرمانی فرماتے ہیں: "أما أن المراد بها صلاۃ الوتر والسوال والجواب واردان علیہ" یعنی حدیث شریف میں تہجد مراد ہے، ابوسلمہ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا، آگے لکھتے ہیں کہ اگر تہجد مراد نہ ہوتی تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوتی جس میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ (الکوکب الدراری: ۹/ ۱۵۶)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''وصحیح آنست کہ آں چہ آں حضرت ﷺ گزارد ہمہ تہجد وے بود کہ یازدہ رکعات باشد'' اور صحیح یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ گیارہ رکعات (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/ ۵۴۴)

اس کے علاوہ حضرات محدثین نے اس حدیث عائشہ کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات محدثین اس روایت کو تہجد کے بارے ہی میں مان رہے ہیں، ملاحظہ ہو صحیح بخاری: ۱/ ۱۵۴) صحیح مسلم (۱/ ۲۵۴) سنن ابوداؤد: ۱/ ۱۹۶) سنن ترمذی: ۱/ ۵۸) سنن نسائی: ۱/ ۱۵۴) موطا امام مالک (۱/ ۴۲) ان کے علاوہ حافظ حدیث ابن قیم جوزیہ نے بھی زاد المعاد (۱/ ۸۶) میں اس کو تہجد کے بیان ہی میں نقل کی ہے۔ اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان میں عبادت کے طور پر تراویح کے ساتھ ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق سمجھ لینا صحیح نہیں ہے، تہجد بھی چوں کہ رمضان کی ایک عبادت ہے اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے، پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا۔ إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.

حدیث عائشہؓ نماز تہجد ہی کے بارے میں ہے اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ تاریخ الخلفاء کے مطابق ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت شروع کرائی اور حضرت عائشہؓ کا وصال ۵۷ھ میں ہوا ہے پورے بیالیس سال حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے ساتھ متصل مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح کی جماعت جاری رہی، حضرت عائشہؓ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ روایت فرماتی ہیں کہ جس نے اس دین میں بدعت جاری کی وہ مردود ہے (متفق علیہ) مگر یہ ثابت

نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عائشہؓ نے بیالیس سال میں ایک دفعہ بھی اس تہجد والی حدیث کو بیس رکعات تراویح والوں کے خلاف پیش فرمایا ہو، اب دو ہی راستے ہیں، یا تو مان لیا جائے کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں، حضرت بھی یہی سمجھتی تھیں، یا یہ مان لیا جائے کہ حضرت عائشہؓ اس حدیث کو بیس رکعات تراویح کے خلاف سمجھتی تھیں، لیکن ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت اتنی بھی نہ تھی جتنی آج کل کے غیر مقلدین میں ہے، الامان الحفیظ۔

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لیے کسی بھی طرح حجت نہیں، اس کے برخلاف بیس رکعت تراویح کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جس کو ہم عنقریب نقل کریں گے کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے، اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے، امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے کہ "**إذا تنازع الخبران عن النبي ﷺ ينظر بما أخذبه أصحابه**" (سنن ابوداؤد: ۱/ ۲۶۳) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسا کہ آٹھ رکعات اور بیس رکعات والی حدیثیں) تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہ کس کے مطابق ہے، جس کے مطابق ہوگا وہ لائق عمل ہے۔

امام مالکؒ سے مروی ہے: "**إذا جاء عن النبي ﷺ حديثان مختلفان وبلغنا أن أبا بكر وعمر عمِلا بأحد الحديثين وتركا الآخر كان ذٰلك دليلاً على أن الحق فيما عمِلا به**" یعنی جب آں حضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انھوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے۔ (التعلیق الممجد علی موطامحمد: ۱/ ۴۴)

امام بیہقیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل کرتے ہیں: "**لما اختلف أحاديث الباب ولم يتبين الراجح منها نظرنا إلى ما عمل به الخلفاء الراشدون بعد النبي ﷺ فرجحنا به أحد الجانبين**" یعنی جب ایک باب میں مختلف حدیثیں آگئی ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے تو ہم خلفاء راشدین کے عمل کو دیکھیں گے، اور اس سے ترجیح دیں گے۔ (فتح الباری: ۲/ ۲۶۹)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نصوص ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو صحابہ کے عمل کے ذریعہ ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا حدیث عائشہؓ کو حدیث ابن عباسؓ کے معارض مان لیا جائے تو بھی تعامل صحابہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت لائق عمل ہوگی، ورنہ تو حقیقتاً تعارض ہے ہی نہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت میں تہجد کا بیان ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں نماز تراویح کا بیان دونوں کا محمل ہی الگ الگ ہے۔

آٹھ رکعت تراویح کی دوسری دلیل:

غیر مقلدین نے آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت کے سلسلے میں دوسری دلیل کے طور پر حضرت جابرؓ کی حدیث کو پیش

کیا ہے اور ان غیر مقلدین کو اس پر بڑا ناز ہے، پہلے حدیث کا متن اور ترجمہ پیش ہے پھر اس پر مناقشہ:

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الطَّلْحِيُّ الْكُوفِيُّ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْقُمِّيُّ، عَنْ عِيسَى ابْنِ جَارِيَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ , فَلَمَّا كَانَتِ الْقَابِلَةُ اجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ يَخْرُجَ , فَلَمْ نَزَلْ فِيهِ حَتَّى أَصْبَحْنَا , ثُمَّ دَخَلْنَا , فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ , اجْتَمَعْنَا الْبَارِحَةَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ: إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ (المعجم الصغير للطبراني: ۱/۳۱۷/۵۲۵)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں، اور وتر پڑھائے جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں جمع ہو گئے اور ہم نے امید کی کہ آپ ﷺ (آج بھی نماز پڑھانے کے لیے) نکلیں گے، ہم صبح تک انتظار کرتے رہے (مگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے) پھر ہم آپ ﷺ کی خدمت میں گئے اور ہم نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہم رات مسجد میں جمع تھے اور ہم یہ امید کر رہے تھے کہ آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خوف تھا کہ یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ کر دی جائے۔

غیر مقلدین کو اس روایت پر بڑا ناز ہے؛ حالاں کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی سند کے رجال کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے،

سند میں ایک راوی تو ہیں: ’جعفر بن حمید رازی‘‘ ان کے متعلق ناقدین حدیث فرماتے ہیں:

وهو ضعيف. (حافظ ذہبیؒ)

كثير المناكير (یعقوب ابن شیبہ)

فيه نظر (امام بخاری)

كذبه أبو زرعة (ابوزرعہ رازی)

أشهد أنه كذاب (اسحاق کوسج)

والله يكذب (ابن خراش)

ليس بثقة (امام نسائی) (دیکھئے میزان الاعتدال: ۳/۴۹)

دوسرے راوی یعقوب بن عبداللہ اشعری القمی ہیں، ان کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: ’’ليس بالقوي‘‘

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ ہیں انکے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

عنده مناكير ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

منكر الحديث. (امام نسائی)

متروك الحديث. (نسائی)

منكر الحديث. (ابوداؤد) (میزان الاعتدال: ۲/ ۴۳)

حدیث جابرؓ کی سندی صورت حال آپ کے سامنے آگئی کیا ایسی سند جس میں تین تین راوی ضعیف ہیں وہ صحیح ہوسکتی ہے اوراس کو آٹھ رکعات تراویح کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟ نیز اگر حضرت جابرؓ کے پاس آٹھ رکعات کی یہ حدیث ہوتی تو کیا اس پر عمل نہ کرتے، سب صحابہ مسجد نبوی میں بیس رکعات پڑھیں اور حضرت جابرؓ بالکل مخالفت نہ کریں نہ اپنے عمل سے اور نہ ہی زبان سے کیا ایسا ممکن ہے کہ ان کے پاس آٹھ رکعات کی روایت ہو اور وہ منع نہ فرمائیں؟ غیر مقلدین کو جواب دینا چاہیے۔

آٹھ رکعت تراویح کی تیسری دلیل:

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے آٹھ رکعات تراویح کے ثبوت میں تیسری دلیل حضرت عمر بن الخطابؓ کا اثر پیش کیا ہے: "**عن محمدبن يوسف عن السائب بن يزيد أنه قال: أَمَرَ عمربنُ الخطاب رضي الله عنه أُبَيَّ بن كعبٍ وتميمًا الداري أن يَقُوْمَا للناس بإحدىٰ عشرة ركعةً، وكان القارئ يقرأ بالمئين حتى كنا نَعْتَمِدُ عَلى العصيِّ من طُولِ القِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا في فُرُوْعِ الفجر**" (موطا امام مالک، حدیث/ ۲۴۳)

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں، چناں چہ قاری سوسو آیات پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم طولِ قیام کی وجہ سے عصاء پر سہارا لگالیا کرتے تھے اور ہم فجر کے وقت نماز سے فارغ ہوکر آتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثر مضطرب ہے، اس میں محمد بن یوسف پر اختلاف ہے، چناں چہ امام مالکؒ نے تو ان سے گیارہ رکعات ذکر کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے تیرہ رکعات نقل کیا ہے، جب کہ داؤد بن قیس وغیرہ نے اکیس رکعتیں نقل کی ہیں اور وہم اس میں محمد بن یوسف کی طرف سے ہے، اس کے مقابلہ میں یزید بن خصیف کی روایت جو انھوں نے سائب بن یزید سے نقل کی ہے محفوظ ہے، اس لیے کہ ان کی روایت میں اختلاف بھی نہیں ہے اور محمد بن جعفر نے ان کی متابعت بھی کی ہے، جیسا کہ امام بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار میں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے: وهذا

اختلاف یسقط الاحتجاج بالأثر" (اعلاء السنن: ۷/ ۸۴)

اس کے علاوہ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ گیارہ کا حکم دیں اور عہد فاروقی کے صحابہ وتابعین خلیفہ راشد کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور بیس رکعات پڑھنی شروع کر دیں۔ اور اگر بفرض محال یہ اثر صحیح بھی ہو تو صحابۂ کرامؓ کا بیس رکعت پر اجماع اس کے منسوخ ہونے کی علامت ہے پس آٹھ رکعت پر عمل کرنے والا اجماع صحابہ کا مخالف اور روایاتِ منسوخہ پر عامل ہے۔

یہ تھی آٹھ رکعات والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں، افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے ☆ دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

بیس رکعات تراویح کے دلائل:

ذیل میں بیس رکعات تراویح کی احادیث اور حضرات محدثین وفقہاء کرام کے اقوال وارشادات پیش کیے جاتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ بیس رکعات ہی سنت ہے، نہ آٹھ رکعات۔

تراویح دورِ نبوی میں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، ثنا أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ» (أخرجه البيهقي: ۲/ ۴۹۶، كتاب الصلاة: باب ماروي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، وذكر الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۳/ ۱۷۵، والمعجم الكبير للطبراني: ۱۱/ ۳۹۳/ ۱۲۱۰۲، والمعجم الأوسط للطبراني: ۱/ ۲۴۴/ ۷۹۸، ومصنف ابن ابي شيبة: ۲/ ۱۶۴/ ۷۶۹۲، والمطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية: ۴/ ۴۲۵/ ۵۹۸)

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں بیس رکعت تراویح کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی ہے، یہ روایت مؤید بعمل الصحابہ ہے، غیر مقلدین اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مگر غیر مقلدین اس بات کو بھول گئے کہ سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو، مثلاً یہ کہ آں حضرت ﷺ نے آمین بالجہر فرمائی یا آمین بالسر اور جہاں اختلاف ہی نہ ہو حضرات صحابہ کے دورِ مقدس سے لے کر آج تک تمام علماء ومحدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی

ہو یہ اتفاق، یہ عمل تواتر اور تلقی بالقبول خود ایک قابل وثوق سند ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کی سند کے صرف ایک راوی ابوشیبہ متکلم فیہ ہیں؛ جن کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: ابوشیبہ آں قدر ضعف نہ دارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود" یعنی ابوشیبہ اس درجہ کے ضعیف راوی نہیں کہ ان کی روایت بالکل مردود ہو جائے، حضرت شاہ صاحب کی بات بالکل حق ہے کیوں کہ کسی راوی پر جرح دو باتوں کی وجہ سے کی جاتی ہے ایک باعتبار عدالت کے، دوسرے باعتبار حفظ وضبط کے، ابوشیبہ کی عدالت کے متعلق امام بخاری کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون فرماتے ہیں: **ما قضى على الناس في زمانه أعدل في قضاء منه** 'ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ عدل وانصاف والا کوئی قاضی نہیں ہوا، اور ابوشیبہ کے متعلق حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: ''**إبراهيم بن عثمان أبو شيبة الحافظ**'' ان دونوں باتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابوشیبہ اتنے مجروح نہیں کہ ان کی روایت بالکلیہ چھوڑ دی جائے بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ روایت کو امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے، اگر ان سے بھی کم درجہ کے راوی کی روایت ہو اور اسکو تعامل صحابہ کی تائید حاصل ہو تو وہ روایت ترقی کر کے درجہ حسن کو ضرور پہنچ جاتی ہے اصول حدیث کا یہی قاعدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تراویح اور تہجد الگ الگ تھی:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ، فَجِئْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَامَ أَيْضًا حَتَّى كُنَّا رَهْطًا فَلَمَّا حَسَّ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّا خَلْفَهُ جَعَلَ يَتَجَوَّزُ فِي الصَّلَاةِ، ثُمَّ دَخَلَ رَحْلَهُ، فَصَلَّى صَلَاةً لَا يُصَلِّيهَا عِنْدَنَا، قَالَ: قُلْنَا لَهُ: حِينَ أَصْبَحْنَا أَفَطَنْتَ لَنَا اللَّيْلَةَ قَالَ: فَقَالَ: «نَعَمْ، ذَاكَ الَّذِي حَمَلَنِي عَلَى الَّذِي صَنَعْتُ» (صحيح مسلم: ۲/۷۷۵/۱۱۰۴)

اسی حدیث میں حضرت انسؓ فرمار ہے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں ایک رات نماز پڑھ رہے تھے میں آیا اور آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، ایک دوسرے صاحب آئے وہ بھی ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک گروہ بن گئے، جب نبی ﷺ نے محسوس فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ نے رکعتیں چھوٹی کر دیں، اور حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے، وہاں آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو نماز صحابہ کے ساتھ ادا فرمائی وہ نماز تراویح تھی اور گھر جا کر جو نماز ادا فرمائی وہ تہجد تھی، اس لیے حضرت فاروق اعظمؓ بھی تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے، فرمایا

کرتے تھے: والتي ينامون عنها افضل من التي يقومون، يريد اخر الليل و كان الناس يقومون اوّله'' یعنی وہ نماز جس سے لوگ سوجاتے ہیں (تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو (بخاری شریف: ۱/ ۲۶۹) اس سے غیر مقلدین کی اس بات کی تردید ہوجاتی ہے کہ حضور ﷺ کی تراویح اور تہجد الگ الگ نہ تھی۔

تراویح دورِ صدیقی میں:

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انفرادی طور پر یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں تراویح کی نماز پڑھتے تھے، البتہ تعداد کے بارے میں واضح روایات نہیں ہیں۔

تراویح دورِ فاروقی میں:

خلیفۂ راشد سیدنا عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بیس رکعات تراویح کا اہتمام ہوتا تھا، چناں چہ امام مالکؒ نقل فرماتے ہیں:

''عن يزيدبن رُومانَ أنَّهُ قال: كَانَ الناسُ يَقُوْمُوْنَ في زَمَانِ عُمَربنِ الخطَّابِ في رَمَضَانَ بِثَلاثٍ وعشرين ركعةً'' (الموطاللإمام مالك: ص/ ۱۰۵، حديث/ ۲۵۴، كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان)

ترجمہ: یزید بن رومان سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں لوگ تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

۲۳ / رکعات سے مراد ۲۰ / رکعات تراویح اور ۳ / رکعات وتر کی نماز ہے، حضرت عمرؓ کے اس عمل پر کسی صحابی نے نکیر نہیں فرمائی بلکہ دوسرے خلفاء راشدین کے عہد میں بھی اسی پر عمل رہا جیسا کہ ہم عنقریب نقل کریں گے۔

دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں منقول ہے:

''عن يحيى بن سعيد أَنَّ عمربنِ الخطَّابِ أَمَرَ رَجلاً يُصَلِّي بِهِمْ عِشرِيْنِ رَكْعَةً'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۳۹۳، حدیث/ ۷۶۸۲)

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

نیز محدث کبیر علامہ عبدالرزاق صنعانیؒ نے روایت نقل کی ہے:

''عن السائب بن يزيد أنَّ عُمَرَ جَمعَ النَّاسَ في رمَضانَ عَلَى أَبي بن كعبٍ وعلى تَمِيمِ الدَّاريِّ عَلى احدَى وعشرين ركعة يقرؤن بالمِئِينَ وينصرِفُونَ عَن فروعِ الفَجْرِ'' (مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۲۶۰، حدیث/ ۷۷۳۰)

ترجمہ: سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کی اقتداء میں اکیس رکعات تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا وہ حضرات سوسوآیتوں والی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فجر کے قریب قریب اس نماز سے فارغ ہوتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے مزید ایک اثر نقل کیا ہے: ''عن عبدالعزیز بن رفیع قال: کان أُبَيُّ بنُ کعبٍ یصلّی بالناس فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَةِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۶۳، حدیث/ ۷۶۸۴)

ترجمہ: عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے اس کے بعد تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

تراویح عہدِ عثمانی میں:

تیسرے خلیفہ رُاشد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے زمانہ میں بھی باجماعت بیس رکعات تراویح کا معمول رہا ہے، چناں چہ امام بیہقیؒ نقل کرتے ہیں: ''عن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرین رکعة، قال: وکانوا یقرؤن بالمئین، وکانوا یتوکؤن علی عصیهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة القیام'' (سنن کبری بیهقي: باب عدد رکعات القیام في رمضان: ۲/ ۶۹۸، حدیث/ ۴۲۸۸)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں بھی، اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے۔

عہد عثمانی میں ایک مسلمان کا نام بھی نہیں پیش کیا جاسکتا جو آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر جماعت سے نکل جاتا ہو یا کسی ایک شخص نے بھی بیس رکعات تراویح کو بدعت کہا ہو۔

تراویح عہدِ علی المرتضیٰ میں:

چوتھے خلیفہ رُاشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی باجماعت بیس رکعات تراویح اور تین وتر ادا کیے جاتے تھے، امام بیہقیؒ نقل فرماتے ہیں: ''عن أبی عبدالرحمن السلمي عن علي قال: دَعَی القراء في رمضان فأمر منهم رجلاً یصلي بالناس عشرین رکعة، قال: وکانَ عَلِيٌ یُوتِرُ بِهِمْ'' (سنن بیهقي: ابواب صلاة التطوع، باب عدد رکعات القیام في شهر رمضان: ۲/ ۶۹۹، حدیث/ ۴۲۹۱)

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے

ایک کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا، اور وتر کی جماعت خود حضرت علیؓ کراتے تھے۔
حضرت علیؓ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے بدعت ایجاد کی اسکا نہ فرض ہے نہ نفل (بخاری: ۲/ ۱۰۸۴) اگر بیس رکعات بدعت ہوتی تو اس کا حکم کیوں دیتے۔

جمہور صحابہ اور تابعین:

امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں: **وأكثر أهل العلم على ماروی عن علي وعمر وغيرهما من أصحاب النبي ﷺ عشرين ركعة** یعنی اکثر اہل علم اسی پر ہیں جس کو حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام نے اختیار فرمایا ہے۔
حضرت عطاء بن ابی رباح جو کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ اور تابعین کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہوئے ہی دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ تمام صحابہ اور تابعین بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔
اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين عَضُّوا عليها بالنواجذ**“ (ترمذی، حدیث/ ۲۶۷۶، ابن ماجہ، حدیث/ ۴۲)
ترجمہ: تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اس سے وابستہ رہو اور اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑے رکھو۔
اس حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو تاکید کی ہے کہ میری سنت پر عمل کرنا تمہارے لیے ضروری ہے، اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا بھی تمہارے لیے ضروری ہے اور اس اصول پر سختی سے کاربند رہو، یوں آپ ﷺ نے خلفاء راشدین کے جس طریقہ کو قابل عمل سنت قرار دیا ہے اسے ناقابل عمل بدعت کیوں کر کہا جاسکتا ہے، اور جس طریقہ کو آپ ﷺ نے مضبوطی سے تھامے رکھنے کا حکم دیا ہے اسے چھوڑنے کی تلقین کیسے کی جاسکتی ہے؟ اور جس عمل پر صحابہ کا اتفاق ہوگیا ہو اس میں اختلاف کی گنجائش کہاں رہتی ہے؟

قول ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ:

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں، کیوں کہ آٹھ حضور کریم ﷺ سے ثابت ہیں اور بیس صحابۂ کرامؓ کا عمل ہے۔ (فتح القدیر: ۱/ ۴۰۷)
یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایۃً ودرایۃً ہر طرح سے باطل ہے، روایۃً اس لیے کہ ہم اوپر ثابت کر

آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایۃً اس لیے کہ ابن ہمامؒ نے صحابہ کرامؓ کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا۔ حالاں کہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظبت سے سنیت ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) قال الحافظ العینیؒ فی البنایۃ شرح الهدایۃ، سیرۃ العمرینؓ لاشك فی ان فعلها ثواب وفی ترکها عقاب لانا امرنا بالاقتداء بهما بقوله علیه الصلوٰۃ والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مامورًا به یکون واجبا وتارك الواجب یستحق العقاب والعتاب (مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۲۱۵)

(۲) قال کمال الدین بن الهمام فی تحریر الاصول قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومه وواجب ماظن، وسنۃ الطریقۃ الدینیۃ منه علیه الصلوٰۃ والسلام او الخلفاء الراشدین او بعضهم (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحر العلومؒ فی شرح التحریر ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین عنه ﷺ بان باشره او لا بان استمر الناس علیها باذنه او باذن الخلفاء رضی الله عنهم (حوالہ بالا)

(۴) وفی التبیین شرح الحسامی، وفی عرف الشرح یرادبها طریقۃ الدین اما للرسول ﷺ او للصحابۃ رضی الله عنهم حتی یقال سنۃ الرسول او سنۃ الخلفاء الراشدین (مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۲۱۷)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح (ترمذی: ۲/ ۹۲)

علیکم کا لفظ وضعاً لزوم پر دال ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے **معلوم ہوا کہ** سنۃ الخلفاءؓ بھی سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہٰذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں کیوں کہ مندوب لازم نہیں ہوتا، پھر ''عضوا علیها بالنواجذ'' بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے، علاوہ ازیں سنۃ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی، کیوں کہ جملہ صحابہؓ کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے: لما روی عن عمر رضی الله عنه مرفوعاً سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ شئ مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی رواه رزین (مشکوۃ: ص/ ۵۵۴) اسی لیے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنۃ الخلفاء اور خصوصاً سنۃ الشیخین کے اتباع کی بہ نسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدینؓ کی مواظبت موجبِ سنیت

ہے، صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم ﷺ کا قول ہے کیوں کہ خود حضور کریم ﷺ نے صحابہ کی اقتداء واتباع کا حکم فرمایا ہے۔

الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف سابق مفتی عام سعودی عرب:

زمانہ قریب کی معروف ومشہور اور مقبول ترین شخصیت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ سابق مفتی عام مملکت سعودی عربیہ سے پہلے ان کے محترم استاذ سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیفؒ (۱۳۱۱ھ-۱۳۸۹ھ) مملکت سعودی عربیہ کے مفتی عام اور سپریم کورٹ کے صدر جج تھے، نماز تراویح کے بارے میں ان کی رائے بھی ۲۰/ رکعات کی تھی، چناں چہ محمد بن سعد الشویعر شیخ موصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وَكَانَ الشَّيخُ لايرى غَيرَ مَا عَلَيهِ الجمهور والمعمول به وهو عشرون ركعة والوتر ثم أورد حادثة حصلت للشيخ ابراهيم بن عبدالله بن عتيق الذي كان قاضيًا في الشمال، فصلى التراويح احدي عشرة ركعة فجاءهٔ برقية من الشيخ محمد (بن ابراهيم بن عبداللطيف) بأن يُصَلّي كما يُصلي الناسُ فعادَ وصلى عِشرِينَ رَكعةً كما أمر سماحته''۔ (مجلة البحوث الاسلامية: ص/ ۳۳۴، شمارہ نمبر/ ۵۱، ربيع الاول، جمادي الآخرة /۱۴۱۸ھ، تصدر هذه المجلة عن رياسة ادارة البحوث العلمية والافتاء، الرياض)

''جمہور اہل علم کی جو رائے تھی اور جس پر جمہور کا عمل تھا، اس سے ہٹ کر شیخ کی رائے نہیں تھی، یعنی شیخ بھی ۲۰/ رکعات تراویح اور وتر کے قائل وعامل تھے، پھر ایک واقعہ شیخ ابراہیم بن عبداللہ بن عتیق جو کہ شمالی علاقہ کے جج تھے، کے ساتھ پیش آیا وہ یہ کہ انھوں نے گیارہ رکعات تراویح پڑھادی تو شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف (جو کہ اس وقت مملکت کے مفتی عام تھے) کی طرف سے ان کے پاس تار پہنچا کہ وہ تراویح کی نماز اسی طرح اور اسی تعداد میں پڑھیں، جس طرح اور جس تعداد میں لوگ پڑھتے چلے آرہے ہیں، چناں چہ انھوں نے اپنی رائے اور عمل سے رجوع کیا اور سماحۃ الشیخ کے حکم کے مطابق ۲۰/ رکعات تراویح پڑھی (اور پڑھائی)''۔

ابھی ہم نے علامہ شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیفؒ کے بارے میں لکھا کہ انھوں نے سعودی عرب کے شمالی علاقوں کے قاضی کو تار بھیجا کہ بیس رکعات تراویح ہی پڑھاؤ، یاد رہے کہ علامہ محمد بن ابراہیمؒ شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کے استاذ ہیں، خود شیخ بن بازؒ فرماتے ہیں:

وَقَدْ لَازَمْتُ حلقَاته نحوا من عشر سنواتٍ وتلقيتُ عنهُ جميعَ العُلوم الشَّرعِيَة (احکام الجمعة والجماعة للشيخ بن باز: ص/ ۶)

''میں نے دس سال تک ان (شیخ محمد بن ابراہیمؒ) کے دروس میں شرکت کی اور میں نے تمام شرعی علوم ان سے سیکھے''

نجد اور ریاض کے علاقوں میں شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کے مفتی عام بننے سے پہلے ۲۰ / رکعات تراویح پڑھنے کا عام معمول تھا، چناں چہ ایک جگہ محمد بن سعد الشویعر لکھتے ہیں:

كما أن الشيخ عبدالعزيز بن بازٍ طبّق عمليًا صلاة التراويح احدي عشرة ركعة في جامع الرياض وهذا كان مخالفا لماعليه مساجد الرياض عموما (مجلة البحوث الاسلامية: ص/ ۳۳۳، شمارہ ۵۱، ربيع الاوّل، جمادي الآخرة ۱۴۱۸ھ)

''نیز شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے ریاض کی جامع مسجد میں عملی طور پر گیارہ رکعات تراویح کو نافذ العمل کر دیا حالاں کہ یہ عمل ریاض کی عام مساجد کے معمول کے خلاف تھا''۔

فضیلت الشیخ الدکتور محمد بن سعد الشویعر کی اس تحریر نے بتایا کہ ریاض اور گرد ونواح کے علاقوں میں صدیوں سے تمام مسلمان مستقل بیس رکعات تراویح پڑھتے چلے آ رہے تھے حتی کہ شیخ مجدد، محمد بن عبدالوہاب اور ان کی اولاد (رحمۃ اللہ علیہم) کے زمانوں میں بھی بیس رکعات تراویح ہی کا معمول تھا، لیکن شیخ بن بازؒ نے اس تواتر والے معمول کو تبدیل کیا اور پہلی بار عملی طور پر بیس رکعات کے بجائے گیارہ رکعات تراویح کو عام کیا۔

الشیخ احمد بن عبدالعزیز الحمدان مدیر مرکز الدعوۃ والارشاد، جدہ:

سعودی عرب کے ایک نامور عالم دین، شیخ ومفتی علامہ الشیخ احمد بن عبدالعزیز الحمدان، مدیر مرکز الدعوۃ والارشاد ،جدہ، نے ایک مختصر سا کتابچہ اور بڑا چارٹ (Chart) تحریر فرمایا، جس کا نام ''المصابیح فی صلاۃ التراویح'' ہے، فضیلۃ الشیخ احمد الحمدان نے اس کتابچہ میں تراویح کے بارے میں عناوین قائم فرمائے ہیں (۱) التراویح عبر التاریخ (۲) عدد رکعات صلاۃ التراویح (۳) اور عنوان ہے: مما جاء عن الصحابۃ والتابعین، اس باب میں لکھا ہے:

عن السائب بن يزيد رضى الله عنه أن عمر رضى الله عنه جمع الناس في رمضان على أبي بن كعب وعلى تميم الداري على احدي وعشرين ركعة.

''سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے اپنی خلافت میں ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو امام بنا کر لوگوں کو اکیس رکعات تراویح و وتر پڑھنے کا حکم دیا تھا''۔

پھر فضیلۃ الشیخ نے ایک دوسری روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ:

''**وروي عن علي رضى الله عنه أمر رجلا يصلي بالناس في رمضان عشرين ركعة**'' سیدنا علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

وقال القاضي ابن العربي المالكي رحمه الله، ليس في القيام ركعات مقررة والشيء اذا ثبت عن الصحابة فلا عبرة بمخالفة من خالفهم ’’قاضی ابن عربی مالکیؒ نے فرمایا ہے کہ رمضان کے قیام کے لیے رکعات کی تعداد مقرر نہیں ہے لیکن جب صحابہؓ سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کی مخالفت کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے‘‘۔

شیخ احمد الحمدان نے اپنے رسالہ کے آخر میں ’’فتاویٰ کبار العلماء‘‘ بھی نقل کیے ہیں، جن میں ایک فتویٰ یہاں سعودی عرب کی اللجنۃ الدائمہ کا ہے، جس میں لکھا گیا ہے کہ:

لم يحدد رسول الله ﷺ ركعات محددة وعمر رضى الله عنه والصحابة رضى الله عنهم صلوها في بعض الليالي عشرين سوي الوتر وهم أعلم الناس بالسنة ’’رسول کریم ﷺ نے تراویح کی رکعات کو محدود و مقرر نہیں فرمایا لیکن عمرؓ نے اور دوسرے صحابہؓ نے بعض راتوں میں بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں اور یہ لوگ ہی حقیقت میں سنت کو سب سے زیادہ جاننے اور سمجھنے والے تھے‘‘۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا فتویٰ:

سئل الشيخ محمد بن عبدالوهاب، عن عدد التراويح ؟فأجاب: الذي استحب أن تكون عشرون ركعة (الدرر السنیۃ: ۴/ ۳۶۳)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ سے رکعات تراویح کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ بیس رکعات تراویح پڑھنا ہی بہتر (اور سنت کے موافق) ہے‘‘۔

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہابؒ کا قول:

وقال ابنه الشيخ عبدالله الذي ذكره العلماء رحمهم الله أن التراويح عشرون ركعة (الدرر السنية: ۴/ ۳۶۳) ’’محمد بن عبدالوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم نے جو ذکر کیا ہے اس کے مطابق رکعات تراویح کی تعداد بیس ہے‘‘۔

ایک مغالطہ کی تردید:

بعض غیر مقلدین نے یہ مغالطہ دیا ہے کہ آٹھ رکعت پر غیر مقلدین اور مقلدین کا اتفاق ہے اس لیے آٹھ کو لے لینا چاہیے اور بارہ میں دونوں فریقوں میں اختلاف ہے ان کو ترک کر دینا چاہیے، سبحان اللہ! غیر مقلد صاحب اگر کوئی عیسائی

آپ کی خدمت میں یہ عرض کرے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت پر چوں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا اتفاق ہے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت میں دونوں فرقوں کا اختلاف ہے اس لیے سب مسلمانوں کو چاہیے کہ حضور ﷺ کی نبوت سے معاذ اللہ انکار کر کے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہو جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنا مسلمانوں کی شان نہیں ہے، لوگوں کو مغالطوں میں بتلا نہ کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

آٹھ رکعت کی روایت سخت ضعیف ہے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے تو آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والا صحیح اور محکم حدیثوں کو چھوڑ کر ضعیف اور منسوخ حدیثوں پر عمل کرنے کی وجہ سے سخت غلطی کا شکار ہے۔

(۲) بیس رکعت پڑھنے والے سب حدیثوں کو مانتے ہیں کیوں کہ بیس میں آٹھ بھی شامل ہیں اور آٹھ پڑھنے والے صرف ضعیف اور منسوخ روایات کے آستانہ پر بیٹھے ہیں اور محکم وصحیح احادیث سے منہ موڑے بیٹھے ہیں۔

(۳) بیس رکعت پڑھنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دونوں حکموں کو مانتے ہیں اور آٹھ پڑھنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری حکم کے منکر ہیں۔

(۴) بیس رکعت پڑھنے والے فرمان نبوی ﷺ: **عليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها عضوا عليها بالنواجذ۔**

ترجمہ: میرے اور میرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑنے والے سنت نبوی ﷺ کے عامل ہیں کیوں کہ بیس رکعت باجماع خلفاء راشدین کے حکم سے شروع ہوئیں اور آٹھ رکعت پڑھنے والے نہ سنت نبوی ﷺ کے عامل کیوں کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ منسوخ ہے، اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ احادیث شدت اجتہاد شد متزرو وغیرہ پر عمل نہیں کرتے، اور نہ سنت خلفاء کے عامل بلکہ دونوں سنتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) بیس رکعت پڑھنے والے صراط مستقیم **ما انا عليه واصحابي خير القرون قرني الخ تمسكوا بهدي ابن مسعود** رضی اللہ عنہ پر گامزن ہیں اور آٹھ پڑھنے والے سبیل مومنین سے منحرف ہو کر **نصله جهنم وساءت مصيرا** کی وعید میں داخل ہیں۔

(۶) بیس رکعت پڑھنے والے سواد اعظم اور اجماع امت کے مطابق عمل کر کے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مستحق بنتے ہیں، اور آٹھ رکعت پڑھنے والے من شذ شذ في النار کی وعید کے سزاوار ہیں۔

(۷) بیس رکعت تراویح پڑھنے والے قیامت کے دن اپنے مقتداؤں یعنی پیغمبر اسلام ﷺ خلفاء راشدین صحابہ

کرامؒ ائمہ مجتہدین کے ساتھی ہوں گے اور بیس رکعت سے منع کرنے والے ارأیت الذي ینھي عبدًا اذا صلّی کی جماعت میں شامل ہوں گے۔

(۸) رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ان الله وضع الحق علي لسان عمر کہ اللہ تعالیٰ نے حق حضرت عمرؓ کی زبان پر رکھا ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ شیطان حضرت عمرؓ کے سائے سے بھاگتا ہے اور شیطان کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ حضرت عمرؓ کے راستے پر چل سکے، اے بیس رکعت تراویح پڑھنے والو! تم کتنے خوش نصیب ہو کہ حضرت عمرؓ کے دونوں حکموں پر عامل ہو اور حق پرستوں کی جماعت میں داخل ہو اور آٹھ پڑھنے والو تم حضرت عمرؓ کے آخری فرمان سے جس پر ساری امت کا اجماع ہو چکا ہے پھر کر کس رستے پر جا رہے ہو، تم کو یہ توفیق کیوں نہیں کہ حضرت عمرؓ کے راستہ پر چلو، آخر میں حضرت حکیم الامتؒ کی کتاب اشرف الجواب: ۲ / ۱۰۳، سے ایک اقتباس نقل کر کے ختم کرتا ہوں ''بھئی سنو محکمہ مال سے اطلاع آئے کہ مال گزاری داخل کرو اور تمھیں معلوم نہ ہو کہ کتنی ہے تم نے ایک نمبردار سے پوچھا کہ میرے ذمہ کتنی مال گزاری ہے؟ اس نے کہا آٹھ روپے، پھر تم نے دوسرے نمبردار سے پوچھا اس نے کہا بیس روپے تو اب بتاؤ تمھیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیے؟ اگر بیس روپے ادا کرنے پڑے تو کسی سے مانگنے نہ پڑیں گے اور اگر آٹھ ادا کرنے ہوئے تو باقی رقم بچ رہے گی اور اگر میں کم لے کر گیا اور وہاں زیادہ طلب کئے گئے تو کس سے مانگتا پھروں گا؟ مولانا نے فرمایا بس خوب سمجھ لو کہ اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے پاس آٹھ تو کہاں سے لا کر دو گے اور اگر بیس ہیں اور طلب کم کی گئیں تو بچ رہیں گی اور تمہارے کام آئیں گی'' اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس تفصیل کے بعد باب کی احادیث کی تشریح پیش کی جاتی ہے، مصنفؒ نے باب کے شروع حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو دو سندوں سے بیان کیا ہے لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں تراویح کی رکعات کا کوئی ذکر نہیں ہے؛ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ مراد اس نماز سے تراویح ہی کی نماز ہے اسی کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ترغیب دے رہے ہیں اور مصنفؒ کا اس روایت کو اس باب میں ذکر کرنا بھی اسی کی دلیل ہے۔

۱۳۷۱- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، قَالَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ: وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ

۱۳۷۱- مسلم: كتاب الصلاة، باب: الترغيب في قيام رمضان ۱۷۴- (۷۵۹)، الترمذي: كتاب الصوم، باب الترغيب في قيام رمضان (۸۰۸)، النسائي: كتاب الصيام، باب: ثواب من قام رمضان وصامه إيمانا واحتسابا والاختلاف على الزهري في الخبر في ذلك (۴/۱۵۶).

غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيمَةٍ، ثُمَّ يَقُولُ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا رَوَاهُ عُقَيْلٌ، وَيُونُسُ، وَأَبُو أُوَيْسٍ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ»، وَرَوَى عُقَيْلٌ: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ تراویح پڑھنے کی ترغیب دلاتے تھے؛ مگر آپ اصرار کے ساتھ حکم نہیں فرماتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے: جو شخص ماہِ رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ تراویح پڑھے گا تو اللہ تعالی اسکے گناہ بخش دے گا، پھر آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور طریقہ یہی رہا، پھر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں بھی یہی طریقہ رہا اور یہ سلسلہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور تک جاری رہا۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ (جیسا معمر و مالک بن انس نے، زہری سے روایت کیا ہے) اسی طرح عقیل، یونس اور ابواویس نے من قام رمضان روایت کیا ہے؛ لیکن عقیل نے زہری ہی سے " مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ'' کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ قیام رمضان یعنی نماز تراویح کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

قولہ: ''یرغب في قیام رمضان'' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے، آپ ﷺ نے نماز تراویح کا وجوبی حکم تو نہیں دیا مگر اس کی ترغیب ضرور فرمائی ہے، اسی مفہوم کو حضرت ابو ہریرہؓ نے ''من غیر أن یأمرهم بعزیمة'' فرمایا ہے ''عزیمۃ'' کہتے ہیں پختہ ارادہ اور وہ کام جس کا کیا جانا لازم ہو، یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو عزیمت اور پختہ ارادہ کے ساتھ حکم نہیں کرتے تھے، اور جس حکم کو عزیمت اور پختگی حاصل ہو وہ واجب ہوجاتا ہے، گویا حضرت ابو ہریرہؓ اپنے اس جملہ سے وجوب کی نفی کررہے ہیں۔

قولہ: ''من قام رمضان'' جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام رمضان کرے اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، ایمان کا مطلب ہے: قیام رمضان کی حقانیت کی تصدیق اور اس کی افضلیت کا اعتقاد اور احتساب کا مطلب ہے اخلاق کے ساتھ اللہ کی رضا کا ارادہ، لہٰذا جو شخص ان دو شرطوں کے ساتھ قیام کرے گا اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے، مسند احمد اور سنن نسائی کی روایت میں: ''وما تاخر'' کی بھی قید ہے کہ اس کے سابقہ اور لاحقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

صاحبِ منہل کہتے ہیں کہ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مغفرت تو سابقہ گناہوں کی ہوتی ہے اور جو گناہ ابھی

تک ہوئے ہی نہیں ان کی مغفرت کا کیا مطلب؟ پھر انھوں نے اس اشکال کے دو جواب دیے ہیں کہ معافی سے مراد گناہوں میں واقع ہونے سے بچنا ہے اس طور پر کہ اللہ اس کو قیام رمضان کی برکت سے مستقبل کے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے، اور دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ ہوتا بھی ہے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے، یعنی وہ گناہ ہی مغفور ہو کر واقع ہوتا ہے، یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ احادیث میں قیام رمضان کے سبب جن گناہوں کی معافی کا ذکر ہے ان سے مراد صغائر ہیں جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کبائر کی معافی کے لیے تو توبہ شرط ہے، البتہ اگر کسی شخص کے اوپر صغائر نہ ہوں تو امید ہے کہ اس کے کبائر میں کچھ تخفیف ہو جائے۔ (شرح نووی علی مسلم: ۶/ ۴۰، طبع بیروت)

پھر قیام رمضان کے حصول کے لیے پوری رات نماز پڑھنا شرط نہیں ہے بلکہ تراویح کی بیس رکعات اور تہجد کی آٹھ رکعتوں سے قیام رمضان اور اس کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ (المنہل: ۷/ ۳۰۶)

قولہ: "فتوفي رسول اللهﷺ الخ" یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو رمضان میں قیام کی ترغیب تو دی، لیکن وجوبی حکم نہیں فرمایا اس ترغیب کی وجہ سے حضرات صحابہؓ انفرادی طور پر قیام رمضان کرتے تھے، جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ سا بنوالیا تھا آپ ﷺ نے اس میں کئی راتوں تک نماز پڑھی یہاں تک کے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے پھر ایک رات آپ ﷺ کی آواز نہ آئی تو صحابہ نے سمجھا کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں، بعض نے کھانسنا شروع کیا تا کہ آہٹ سن کر آپ ﷺ تشریف لے آئیں لیکن آپ ﷺ نہیں آئے اور وجہ بیان فرمائی کہ میں اس خوف سے نہیں آیا کہ یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے، اگر فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے، اس لیے اس نماز کو اپنے گھروں میں پڑھو۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ معاملہ اسی پر رہا کہ لوگ انفرادی طور پر اپنے گھروں میں اس نماز کو پڑھا کرتے تھے، دور ابو بکر صدیقؓ میں بھی اور حضرت عمرؓ کے شروع کے دورِ خلافت میں بھی، پھر ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن کعبؓ کے پیچھے بیس رکعات پڑھنے کا مکلف بنایا، اس لیے کہ فرضیت کا خوف تو اب باقی نہ رہا جس کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نماز کو مسجد میں پابند جماعت کے ساتھ پڑھانے سے منع فرمایا تھا دورِ عمرؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا عمل اسی پر جاری ہے۔ واللہ اعلم

فقہ الحدیث: اس حدیث سے رمضان کی راتوں میں عبادت کی فضیلت معلوم ہوئی بالخصوص تراویح کی نماز کی اور یہ کہ تراویح کی نماز سنت ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے یعنی آپ ﷺ کے قول کی وجہ سے سنت ہے، عملاً تو جماعت کے ساتھ آپ ﷺ نے صرف تین ہی دن یہ نماز ادا کی ہے، جیسا کہ تفصیل ماقبل میں آ گئی ہے۔

قولہ: "قال أبو داؤد وكذا رواه عقيل" مصنفؒ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عقیل اس روایت کو کبھی

مختصراً نقل کرتے ہیں جس میں صرف قیام رمضان کی فضیلت کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی مفصلاً نقل کر کے قیام وصیام اور لیلۃ القدر کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں، امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ان کی روایات کو نقل کیا ہے۔

۱۳۷۲- حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ ماہِ رمضان کے روزے رکھے اسکے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ شب قدر میں قیام اللیل (یعنی تراویح، تہجد) کیا اسکے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: اسی طرح یحیٰی بن ابی کثیر اور محمد بن عمر نے بواسطہ ابوسلمہ نقل کیا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا یہ دوسرا طریق ہے اس میں زہری سے نقل کرنے والے سفیان ہیں، سابقہ طریق میں قیام رمضان کی فضیلت مذکور تھی اور اس طریق میں صیام رمضان اور قیام لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے، یعنی پہلے طریق میں بیان تھا تراویح کا اور اس طریق میں رمضان کے روزے اور لیلۃ القدر کا بیان ہے، چوں کہ لیلۃ القدر میں تراویح بھی ہوتی ہے اس مناسبت سے شاید مصنفؒ نے اس کو یہاں نقل کر دیا ہے۔

قوله: "من صام إيمانا واحتساباً" ہم نے ماقبل میں "ایمان واحتساب" کے معنی بیان کیے تھے، حقانیت کی تصدیق اور اس کی فضیلت کا اعتقاد اور احتساب کا مطلب: اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضاء کے لیے عمل کرنا، یہ مطلب عام شراح حدیث کے بیان کردہ معنی کے مطابق تھا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس سلسلہ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ شریعت میں ایمان کے ساتھ احتساب کا لفظ ایک زائد چیز کی طرف مشیر ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ثواب حاصل کرنے کا خیال یہ دو چیزیں عین عمل کے وقت محرک وباعث ہوں بالفعل یہ دونوں چیزیں اس کے ذہن میں مستحضر ہوں۔

یہ مطلب پہلے مطلب سے ایک زائد چیز ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص فی نفسہ مؤمن ہے عقائد اس کے اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں، نیت بھی اچھی ہے ریاء وغیرہ نہیں ہے؛ مگر عین فعل کے وقت اس کو یہ چیزیں مستحضر نہ ہوں کہ اس عمل

۱۳۷۲- البخاري: كتاب الإيمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الإيمان له (۳۸)، مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح ۱۷۵- (۷۶۰)، النسائي: كتاب الصيام، باب: ثواب من قام رمضان وصام إيمانا واحتسابا، والاختلاف على الزهري في الخبر في ذلك (۱۵۷/۴)، ابن ماجه: كتاب الصوم، باب: قيام شهر رمضان (۱۳۲۶).

کے لیے اللہ اور رسول کا حکم اور اس پر اجر وثواب کا وعدہ ہے اور یہ چیزیں اس عمل کے لیے محرک نہ بنیں اور نہ اس کو اس فعل کی طرف کھینچ کر لائیں، بلکہ وقت آجانے پر ایک عادت یا ڈیوٹی پورا کرنے کے طور پر کام کرے، گو نیت اس وقت بھی صحیح ہے مگر استحضار نہیں ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں ایک لڑکا ہے اس کا باپ طبیب ہے اور اس پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے، باپ اپنے لڑکے میں کوئی بیماری دیکھ کر شفقت سے کہے کہ بیٹا: تم فلاں وقت یہ دوا استعمال کرلو، تم تندرست بھی ہو جاؤ گے اور تم کو انعام بھی دوں گا، شروع میں جب دوا استعمال کرے گا تو عین استعمال کے وقت اس کو یہ استحضار رہے گا، کہ دوا پینے میں میرے والد کی فرماں برداری ہے اور انعام کی امید ہے، اس لیے لاؤ دوا پی لوں، مگر انسانی فطرت ہے کہ جب چند روز ایسا کرتا رہا تو اب یہ چیز ایک عادت جیسی ہوگئی، جب وہ وقت معینہ آگیا تو عادت کی بناء پر اس کی طرف آمادہ ہوگیا، اب عین فعل کے وقت باپ کی فرماں برداری وخوشنودی اور تحصیل انعام کا خیال مستحضر نہیں رہتا تھا اور اب وہ خیال اس کو اپنی طرف کھینچ کر نہیں لاتا بلکہ عادت کے طور پر ایک ذمہ داری پوری کرلیتا ہے۔

بالکل یہی حال صیام وقیام رمضان کا ہے، کہ عین وقت پر آدمی کو ایمان واحتساب کا استحضار بہت کم ہوتا ہے، اور استحضار سے ذہول میں عامل ہی کا نقصان ہے۔

لیلۃ القدر

قولہ: "من قام لیلة القدر": لیلۃ القدر کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ ہوگا: "قدر کی رات" قدر اگر تقدیر سے ہے تو اس رات سے وہ رات مراد ہے جس میں ملائکہ کو اس سال سے متعلق تقدیرات کا علم دیا جاتا ہے، یعنی اس سال جو حوادث پیش آنے والے ہیں، موت وزندگی، عروج وزوال، عیش وفقر وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں اس رات میں فرشتوں کو بتلادی جاتی ہیں۔

قدر کے معنی عزت کے ہیں یعنی عزت کی رات، یہ عزت رات سے بھی متعلق ہوسکتی ہے اور مفہوم ہوگا کہ جو رات تمام راتوں میں ممتاز ہے اور سب راتوں سے زیادہ وزن رکھتی ہے، اور یہ عزت عبادت کرنے والوں سے بھی متعلق ہوسکتی ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ رات جس میں عابدین کی انتہائی قدر ومنزلت ہوتی ہے، اسی طرح اس عزت کا تعلق نفس عبادت سے بھی ہوسکتا ہے، یعنی اس شب میں ہونے والی عبادت دوسری تمام راتوں کی عبادت کے مقابلہ میں بہت قدر ومنزلت رکھتی ہے، الغرض ہر لحاظ سے "لیلۃ القدر" قدر ومنزلت کی رات ہے، اسی کی فضیلت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی کہ جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ شب قدر میں قیام کرے گا اس کے سابق گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

اعمال سے مغفرت ذنوب کا مسئلہ:

احادیث شریفہ میں بہت سے اعمال خیر مذکور ہیں جن کے ساتھ مغفرت ذنوب کا وعدہ کیا گیا ہے، ایک حدیث

میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر جو آمین کہہ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو تمہاری آمین اگر فرشتوں کی آمین سے موافقت کرگئی تو ماضی کے تمام گناہ بخش دیئے گئے، ایک حدیث میں فرمایا: پانچ وقت کی نمازوں سے گناہوں کے میل صاف ہوجاتے ہیں، اگر کوئی شخص آداب وشرائط کے ساتھ جمعہ پڑھے تو ایک ہفتہ کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں ایسے ہی جب آدمی وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ دھل جاتے ہیں اسی طرح رمضان سے رمضان تک اور عمرہ سے عمرہ تک کو گناہوں کا کفارہ فرمایا ہے، ایک حدیث میں عاشوراء کے روزے کو اور ایک میں عرفہ کے روزے کو گناہوں کا کفارہ فرمایا ہے صوم رمضان، قیام رمضان اور لیلۃ القدر کی عبادت سے مغفرتِ ذنوب کا وعدہ احادیث باب میں سامنے آیا۔

اب اشکال یہ ہے کہ جب بہت سے اعمال اس خاصہ میں شریک ہیں کہ مغفرت ذنوب کا وعدہ ان کے ساتھ وابستہ ہے تو جب کسی ایک عمل سے گناہوں کی بخشش ہوگئی تو باقی اعمال خیر کیا کریں گے؟

جواب: علامہ نوویؒ، علامہ قسطلانیؒ اور حافظ بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری میں یہ دیا ہے کہ جب اس کے پہلے گناہ اعمال میں سے کسی عمل یا توبہ وغیرہ سے دھل چکے تو دوسرے اعمال سے جن کا ذکر کیا گیا ہے بجائے مغفرتِ ذنوب کے نیکیاں لکھی جائیں گی اور عامل کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ مغفرت کے درجات مختلف ہیں، اور درجات کے اعتبار سے مغفرت میں ترقی ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ یہ مغفرت ترقی کرتے کرتے قربِ منزلت کا سبب بن جاتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر اسی کے گناہ کبیرہ ہوئے تو اس صورت میں اللہ کے فضل سے ایسی امید بجا ہے کہ ان اعمال خیر سے ان میں بھی تخفیف فرمادے۔

قال أبو داؤد: كذا رواه يحيىٰ بن أبي كثير عن أبي سلمة ومحمدبن عمرو عن أبي سلمة: یعنی اس حدیث کو ابوسلمہ سے یحییٰ بن ابی کثیر اور محمد بن عمرو نے اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح زہری نے نقل کیا ہے، یعنی زہری کی اس روایت میں صیام رمضان اور قیام لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے اسی طرح سے ان دونوں کی روایت میں بھی صیام رمضان اور قیام لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے، جب کہ باب کی پہلی روایت میں صرف قیام رمضان کی فضیلت تھی، مصنفؒ اسی فرق کو بیان فرمارہے ہیں مصنفؒ یحییٰ ابن ابی کثیر عن ابی سلمہ کی جس روایت کا حوالہ دے رہے ہیں اس کو محمد بن نصر نے اپنی کتاب "قیام اللیل" میں موصولاً نقل کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: **"عن أبي سلمة عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قال: من صام رمضان إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام ليلة القدر ايمانًا واحتسابًا غفر له ماتقدم من ذنبه"** (قیام اللیل از محمد بن نصر مروزی: ۱/ ۲۱۳) اور محمد بن عمرو کی روایت سنن ترمذی میں موصولاً ہے: **"عن محمدبن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صام رمضانَ وقامه إيمانًا واحتسابًا**

غفر له ماتقدم من ذنبه و من قام ليلة القدر إيمانًا و احتسابًا غفر له ماتقدم من ذنبه" (سنن ترمذی، حدیث/ ۶۸۳)

یہ دو روایتیں تو حضرت ابو ہریرہؓ کی تھیں ان میں تین چیزوں کی فضیلت مذکور ہوئی، ایک رمضان کے روزوں کی، دوسری تراویح کی نماز کی اور تیسری لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کی، ترجمۃ الباب سے متعلق تراویح کی فضیلت ہے؛ مگر تراویح کی عدد رکعات کا ان دونوں میں سے کسی میں کوئی ذکر نہیں ہے جیسا کہ مفصلاً گزر بھی چکا ہے۔

۱۳۷۳- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ النَّبِيَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ، فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ: «قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ فَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ، إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ» وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی، آپ ﷺ کے ساتھ اور لوگوں نے بھی پڑھی، پھر دوسری رات کو آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے، جب تیسری رات لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے، صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارا حال معلوم تھا؛ لیکن میں اس خیال سے نہ نکلا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا تھا۔

تشریح حدیث: یہاں سے مصنفؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو دو سندوں سے بیان کیا ہے، جن میں مجموعی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے پر مواظبت اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ امت پر اس کے فرض ہونے کا خوف آپ ﷺ کو ہوا اور خوف اس وجہ سے ہوا کہ فرض کا ادا کرنا امت کے لیے مشقت برداری کا باعث بنتا ہے۔

قوله: "صلي في المسجد" یعنی رمضان کی رات میں آپ ﷺ نے مسجد میں تراویح کی نماز جماعت سے پڑھی، اس سے مسجد میں تراویح باجماعت پڑھنے کا ثبوت ہو گیا۔

قوله: "اجتمعوا من الليلة الثالثة": بخاری میں شک کے ساتھ ہے کہ لوگوں کا اجتماع تیسری رات میں ہوا یا چوتھی رات میں، نیز بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب پہلی رات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تراویح پڑھائی تو لوگوں میں صبح

۱۳۷۳- البخاري: كتاب الصوم، باب: فضل من قام رمضان، مسلم: كتاب الصلاة، باب: قيام رمضان وهو التراويح: ۱۷۷- (۷۶۱)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: قيام شهر رمضان (۲۰۲/۳).

کو چرچا ہوا کہ رات تو رسول اللہ ﷺ نے جماعت سے نماز پڑھائی تھی، چناں چہ دوسری رات میں لوگ اور زیادہ اکٹھے ہو گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی، صبح کو لوگوں میں پھر تذکرہ ہوا کہ رات بھی رسول اللہ ﷺ نے جماعت سے نماز پڑھائی، اب تیسری رات میں تو صحابہ کا بڑا مجمع آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے شریک ہوا، جب چوتھی رات آئی تو آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے اتنے صحابہ جمع ہو گئے کہ مسجد تنگ آ گئی، لیکن اس رات آپ ﷺ تراویح پڑھانے نہیں آئے اس پر لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ سو گئے ہیں اس لیے بعض صحابہؓ نے کھانسنا شروع کیا تاکہ کھانسنے کی آواز سن کر آپ ﷺ بیدار ہو جائیں اور نماز کے لیے آ جائیں، صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کے شدید شوق و رغبت کا جو جذبہ تم ظاہر کر رہے تھے اس سے میں بے خبر نہ تھا لیکن مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے تراویح کی نماز باجماعت پر مواظبت کی تو کہیں تم پر یہ فرض نہ ہو جائے، اور اگر یہ فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ قیام اللیل نبی علیہ السلام پر فرض ہو اس وجہ سے آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ اگر اس پر مواظبت باجماعت ہو گئی تو امت پر بھی فرض ہو جائے اس لیے آپ ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۳۱۱)

اس حدیث میں بھی حضرت عائشہؓ نے تراویح کی رکعات کی کوئی تعداد بیان نہیں فرمائی؛ لیکن فی نفسہٖ تراویح پڑھنے کا ثبوت اس سے ہو گیا، نیز باجماعت پڑھنے کا بھی ثبوت ہو گیا۔

۱۳۷۴- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ أَوْزَاعًا، فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَضَرَبْتُ لَهُ حَصِيرًا، فَصَلَّى عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَتْ فِيهِ: قَالَ: تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! أَمَا وَاللَّهِ مَا بِتُّ لَيْلَتِي هَذِهِ بِحَمْدِ اللَّهِ غَافِلًا، وَلَا خَفِيَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رمضان میں لوگ مسجد میں (تراویح کی نماز) تنہا تنہا پڑھا کرتے تھے، رسول ﷺ نے مجھے حکم فرمایا تو میں نے آپ ﷺ کے لیے ایک چٹائی بچھائی، اس پر آپ ﷺ نے نماز پڑھی، اور پھر وہی قصہ بیان کیا (اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! بخدا میں رات میں

۱۳۷۴- تفرد به أبو داود من بين أصحاب الستة وأخرجه الطبراني في [المعجم الأوسط: ۵/ ۲۶۸/ ۵۲۸۲]

بفضل خدا غافل نہیں رہا اور نہ ہی تمہارا حال مجھ سے مخفی رہا۔

رجال حدیث: ''عبدة'' یہ عبدہ بن سلیمان الکلابی ہیں، کنیت ابو محمد الکوفی ہے، تبع تابعین کے طبقہ وسطی میں شمار ہوتے ہیں۔ کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، ثقہ ہیں۔

محمد بن عمرو: یہ محمد بن عمرو بن علقمہ لیثی ہیں، کنیت ابو عبداللہ ہے، البتہ متکلم فیہ رواۃ میں سے ہیں، ابراہیم جوز جانی کہتے ہیں: **ليس بقوي الحديث**، ابوحاتم کہتے ہیں: **صالح الحديث، يكتب حديثه**، امام نسائی فرماتے ہیں: **ليس به باس**، اور کبھی ''ثقہ'' بھی کہتے ہیں، یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: **هو وسط والي الضعف ماهو** ابن سعد کہتے ہیں **كان كثير الحديث، يستضعف**، اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقہ، اسی اختلاف کی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان پر تقریب التہذیب میں ''صدوق له اوهام'' کے کلمات کے ساتھ حکم لگایا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۷۶)

تشریح حدیث: قولہ: "يصلون في المسجد في رمضان أوزاعا" اوزاع'' کے معنی ہیں جماعتیں، گروہ، اور اس کا واحد نہیں آتا ہے، ترکیب میں یہ ''يصلون'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر الگ الگ تراویح کی نماز پڑھتے تھے، چناں چہ محمد بن نصر کی روایت میں ہے کہ کسی کے ساتھ پانچ نفر ہوتے، کسی کے ساتھ چھ اور کسی کے ساتھ اس سے کم زیادہ، یعنی جسے قرآن یاد ہوتا اس کے ساتھ وہ لوگ نماز میں شریک ہو جاتے جن کو قرآن کی زیادہ مقدار یاد نہیں ہے۔

قولہ: "فضربت له حصيرا" حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے مسجد میں ایک بوریہ بچھا دیا تا کہ آپ ﷺ بھی رمضان کی راتوں میں اس پر کھڑے ہو کر نماز ادا کر لیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس بوریہ پر کھڑے ہو کر نماز تراویح پڑھنی شروع کی تو آپ کے ساتھ بھی لوگ کھڑے ہو گئے، پہلے دن تو کم ہی تھے، دوسرے دن اور زیادہ ہو گئے، تیسرے دن اور بھی اضافہ ہو گیا لیکن چوتھے دن تو تعداد اتنی زیادہ ہوئی کہ مسجد ہی تنگ ہو گئی، کیوں کہ جو حضرات اپنے گھروں میں نماز تراویح پڑھ لیا کرتے تھے ان سب کو پتہ چل گیا، سبھی نے کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے یہ مبارک نماز ادا کریں؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کے اس شوق اور جذبہ کو دیکھا تو آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ اللہ تعالیٰ میری مواظبت اور صحابہ کرام کے شوق کو دیکھ کر کہیں یہ نماز فرض نہ کر دیں، اور اگر فرض ہو گئیں تو اس کی ادائیگی امت کے لیے شاق اور مشکل ہو گی چوں کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کمال درجہ الفت اور محبت تھی اور آپ ﷺ اپنے تابعداروں کے حق میں بے انتہا شفیق اور مہربان تھے، اس لیے آپ ﷺ چوتھی رات کو اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر اپنے بچھے ہوئے بوریہ پر نماز تراویح پڑھانے نہ آئے اور صبح کو آپ ﷺ نے اپنے نہ آنے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ مجھے معلوم تو تھا کہ آپ لوگ مسجد میں جمع ہیں، لیکن میں اس خوف سے تراویح جماعت سے

پڑھانے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ ہوجائے۔

مصنفؒ نے "بھذہ القصة" کہہ کر اس پورے واقعہ کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

قوله: "بحمدالله" اس "باء" بمعنی "عن" ہے اور یہ "غافلا" کے متعلق ہے، تقدیری عبارت ہے: "مَابِتُّ غَافِلاً عَنْ حَمْدِاللهِ وطاعَتِهِ" کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اطاعت سے غافل ہوکر رات نہیں گزاری ہے، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ درحقیقت یہ جملہ معترضہ ہو اور اصل عبارت یہ ہو:

"مَابِتُّ لَيْلَتِيْ غَافِلاً وَأنا الآن ملتبس بالثناء على الله" یعنی میں نے یہ رات غفلت میں نہیں گزاری یا میں تمہاری موجودگی سے غافل نہیں تھا اور اس عدم غفلت پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے تراویح کی نماز میں جماعت کے استحباب کا ثبوت ہوا، اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات صحابہ کے الگ الگ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بناکر نماز پڑھنے پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ صرف فرضیت کے خوف سے آپ ﷺ نے مواظبت کو ترک فرمایا اور اب جب کہ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرماگئے تو یہ فرضیت کا خوف بھی نہیں رہا، اسی کے ساتھ ساتھ حدیث سے حضرات صحابہ کرامؓ کے بے پناہ شوق اور جذبہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۱۳۷۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَضَانَ، فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى بَقِيَ سَبْعٌ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا، فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ، قَالَ: فَقَالَ: «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ»، قَالَ: فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ، فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ، قَالَ: قُلْتُ: وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ: السُّحُورُ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِقِيَّةَ الشَّهْرِ.

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے ماہِ رمضان میں رسول ﷺ کے ساتھ روزے رکھے، آپ نے ہمیں کسی رات کو بھی نماز نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ (رمضان ختم ہونے میں) سات راتیں باقی رہ گئیں، پھر آپ ﷺ

۱۳۷۵- الترمذي: كتاب الصوم، باب: ما جاء في قيام شهر رمضان (۸۰۶)، النسائي: كتاب السهو، باب: ثواب من صلى مع الإمام (۳/۸۳)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في قيام شهر رمضان (۱۳۲۷).

کھڑے ہو گئے ہمارے ساتھ تہائی رات تک، پھر جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے، پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے نصف شب تک، ہم نے عرض کیا: یا رسول! کاش آج آپ مزید کھڑے رہتے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فراغت پائے تو اسکو ساری رات کھڑے رہنے کا ثواب ملے گا، اور جب چار راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے اور جب تین راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ نے اپنے تمام اہل خانہ کو اور لوگوں کو جمع فرمایا: پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہم کو خوف ہوا کہ فلاح نکل جائے گی، راوی کہتے ہیں کہ: میں نے پوچھا کہ فلاح کیا چیز ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ فلاح سے مراد سحری کھانا ہے، پھر آپ ﷺ چاندرات تک کھڑے نہیں ہوئے۔

تشریح حدیث: یہ اس باب میں تیسرے صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث ہے اور سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت صحیح ہے، اور تراویح کے حوالہ سے تفصیلی روایت ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں تراویح کی ابتداء کس صورت میں ہوئی، یہ ماقبل میں گزر ہی چکا ہے کہ آپ ﷺ نے افتراض کے خوف سے تراویح پر مواظبت نہیں فرمائی صرف تین راتوں میں یہ نماز پڑھی ہے، پھر ان تین راتوں میں بھی تراویح پڑھنے کا عرصہ تفاوت کے ساتھ رہا ہے، ایک رات میں تہائی رات تک، ایک رات میں آدھی رات تک اور ایک رات میں عشاء کے بعد سے اخیر رات تک، یہ تفاوت قراءت ورکعات کی درازی میں کمی وزیادتی کی صورت میں تھا اور فضیلت کے تفاوت پر بھی مبنی تھا یعنی جس رات میں فضیلت کم تھی اس میں قراءت درکعات کا طول زیادہ نہیں تھا، اور جس رات میں فضیلت زیادہ تھی اس میں قراءت ورکعات میں طول زیادہ تھا، یہاں تک کہ ستائیسویں رات میں (جو اکثروں کے نزدیک شب قدر ہے) اتنی طویل قراءت کے ساتھ تراویح پڑھائی کہ تمام رات نماز میں گزار دی، جس سے بعض صحابہؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ سحری کھانے کا بھی موقع ملے گا یا نہیں، اور اس رات میں آپ ﷺ نے اتنا اہتمام کیا کہ مردوں اور عورتوں کو جمع فرما کر اس نماز میں شریک کیا۔

قولہ: "حتي بَقِيَ سَبْعٌ" یعنی جب سات راتیں باقی رہ گئیں، مطلب یہ ہے کہ مہینہ کی بائیس راتیں گزرنے کے بعد جب سات راتیں یقینی طور پر باقی رہ گئیں، علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ رمضان کا وہ مہینہ یقینی طور پر انتیس دنوں کا تھا، اور اسی حساب سے راتوں کا شمار کیا گیا تھا، علامہ طیبیؒ کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ کا قیام تینسویں، پچیسویں اور ستائیسویں شب میں تھا۔

قولہ "فقلت یارسول الله! لو نفلتنا قیام هذه اللیلة" جب رسول اللہ ﷺ نے پچیسویں شب میں قیام فرمایا تو آدھی رات تک قیام کیا اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنی تمنا کا اظہار کیا کہ کاش آپ ﷺ آدھی رات سے زیادہ تک بلکہ پوری رات یہ نماز پڑھاتے رہتے، یہاں "لو" تمنی کے لیے ہے، حضرت ابوذرؓ کے اس شوق کے جواب میں

فرمایا: "إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة"۔

کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو تو وہ رات بھر قیام کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے اس جملہ کے معنی سمجھنے میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ "إذا صلى مع الإمام" میں عشا، اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے عشاء اور فجر کی نماز امام کے پیچھے جماعت سے پڑھی اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے، اس لیے اے ابوذر! تم لوگ عشا، اور فجر کی نماز میرے ساتھ جماعت سے پڑھتے ہی ہو تو پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب تمھیں ویسے ہی مل گیا، اب اس نمازِ تراویح کا ثواب مزید برآں رہا اس سے زیادہ تمھیں اور کیا چاہیے۔

دوسرا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ حدیث کے ان الفاظ میں نمازِ تراویح کا امام کے ساتھ پڑھنا مراد ہے، یعنی جو شخص امام کے پیچھے تراویح پڑھے اور اس وقت تک امام کے پیچھے رہے جب تک کہ وہ تراویح پڑھا کر فارغ نہ ہو جائے یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ شخص تراویح درمیان میں چھوڑ کر چلا جائے تو اس شخص کو وہ ثواب ملے گا جو پوری رات نوافل پڑھنے والے کو ملتا ہے۔(بذل المجہود: ٦/ ١٥)

حدیث کا ظاہر بھی اسی دوسرے معنی کی تائید کرتا ہے اولاً تو اس لیے کہ حضرت ابوذر ؓ نے بقیہ رات میں بھی تراویح پڑھانے کی درخواست کی تھی، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بقیہ رات میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ تراویح کی پڑھی گئی مقدار ہی سے کامل رات کی عبادت کا ثواب تو مل ہی گیا۔

ثانیاً یہ کہ حدیث میں "حتى ينصرف" کا جملہ استعمال ہوا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں تراویح کی نماز ہی مراد ہے، کیوں کہ فرض نماز کے درمیان میں کسی کے لیے جانا ممکن ہی نہیں ہے، ہاں نفل یعنی تراویح کی نماز میں درمیان نماز مثلاً دو چار رکعات پڑھ کر جانا بھی ممکن ہے اب کوئی ایسا کر سکتا ہے کہ امام تو پڑھ رہا ہے بیس رکعات اور مقتدی (١٦) سولہ رکعات پڑھ کر چلا جائے تو یہ انصراف قبل الامام لازم آئے گا، جب کہ فرض میں ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ فرض نماز میں امام کے فارغ ہونے سے پہلے مقتدی فارغ ہو جائے اور چلا جائے اگر ایسا کرے گا تو اس کا فریضہ ہی ادا نہیں ہوگا۔

انھیں وجوہات کی بناء پر حضرت نے بھی بذل میں دوسرے معنی ہی کو ترجیح دی ہے، جب کہ پہلے معنی کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

قولہ: فلما كانت الثالثة: حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں کہ جب تین راتیں باقی رہ گئیں یعنی ستائیسویں شب آئی تو آپ ﷺ نے بہت اہتمام فرمایا اور اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع فرمایا اور اتنی دیر تک تراویح پڑھائی کہ حضراتِ

صحابہ کو خوف ہوا کہ ہم سے سحری نہ چھوٹ جائے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے شاگرد جبیر بن نفیر نے معلوم کیا کہ ''فلاح'' سے کیا مراد ہے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سحری کھانا، اس کو فلاح سے اس لیے تعبیر کیا کہ سحری کھانے سے روزہ رکھنے کی توانائی اور ہمت حاصل ہوتی ہے اور روزہ وسیلہ بنتا ہے فلاح یعنی نجات اور کامیابی کا۔

اشکال:

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متفرق راتوں میں تراویح پڑھی ہے، یعنی تیئیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں شب میں، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متوالیاً دو راتوں میں تراویح پڑھی ہے؟

اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں کہ یہ محمول ہے تعدد واقعہ پر، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث متوالیاً پڑھنے کے بارے میں صریح نہیں ہے جب کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث صریح ہے، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیر صریح حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث پر محمول کیا جائے گا۔ (بذل:٦/ ١٦، المنہل: ٧/ ٣١٥)

فقه الحديث: حدیث باب سے حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ تراویح کی نماز کو جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے یہ نماز اس حدیث کے عموم میں شامل نہیں ہے جس میں ہے: ''أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة'' (نسائی، حدیث/ ١٥٩٩)

١٣٧٦- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَدَاوُدُ بْنُ أُمَيَّةَ، أَنَّ سُفْيَانَ، أَخْبَرَهُمْ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، وَقَالَ دَاوُدُ: عَنِ ابْنِ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا اللَّيْلَ، وَشَدَّ الْمِئْزَرَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، قَالَ أَبُودَاوُدَ: وَأَبُو يَعْفُورٍ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگتے اور تہبند مضبوط باندھتے (یعنی ازواج سے الگ رہتے) اور گھر والوں کو بھی نماز کے لیے جگاتے ابوداود کہتے ہیں کہ ابویعفور کا نام عبدالرحمن بن عبید الرحمن نسطاس ہے۔

١٣٧٦- البخاري: كتاب فضل ليلة القدر، باب: العمل في العشر الأواخر من رمضان (٢٠٢٤)، مسلم: كتاب الاعتكاف، باب: الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان (٧/ ١١٧٤)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: الاختلاف على عائشة في إحياء الليل (٣/ ٢٩)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: في فضل العشر الأواخر من شهر رمضان (١٧٦٨).

رجال حدیث: ابو یعفور: یہ عبدالرحمن بن عبید الثعلبی الکوفی ہیں، ثقہ راوی ہیں تمام ہی ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، مصنفؒ کے استاذ داؤد نے ان کی کنیت کے بجائے ''ابن عبید بن نسطاس'' کہا ہے جب کہ ایک استاذ نصر بن علی نے ابو یعفور کنیت کے ساتھ نقل کیا ہے۔

أبو الضحی: یہ مسلم بن صبیح الہمدانی الکوفی ہیں، ثقہ راوی ہیں، ۱۰۰ھ میں وفات پائی ہے، کتب ستہ کے مصنفین نے ان سے روایات لی ہیں۔

لغاتِ حدیث: شَدّ: شَدَّ يَشُدُّ شَدًّا. بمعنی باندھنا۔ المِئزَرُ اس کی جمع ''مَآزِر'' آتی ہے بمعنی لنگی، تہبند، بولا جاتا ہے: ''شَدَّ لِلْأَمْرِ مِئزَرَہ'' فلاں نے کام کے لیے کمر کس لی یا مستعد ہو گیا۔

تشریح حدیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے معمول کو بیان فرمارہی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ رات کے اکثر حصہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے اور بیدار رہتے تھے، ''احیاء'' کی نسبت لیل کی طرف مجاز ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ رات کا وہ حصہ جو اللہ کی عبادت میں مشغول ہو بمنزلہ زندہ وقت کے ہے اور جو حصہ عبادت سے خالی ہو وہ مردہ وقت کی مانند ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ احیاء کے معنی یہاں بیدار رکھنے کے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے آپ ﷺ کو رات میں عبادت کے لیے بیدار رکھتے تھے۔ گویا بیداری کو احیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور نیند کو موت سے، ویسے بھی نوم کو موت اصغر کہا ہی جاتا ہے، حاصل یہی ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ کی راتوں کو آپ ﷺ عبادت کی خاطر بیدار رہتے تھے۔

آگے فرمایا کہ آپ ﷺ اپنی لنگی باندھ لیا کرتے تھے، اس کے مفہوم میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ ''شد المئزر'' کنایہ ہے، بیویوں سے الگ رہنے سے، کہ آپ آخری عشرہ میں اپنی ازواج مطہرات کے قریب نہ جاتے تھے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے عبادت میں جدوجہد اور محنت کرنے سے، اس لیے کہ ''کمر کسنے'' کو جدوجہد اور محنت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور دونوں معنی کو بیک وقت مراد لے لیا جائے تو بھی کوئی خرابی نہیں ہے، کہ آپ ﷺ اس اخیر عشرہ میں اپنی ازواج مطہرات سے الگ بھی رہتے تھے اور زیادہ عبادت کی خاطر رات کے اکثر حصہ میں بیدار بھی رہتے تھے۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ آخری عشرہ میں آپ ﷺ کی عبادت کی کثرت کی حکمت یہ تھی کہ اسی آخری عشرہ میں شب قدر کے ہونے کا ظن غالب بھی ہوتا ہے۔

قولہ: ''وأیقظ أھلہ'': آپ ﷺ آخری عشرہ میں عبادت کے لیے اپنے گھر والوں کو بھی جگا دیا کرتے تھے، گھر والوں سے مراد وہ ہیں جو قیام کی طاقت رکھتے تھے، جیسا کہ محمد بن نصر کتاب قیام اللیل میں ہے: ''لم یذر أحدا من أھلہ یطیق القیام إلا أقامہ'' (عمدۃ القاری: ۸/ ۲۶۴)

قولہ: قال أبو داؤد الخ: مصنفؒ نے اپنے اس کلام کے ذریعہ ابویعفور راوی کا تعارف کرایا ہے کہ ان کا نام عبدالرحمن بن عبید بن نسطاس ہے۔

فقہ الحدیث: باب سے اس بات کا استحباب ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خوب عبادت کرنی چاہیے تاکہ رمضان المبارک کا حسن خاتمہ بھی ہو اور لیلۃ القدر کا حصول بھی ہو سکے۔

۱۳۷۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَإِذَا أُنَاسٌ فِي رَمَضَانَ يُصَلُّونَ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: «مَا هَؤُلَاءِ؟»، فَقِيلَ: هَؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي، وَهُمْ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَصَابُوا، وَنِعْمَ مَا صَنَعُوا».

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «لَيْسَ هَذَا الْحَدِيثُ بِالْقَوِيِّ»، مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ ضَعِيفٌ "

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ رمضان کی راتوں میں کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن حفظ یاد نہیں ہے؛ اس لیے یہ لوگ ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں نے درست فیصلہ کیا اور اچھا کام کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہ حدیث قوی نہیں ہے، اسکی سند میں مسلم بن خالد ضعیف ہیں۔

رجال حدیث: "مسلم بن خالد" یہ مسلم بن خالد بن فروہ ابوخالد المخزومی ہیں، فقہاء حجاز میں ان کا شمار ہوتا تھا، حضرت امام شافعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، حضرت امام شافعیؒ نے اولاً فقہ ان ہی سے حاصل کیا ہے، ائمہ جرح وتعدیل میں انکے تعلق سے اختلاف ہے، یحیی بن معین، دارقطنی، ابن حبان اور ابن عدی نے ان کی توثیق کی ہے، ابن معین فرماتے ہیں: ثقة، ليس به بأس. ابن عدیؒ فرماتے ہیں: حسن الحديث أرجو أنه لا بأس به، ابن حبان فرماتے ہیں: كان من فقهاء الحجاز ومنه تعلم الشافعي الفقه قبل أن يلقي مالكا، ارزقی فرماتے ہیں: كان فقيهًا عابدًا يصوم الدهر، ابراہیم حربی کہتے ہیں: كان فقيه أهل مكة.

دوسری طرف ابوحاتم رازی، امام بخاری، امام ابوداؤد، علی بن المدینی وغیرہ حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، ابوحاتم تو فرماتے ہیں: لايحتج به، امام بخاری کہتے ہیں: منكر الحديث، ابن المدینی نے: ليس بشيء کہا ہے، حافظ

۱۳۷۷- صحیح ابن حبان [۲۵۴۱/۲۸۲/۶]

ابن حجر عسقلانیؒ نے دونوں قسم کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے اوپر ''صدوق کثیر الأوھام'' کا اطلاق کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ یہ تعبیر اس راوی کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی توثیق میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور وہ ثقہ کے قریب قریب ہو، امام ترمذیؒ بھی اس طرح کے راوی کی روایت کو حسن قرار دیتے ہیں بشرطیکہ کسی دوسرے طریق سے اس کی متابعت ہوتی ہو یا اس کا کوئی شاہد موجود ہو، امام ترمذیؒ کے اصول کے مطابق یہ راوی بھی کم از کم حسن درجہ کے ہوں گے، کیوں کہ صحیح ابن حبان اور سنن بیہقی میں ان کی روایت کے شواہد موجود ہیں، لہٰذا محض مصنفؒ کی تضعیف کو دیکھتے ہوئے روایت کو علی الاطلاق ضعیف نہ سمجھا جائے۔ (ملخص از میزان الاعتدال للذہبی: ۴/ ۱۰۲)

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر معلوم کیا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا کہ اکٹھا ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن پاک حفظ نہیں ہے یا اچھی طرح نہیں پڑھ پاتے ہیں اس لیے انھوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو اپنا امام بنالیا ہے اور ان کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کر رہے ہیں، اس لیے کہ حضرت ابی ابن کعبؓ کو قرآن کریم اچھا بھی یاد ہے اور زیادہ بھی یاد ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ان لوگوں نے اچھا کام کیا، یعنی آپ ﷺ نے ان کے عمل کی تصویب فرمادی۔

فقہ الحدیث: حضرات محدثین نے اس حدیث سے مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں تراویح کی جماعت کرنا افضل ہے، اسی حدیث کے ذیل میں شوافع نے کہا ہے کہ غیر قاری کے لیے تو تراویح کی نماز کسی کی اقتداء میں پڑھنا افضل ہے اور جو شخص خود حافظ قرآن ہو اس کو یا تو تنہا نماز پڑھنی چاہیے یا دوسروں کو پڑھانی چاہیے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دورِ نبوی میں بھی حضرات صحابہ چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر تراویح کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے، باقاعدہ بڑی جماعت کا نظم دورِ فاروقی میں ہوا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

بَابٌ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

شب قدر کا بیان

مناسبت:

کتاب الصلاۃ کا بیان چل رہا ہے اور نمازوں میں سے فرائض و سنن کے بعد نوافل کا درجہ ہے، نوافل کی ادائے گی کے لیے جہاں پورا سال ہے وہیں پر ایک مخصوص وقت بھی ہے جس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے اس مخصوص وقت میں نوافل کی

کثرت کرنی چاہیے اسی مناسبت سے مصنفؒ نے کتاب الصلوٰۃ کے اخیر میں لیلۃ القدر کا باب قائم کیا ہے، اگرچہ امام بخاری اور امام ترمذیؒ نے لیلۃ القدر کو کتاب الصوم میں ذکر کیا ہے، کیوں کہ یہ رات رمضان میں آتی ہے، گویا بعض محدثین نے محل کا لحاظ کیا اور بعض نے عبادت کا، ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق عنوان کو جگہ دی ہے۔

لیلۃ القدر کے معنی:

''قَدْر'' کے دو معنی ہیں، ایک معنی عظمت وشرف کے ہیں، امام زہریؒ نے اس جگہ یہی معنی مراد لیے ہیں، اور کہا ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت وشرف ہے، ابوبکر ورّاق نے فرمایا: اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ واستغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحبِ قدر وشرف بن جاتا ہے۔

''قَدْر'' کے دوسرے معنی تقدیر اور حکم کے بھی آتے ہیں، یعنی اندازہ کرنا، فیصلہ کرنا، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لیے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر، موت، رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو دی جاتی ہیں، یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کیے جاتے ہیں بقول حضرت ابن عباسؓ چار ہیں: اسرافیل، میکائیل، عزرائیل اور جبرئیل علیہم السلام۔

سورۂ دخان کی آیت: '' اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا '' میں جمہور مفسرین کے نزدیک لیلہ مُبارکہ سے مراد بھی لیلۃ القدر ہی ہے اور بعض حضرات نے جو لیلۂ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی شب براءت مراد لی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمالی طور پر شب براءت میں ہوجاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہیں۔

لیلۃ القدر کی فضیلت:

یہ رات اس امتِ مرحومہ کے لیے ایک عطیہ خداوندی اور بیش قیمت تحفہ ہے، اس کی قدر ومنزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ اسی شب میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے، جس کو خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں بیان فرمایا ہے اور ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے۔

لیلۃ القدر اسی امت کے لیے مقرر ہوئی ہے تاکہ اس امت کے افراد اپنی چھوٹی عمروں کے باوجود ثواب زیادہ حاصل کرسکیں چناں چہ اس روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو گزشتہ امتوں کے بارے میں علم ہوا کہ ان میں لوگوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں تو آپ ﷺ کو اس پر قلق ہوا کہ میری امت کے لوگ اپنی تھوڑی عمروں میں ان کے عمل نہیں کرسکیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا قلق دور کرنے کے لیے شب قدر کی نعمت عطا فرمائی۔

ایک اور روایت میں فرمایا گیا کہ ایک روز آں حضور ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایسے چار جلیل القدر افراد کا تذکرہ کیا جنھوں نے اپنی طویل عمروں کا فائدہ اٹھا کر اسی اسی سال اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے اور اس دوران ایک لحہ بھی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، وہ چاروں نبی تھے یعنی حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، صحابہ کرام کو اس پر رشک آیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آں حضور ﷺ سے کہا: اے محمد! آپ کی امت کے لوگوں کو ان چاروں کی اَسی اَسی برس کی عبادت پر رشک آرہا ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو کیسی خیر عطا فرمادی ہے، پھر انھوں نے آں حضرت ﷺ کو ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ''کی پوری سورت وحی کی، اس پر آں حضرت ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ اس کے علاوہ اس شب کی فضیلت میں اور بھی متعدد روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں۔

شب قدر کی تعیین:

اللہ تعالیٰ نے اس رات کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے اس کو ایک راز بنا کر رکھا ہے تاکہ لوگ ایک ہی رات پر تکیہ نہ کرلیں، اور شب قدر کی تلاش و رغبت میں ان کو زیادہ سے زیادہ عبادت کی توفیق میسر ہو، اب رہا سوال یہ کہ شب قدر سے کون سی شب مراد ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اڑتالیس اقوال نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری: ۴/ ۳۱۳)

اور اقوال کا یہ تعدد تضاد اور تعارض نہیں ہے کیوں کہ یہ بات قریب قریب متفق علیہ ہے کہ یقینی طور پر شب قدر کی تاریخ متعین نہیں اس لیے یہ اقوال اندازہ اور تخمینہ کا درجہ رکھتے ہیں، تاہم زیادہ تر اہل علم کا خیال یہ ہے کہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر واقع ہوتی ہے اور بدلتی بھی رہتی ہے، ہر سال ایک ہی شب میں اور ایک ہی تاریخ میں شب قدر کا ہونا ضروری نہیں، پھر ان راتوں میں بھی علماء شوافع کا زیادہ رجحان اکیس رمضان المبارک کی شب میں ہے، لیکن مذاہب اربعہ کے اکثر فقہاء اور دوسرے اہل علم کا زیادہ رجحان رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کی طرف ہے، علامہ عینیؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرف بھی اسی قول کو منسوب کیا ہے۔ (طحطاوی علی المراقی: ص/ ۲۱۸)

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شب قدر کے امکان پر بہت سی روایتیں موجود ہیں، خود امام بخاریؒ نے اس

سلسلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتیں نقل کی ہیں، ستائیسویں شب کی طرف بھی زیادہ رجحان اسی لیے ہے کہ متعدد روایتیں اس سلسلہ میں موجود ہیں، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے، ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ سے، اور مسلم وترمذی وغیرہ میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایات منقول ہیں کہ خود آپ ﷺ نے ستائیسویں شب کو قدر کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔ (نیل الاوطار: ۴/ ۲۷۲)

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعمال:

شب قدر میں آپ ﷺ کا معمول زیادہ عبادتوں کا تھا، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے شب قدر میں ایمان واخلاص کے ساتھ نماز پڑھی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ خود بھی شب بیداری فرماتے، نماز کا خصوصی اہتمام فرماتے، اپنے تمام اہل خانہ کو بھی اس مقصد کے لیے بیدار کرتے اور عبادت کے لیے کمر ہمت کس لیتے۔ (نیل الاوطار: ۴/ ۲۷۱)

اس شب میں دعائیں بھی قبول کی جاتی ہیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پہچان لوں تو کیا دعا کروں؟ آپ نے ایک جامع اور مختصر دعا سکھلائی جو اس طرح ہے: ''اللهم انك عفو كريم تحب العفو فاعف عني'' (ترمذی شریف: حدیث/ ۳۵۱۳)

لیلۃ القدر کے اخفاء کی حکمت:

حضرات علماء نے شب قدر کو مبہم رکھنے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، ان میں ایک قول تو یہ ہے کہ شبِ قدر کو اگر پوشیدہ نہ رکھا جاتا بلکہ متعین کرکے اس رات کو بتادیا جاتا تو بہت سے لوگ صرف اسی ایک رات میں عبادت کا اہتمام کرتے اور دیگر راتوں کی عبادت کی برکتوں سے محروم رہ جاتے، اکثر حضرات نے اسی قول کو راجح لکھا ہے، اس لیے ہم اسی کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ان چند تمہیدی امور کو ذکر کرنے کے بعد اب ہم باب کی احادیث کی تشریح کرتے ہیں۔

۱۳۷۸- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، قَالَ: قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: أَخْبِرْنِي عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ، فَإِنَّ صَاحِبَنَا سُئِلَ عَنْهَا، فَقَالَ: مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْهَا، فَقَالَ: رَحِمَ اللَّهُ أَبَا عَبْدِ

۱۳۷۸ - رواه مسلم رقم(۷۶۲) في صلاة المسافين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، وفي الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، والترمذي رقم(۷۹۳) في الصوم، باب ماجاء في ليلة القدر.

الرَّحْمَنِ، وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ - زَادَ مُسَدَّدٌ : وَلَكِنْ كَرِهَ أَنْ يَتَّكِلُوا أَوْ أَحَبَّ أَنْ لَا يَتَّكِلُوا، ثُمَّ اتَّفَقَا - وَاللَّهِ إِنَّهَا لَفِي رَمَضَانَ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ لَا يَسْتَثْنِي، قُلْتُ: يَا أَبَا الْمُنْذِرِ، أَنَّى عَلِمْتَ ذَلِكَ؟ قَالَ: بِالْآيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ لِزِرٍّ: مَا الْآيَةُ ؟ قَالَ: «تُصْبِحُ الشَّمْسُ صَبِيحَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِثْلَ الطَّسْتِ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ، حَتَّى تَرْتَفِعَ».

ترجمہ: حضرت زر بن حبیش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے عرض کیا کہ: مجھے شب قدر کے بارے میں بتایئے (یعنی یہ کب واقع ہوتی ہے) کیونکہ اس کے متعلق ہمارے صاحب (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا: جو سال بھر ہر رات عبادت کرے گا وہ شب قدر کو پالے گا، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: اللہ ابوعبدالرحمن پر رحم کرے، وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہے (مسدد نے یہ اضافہ کیا کہ: انہوں نے چاہا کہ لوگ بھروسہ نہ کرلیں اور وہ بھروسہ کرنے کو برا سمجھتے تھے) خدا کی قسم شب قدر رمضان میں ہے، ستائیسویں رات کو، اس سے باہر نہیں ہے، میں نے کہا کہ: اے ابومنذر! تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا کہ: اسکی علامت سے جو رسول ﷺ نے ہمیں بتلائی، عاصم کہتے ہیں کہ: میں نے پوچھا کہ وہ علامت کیا ہے؟ انہوں نے کہا: شب قدر کی صبح سورج طشت کی طرح نکلتا ہے، جس میں اونچا ہونے تک شعاع نہیں ہوتی۔

تشریح حدیث: جہاں تک اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو یہ اپنی سند اور متن کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے، کسی نے بھی اس کے رواۃ پر کوئی جرح نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کے متن پر کوئی نقد کیا گیا ہے، بلکہ متعدد روایات ایسی ہیں جو اس حدیث کے مضمون کے لیے شاہد کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کو ہم نقل بھی کریں گے۔

رہا مسئلہ حدیث کے مضمون اور اس کی شرح کا تو وہ بھی کوئی مبہم نہیں، لیکن پھر بھی ہم اختصار کے ساتھ حدیث کا مضمون نقل کیے دیتے ہیں، مضمون حدیث کو نقل کرنے کے بعد ہم ایک شبہ کا ازالہ کریں گے جس کو بعض شراح حدیث نے مغرب کے علماء یعنی مستشرقین سے مرعوب ہو کر اپنی شروحات میں نقل کیا ہے، نیز ہم بتائیں گے کہ یہ شبہ حدیث کے متعدد طرق اور شواہد پر نظر نہ کرنے کی بنیاد پر ہے یا پھر اپنی سطحی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہے اولاً حدیث شریف کا مضمون پیش خدمت ہے۔

مضمون حدیث

حضرت زر بن حبیش تابعین میں سے ہیں وہ بیان کررہے ہیں کہ میں صحابی رسول حضرت ابی بن کعبؓ سے شب قدر کے بارے میں بات کی اور بتایا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو یہ فرماتے تھے کہ جو شخص سال بھر قیام کرے اور

عبادت کی خاطر سال کی تمام راتوں میں جاگے وہ شبِ قدر کو پالے گا، اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر رہتی ہے بلکہ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک بھی شب قدر رمضان میں ہی آتی ہے اور زیادہ توقع آخری عشرہ میں ہے اور بہت زیادہ توقع ستائیسویں شب میں ہے، مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پورے سال میں قیام کرنے اور عبادت کرنے کی بات اس لیے کہہ دی تا کہ اسی ایک رات پر یا صرف رمضان کے مہینہ پر تکیہ کر کے اور بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور سال کی باقی راتوں میں جاگنا ترک نہ کر دیں اس کا لحاظ کر کے حضرت ابن مسعودؓ نے یہ کہا کہ شب قدر وہی شخص پائے گا جو سال کی تمام راتوں میں تہجد وغیرہ کے لیے جاگے گا، اس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کے قائل تھے کہ شب قدر پورے سال میں دائر رہتی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ نے بڑے یقین اور جزم کے ساتھ انشاء اللہ کہے بغیر یہ بات کہی کہ ستائیسویں شب ہی لیلۃ القدر ہے، جب حضرت ابی بن کعبؓ نے جزم اور یقین سے یہ بات کہی تو حضرت زر بن حبیشؒ نے معلوم کیا کہ آپ یہ بات اتنے یقین کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہیں؟ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ اس علامت کی وجہ سے جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتائی تھی، اور وہ علامت یہ تھی کہ اس کی صبح کو جو آفتاب طلوع ہوتا ہے اس میں شعاعیں نہیں ہوتی ہیں۔

شُعَاع: سورج کی وہ کرنیں جو ڈوروں اور تاگوں کی طرح سامنے آتی ہیں، اور اس کی وجہ قاضی عیاض مالکیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس رات میں فرشتوں کا جم غفیر مختلف انداز اور بہت کثرت کے ساتھ زمین پر اترتا ہے، پھر اوپر واپس جاتا ہے، جن کے پروں اور نورانی جسموں کے حائل ہونے سے سورج کی کرنیں دیکھنے والوں کی نظروں سے مستور ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا شب قدر کی تعیین میں جزم و یقین:

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ کے نزدیک شب قدر متعین طور پر رمضان کی ستائیسویں شب ہی ہے؛ کیوں کہ انھوں نے غلبۂ ظن اور تجربہ کی بناء پر انشاء اللہ کہے بغیر اس کے بارے میں کہا ہے۔ تاہم روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی اکثریت اور بعد کے جمہور علماء ستائیسویں شب کے متعین طور پر شب قدر ہونے کے قائل نہیں البتہ اس شب میں اس کی سب سے زیادہ توقع ہے۔

شب قدر کی صبح کو سورج کا بغیر شعاعوں کے طلوع ہونا:

اس حدیث میں یہ آیا کہ لیلۃ القدر کی صبح کو سورج بغیر شعاعوں کے طلوع ہوتا ہے، اور سورج کے بلند ہونے تک اس میں شعاع نہیں ہوتی، اس کی علت اور سبب ہم نے مضمون حدیث کے ذیل میں بیان کر دی کہ ایسا فرشتوں کے کثرت

سے زمین پر اترنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ شب قدر کی علامتوں میں سے یہ جو علامت بیان کی گئی ہے کہ اسکی صبح کو سورج میں شعاع نہیں ہوتی یہ حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ علامت ہے یا حضرت ابی ابن کعبؓ کی اپنی ذاتی رائے ہے؟ اس سلسلہ میں حدیث باب کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامت خود حضور ﷺ کی بیان کردہ ہے اس میں حضرت ابی بن کعبؓ کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے، انھوں نے تو اس علامت کے ذریعہ شب قدر کو پہچانا ہے صحیح مسلم میں اور سنن ترمذی میں حدیث کے جو الفاظ آئے ہیں ان سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ یہ علامت خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے، چناں چہ صحیح مسلم میں ہے: ''بالعلامة التي أخبرنا رسول الله ﷺ أنها تطلع يومئذ لا شعاع لها'' اسی طرح سنن ترمذی میں ہے: ''أخبرنا رسول الله ﷺ أنها ليلة صبيحتها تطلع الشمس ليس لها شعاع''۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

سنن ترمذی کی ایک شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں: ''میں ہمیشہ ستائیسویں شب کے بعد سورج کو طلوع ہوتے دیکھتا ہوں اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں؛ مگر علماء نے حضرت ابی ابن کعبؓ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، کیوں کہ اس کا مدار جس علامت پر ہے وہ غیر واضح ہے ظاہر ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامت بتائی ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ پورے دن شعاعیں نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک شعاعیں نہیں ہوں گی اور ایسا ہر صبح کو ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، پھر رفتہ رفتہ شعاعیں بھرتی ہیں، اور اگر امتیاز کرنے کے لیے وقت کی تعیین کریں مثلاً یہ کہیں کہ شب قدر کی صبح میں بیس منٹ تک شعاعیں نہیں ہوں گی تو یہ بات بھی ممکن نہیں؛ اس لیے کہ گرمیوں اور سردیوں کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہوتا ہے، ہلکے بادل اور بارش کا ترشح ہو رہا ہو تو بھی فرق پڑتا ہے، اس لیے یہ علامت غیر واضح ہے، چناں چہ علماء نے اس رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، مگر عوام نے حضرت ابی ابن کعبؓ کی رائے پر تکیہ کر لیا ہے جو ٹھیک نہیں ہے''۔

اس مذکورہ بالا عبارت کے تعلق سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی رائے سے مراد کیا ہے؟ آیا ستائیسویں شب کی تعیین یا علامت ''لا شعاع لها'' کا مشاہدہ؟

جہاں تک ستائیسویں شب کے تعین کا تعلق ہے تو یہ متفق علیہ چیز نہیں جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا ہے؛ مگر نیچے جو تفصیلی کلام شارح کر رہے ہیں اس سے بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ کی رائے سے مراد علامت لیلۃ القدر ''لا شعاع لها'' کو لے رہے ہیں، اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ کہنا کہ میں نے اس

علامت کا مشاہدہ کیا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے اس علامت کا مشاہدہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ یہ علامت غیر واضح ہے، اس کے بعد شارح ترمذی پورا زور اس پر لگا رہے ہیں کہ یہ علامت غیر واضح ہے اس کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا ہے، تعبیر تو ایسی اختیار کی ہے کہ اس علامت کا غیر واضح ہونا بتا رہے ہیں لیکن درمیان کی لکھی ہوئی دو تین سطروں سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ اس علامت ہی کا انکار کر رہے ہیں، چناں چہ لکھ رہے ہیں: ''ایسا ہر صبح کو ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں پھر رفتہ رفتہ شعاعیں بھرتی ہیں اور اگر امتیاز کرنے کے لیے وقت کی تعیین کریں مثلاً یہ کہیں کہ شب قدر کی صبح میں بیس منٹ تک شعاعیں نہیں ہوتیں تو یہ بات بھی ممکن نہیں''۔

ہم یہاں پر پہلی بات تو یہ عرض کریں گے کہ اگر حضرت ابی بن کعبؓ حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ علامت کے مشاہدہ کی بات کہہ رہے ہیں تو اس کو ماننے میں کیا حرج ہے۔ حضرات صحابہؓ سب کے سب عادل وثقہ ہیں، یقیناً حضرت ابی بن کعبؓ نے اس علامت کا مشاہدہ کیا ہوگا، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ شبِ قدر کا پانا دیکھنا اور محسوس کرنا بندوں کے اس ذوقِ عمل اور وجدان خاص پر ہے جو ایمان واعتقاد اور تعلق مع اللہ سے روشن ہوتا ہے، ہر بندہ علامت کا مشاہدہ کرلے ایسا ممکن نہیں، لیکن اپنے مشاہدہ نہ کرنے سے نہ تو اس علامت کا انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کے مشاہدہ کو غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے، بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دو بندے ایک ہی جگہ پر ہوں اور وہ دونوں شبِ قدر پائیں ایک کو اس رات کی علامتوں میں سے کچھ دکھائی دے اور دوسرے کو کچھ دکھائی نہ دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی صبح کو سورج میں شعاعیں نہ ہونے کا وقت متعین ہے، جیسا کہ سنن ابوداؤد کی حدیث باب میں ہے کہ سورج میں بلند ہونے تک شعاعیں نہیں ہوتیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ جس علامت کا ذکر حضرت ابی بن کعبؓ کر رہے ہیں وہ صرف اسی حدیث میں نہیں ہے بلکہ اس مضمون کی متعدد مرفوع روایات موجود ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ان روایات کو تفصیل سے نقل کیا ہے، چناں چہ فتح الباری میں نقل کی گئیں روایات کو مع حوالہ تحریر کرتے ہیں پھر بتائیں گے کہ یہ روایات کس طرح حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں بیان کی گئی علامت کی تائید کرتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِيْ عَقْرَبٍ، قَالَ: غَدَوْتُ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، ذَاتَ غَدَاةٍ فِي رَمَضَانَ، فَوَجَدْتُهُ فَوْقَ بَيْتِهِ جَالِسًا، فَسَمِعْنَا صَوْتَهُ، وَهُوَ يَقُولُ: صَدَقَ اللهُ، وَبَلَّغَ رَسُولُهُ، فَقُلْنَا: سَمِعْنَاكَ تَقُولُ: صَدَقَ اللهُ، وَبَلَّغَ رَسُولُهُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي النِّصْفِ مِنَ السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، تَطْلُعُ الشَّمْسُ غَدَاتَئِذٍ صَافِيَةً، لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ"، فَنَظَرْتُ إِلَيْهَا فَوَجَدْتُهَا كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد ط الرسالۃ: ۶/ ۴۰۵)

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي كُنْتُ أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ نُسِّيتُهَا، وَهِيَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ لَيْلَتِهَا، وَهِيَ لَيْلَةٌ طَلْقَةٌ بَلْجَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ»، وَزَادَ الزِّيَادِيُّ: «كَأَنَّ فِيهَا قَمَرًا يَفْضَحُ كَوَاكِبَهَا»، وَقَالَا: «لَا يَخْرُجُ شَيْطَانُهَا حَتَّى يُضِيءَ فَجْرُهَا» (صحیح ابن خزیمة: ۳/ ۳۳۰)

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ: «لَيْلَةٌ طَلْقَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ، تُصْبِحُ الشَّمْسُ يَوْمَهَا حَمْرَاءَ ضَعِيفَةً» (صحیح ابن خزیمة: ۳/ ۳۳۱)

(۴) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْبَوَاقِي مَنْ قَامَهُنَّ ابْتِغَاءَ حِسْبَتِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ يَغْفِرُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَا تَأَخَّرَ، وَهِيَ لَيْلَةُ وِتْرٍ تِسْعٍ أَوْ سَبْعٍ أَوْ خَامِسَةٍ أَوْ ثَالِثَةٍ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ" وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَمَارَةَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَنَّهَا صَافِيَةٌ بَلْجَةٌ كَأَنَّ فِيهَا قَمَرًا سَاطِعًا سَاكِنَةٌ سَاجِيَةٌ لَا بَرْدَ فِيهَا، وَلَا حَرَّ وَلَا يَحِلُّ لِكَوْكَبٍ أَنْ يُرْمَى بِهِ فِيهَا حَتَّى تُصْبِحَ، وَإِنَّ أَمَارَتَهَا أَنَّ الشَّمْسَ صَبِيحَتَهَا تَخْرُجُ مُسْتَوِيَةً لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَحِلُّ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ (مسند احمد ط الرسالة: ۳۷/ ۴۲۵)

ان مذکورہ روایات میں لیلۃ القدر کی اس علامت کہ اس کی صبح کو سورج میں بلند ہونے تک شعاعیں نہیں ہوتیں، کی تائید ہوتی ہے موجودہ دور کے کچھ سائنس دانوں کا کہنا بھی یہی ہے کہ ہم نے دس سال تک اس کی تحقیق اور جستجو کی ہے اور ہمیں بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علامت تو یہ رات گزرنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے پھر اس کا فائدہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس علامت کو دیکھ کر اس بندے کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس کو اس کی توفیق ہو جائے یہ بھی ایک بہت بڑا فائدہ ہے۔

یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لیلۃ القدر پوری دنیا میں ایک ہی ہوتی ہے، خواہ تاریخ کا مقام کے لحاظ سے فرق ہو جائے۔ واللہ اعلم

۱۳۷۹- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُنَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ فِي مَجْلِسِ بَنِي سَلَمَةَ وَأَنَا أَصْغَرُهُمْ، فَقَالُوا:

۱۳۷۹- أخرجه النسائي في الكبرى (تحفة الأشراف) (۵۱۴۳) وقال المنذري في "مختصر سنن أبي داؤد: قال أبو داؤد: وهذا حديث غريب لم يرو الزهري عن ضمرة غير هذا الحديث.

مَنْ يَسْأَلُ لَنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَذَلِكَ صَبِيحَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ؟ فَخَرَجْتُ فَوَافَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ قُمْتُ بِبَابِ بَيْتِهِ، فَمَرَّ بِي فَقَالَ: «ادْخُلْ»، فَدَخَلْتُ فَأُتِيَ بِعَشَائِهِ، فَرَآنِي أَكُفُّ عَنْهُ مِنْ قِلَّتِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَ: «نَاوِلْنِي نَعْلِي» فَقَامَ وَقُمْتُ مَعَهُ، فَقَالَ: «كَأَنَّ لَكَ حَاجَةً»، قُلْتُ: أَجَلْ، أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ رَهْطٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ، يَسْأَلُونَكَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ: «كَمِ اللَّيْلَةُ؟» فَقُلْتُ: اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ، قَالَ: «هِيَ اللَّيْلَةُ»، ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: «أَوِ الْقَابِلَةُ»، يُرِيدُ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ .

ترجمه: حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا اور میں ان سب میں چھوٹا تھا، لوگوں نے کہا کہ: شب قدر کے بارے میں حضور ﷺ سے کون دریافت کرے گا؟ اس دن رمضان کی اکیسویں تاریخ تھی، پس میں نکلا اور رسول ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر میں آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، جب آپ ﷺ میرے پاس سے گذرے تو فرمایا: اندر چلو، پس میں چلا گیا، رات کا کھانا لایا گیا، کھانا کم تھا: اس لیے میں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا (یعنی کم کھایا) جب آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: میرے جوتے لاؤ، آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تجھے کچھ کام ہے مجھ سے؟ میں نے کہا: ہاں مجھے آپ کے پاس بنی سلمہ کے لوگوں نے شب قدر دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: آج کون سی شب ہے؟ میں نے کہا: بائیسویں شب، آپ نے فرمایا: یہی شب قدر ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ اگلی شب یعنی تئیسویں شب۔

رجال حدیث: ''أحمد بن حفص'' یہ احمد بن حفص بن عبداللہ راشد سلمی ہیں، بخاری، مسلم اور ابوداؤد کے رواۃ میں سے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں ''صدوق'' لکھا ہے، ۲۵۸ھ میں وفات ہوئی ہے، ان کے والد حفص بن عبداللہ بھی صدوق درجہ کے راوی ہیں، اور ان کی وفات ۲۰۹ھ میں ہوئی ہے۔

عباد بن إسحاق: ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے عباد بن اسحاق لکھا ہے اور بعض نے عبدالرحمن بن اسحاق لکھا ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے ''صدوق رمي بالقدر'' لکھا ہے جب کہ امام ذہبیؒ نے ''ثقة قدري'' لکھا ہے لیکن ساتھ ہی امام بخاریؒ کا قول: ''لیس ممن یعتمد علی حفظه'' بھی لکھا ہے۔

''ضَمْرَةُ بن عبدالله'': یہ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے صاحبزادے ہیں، تابعین میں سے ہیں، امام ابوداؤد اور امام نسائیؒ نے ان کی صرف ایک یہی حدیث نقل کی ہے، اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں ہے، اسی وجہ سے حافظ

ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو مقبولین کی فہرست میں شمار کیا ہے، البتہ ابن حبانؒ نے ان کو کتاب الثقات میں نقل کیا ہے، امام مزیؒ نے تہذیب الکمال میں ان کے تین تلامذہ کے اسماء نقل کیے ہیں، بکیر بن عبداللہ، بکیر بن مسمار اور محمد بن مسلم زہریؒ۔

تشریح حدیث: اکیسویں رمضان کی صبح کو حضرات صحابہ کرامؓ کا اجتماع ہوا، چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے کہ لیلۃ القدر کے بارے میں گفتگو ہوئی اور یہ بات آئی کہ ہم سے کون رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کی تعیین کے بارے میں سوال کرے گا؟ حضرت عبداللہ بن انیسؓ اس کام کے لیے تیار ہو گئے، اور اسی دن شام کو بعد نماز مغرب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اندر آ جاؤ ہو سکتا ہے کہ ان کی عمر کم رہی ہو، یہ اندر چلے گئے، شام کا کھانا لایا گیا، کھانا چوں کہ کم تھا اس لیے حضور ﷺ کے کہنے کے باوجود انھوں نے کھانے سے گریز کرنا چاہا جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے جوتے لاؤ، آپ ﷺ جوتے پہن کر کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تم کسی کام سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، مجھے قبیلہ بنو سلمہ کے لوگوں کی ایک جماعت نے بھیجا ہے، وہ لوگ آپ ﷺ سے شب قدر کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کونسی شب ہوگی؟ آپ ﷺ نے معلوم کیا کہ آج کونسی شب ہے؟ کہا کہ آج تو بائیسویں شب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہی لیلۃ القدر ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے قول سے رجوع فرمایا اور کہا کہ یا اگلی یعنی تیسویں شب ہے، یہاں کلمہ ''أوْ'' یا تو ابہام کے لیے ہے کہ لیلۃ القدر یا بائیسویں شب ہے یا تیسویں شب، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''أوْ'' اضراب کے لیے ہو یعنی سابقہ کلام سے رجوع کرنے اور ختم کرنے کے لیے ہو اور مطلب یہ ہے کہ بائیسویں شب نہیں ہے بلکہ تیسویں شب ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو دین کے امور سیکھنے سے بے پناہ رغبت تھی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ طلب علم کے لیے بڑوں کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔

یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بڑے چھوٹوں سے خدمت لے سکتے ہیں جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے اپنے جوتے اٹھوائے۔

ساتھ ہی کچھ حضرات نے اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ لیلۃ القدر بائیسویں شب ہے، لیکن یہ استدلال یا تو ٹھیک نہیں ہے یا پھر کم از کم مشکوک ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے تو ''أو القابلة'' کہہ کر عدم تعیین کی طرف ہی اشارہ فرما دیا۔ (المنہل: ۷/ ۳۲۵)

۱۳۸۰-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ

۱۳۸۰- أخرجه مالك في "الموطا" ۱ / ۳۲۰، في الاعتكاف، باب ما جاء في ليلة القدر، وإسناده منقطع، وقد وصله مسلم في الرواية التي بعده رقم (۱۱۶۸) في الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها.

بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ لِي بَادِيَةً أَكُونُ فِيهَا، وَأَنَا أُصَلِّي فِيهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ، فَمُرْنِي بِلَيْلَةٍ أَنْزِلُهَا إِلَى هَذَا الْمَسْجِدِ. فَقَالَ: «انْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ»، فَقُلْتُ لِابْنِهِ: كَيْفَ كَانَ أَبُوكَ يَصْنَعُ؟ قَالَ: «كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ، فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ، فَإِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَجَلَسَ عَلَيْهَا فَلَحِقَ بِبَادِيَتِهِ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن انیس جہنیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا ایک جنگل ہے میں اسی میں رہتا ہوں اور وہیں بفضل خدا نماز پڑھتا ہوں، مجھے شب قدر کے بارے میں بتایئے تاکہ میں اس رات میں آکر اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں نماز پڑھ سکوں، آپ ﷺ نے فرمایا تیئیسویں (۲۳ / رات کو آنا (محمد بن ابراہیم) کہتے ہیں کہ: میں نے عبداللہ بن انیس کے بیٹے سے پوچھا کہ: تمہارے والد کا کیا عمل رہا؟ انہوں نے کہا کہ: وہ بائیسویں رمضان کو جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو مسجد میں آتے اور پھر فجر کی نماز تک کسی بھی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر نہ جاتے جب نماز فجر سے فارغ ہوتے تو مسجد کے دروازے پر آکر اپنی سواری کے جانور کو دیکھتے اور اس پر سوار ہو کر جنگل کی طرف چلے جاتے۔

رجال حدیث: احمد بن یونس ثقہ راوی ہیں، اور زہیر سے مراد زہیر بن معاویہ ہیں یہ بھی ثقہ ہیں، محمد بن اسحاق مشہور امام مغازی ہیں، محمد بن ابراہیم تیمی ہیں وہ بھی ثقہ ہیں اور ابن عبداللہ ضمرہ بن عبداللہ تابعی ہیں جن کا ذکر ماقبل کی سند میں آیا تھا۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن اُنیس انصاریؓ بیان کررہے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جنگل والا ہوں یعنی شہر سے دور میرا جو جنگل ہے میں نے اپنا رہائشی گھر وہیں بنا رکھا ہے اور وہیں رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہیں نمازیں بھی پابندی سے اور جماعت کرکے پڑھتا ہوں، لیکن میں آپ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے وہ رات بتادیجئے جس میں سب آکر یہاں مسجد نبوی میں حاضر ہوں تاکہ دونوں فضیلتیں مجھے حاصل ہوجائیں، مسجد نبوی میں عبادت کی اور شب قدر کی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تیسویں شب میں آنا۔

آگے راویٔ حدیث بیان کررہے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کے صاحبزادے حضرت ضمرہ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد تمہارے والد حضرت عبداللہ بن انیسؓ کا عمل کیا تھا؟ اس پر انھوں نے بتایا کہ میرے والد محترم رمضان کی بائیس تاریخ کو عصر کی نماز پڑھ کر جنگل سے چلتے اور مسجد شریف میں آجاتے اور جب تک ۲۳ / کو فجر کی نماز نہ پڑھ لیتے خاص ضرورت وحاجت کے علاوہ اور کسی کام کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلتے بلکہ عصر کے بعد سے فجر کی نماز پڑھ لینے تک مسجد ہی میں رہتے تھے، پھر جب فجر کی نماز سے فارغ ہوجاتے تو اپنی سواری کا جانور مسجد کے

دروازے پر پاتے اور اس پر سوار ہو کر اپنے جنگل واپس ہو جاتے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

پوری روایت کو سامنے رکھ کر اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ اس سے تو شبِ قدر کا معین ہونا لازم آتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس سال انھوں نے آں حضرت ﷺ سے شبِ قدر کے بارے میں پوچھا تھا اور آں حضرت ﷺ نے ان کو تیسویں شب میں آنے کے لیے ہدایت کی تھی ہوسکتا ہے کہ اس سال شب قدر تیسویں شب میں ہوئی ہو اور اس کا علم آں حضرت ﷺ کو پہلے سے ہو گیا ہوگا؛ لیکن حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ یہ سمجھے کہ ہر سال اسی تاریخ کو شبِ قدر آتی ہے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحقیق تو یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کو بھی شبِ قدر متعین طور پر معلوم نہ تھی، تو پھر آپ ﷺ نے تیسویں شب کی تعیین کس طرح فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ متعین طور پر معلوم نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر سال کی شب قدر متعین طور پر معلوم نہیں تھی، کبھی کبھی کا معلوم ہو جانا اس کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم

فقه الحديث: صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض اہل علم کی رائے یہی ہے کہ شب قدر تیسویں رات ہے؛ لیکن ہم ماقبل میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ صحیح عدم تعیین ہی ہے۔

۱۳۸۱- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فِي تَاسِعَةٍ تَبْقَى، وَفِي سَابِعَةٍ تَبْقَى، وَفِي خَامِسَةٍ تَبْقَى»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو بالخصوص جب کہ (مہینہ کے ختم ہونے میں) نو راتیں باقی رہ جائیں اور جب سات راتیں باقی رہ جائیں اور جب پانچ راتیں باقی رہ جائیں۔

تشريح حديث: اس حدیث میں رمضان کے آخری عشرہ میں جن تین راتوں میں شب قدر تلاش کرنے کی ہدایت مذکور ہے اور ان تین راتوں کا ذکر جس اسلوب اور جن الفاظ میں آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین راتوں سے اکیسویں شب، تیئسویں شب اور پچیسویں شب مراد ہے، چوں کہ باقی ماندہ نویں رات یقینی طور پر تو اکیسویں ہوسکتی ہے اس لیے کہ مہینہ کا انتیس ہونا تو یقینی امر ہے جب کہ تیس کے ہونے میں شک ہے، لہٰذا جب الٹی طرف سے شمار کریں گے تو نویں رات کا مصداق اکیس ویں ہوگی اور ساتویں کا مصداق تیئسویں ہوگی اور پانچویں کا مصداق پچیسویں

۱۳۸۱- البخاري كتاب فضل ليلة القدر، باب: تحري ليلة القدر (۲۰۲۱)

ہوگی، گویا دونوں صورتوں میں پانچویں شب کا مصداق پچیسویں ہی شب ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بالا میں مذکور تاریخوں کی اصل وضاحت تو یہی ہے، مگر اس جگہ پر شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ کا خیال یہ ہے کہ اس حدیث میں آخری عشرہ کی جن راتوں کا ذکر ہے ان سے مراد بائیسویں شب، چوبیسویں شب اور چھبیسویں شب ہے، علامہ طیبیؒ کے قول کی بنیاد شاید صحیح مسلم کی اس روایت پر ہے جس میں تاسعہ، سابعہ اور خامسہ کی وضاحت حضرت ابوسعید خدریؓ نے بائیسویں شب، چوبیسویں شب اور چھبیسویں شب سے کی ہے اس روایت کو ہمارے مصنفؒ نے بھی اگلے باب میں نقل فرمایا ہے مگر اس سے شب قدر کا جفت راتوں میں آنا لازم آتا ہے اور یہ بات احادیث صحیحہ کے خلاف ہے؛ اس لیے زیادہ صحیح معنی وہی ہیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے۔

بَابٌ فِيمَنْ قَالَ: لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ

شب قدر کا اکیسویں شب میں ہونا

۱۳۸۲- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَامًا، حَتَّى إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ فِيهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ، قَالَ: «مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي، فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، وَقَدْ رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ، ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ مِنْ صَبِيحَتِهَا فِي مَاءٍ وَطِينٍ، فَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ»، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ، فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأَبْصَرَتْ

۱۳۸۲- رواه البخاري (۴/ ۲۲۲-۲۲۵) في صلاة التراويح، باب التماس ليلة القدر في السبع الأواخر، وباب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر، وفي الجماعة، باب هل يصلي الإمام لمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة في المطر، وفي صفة الصلاة، باب السجود على الأنف والسجود على الطين، وباب من لم يمسح جبهته وأنفه حتى صلى، وفي الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر والإعتكاف في المساجد كلها، وباب الاعتكاف وخروج النبي ﷺ صبيحة عشرين، وباب من خرج من اعتكافه عند الصبح، ومسلم رقم (۱۱۶۷) في الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، والموطا: ۱/ ۳۱۹، في الاعتكاف، باب ما جاء في ليلة القدر، وأبو داؤد رقم: (۱۳۸۲) و (۱۳۸۳) في الصلاة، باب ما جاء في ليلة القدر، والنسائي: ۳/ ۷۹ و ۸۰، في السهو، باب ترك مسح الجبهة بعد التسليم.

عَيْنَايَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى جَبْهَتِهِ، وَأَنْفِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے ایک سال آپ ﷺ نے اعتکاف کیا اکیسویں شب سے یعنی اس شب سے جو آپ ﷺ کے اعتکاف سے باہر آنے کی شب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ اخیر عشرہ میں بھی اعتکاف کریں، اور میں نے شب قدر کو دیکھا ہے مگر پھر وہ رات مجھے فراموش کردی گئی لیکن میں نے اپنے آپکو شب قدر کی صبح میں کیچڑ اور پانی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے لہذا تم اسکو اخیر عشرہ میں تلاش کرو خاص طور پر طاق راتوں میں۔

ابوسعید نے کہا کہ پھر اسی رات میں (یعنی اکیسویں شب میں) بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکی جو کہ درخت کی شاخوں کی بنی ہوئی تھی، ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکیسویں شب کی صبح کو آپ ﷺ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔

مقصد ترجمہ: شب قدر کی تعیین کے تعلق سے احادیث میں جو اقوال مذکور ہیں مصنفؒ ان کو نقل کرنا چاہتے ہیں، ان اقوال میں سے ایک مشہور ترین قول یہ بھی ہے کہ شب قدر طاق راتوں میں ہے، اس باب میں مصنفؒ نے یہی قول بیان کیا ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا، پھر درمیانی عشرہ میں بھی اعتکاف فرمایا اور یہ اعتکاف ایک ترکی خیمہ میں تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اس خیمہ سے باہر نکالا اور ارشاد فرمایا: میں نے پہلے عشرہ میں اعتکاف اس وجہ سے کیا تھا کہ شب قدر کو تلاش کروں، پھر اسی وجہ سے درمیانی عشرہ میں بھی اعتکاف کیا، پھر میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ شبِ قدر تو آخری عشرہ میں ہے لہٰذا جو کوئی میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتا ہو اس کو چاہیے کہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ رات مجھے رات میں خواب میں دکھلادی گئی تھی پھر بھلادی گئی یعنی حضرت جبرئیلؑ نے مجھے بتلادیا تھا کہ فلاں رات شب قدر ہے؛ لیکن میں بھول گیا ہوں تاہم اس کی علامت یہ ہے کہ میں نے اسی خواب میں اپنے آپ کو شب قدر کے بعد کی صبح کو پانی اور مٹی کی لت پت زمین میں سجدہ کرتے دیکھا مگر مجھ کو یاد نہیں کہ وہ شب قدر کی رات کونسی تھی بہر حال تم لوگ شب قدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور اس آخری عشرہ کی ہر طاق رات میں خاص طور سے تلاش کرو

پھر حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ خواب شب قدر کا ہونا بتایا گیا تھا اور پھر آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا اس رات میں بارش ہوئی تھی اور چوں کہ مسجد پر پختہ چھت نہ تھی بلکہ کھجور کے پتے اور

شاخوں کی کچی چھت بنائی گئی تھی تو مسجد ٹپکی اور میری آنکھوں نے صبح کو فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا نشان تھا اور وہ صبح اکیسویں شب کی تھی۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ کی اس بات کا حاصل یہ ہے کہ شب قدر کا متعین ہونا کہ فلاں رات شب قدر ہے تو آں حضرت ﷺ کے ذہن سے اتر گیا مگر یہ علامت آپ ﷺ کو یاد رہی کہ اس رات کی صبح کو آپ ﷺ کیچڑ آلود زمین میں سجدہ کریں گے پھر ایسا ہوا کہ آخری عشرہ کی پہلی ہی رات یعنی اکیسویں شب میں بارش ہوئی جس میں مسجد نبوی کا خام فرش گیلا ہوگیا اور فجر کی نماز پڑھاتے وقت آپ ﷺ کی پیشانی پر گیلی مٹی لگ گئی، جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس طرح اس علامت کی اصلیت سامنے آ گئی اور اس سے معلوم ہوا کہ وہی رات یعنی اکیسویں شب شب قدر تھی، ہماری اس تقریر سے مصنف ؒ کا قائم کیا ہوا ترجمۃ الباب بھی مکمل طور پر ثابت ہوگیا۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے مندرجہ ذیل مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

(۱) عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے۔

(۲) رمضان کی راتوں میں عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے۔

(۳) لیلۃ القدر غیر متعین ہے کبھی اکیسویں شب میں بھی ہوسکتی ہے کبھی اس کے علاوہ راتوں میں۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایسی چیزوں میں نسیان طاری ہوسکتا ہے جن کا تعلق احکام سے نہیں ہے۔

(۵) افضل اعمال کی ترغیب دینی چاہیے۔

(۶) مٹی پر سجدہ کرنا۔

(۷) سجدہ کا پیشانی اور ناک دونوں پر ہونا جس کی تفصیل باب السجود علی الانف والجبھہ کے تحت ہم نقل کرچکے ہیں۔

(۸) حضرات صحابہ ؓ کا حضور ﷺ کے اعمال کو اہتمام کے ساتھ دیکھنا اور یاد رکھنا۔ (المنہل العذب المورود: ۷/ ۳۳۰)

باب آخر

۱۳۸۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الْتَمِسُوهَا

۱۳۸۳- رواه مسلم رقم (۱۱۶۷) في الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، والموطأ: ۱/ ۳۱۹، في الاعتكاف، باب ماجاء في ليلة القدر، والنسائي: ۳/ ۷۹، و ۸۰، في السهو، باب ترك مسح الجبهة بعد التسليم.

فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ، وَالسَّابِعَةِ، وَالْخَامِسَةِ»، قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: إِنَّكُمْ أَعْلَمُ بِالْعَدَدِ مِنَّا، قَالَ: أَجَلْ، قُلْتُ: مَا التَّاسِعَةُ وَالسَّابِعَةُ وَالْخَامِسَةُ؟ قَالَ: «إِذَا مَضَتْ وَاحِدَةٌ وَعِشْرُونَ فَالَّتِي تَلِيهَا التَّاسِعَةُ، وَإِذَا مَضَى ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ، فَالَّتِي تَلِيهَا السَّابِعَةُ، وَإِذَا مَضَى خَمْسٌ وَعِشْرُونَ فَالَّتِي تَلِيهَا الْخَامِسَةُ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «لَا أَدْرِي أَخَفِيَ عَلَيَّ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا»

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو اور خاص طور پر نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں، ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید سے کہا کہ تم ہم میں سب سے زیادہ شمار کو جاننے والے ہو کہا ہاں میں نے کہا ساتویں، نویں پانچویں سے کیا مراد ہے؟ بولے جب اکیسویں شب گذر جائے تو اسکے بعد کی رات نویں رات ہے اور جب تیسویں شب گذر جائے تو اسکے بعد کی رات ساتویں رات ہے اور جب پچیسویں شب گذر جائے تو اسکے بعد کی رات پانچویں رات ہے۔

ابوداود کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس حدیث کا کچھ حصہ مجھ پر مخفی رہ گیا یا نہیں (یعنی اس حدیث کا مضمون ثقات کی روایت بلکہ خود حضرت ابوسعید خدریؓ کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے جس میں شب قدر کا طاق راتوں میں ہونا مذکور ہے)

مقصد ترجمہ: سنن ابوداود کے اکثر نسخوں میں یہ ترجمۃ الباب ہے ہی نہیں، اور جن میں ہے ان پر کوئی عنوان نہیں ہے، مگر پھر بھی اس باب کا یہاں ہونا ہی اولیٰ ہے، اس لیے کہ اس کے تحت جو روایت ہے اس کا تعلق باب سابق سے نہیں ہے، رہا یہ مسئلہ کہ مصنفؒ اس باب سے کیا کہنا چاہتے ہیں، تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ لیلۃ القدر طاق راتوں میں ہی نہیں بلکہ جفت راتوں میں بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اس حدیث میں یہ بات آئی کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے شاگرد ابونضرہؒ نے جب ان سے تاسعہ، سابعہ، اور خامسہ کا مطلب یا مصداق معلوم کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ تاسعہ سے مراد بائیسویں شب، سابعہ سے مراد چوبیسویں شب اور خامسہ سے مراد چھبیسویں شب ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ لازم آتا ہے کہ اس سے لیلۃ القدر کا جفت راتوں میں ہونا ثابت ہوتا ہے، اور یہ دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں لیلۃ القدر کا طاق راتوں میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ کا مقصد صرف تاسعہ سابعہ اور خامسہ کے معنی کو بیان کرنا ہے کہ مہینہ کو تیس کا مان کر تاسعہ کا مصداق بائیسویں شب اور سابعہ کا مصداق چوبیسویں شب اور خامسہ کا مصداق چھبیسویں شب ہے، قطع نظر اس کے ان میں لیلۃ القدر ہے یا نہیں، یعنی یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ لیلۃ القدر ان راتوں میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تاسعہ کا مصداق بائیسویں شب ہی مان لیتے ہیں لیکن حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لیلۃ القدر کو اس شب میں تلاش کرو جس کے بعد تاسعہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ رات جس کے بعد تاسعہ آرہی ہے اکیسویں شب ہی ہے اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ہے۔ (شرح الزرقانی: ۱/ ۲۰۵، بذل: ۶/ ۳۶)

قولہ: "قال أبو داؤد: لا أدري أخفي عليَّ منه شيء أم لا؟" یعنی مجھے معلوم نہیں کہ اس حدیث کے کچھ الفاظ مجھ پر مخفی رہ گئے یا نہیں، مصنفؒ نے اپنے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ مجھے یہ حدیث محقق طریقہ سے محفوظ نہیں ہے، اور مصنفؒ یہ بات اس لیے کہہ رہے ہیں کہ تاسعہ کی تفسیر بائیسویں شب کے ساتھ دیگر احادیث کے خلاف ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف ہی مجھے اچھی طرح یاد نہ رہی ہو، واللہ اعلم (المنہل: ۷/ ۳۳۱)

بَابُ مَنْ رَوَى: أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعَ عَشْرَةَ

شب قدر کا سترہویں شب میں ہونا

۱۳۸۴- حَدَّثَنَا حَكِيمُ بْنُ سَيْفٍ الرَّقِّيُّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو، عَنْ زَيْدٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اطْلُبُوهَا لَيْلَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ مِنْ رَمَضَانَ، وَلَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، وَلَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ»، ثُمَّ سَكَتَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کی سترہویں شب میں تلاش کرو اور اکیسویں شب کو اور تیئسویں شب کو اس کے بعد آپ ﷺ خاموش رہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد لیلۃ القدر کے تعلق سے جو روایات آئی ہیں ان کو نقل کرنا ہے اور یہ اشارہ کرنا ہے کہ اس کو کسی رات کے ساتھ خاص نہ کیا جائے، چناں چہ اس باب میں یہ روایت نقل کر رہے ہیں کہ لیلۃ القدر سترہویں شب میں بھی ہوسکتی ہے یعنی درمیانی عشرہ میں۔

تشریح حدیث: آپ ﷺ نے اس حدیث میں تین راتوں، سترہویں، انیسویں، اور تیئسویں شب میں تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے، صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس قول کے قائل تھے، جیسا کہ محمد بن نصر نے اپنی کتاب میں ان کی روایات کو نقل فرمایا ہے۔

۱۳۸۴- السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصيام، باب الترغيب في طلبها ليلة ثلاث وعشرين (۴/ ۵۱۰/ ۸۵۴۲) وإسناده حسن وتضعيف الالباني غير صحيح.

بَابُ مَنْ رَوَى: فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

شب قدر کا اخیر کی سات راتوں میں ہونا

۱۳۸۵- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا شب قدر کو (رمضان کی) اخیر کی سات راتوں میں ڈھونڈو۔

تشریح حدیث: ترجمۃ الباب میں سبع اواخر کا لفظ حدیث سے لیا ہے، اب اس سبع اواخر یعنی اخیر کی سات راتوں سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں شراح حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) تیئیسویں شب سے انتیسویں شب تک اخیر کی سات راتیں ہیں۔

(۲) عشرہ اخیر کی شروع کی سات راتیں ہیں یعنی اکیس تا ستائیس۔

(۳) رمضان کا آخری چوتھا ہفتہ ہے، از بائیس تا اٹھائیس۔

(۴) آخری سات کا عدد یعنی ستائیسویں شب، ایک ماہ میں ستائیس کا عدد تین مرتبہ آتا ہے۔ ۷/ ۱۷/ ۲۷، ان تینوں میں آخری ستائیس ہے یہی مراد ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے: ''التمسوها في العشر الأواخر'' اب حدیث باب اس دوسری حدیث کے خلاف ہوگئی؟ اس سوال کے دو جواب ہیں:

ایک تو یہ کہ اولاً آپ ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ لیلۃ القدر عشرہ اخیر میں ہے اور بعد میں یہ بتایا گیا کہ عشرۂ اواخر میں سے سبع اواخر میں ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ سبع اواخر بھی تو عشرۂ اواخر ہی کا حصہ ہے۔

البتہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سائل کے سوال کے موافق ہی جواب دیا جس سائل نے جیسا سوال کیا اس کو اسی کے مطابق جواب دے دیا، مثلاً کسی نے آپ ﷺ سے معلوم کیا کہ ہم لیلۃ القدر کو ستائیسویں میں تلاش کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ستائیسویں میں تلاش کرو، کسی نے معلوم کیا کہ عشرۂ اواخر میں تلاش کریں تو آپ نے فرمایا: عشرۂ اخیرہ میں تلاش کرو۔ واللہ اعلم

۱۳۸۵ - رواه البخاري: ۴/ ۲۲۱، في صلاة التراويح ،باب التماس ليلة القدر في السبع الأواخر، ومسلم رقم(۱۱۶۵) في الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها والموطا: ۱/ ۳۲۱، في الاعتكاف، باب ماجاء في ليلة القدر.

بَابُ مَنْ قَالَ: سَبْعٌ وَعِشْرُونَ

شب قدر کا ستائیسویں رات میں ہونا

۱۳۸٦- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُطَرِّفًا، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ: «لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ»

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، شب قدر ستائیسویں رات ہے۔

تشریح حدیث: لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اہل علم کی ایک بڑی جماعت کی رائے بھی یہی ہے، صاحب حلیہ نے اکثر شوافع کا یہی مذہب نقل کیا ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قابل اعتماد مذہب بھی یہی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول اسی کے مطابق ہے اور یہی قول احادیث صحیحہ کثیرہ کی روشنی میں زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ سنن بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آ کر عرض کیا: میں بوڑھا آدمی ہوں بیمار ہوں، میرے لیے (متعدد راتوں کا) قیام دشوار ہے، مجھے آپ ایسی رات کے قیام کے بارے میں بتا دیجئے کہ میں اس میں لیلۃ القدر کو پا سکوں، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: "عليك بالسابعة" تمہارے لیے ساتویں رات کا قیام ضروری ہے۔ اسی طرح محمد بن نصر نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ایسے وقت میں اللہ کا ذکر کرے جس میں چاند پیالے کے کنارے کی مانند نکلتا ہے، اور بھی کئی ایک روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب کو راجح ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ: هِيَ فِي كُلِّ رَمَضَانَ

شب قدر کا سارے رمضان میں ہونا

۱۳۸۷- حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ النَّسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَسْمَعُ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ: «هِيَ فِي كُلِّ رَمَضَانَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ سُفْيَانُ،

۱۳۸٦- صحیح ابن حبان (۸/۴۳٦/۳٦۸۰) وصحیح ابن خزیمۃ (۳/۳۳۰/۲۱۸۹) ومصنف ابن ابی شیبۃ (۲/۳۲٦/۹۵۳۷)

۱۳۸۷- السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصيام، باب الدليل على أنها في كل رمضان (۴/۵۰۵/۸۵۲٦) وشرح معاني الآثار، كتاب الطلاق، باب الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَتَى يَقَعُ الطَّلَاقُ؟ (۳/۸۴/۴٦۰۷)

وَشُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ، لَمْ يَرْفَعَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ سے شب قدر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ سارے رمضان میں ہے، ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو سفیان اور شعبہ نے بواسطہ ابواسحاق حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے موقوفا روایت کیا ہے نبی ﷺ سے مرفوعا روایت نہیں کیا۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب کا مقصد درحقیقت اس قول کی تردید کرنا ہے جو بعض حضرات سے منقول ہے کہ لیلۃ القدر صرف حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں خاص تھی، آپ ﷺ کے بعد باقی نہیں رہی، مصنفؒ اس باب سے یہ ثابت کرر ہے ہیں کہ اس کا تحقق ابھی بھی باقی ہے اور ہر رمضان میں آتی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "وأنا أسمع" یہ جملہ حالیہ معترضہ ہے فعل اور اس کے متعلق کے درمیان، اب اس حدیث کے دو مطلب ہیں: ایک تو یہی کہ شب قدر سے کوئی رمضان خالی نہیں جاتا، ہر سال جب بھی رمضان کا مہینہ آتا ہے اس میں شب قدر بھی آتی ہے، اور دوسرے یہ کہ شب قدر کا وقوع رمضان کے آخری عشرہ ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ رمضان کے پورے مہینہ کی کسی بھی رات میں پائی جاسکتی ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے فرمایا: شروع میں آں حضرت ﷺ کو یہی معلوم تھا یعنی شب قدر کا رمضان کے پورے مہینہ میں دائر ہونا، بعد میں یہی ٹھہرا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے۔ واللہ اعلم (مظاہر حق: ۲/ ۷۸۸)

قوله: "قال أبو داؤد: رواه سفيان وشعبة" مصنفؒ یہ فرمار ہے ہیں کہ ابواسحاق سبیعی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، موسیٰ بن عقبہ نے تو ان سے یہ روایت مرفوعاً نقل فرمائی ہے، جب کہ ان کے دو شاگرد سفیان ثوری اور شعبہ نے ان سے یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے۔

خلاصہ:

یہاں پر خلاصہ کے طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ لیلۃ القدر کے تعلق سے متعدد ابواب اور روایات منقول ہوئیں جن سے مجموعی طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر متعین نہیں ہے بلکہ ادلتی بدلتی رہتی ہے؛ البتہ پھر بھی عشرہ اخیرہ میں ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

الحمد للہ یہاں ابواب شہر رمضان مکمل ہو گئے، یہیں پر "المنہل العذب المورود فی حل سنن ابی داؤد" کی ساتویں جلد مکمل ہوگئی ہے، اللہ رب العزت ہماری "السمح المحمود" کی تکمیل کو بھی آسان فرمائے آمین یارب العلمین۔

عبدالرزاق قاسمی غفرلہ

۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ بروز پیر

☆——☆——☆

أَبْوَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَتَحْزِيبِهِ وَتَرْتِيلِهِ

قرآن کی تلاوت کرنے، قرآن کے حصہ کرنے اور اس کو ترتیل سے پڑھنے کے ابواب

بَابٌ فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ

قرآن پاک کم سے کم کتنے دنوں میں ختم کرنا چاہیے

۱۳۸۸-حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: «اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ»، قَالَ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: «اقْرَأْ فِي عِشْرِينَ»، قَالَ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: «اقْرَأْ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ»، قَالَ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: «اقْرَأْ فِي عَشْرٍ»، قَالَ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: «اقْرَأْ فِي سَبْعٍ، وَلَا تَزِيدَنَّ عَلَى ذَلِكَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ مُسْلِمٍ أَتَمُّ»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ان سے فرمایا، قرآن ایک مہینہ میں پورا کیا کرو، انھوں نے کہا مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے آپ ﷺ نے فرمایا، تو پھر بیس دن میں پورا کرلیا کرو، انھوں نے کہا مجھ میں اس سے بھی زیادہ کی قوت ہے تو فرمایا، تو پھر پندرہ دن میں ختم کرلیا کرو، انھوں نے کہا مجھ میں اس سے بھی زیادہ کی قوت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر سات دن میں ختم کرلیا کرو۔ اور اس پر اضافہ مت کرنا۔

ابوداود کہتے ہیں کہ: مسلم کی حدیث زیادہ مکمل ہے۔

۱۳۸۸ - البخاري ۹ / ۴۷۲-۴۷۴ في فضائل القرآن، باب كم يقرأ من القرآن، وفي التهجد، باب من نام عند السحر، وباب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه، وفي الصوم، باب حق الضيف في الصوم، وباب صوم الدهر، وباب حق الأهل في الصوم، وباب صوم يوم وإفطار يوم، وباب صوم الدهر، صوم يوم وإفطار يوم، وباب صوم داؤد، وفي الأنبياء، باب قول الله تعالي: (وآتينا داؤد زبورا)، وفي النكاح، باب لزوجك عليك حق، وفي الأدب، باب حق الضيف، وفي الاستئذان، باب من ألقي له وسادة، ومسلم رقم (۱۱۵۹) في الصيام، باب النهي عن صوم الدهر، والترمذي رقم (۲۹۴۷) في القراءات، باب في كم يختم القرآن، وأبوداود رقم و(۱۳۸۹) و(۱۳۹۰) و(۱۳۹۱) و(۱۳۹۵) في الصلاة باب في كم يقرأ القرآن، وأخرجه النسائي ۴ / ۲۰۹-۲۱۰، في الصوم باب صوم يوم وإفطار يوم.

مقصد ترجمہ: ماقبل میں مصنفؒ نے لیلۃ القدر اور قیام اللیل یعنی تہجد سے متعلق روایات کو نقل فرمایا تھا، چوں کہ قرآن کریم کے پڑھنے کا بہترین محل تہجد کی نماز ہے اس مناسبت سے قرآن کریم کی تلاوت کے سلسلہ کی کچھ روایات لارہے ہیں، ایک بندۂ مومن کو چاہیے کہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرے؛ لیکن اتنی ہی مقدار جس پر دوام اور پابندی ہو سکے، اسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے کہ کتنے دن میں ایک قرآن پاک مکمل کر لینا چاہیے؟ مصنفؒ نے اس باب کو قائم کیا ہے۔

اور اس باب میں ایک ہی صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کو چار سندوں سے لائے ہیں تا کہ روایت کا مفہوم اور مقصود اچھی طرح واضح ہو جائے، ترجمۃ الباب میں ''یُقرَأ'' کو مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ایک صورت میں ''القرآن'' کو مرفوع پڑھیں گے اور ایک صورت میں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھیں گے۔

رجال حدیث: حدیث شریف کے تمام رواۃ ثقات ہیں، اسی وجہ سے محدثین اس کی تصحیح کر رکھی ہے۔

مضمون حدیث: حدیث شریف کا مضمون صحیح بخاری کی حدیث کی روشنی میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے والد محترم نے ان کا نکاح عالی خاندان کی عورت سے کر دیا، والد محترم ہی ان کی بیوی کی نگہداشت رکھتے تھے، ایک مرتبہ والد محترم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی بیوی یعنی اپنی بہو سے معلوم کیا کہ تمہارے شوہر تمہارے پاس آتے ہیں یا نہیں؟ تو بیٹے کی بیوی نے کنایۃً کہا کہ انھوں نے مجھ سے جماع بھی نہیں کیا ہے، والد محترم نے اپنے بیٹے کی اس کہانی کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بتایا آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو بلایا اور معلوم کیا: **کیف تصوم**؟ انھوں نے کہا: روزانہ، آپ ﷺ نے فرمایا: **کیف تختم**؟ کہا: ہر رات کو ایک قرآن پاک ختم کرتا ہوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہفتہ میں تین دن کے روزے رکھا کرو، حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: دو دن روزہ نہ رکھو اور تیسرے دن رکھ لیا کرو، کہا مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ صوم داؤدی رکھ لیا کرو، اور سات دن میں ایک قرآن پورا کر لیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا خود کا بیان ہے کہ جب میں بوڑھا ہو گیا تو مجھے احساس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کر لینا چاہیے تھا اس لیے کہ اب اتنے اعمال نہیں ہو پاتے جتنے جوانی میں ہو جاتے تھے۔

صاحب منہلؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں سات دن میں قرآن پاک کے پورا کرنے سے مراد مکمل قرآن پڑھنا ہے، یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ مکمل قرآن نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی آخری زندگی کا ہے اور خود حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بھی یہی سمجھا ہے اور اس حدیث کا اطلاق بھی اس کا تقاضہ کرتا ہے۔

فقه الحدیث: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات دن سے پہلے ختم قرآن سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد کراہت تحریمی پر محمول نہیں ہے، بلکہ سیاق وسباق کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد استحبابی تھا، تا کہ

وظیفہ یومیہ پر پابندی ہو سکے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادات میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، اور قرآن کریم کو تدبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

حضرات اکابر واسلاف نے اپنے اپنے احوال کے لحاظ سے مختلف عادتیں بنا رکھی تھیں، بعض حضرات کا معمول ایک مہینہ میں ختم قرآن کا تھا، اور بعض کا معمول بیس دن میں بعض کا دس دن میں اور اکثر کا سات دن میں ایک ختم قرآن کا تھا، البتہ کچھ حضرات کے بارے میں اس طرح کی روایات بھی ہیں کہ وہ تین دن میں یا ایک دن میں ایک ختم قرآن کرلیا کرتے تھے۔

شریعت میں عام لوگوں کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ روزانہ کی اتنی تلاوت کا معمول بنائے کہ اس پر مواظبت اور پابندی ہو سکے، مگر پھر بھی چالیس روز سے پہلے ہی ایک قرآن پاک ختم کرلیا کرے۔ (المنہل: ۸/ ۳)

۱۳۸۹- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَاقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ»، فَنَاقَصَنِي وَنَاقَصْتُهُ، فَقَالَ «صُمْ يَوْمًا، وَأَفْطِرْ يَوْمًا»، قَالَ عَطَاءٌ: وَاخْتَلَفْنَا عَنْ أَبِي، فَقَالَ بَعْضُنَا: سَبْعَةَ أَيَّامٍ، وَقَالَ بَعْضُنَا: خَمْسًا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہر مہینہ میں تین روزے رکھا کر اور مہینہ بھر میں ایک قرآن ختم کیا کر، پھر روزوں کی تعداد اور ختم قرآن کی مدت میں میرے اور آپ ﷺ کے درمیان اختلاف ہوا آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا تو پھر ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن چھوڑ دے، عطاء کہتے ہیں کہ میرے والد سے لوگوں نے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض نے ختم قرآن کی آخری مدت سات دن بتائی اور بعض نے پانچ دن۔

تشریح حدیث: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کا دوسرا طریق ہے، اس میں ان سے نقل کرنے والے سائب بن یزید ہیں، انھوں نے مضمون حدیث اس طرح نقل کیا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو

۱۳۸۹- رواہ البخاري ۴/ ۱۹۱، في الصوم، باب صوم الدهر، وباب حق الضيف، وباب حق الجسم في الصوم، وباب حق الأهل في الصوم، وباب صوم يوم وإفطار يوم، وباب صوم داود وفي التهجد، باب من نام عند السحر، وب ب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه، وفي الأنبياء، باب قول الله تعالي: (وآتينا داود زبورا) وفي فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن، وفي النكاح، باب لزوجك عليك حقًا، وفي الأدب، باب حق الضعيف والاستئذان، وباب من ألقي له وسادة، ومسلم رقم (۱۱۵۹) في الصوم، باب النهي عن صوم الدهر، وأبو داؤد رقم (۲۴۲۵) في الصيام، باب صوم الدهر، والترمذي رقم (۷۷۰) في الصوم، باب في صوم يوم وفطر يوم، والنسائي ۴/ ۲۰۹-۲۱۵، في الصيام، باب صوم يوم وإفطار يوم، وذكر الزيادة في الصيام والنقصان وصوم عشرة أيام من الشهر.

ایک مہینہ میں ایک ختم قرآن کے لیے فرمایا تو یہ آپ ﷺ سے کم مدت میں ختم کرنے کی اجازت طلب کرتے رہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی طلب پر کمی کرتے رہے۔

قوله: "فناقصني وناقصته" یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے تلاوت کی مقدارِ یومیہ میں کمی کرتے رہے اور میں مدت ختم قرآن میں کمی کرتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تین دن میں ختم قرآن کی اجازت دے دی جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

قوله: اختلفنا عن أبي: عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کرنے میں میرے والد سائب بن یزید کے تلامذہ کا اختلاف ہے بعض نے یہ نقل کیا کہ حضور ﷺ نے سات دن میں ختم قرآن کی اجازت دی تھی اور بعض نے یہ نقل کیا کہ پانچ دن میں ختم قرآن کی اجازت دے دی تھی۔

۱۳۹۰-حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فِي كَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ: «فِي شَهْرٍ»، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، يُرَدِّدُ الْكَلَامَ أَبُو مُوسَى، وَتَنَاقَصَهُ حَتَّى قَالَ: «اقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ»، قَالَ: إِنِّي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ، میں کم سے کم کتنی مدت میں قرآن ختم کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مہینہ میں۔ انھوں نے کہا مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے (یعنی میں اس سے کم مدت میں ختم کرسکتا ہوں) پھر ابوموسیٰ ابن المثنی نے (سند متصل سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) اسی طرح ردوبدل میں رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا، سات دن میں ختم کرا انھوں نے کہا کہ مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن کو تین دن سے کم میں پڑھا اس نے اس کو نہیں سمجھا۔

۱۳۹۰- البخاري: ۹ / ۲۷۲- ۲۷۴، في فضائل القرآن، باب كم يقرأ من القرآن، وفي التهجد، باب من نام عند السحر، وباب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه، وفي الصوم، باب حق الضيف في الصوم، وباب صوم الدهر، وباب حق الأهل في الصوم، وباب صوم يوم وإفطار يوم، وباب صوم داود، وفي الأنبياء، باب قول الله تعالى: (وآتينا داود زبورا)، وفي النكاح، باب لزوجك عليك حق، وفي الأدب، باب حق الضيف، وفي الاستئذان، باب من القي له وسادة، ومسلم رقم (۱۱۵۹) في الصيام، باب النهي عن صوم الدهر، والترمذي رقم (۲۹۴۷) في القراءات، باب في كم يختم القرآن، وأبو داؤد رقم (۱۳۸۸) و(۱۳۹۰) و(۱۳۹۱) و(۱۳۹۵) في الصلاة، باب في كم يقرأ القرآن، وأخرجه النسائي: ۴/ ۲۰۹- ۲۱۰، وفي الصوم، باب صوم يوم وإفطار يوم.

تشریح حدیث: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تیسرا طریق ہے اس میں ان سے اس واقعہ کو نقل کرنے والے یزید بن عبداللہ ہیں، اس حدیث کو انھوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھوں نے معلوم کیا تھا کہ کتنے دن میں ایک قرآن پاک ختم کرلیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مہینہ میں ختم کرلیا کرو، انھوں نے عرض کیا کہ میرے اندر اس سے زیادہ کی قوت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات دن میں ایک ختم کی اجازت دے دی، انھوں نے اور کم وقت میں ختم قرآن کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا: جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مکمل کیا اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔

قولہ: "یَرَدِّدُ الکَلامَ أبو موسى وتناقصه": بعض نسخوں میں "یردد" مضارع کا صیغہ ہے اور بعض میں ماضی کا صیغہ "رَدَّدَ" ہے، یہ کلام مصنف رحمہ اللہ کا ہے، مصنف رحمہ اللہ یہ فرمارہے ہیں کہ میرے استاذ ابو موسیٰ محمد ابن المثنی نے اپنی سند سے یہ نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ مذاکرہ چلتا رہا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات دن میں ختم قرآن کی اجازت دے کر یہ فرمادیا کہ جس نے تین دن سے کم میں ایک قرآن ختم کیا اس نے قرآن پاک کو اچھی طرح نہ سمجھا۔

قولہ: "لا یفقهه من قرأه في أقل من ثلاث": یہ تعلیل ہے محذوف کی، محذوف یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تین دن میں ایک قرآن مکمل کرلیا کرو اس سے کم میں ختم نہ کرنا، کیوں کہ جس نے اس سے کم میں ختم کیا اس نے قرآن اچھی طرح نہ سمجھا۔

تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنا:

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد ہے کہ جس شخص نے تین رات یا تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا وہ قرآن کے ظاہری معنی تو سمجھ سکتا ہے لیکن قرآن کے حقائق اور دقائق ونکات تک اس کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی کیوں کہ ان چیزوں کو سمجھنے کے لیے تین دن تو بہت دور کی چیز ہے بڑی سے بڑی عمریں بھی ناکافی ہوتی ہیں، نہ صرف یہ بلکہ اس مختصر سے عرصہ میں کسی ایک آیت یا ایک کلمہ کے دقائق ونکات بھی سمجھ میں نہیں آسکتے نیز یہاں نفی سے مراد سمجھنے کی نفی ہے نہ کہ ثواب کی نفی یعنی ثواب تو ہر صورت میں ملتا ہے، پھر یہ کہ لوگوں کی سمجھ میں بھی تفاوت وفرق ہے بعض لوگوں کی سمجھ زیادہ پختہ ہوتی ہے وہ کم عرصہ میں بھی قرآنی حقائق ودقائق سمجھ لیتے ہیں، جب کہ بعض لوگوں کی سمجھ بہت ہی کم ہوتی ہے جن کے لیے طویل عرصہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اسلاف میں سے بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چناں چہ ان لوگوں کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ تین ہی دن میں قرآن کریم ختم کرتے تین دن سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، جب کہ دوسرے لوگ اس کے برخلاف

عمل کرتے تھے چناں چہ بعض لوگ تو ایک رات دن میں ایک بار اور بعض لوگ دو دو بار اور بعض لوگ تین تین بار قرآن ختم کرتے تھے بلکہ بعض لوگوں کے بارے میں تو یہاں تک ثابت ہے کہ وہ ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے یا تو اس حدیث کے بارے میں یہ خیال کیا ہو کہ اس کا تعلق باعتبار اشخاص کے مختلف ہے یعنی اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو کم فہم ہوتے ہیں اور جو اگر تین دن سے کم میں ختم کریں تو اس کے ظاہری معنی بھی نہ سمجھ سکتے ہوں، یا پھر ان کے نزدیک یہ بات ہو کہ اس حدیث میں فہم کی نفی ہے، اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ جتنی بھی کم سے کم مدت میں قرآن ختم کیا جائے ثواب ملے گا۔

بعض لوگ دو مہینے میں ایک قرآن ختم کرتے تھے بعض لوگ ہر مہینہ میں بعض لوگ دس دن میں اور بعض لوگ سات دن میں ایک قرآن ختم کر لیتے تھے چناں چہ اکثر صحابہ کا معمول یہی تھا کہ وہ سات دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

ختم الاحزاب کا مطلب:

مشائخ وعارفین کی اصطلاح میں سات دن میں قرآن کریم ختم کرنے کو ختم الاحزاب کہتے ہیں، نیز ملا علی القاریؒ کی وضاحت کے پیش نظر ختم الاحزاب کی سب سے صحیح ترتیب ''فمی بشوق'' ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جمعہ کے روز ابتداء قرآن سے سورۂ مائدہ کے اخیر تک پڑھا جائے، شنبہ کے روز سورۂ انعام سے سورۂ توبہ کے اخیر تک، اتوار کو سورۂ یونس سے مریم کے اخیر تک، پیر کو سورۂ طٰہ سے سورۂ قصص کے اخیر تک، منگل کو سورۂ عنکبوت سے سورۂ صٓ کے اخیر تک، بدھ کو سورۂ زمر سے سورۂ رحمن کے اخیر تک اور جمعرات کو سورۂ واقعہ سے اخیر قرآن تک پڑھا جائے۔

مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کی سات منزلیں سات دن میں اس طرح پڑھی جائیں کہ ان کے شروع میں ''فمی بشوق'' کے حروف واقع ہوں یعنی ''ف'' سے سورۂ فاتحہ کی طرف اشارہ ہے، ''میم'' سے مائدہ کی طرف، ''ی'' سے سورۂ یونس کی طرف ''ب'' سے بنی اسرائیل کی طرف ''ش'' سے سورۂ شعراء کی طرف ''واؤ'' سے سورۂ والصافات'' کی طرف اور ''ق'' سے سورۂ قٓ کی طرف اشارہ ہے اس طرح ان حروف کے مجموعہ کا نام ہے ''فمی بشوق'' ختم قرآن کی یہ ترتیب حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے۔

جو شخص علم کی توسیع واشاعت اور لوگوں کے مسائل میں مشغول رہتا ہو تو وہ اتنا ہی پڑھنے پر اکتفاء کرے جس سے اس کے اصل کاموں میں حرج واقع نہ ہوتا ہو، اسی طرح جو شخص تحصیل علم یا اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی فراہم کرنے میں منہمک رہتا ہو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَفْصٍ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَطَّانُ، خَالُ عِيسَى بْنِ شَاذَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا الْحَرِيشُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ»، قَالَ: إِنَّ بِي قُوَّةً، قَالَ: «اقْرَأْهُ فِي ثَلَاثٍ»، قَالَ أَبُو عَلِيٍّ: سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ يَعْنِي ابْنَ حَنْبَلٍ، يَقُولُ: عِيسَى بْنُ شَاذَانَ كَيِّسٌ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ایک مہینہ میں قرآن پڑھا کر، انھوں نے کہا مجھ میں قوت ہے (زیادہ پڑھنے کی) تو آپ ﷺ نے فرمایا تین دن میں ایک قرآن پڑھ لیا کر۔ ابوداود کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے امام احمد ابن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عیسی بن شاذان صاحب فراست ہے۔

رجال حدیث: محمد بن حفص: یہ محمد بن حفص القطان ابوعبدالرحمن البصری ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے لیکن میزان الاعتدال میں لکھا ہے: ''متهم بالكذب'' اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقبول لکھا ہے۔

أبوداود: یہ سلیمان بن داؤد بن جارود الطیالسی ہیں، ثقہ ہیں لیکن بعض احادیث میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔

الحریش: بفتح الحاء وکسر الراء، حریش بن سلیم جعفی ہیں، کنیت ابوسعید کوفی ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لیس بشئ، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: وُثِّق، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''مقبول'' لکھا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کا چوتھا طریق ہے، اس میں یہ وضاحت آئی کہ مراجعت کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تین دن میں ختم قرآن کی صراحتاً اجازت دے دی تھی۔

قولہ: ''قال أبو علي سمعت أبا داؤد يقول سمعت أحمد يعني بن حنبل الخ'' یہ مصنفؒ کے شاگرد ابوعلی لؤلؤی کا کلام ہے، وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم سے سنا ہے انھوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا کہ عیسیٰ بن شاذان صاحب فراست آدمی تھے، ابوعلی لؤلوی اس عبادت سے درحقیقت مصنف کے استاذ محمد بن حفص کی توثیق کرنا چاہتے ہیں، وہ اس طرح کہ عیسیٰ بن شاذان محمد بن حفص کے بھانجے ہیں جب بھانجے ثقہ اور معتبر محدث ہیں تو ماموں بدرجہ اولیٰ ثقہ

۱۳۹۱ - البخاري ۹ / ۴۷۲-۴۷۴، في فضائل القرآن، باب كم يقرأ من القرآن، وفي التهجد، باب من نام عند السحر، وباب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه، وفي الصوم، باب حق الضيف في الصوم، وباب صوم الدهر، وباب حق الأهل في الصوم، وباب صوم يوم وافطار يوم، وباب صوم داود، وفي الأنبياء، باب قول الله تعالى: (وآتينا داود زبوراً)، وفي النكاح، باب لزوجك عليك حق، وفي الأدب، باب حق الضيف، وفي الاستئذان، باب من ألقي له وسادة، ومسلم رقم (۱۱۵۹) في الصيام، باب النهي عن صوم الدهر، والترمذي رقم (۲۹۴۷) في القراءات، باب في كم يختم القرآن وأبو داؤد رقم ۱۳۸۸) و (۱۳۹۰) و (۱۳۹۱) و (۱۳۹۵) في الصلاة، باب في كم يقرأ القرآن، وأخرجه النسائي: ۴/ ۲۰۹-۲۱۰، وفي الصوم، باب صوم يوم وإفطار يوم.

ہوں گے، ورنہ تو عیسیٰ بن شاذان رجال اسناد میں سے نہیں ہیں، ان کا ذکر تبعاً آ گیا ہے۔ (شرح الشیخ عباد البدر: ۱۰/ ۱۶۹)

بَابُ تَحْزِيبِ الْقُرْآنِ

قرآن کے حصے کرنا

۱۳۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، قَالَ: سَأَلَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، فَقَالَ لِي: فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ فَقُلْتُ: مَا أُحَزِّبُهُ، فَقَالَ لِي نَافِعٌ: لَا تَقُلْ: مَا أُحَزِّبُهُ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «قَرَأْتُ جُزْءًا مِنَ الْقُرْآنِ»، قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ ذَكَرَهُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ.

ترجمہ: ابن الہاد کہتے ہیں: کہ حضرت نافع بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں میں قرآن ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا میں اس کے حصے نہیں کرتا ہوں۔ حضرت نافع نے کہا کہ ایسا مت کہو۔ کیونکہ رسول ﷺ نے خود کہا ہے کہ میں نے قرآن کا ایک حصہ پڑھا ہے، ابن الہادی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ نافع نے مغیرہ بن شعبہ سے نقل کیا ہے۔

مقصد ترجمہ: "تحزیب" باب تفعیل کا مصدر ہے، بمعنی حصہ کرنا، ٹکڑے کرنا، اور حَزَبَ القرآنَ (ن) حَزْبًا: قرآن کا ایک حصہ مقرر کر کے پڑھنا، یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے یومیہ کے حساب سے ایک مقدار متعین کر لی جائے تا کہ اس پر پابندی کے ساتھ عمل ہو سکے، مصنفؒ اسی کے جواز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، بلکہ ایسا کرنا بہتر اور افضل ہے اس لیے کہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یومیہ تلاوت کی ایک مقدار متعین کر رکھی تھی اگر اس میں کبھی تاخیر ہو جاتی، کسی کام اور مشغولی کی وجہ سے اس کی تلاوت نہ کر پاتے تو بعد میں اس کی تلافی کر لیا کرتے تھے، جیسا کہ باب کی مفصل روایت میں آ رہا ہے۔

رجال حدیث: ابن أبي مریم: یہ سعید بن حکم ہیں کتب ستہ کے رجال میں ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب: ص/ ۲۳۴)

ابن الہاد: یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن الہاد ہیں، کنیت ابوعبداللہ ہے ثقہ راوی ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت نافع بن جبیر نے ابن الہادؒ سے معلوم کیا کہ آپ قرآن کتنے دن میں پورا کر لیتے ہیں، یعنی آپ کی روزانہ کی تلاوت کی مقدار کیا ہے، اس پر ابن الہاد نے جواب دیا کہ میں نے تلاوت کی یومیہ مقدار متعین نہیں کی ہے بلکہ اپنی بشاشت کے لحاظ سے روزانہ تلاوت کر لیتا ہوں اور جتنے دن میں قرآن پاک آسانی اور نشاط سے پورا

۱۳۹۲- انظر المصاحف لابن أبي داؤد: ص/ ۲۷۵۔

ہوجاتا ہے کرلیتا ہوں، میرا کوئی یومیہ وظیفہ نہیں ہے۔

ابن الہادؒ کے جواب سے بظاہر ایسا مفہوم ہوتا تھا کہ شاید وہ قرآن کریم کی مقدار کی تعیین کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے نافع بن جبیر نے کہا کہ ایسا مت کہو اس لیے کہ قرآن پاک کی یومیہ مقدار کی تعیین (حزب) تو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قرأت جزء من القرآن" اب قرآن کا جزء یہ تحزیب ہی تو ہے۔

معلوم ہوا کہ تحزیب کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہے بلکہ یہ تو معاون ہے کہ آدمی کی عبادت میں تسلسل رہتا ہے۔

قولہ: "حَسِبتُ أنه ذکرہ عن المغیرۃ" یہ ابن الہاد کا مقولہ ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ نافع بن جبیر نے جو حضور ﷺ کا قول: "قرأت جزء من القرآن" نقل کیا ہے یہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے واسطہ سے نقل کیا ہے، لہٰذا حدیث مرفوع متصل ہے، یعنی ابن الہادؒ اپنے اس کلام سے حدیث کے مرفوع متصل ہونے کو ہی بیان کررہے ہیں۔

فقہ الحدیث: حدیث باب سے حضرات فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے روزانہ ایک مقدار مقرر کرلینی بہتر ہے تاکہ اس کی وجہ سے پابندی ہوسکے اور مہینہ میں کم ازکم ایک قرآن پاک مکمل ہوجائے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا قُرَّانُ بْنُ تَمَّامٍ، ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو خَالِدٍ، وَهَذَا لَفْظُهُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْلَى، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ جَدِّهِ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ فِي حَدِيثِهِ: أَوْسُ بْنُ حُذَيْفَةَ - قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَفْدِ ثَقِيفٍ، قَالَ: فَنَزَلَتِ الْأَحْلَافُ عَلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، وَأَنْزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي مَالِكٍ فِي قُبَّةٍ لَهُ - قَالَ مُسَدَّدٌ: وَكَانَ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثَقِيفٍ - قَالَ: كَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ يَأْتِينَا بَعْدَ الْعِشَاءِ يُحَدِّثُنَا، - وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَائِمًا عَلَى رِجْلَيْهِ حَتَّى يُرَاوِحُ بَيْنَ رِجْلَيْهِ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ - وَأَكْثَرُ مَا يُحَدِّثُنَا مَا لَقِيَ مِنْ قَوْمِهِ مِنْ قُرَيْشٍ، ثُمَّ يَقُولُ: «لَا سَوَاءَ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ مُسْتَذَلِّينَ»، - قَالَ مُسَدَّدٌ بِمَكَّةَ -، فَلَمَّا خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَتْ سِجَالُ الْحَرْبِ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، نُدَالُ عَلَيْهِمْ وَيُدَالُونَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةٌ أَبْطَأَ

۱۳۹۳- أخرجه أحمد ۴/ ۹ و ۳۴۳، وابن ماجة رقم (۱۳۴۵) في إقامة الصلاة، باب کم يستحب أن يختم القرآن، كلهم من حديث عبدالرحمن بن يعلى الطائفي، عن عثمان بن عبدالله بن أوس عن جده أوس بن حذيفة. وعبدالله بن عبدالرحمن صدوق يخطيء ويهم. وعثمان بن عبدالله لم يوثقه غير ابن حبان.

عَنِ الْوَقْتِ الَّذِي كَانَ يَأْتِينَا فِيهِ، فَقُلْنَا لَقَدْ أَبْطَأْتَ عَنَّا اللَّيْلَةَ، قَالَ: «إِنَّهُ طَرَأَ عَلَيَّ جُزْئِي مِنَ الْقُرْآنِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيءَ حَتَّى أُتِمَّهُ»، قَالَ أَوْسٌ: سَأَلْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُحَزِّبُونَ الْقُرْآنَ، قَالُوا: ثَلَاثٌ، وَخَمْسٌ، وَسَبْعٌ، وَتِسْعٌ، وَإِحْدَى عَشْرَةَ، وَثَلَاثَ عَشْرَةَ، وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ وَحْدَهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ أَتَمُّ»

ترجمہ: حضرت اوس بن خدیفہؓ سے روایت ہے کہ ہم بنی ثقیف کے وفد میں شامل ہو کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن لوگوں سے عہد و پیمان ہوا تھا وہ تو مغیرہ بن شعبہ کے پاس اترے اور بنی مالک کو آپ ﷺ نے اپنے ایک قبہ میں اتارا (جو مسجد کے ایک گوشہ میں بنا ہوا تھا) مسدد کہتے ہیں کہ اوس بن حذیفہ ثقیف کے اس وفد میں شامل تھے جو رسول ﷺ کے پاس آیا تھا۔ اوس بن حذیفہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ روزانہ رات کو عشاء کے بعد ہمارے پاس تشریف لاتے اور کھڑے کھڑے باتیں کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں پر زور ڈالتے اور کبھی دوسرے پاؤں پر اور اکثر اوقات آپ ﷺ وہ حالات بیان کرتے جو آپ ﷺ کو اپنی قوم، قریش کے ساتھ پیش آئے تھے پھر فرماتے ہم اور وہ مکہ میں برابر نہ تھے بلکہ ہم کمزور و ناتواں تھے اسکے بعد ہم مکہ سے مدینہ آ گئے تب سے ہماری اور ان کی لڑائی ہے کبھی ہم ان پر غالب آ جاتے ہیں اور کبھی وہ ہم پر۔ ایک دن آپ ﷺ مقررہ وقت پر تشریف نہ لائے بلکہ تاخیر سے آئے۔ ہم نے کہا آج رات آپ ﷺ لیٹ ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا میرا قرآن سے ایک حصہ چھوٹ گیا تھا اور اس کو پورا کیے بغیر میرا یہاں تمھارے پاس آنا اچھا نہیں لگا (اس لیے تاخیر ہو گئی)

حضرت اوس کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے اصحاب سے پوچھا تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے ہو؟ انھوں نے کہا، (پہلے دن میں) تین سورتیں (دوسرے دن میں) پانچ سورتیں (تیسرے دن میں) سات سورتیں (چوتھے دن میں) نو سورتیں (پانچویں دن میں) گیارہ سورتیں (چھٹے دن میں) تیرہ سورتیں (اور ساتویں دن میں) مفصل (یعنی سورہ ق سے سورہ الناس تک)

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوسعید کی حدیث مکمل ہے۔

رجال حدیث: قُرّان بن تَمّام: بضم القاف وتشدید الراء، یہ ابوتمام کوفی ہیں امام احمد، یحییٰ بن معین اور دارقطنی وغیرہ نے توثیق کی ہے، ابوحاتم نے "شیخ لین" کہا ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے 'صدوق ربما أخطأ' کہا ہے، ۱۸۱ھ میں بغداد میں وفات پائی ہے۔

اَبُوخالد: یہ سلیمان بن حیان الاحمر الازدی ہیں، یحییٰ بن معین وغیرہ حضرات ائمہ جرح وتعدیل نے توثیق کی ہے

ابو حاتم نے "صدوق" کہا ہے، ابن عدی نے الکامل میں کہا ہے کہ بہت سی احادیث میں ان سے خطا ہو جاتی ہے، ابن حجر نے "صدوق یخطئ" کہا ہے۔

عثمان بن عبد اللہ بن اوس: یہ ثقفی طائفی ہیں، مقبول درجہ کے راوی ہیں، البتہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

لغات حدیث: الأحلاف: حلیف کی جمع ہے، ایک جمع "خلفاء" بھی آتی ہے، عہد و پیمان کرنے والے۔

یُرَاوِحُ: رَاوَحَ بین رِجْلَیْهِ بمعنی باری باری ایک ایک ٹانگ پر کھڑے ہونا۔

مُسْتَضْعَفِيْنَ: مُسْتَضْعَفٌ کی جمع ہے اور صیغہ اسم مفعول ہے "اسْتَضْعَفَ" سے بمعنی وہ شخص جس کو کمزور سمجھا جائے، اسْتَضْعَفَ رَجُلٌ رَجُلاً: ایک شخص نے دوسرے کو کمزور سمجھا۔

مُسْتَذَلِّيْنَ: مُسْتَذَلٌ کی جمع ہے اور صیغہ اسم مفعول ہے، بمعنی وہ شخص جس کو ذلیل اور ناتواں سمجھا جائے۔

سِجَالُ الحرب: سِجَالٌ جمع ہے سَجْلٌ کی بمعنی بڑا ڈول جس میں پانی ہو اور "الحرب" کے معنی ہیں لڑائی، لفظی ترجمہ تو ہوگا: لڑائی کے ڈول ہمارے اور ان کے درمیان تھے، لیکن محاوری ترجمہ ہوتا ہے، لڑائی میں غلبہ کبھی انکو ہوتا تھا کبھی ہم کو۔

نُدَالُ: صیغہ جمع متکلم بحث فعل مضارع مجہول از باب افعال، "نُرَادُ" کے وزن پر ہے، بمعنی ہم غلبہ دیے جاتے تھے، ہم فتح یاب کیے جاتے تھے، ہم کامیاب بنائے جاتے تھے، بولا جاتا ہے، أَدَالَ فُلَانًا عَلٰی فُلَانٍ: کسی کے مقابلہ میں کسی کی مدد کرنا، حمایت کرنا، فتح یاب اور کامیاب بنانا، غالب کرنا، اور "یُدَالُوْنَ" یُرَادُوْنَ کے وزن پر ہے جمع غائب کا صیغہ۔

طَرَأَ: طَرَأَ علیه طَرْءً: پیش آنا، اچانک سامنے آنا۔

تشریح حدیث: یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی زندگی، حضرات صحابہ کرام کے ساتھ آپ ﷺ کی رواداری وخوش اخلاقی اور قرآن کریم کی متعینہ مقدار کی تلاوت وغیرہ امور کو ذکر کیا گیا ہے، اسی کے اخیر میں قرآن کریم کی تلاوت کی وہ ترتیب بھی مذکور ہے جس کو "فمی بشوق" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا بیان ماقبل میں گزرا ہے، حدیث شریف کے چند جملوں کی تشریح کی جاتی ہے تاکہ مفہوم حدیث واضح ہو جائے۔

قوله: "وفد ثقیف" ثقیف ایک قبیلہ کا نام ہے طائف میں یہ درحقیقت قبیلہ کے ایک جد کا لقب تھا، جن کا نام قیس بن منبہ تھا، انھیں کے لقب کی نسبت سے اس قبیلہ کو "ثقیف" کہتے ہیں، اس وفد کی آمد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ۹ھ میں ہوئی تھی، اس وفد میں پانچ مرد تھے دو قبیلہ احلاف کے اور تین بنو مالک کے، اور ایک ان کے قائد "عبد یالیل" تھے اس طرح کل چھ افراد ہو گئے تھے۔

قوله: "فنزلت الأحلاف": قبیلہ ثقیف دو خاندانوں میں منقسم تھا ایک احلاف اور دوسرے بنو مالک، اب

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ احلاف میں سے تھے اس لیے احلاف کے دونوں فرد تو انھیں کے یہاں ٹھہر گئے اور بنو مالک کے تین لوگوں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد کے ایک گوشہ میں قبہ لگوادیا تاکہ یہ لوگ قرآن سن سکیں اور صحابۂ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں، اس لیے کہ ابھی یہ لوگ ایمان نہ لائے تھے بلکہ یہ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ایک صلح کا معاہدہ کرنے کے لیے آئے تھے، انھوں نے آکر اولاً یہ درخواست کی تھی کہ آپ ﷺ اپنے اور ثقیف کے درمیان ایک معاہدۂ صلح لکھ دیں جس میں زنا کاری، شراب نوشی اور سودخوری کی اجازت ہو لیکن آپ ﷺ نے ان کی کوئی بات منظور نہ کی بلکہ ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے آخر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت اوس بن حذیفہؓ چوں کہ اس وفد میں شریک تھے تو یہ اسی زمانہ کی بات بیان کر رہے ہیں کہ پیغمبر ﷺ ان دنوں میں وفد کے لوگوں کے پاس آیا کرتے تھے اور کافی دیر تک کھڑے کھڑے باتیں کرتے رہتے تھے، حضور ﷺ کا یہ عمل تالیف قلب کے لیے تھا آپ ﷺ کے اسی عمل سے متاثر ہوکر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلہ میں جاکر حکمت عملی کے ساتھ دعوت دی تو قبیلہ بھی مسلمان ہوا۔

قولہ: "كان يأتينا..." حضرت اوسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزانہ عشاء کے بعد ہمارے پاس آتے تھے، اور ہم سے باتیں کرتے تھے۔

قولہ: "قال أبو سعيد: مائمًا على رجليه": مصنفؒ نے ابوسعید عبداللہ بن سعید سے اپنی روایت میں نقل کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ان وفد والوں کے پاس عشاء کے بعد آتے اور کھڑے کھڑے ہی باتیں کرتے تھے، طول قیام کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ ایک پیر پر سہارا لیتے کبھی دوسرے پیر پر۔

قولہ: "أكثرَ مَايحدثنا": آپ ﷺ کی اکثر گفتگو ان اذیتوں کے بارے میں ہوتی تھی جو مکہ میں آپ کو کفار نے پہنچائی تھیں۔

قولہ: "لَا سَوَاءَ": ہجرت سے پہلے کی ہماری حالت ہجرت کے بعد کی حالت کے برابر نہ تھی بلکہ ہجرت سے پہلے کی حالت کمزور تھی، دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ ہجرت سے پہلے ہم اور قریش مکہ برابر نہ تھے، بلکہ ہم کمزور وناتواں سمجھے جاتے تھے۔

قولہ: "قال مسدد بمكة": مسدد کی روایت میں "كنا مستضعفين مستذلين ونحن بمكة" کے الفاظ ہیں، جب کہ ابوسعید کی روایت میں "بمكة" کا لفظ نہیں ہے۔

قولہ: "فلما خرجنا إلى المدينة": یعنی جب ہجرت کرکے ہم مدینہ طیبہ آگئے تو ہماری شوکت اور طاقت میں اضافہ ہوگیا، اور پھر تو لڑائی میں کبھی ہم غالب آتے اور کبھی وہ جیسا کہ ایک کنویں سے دو آدمی پانی بھریں تو کبھی ایک پہلے

بھر لیتا ہے اور کبھی دوسرا، ایسا ہی ہمارے اور ان کے درمیان جب لڑائی ہوتی تو ہم کبھی فتح یاب ہوتے اور کبھی وہ۔

قولہ: ''أبطأعن الوقت'': یعنی عشاء کے بعد آپ ﷺ کا معمول جس وقت آنے کا تھا اس وقت معتاد سے آنے میں کچھ تاخیر ہوگئی، جب وفد والوں نے تاخیر کی وجہ معلوم کی تو فرمایا: ''طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبِي'' کہ میرے سامنے قرآن کا یومیہ وظیفہ آگیا تھا میں اس کو پڑھنے کے لیے رُک گیا تھا اس وجہ سے تاخیر ہوگئی، کچھ نسخوں میں ''حِزْبِي'' کی جگہ ''جُزْئِي'' ہے، مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

ترجمۃ الباب سے متعلق یہی جملہ ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کے مذکورہ ارشاد سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے روزانہ قرآن پڑھنے کی ایک مقدار متعین کر رکھی تھی۔

قولہ: ''کیف تحزبون القرآن'': یعنی آپ لوگ قرآن کے پڑھنے کی یومیہ مقدار کیسے مقرر کرتے ہو؟ اس کے جواب میں حضرات صحابہؓ نے بتایا کہ پورے قرآن کے سات حصے کر لیتے ہیں، جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ:

ایک دن تین سورتیں، سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ آل عمران۔

دوسرے دن پانچ سورتیں: مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ۔

تیسرے دن سات سورتیں: یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل۔

چوتھے دن نو سورتیں: بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان۔

پانچویں دن گیارہ سورتیں: شعراء، نمل، قصص، العنکبوت، الروم، لقمان، الم السجدۃ، الاحزاب، سباء، فاطر، یٰس

چھٹے دن تیرہ سورتیں: الصافات، ص، زمر، المؤمن، حم السجدۃ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیۃ، الاحقاف، محمد، الفتح، الحجرات۔

ساتویں دن: مفصلات جن کی تعداد چھہتر ہے۔

اسی تقسیم کا نام تحزیب ہے یعنی سات منزلوں میں پورا قرآن کریم تقسیم کرنا، پھر روزانہ ایک منزل پڑھ لینا اور اسی تقسیم کو صوفیاء کے یہاں ''فمی بشوق'' کہا جاتا ہے، اس ترتیب کی تفصیل ہمارے یہاں حدیث نمبر ۱۳۹۰ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فقه الحدیث: حدیث بالا سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) مہمان کی ضیافت اور ان کی دل جوئی۔

(۲) ضرورت کی وجہ سے عشاء کے بعد گفتگو کرنا۔

(۳) قرآن پاک کی بعض سورتوں کی تعیین پر حزب کا اطلاق۔

(۴) قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام اور ترغیب۔ (المنہل العذب المورود: ۸/ ۱۰)

۱۳۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ الضَّرِيرُ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، جس نے قرآن تین دن سے کم میں پڑھا وہ اس کے معانی کو نہیں سمجھ سکا۔

تشریح حدیث: ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض سلف نے حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور تین دن سے کم میں ختم قرآن کو مکروہ سمجھا ہے، جب کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حکم افراد واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، بعض حضرات کو تلاوت کے دوران قرآن کے لطائف ومعارف کا ادراک ہوتا ہے تو وہ کم تلاوت کر پاتے ہیں، اور بعض کو لطائف ومعانی کا ادراک نہیں ہوتا تو انکو زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔

۱۳۹۵- حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ حَبِيبٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ؟ قَالَ: «فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا»، ثُمَّ قَالَ: «فِي شَهْرٍ»، ثُمَّ قَالَ: «فِي عِشْرِينَ»، ثُمَّ قَالَ: «فِي خَمْسَ عَشْرَةَ»، ثُمَّ قَالَ: «فِي عَشْرٍ»، ثُمَّ قَالَ: «فِي سَبْعٍ»، لَمْ يَنْزِلْ مِنْ سَبْعٍ

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآن کتنے دن میں ختم کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، چالیس دن میں،، پھر فرمایا، مہینہ بھر میں، پھر فرمایا، بیس دن میں، پھر فرمایا پندرہ دن میں، پھر فرمایا دس دن میں پھر فرمایا سات دن میں، اور آپ ﷺ نے سات دن سے کم نہ کیا۔

تشریح حدیث: یہ بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہی کا ایک طریق ہے اس میں صرف سات دن میں ختم قرآن کی اجازت منقول ہے جیسا کہ ماقبل میں حضرت ابوسلمہ والے طریق میں مذکور تھا، چوں کہ واقعہ متعدد بار پیش آیا ہے، اس لیے کوئی تضاد نہیں ہے، کبھی آپ ﷺ نے سات دن میں ہی ختم قرآن کی اجازت دی لیکن بعد میں اصرار کیا گیا تو کمی کردی اور تین دن میں ایک ختم کی اجازت دے دی۔

۱۳۹۴- الترمذي رقم (۲۹۴۷) في القراءات، باب في كم يختم القرآن، وأبو داود رقم (۱۳۹۱) و (۱۳۹۵) في الصلاة، باب في كم يقرأ القرآن، وأخرجه النسائي: ۴/ ۲۰۹- ۲۱۰، في الصوم، باب صوم يوم وإفطار يوم.

۱۳۹۵- أخرجه الترمذي في أبواب القراءات (۲۹۴۷)

١٣٩٦- حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، قَالَا: أَتَى ابْنَ مَسْعُودٍ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنِّي أَقْرَأُ الْمُفَصَّلَ فِي رَكْعَةٍ، فَقَالَ: أَهَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، وَنَثْرًا كَنَثْرِ الدَّقَلِ، «لَكِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ النَّظَائِرَ السُّورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ، الرَّحْمَنَ وَالنَّجْمَ فِي رَكْعَةٍ، وَاقْتَرَبَتْ وَالْحَاقَّةَ فِي رَكْعَةٍ، وَالطُّورَ وَالذَّارِيَاتِ فِي رَكْعَةٍ، وَإِذَا وَقَعَتْ، وَنُونَ فِي رَكْعَةٍ، وَسَأَلَ سَائِلٌ وَالنَّازِعَاتِ فِي رَكْعَةٍ، وَوَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ وَعَبَسَ فِي رَكْعَةٍ، وَالْمُدَّثِّرَ وَالْمُزَّمِّلَ فِي رَكْعَةٍ، وَهَلْ أَتَى وَلَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي رَكْعَةٍ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَالْمُرْسَلَاتِ فِي رَكْعَةٍ، وَالدُّخَانَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ فِي رَكْعَةٍ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا تَأْلِيفُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَحِمَهُ اللَّهُ»

ترجمہ: حضرت علقمہ اور حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک شخص آیا اور بولا، میں مفصل (کی پوری منزل) ایک رکعت میں پڑھ لیتا ہوں اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تو اس طرح پڑھ لیا ہوگا جیسے شعر جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں یا سوکھی کھجوریں درخت سے جھڑتی ہیں مگر رسول ﷺ دو باہم مساوی سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے جیسا کہ ایک رکعت میں سورہ النجم اور الرحمن اور ایک رکعت میں وَاقْتَرَبَتْ اور اَلْحَاقَّةَ اور ایک رکعت میں الطور اور الذاریات اور ایک رکعت میں اذا وقعت اور سورہ نون اور ایک رکعت میں سَأَلَ سَائِلٌ اور النازعات۔ اور ایک رکعت میں وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ اور عبس۔ اور ایک رکعت میں سورہ المدثر اور المزمل۔ اور ایک رکعت میں وَهَلْ أَتَى اور لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اور ایک رکعت میں الدخان اور وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔

ابوداؤد نے کہا: کہ یہ ابن مسعود کی مصحف کی ترتیب ہے (جو مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف ہے)

لغات حدیث: هَذّ: هَذَّ القُرآنَ (ن) هَذًّا: تیزی سے پڑھنا، اتنا تیز پڑھنا جس میں حروف وکلمات پوری طرح واضح نہ ہوں، وهَذَّ الحَدِيثَ هَذًّا: جلدی سے پوری بات کہنا۔

نَثر: نَثَرَ الشيءَ نَثْرًا: بکھیرنا، درخت کا پھل وغیرہ گرانا۔

الدَّقَل: ردی کھجور۔

١٣٩٦ - رواه البخاري ٢ / ٢١٤ و ٢١٥، في صفة الصلاة، باب الجمع بين السورتين في الركعة والقراءة (٣٥٣/) بالخواتيم، وفي فضائل القرآن، باب تاليف القرآن، وباب الترتيل في القراءة، ومسلم رقم (٨٢٢) في صلاة المسافرين، باب ترتيل القراءة واجتناب الهذ، والنسائي ٢ / ١٧٥ و ١٧٦، في الافتتاح، باب قراءة سورتين في ركعة، والترمذي رقم (٦٠٢) في الصلاة، باب ماذكر في قراءة سورتين في ركعة.

النظائر: بمعنی ایک دوسرے کے مشابہ، ہم معنی اور یہ ''نظیرۃ'' کی جمع ہے۔

تالیف: ترتیب۔

تشریح حدیث: صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت نہیک بن سنان البجلی حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ اس آیت ''فیها أنهار من ماء غیر اٰسِنٍ'' کو کس طرح پڑھتے ہیں یعنی اس میں کلمہ ''آسن'' کو ''آسِن'' ہی پڑھتے ہیں یا ''یاسن'' پڑھتے ہیں؟ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''وکل قرآن أحصیت غیر هذا الحرف؟'' کیا اس کلمہ کے علاوہ باقی ساری قراءتوں سے تم واقف ہو؟ اس پر نہیک بن سنان نے جواب دیا: جی ہاں! میں تو بہت قرآن پڑھتا ہوں، اور میں نے تورات میں ایک ہی رکعت میں مفصلات کی تمام سورتیں پڑھ لی تھیں، یعنی اللہ کا شکر ہے کہ مجھے قرآن بہت اچھا یاد ہے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''أَهَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ؟'' کیا اشعار کی طرح جلدی جلدی قرآن پڑھتے ہو، کہ شاعر جب اشعار کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو بہت جلدی جلدی پڑھتا ہے تو کیا تم بھی اسی طرح جلدی جلدی پڑھتے ہو؟ نیز اور کیا اس طرح عجلت سے قرآن پڑھ لیتے ہو جیسا کہ گھٹیا قسم کی کھجوروں کو درخت سے جھاڑ دیتے ہیں؟ کہ ہلکا سا درخت ہلایا اور سب کھجوریں جھڑ گئیں، مقصد دونوں تشبیہ سے عجلت کی طرف اشارہ کرنا ہی تھا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءتِ قرآن کے بارے میں بتایا کہ آپ ﷺ تو بس ایک رکعت میں ایسی دو صورتوں کو ہی پڑھتے تھے جو اپنے مضمون کے اعتبار سے یا اپنی مقدار کے اعتبار سے برابر سی ہوتی تھیں، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیس سورتیں ذکر فرمائیں کہ آپ ﷺ ان بیس سورتوں کو دس رکعتوں میں پڑھ لیا کرتے تھے، مطلب یہ تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس طرح قرآن پڑھتے تھے تو پھر تم نے قرآن کی سورہ مفصلات جن کی تعداد چھہتر ہے ایک رکعت میں کس طرح پڑھ لیں، یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ قرآن کو تدبر و تفکر سے پڑھنا چاہیے۔

قولہ: ''هذا تالیف ابن مسعود'' یعنی حدیث شریف میں بیس سورتوں کی جو ترتیب مذکور ہے یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کے اعتبار سے ہے، ہمارے پاس جو حضرت عثمان غنیؓ کا مصحف ہے اس کی ترتیب اس کے خلاف ہے، مصنفؒ نے اپنے اس قول سے اسی کی طرف تنبیہ فرمائی ہے۔

قاضی ابوبکر الباقلانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب یا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق ہے یا صحابہ کرامؓ کے اپنے اجتہاد سے تھی، اس باب کی حدیث ثانی سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی یعنی شارع کی جانب سے ہی مقرر و متعین تھی۔

فقه الحدیث: حدیث شریف سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ قرآن کو آرام سے تدبر وتفکر کے ساتھ پڑھنا چاہیے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسورتوں کا ملانا بھی درست ہے خواہ نماز فرض ہو یا سنت ونفل ہو، البتہ اگر دوسورتیں ایک ساتھ ملائی جائیں تو درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرور پڑھی جائے اس لیے کہ بسم اللہ کا نزول ہی فصل بین السور کے لیے ہوا ہے۔ (کذا فی المنہل: ۸/ ۱۴)

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کوروزانہ تہجد میں قرآن کی ایک مقدار پڑھتے تھے اس سے تحزیب القرآن کا ثبوت ہوجاتا ہے، نیز صحابۂ کرامؓ کا عمل بھی اپنی تلاوت کی یومیہ مقدار متعین کرنے کا تھا۔ واللہ اعلم

۱۳۹۷- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا مَسْعُودٍ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ»

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابومسعود سے سوال کیا جس وقت کہ وہ بیت اللہ کا طواف کررہے تھے، انہوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جوشخص سورہ بقرہ کی آخری دوآیتوں کوایک رات میں پڑھے گا وہ اسکے لیے کافی ہوں گی (تہجد سے)

تشریح حدیث: اس حدیث میں سورۂ بقرہ کی آخری دوآیتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جوشخص رات کوان دوآیتوں کوپڑھ کرسویا کرے یہ آیتیں اس کے لیے کافی ہوجاتی ہیں، اور کافی ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان دوآیتوں کے پڑھنے سے بندہ انسان وجنات کی شرارت وایذاء سے محفوظ رہتا ہے گویا یہ آیتیں اس کے لیے دافع شر وبلا ہوجاتی ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دوآیتیں اس کے حق میں قیام اللیل کے لیے شب بیداری کا قائم مقام بن جاتی ہیں، اور تیسرا مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ یہ دوآیتیں اجمالی ایمان واعمال کے لیے کافی ہوجاتی ہیں۔ (فتح الباری: ۹/ ۵۶)

ہمارے مصنفؒ کواس حدیث سے تحزیب القرآن کے جواز کوثابت کرنا تھا کہ وظیفہ کے طور پرقرآن پاک کے کسی حصہ کومتعین کرکے روزانہ پڑھنا شرعا درست ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی ان دوآیتوں کو۔

۱۳۹۸- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا سَوِيَّةَ، حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ حُجَيْرَةَ، يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ

۱۳۹۷- البخاري: كتاب المغازي، باب : حدثنا عبدالله بن يوسف حدثنا الليث (۴۰۰۸)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: فضل الفاتحه وخواتيم صورة البقرة (۲۲۵ / ۸۰۷)، الترمذي: كتاب فضائل القرآن ، باب : ماجاء في آخر سورة البقرة (۲۸۸۱) ابن ماجة: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء فيما يرجي أن يكفي من قيام الليل (۱۳۶۹)

۱۳۹۸ - أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، كتاب تعظيم القرآن باب في مقدار ما يستحب فيه القراءة (۲۰۰۵) وصحيح ابن حبان۔مخرجا (۲/ ۳۱۱/ ۲۵۷۲)

اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الغَافِلِينَ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ القَانِتِينَ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ المُقَنْطِرِينَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «ابْنُ حُجَيْرَةَ الأَصْغَرُ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ حُجَيْرَةَ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز میں کھڑے ہوکر دس آیتیں پڑھے گا وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائیگا اور نماز میں کھڑے ہوکر سو آیتیں پڑھے گا وہ فرمانبرداروں میں لکھا جائیگا اور جو ایک ہزار آیتیں پڑھے گا وہ بیحد ثواب پانے والوں میں لکھا جائیگا ابوداؤد نے کہا ابن حجیرہ سے مراد عبداللہ بن عبدالرحمن بن حجیرہ مراد ہیں۔

رجال حدیث: أبو سوية: بفتح السین وکسر الواو وتشدید الیاء المفتوحہ، ان کا نام عبید بن سویہ بن ابی سویہ انصاری مصری ہے، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، ابوعمیر الکندی فرماتے ہیں: ''کان فاضلا'' ۲۳۵ھ میں وفات ہوئی ہے۔

تشریح حدیث: حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص رات میں قرآن کریم کی دس آیتیں پڑھے خواہ تہجد کی نماز میں ہوں یا بغیر نماز ہی کے، تو اس شخص کا شمار قرآن کریم سے غفلت برتنے والوں میں نہیں ہوگا، بلکہ وہ مطیع اور فرماں برداروں میں شمار ہوگا، اور قرآن پاک کا حق ادا کرنے والا ہوگا، جیسا کہ سنن دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ قرآن اس سے جھگڑے گا نہیں، آگے فرمایا: جو شخص رات کو سو آیتیں پڑھ لے گا وہ قانتین میں سے ہوگا یعنی وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو رات کو کھڑے ہوکر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اور جو شخص رات کو ایک ہزار آیات پڑھ لے وہ ایک بہت بڑا خزانہ جمع کرنے والوں میں سے ہوگا، اصل ''قنطار'' بارہ سو اوقیہ چاندی کا ہوتا ہے اور ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کی ہوتی ہے، اس اعتبار سے اڑتالیس ہزار درہم ہوگئے بارہ سو اوقیہ چاندی کے اور اگر ہم اس وزن کو گراموں میں تبدیل کرتے ہیں تو بارہ سو اوقیہ کے ایک لاکھ چھیالیس ہزار آٹھ سو گرام بنتے ہیں اور آج کی تاریخ میں ایک گرام چاندی انتالیس روپئے کی ہے، انتالیس میں ان گراموں کو ضرب دینے سے ستاون لاکھ اٹھائیس ہزار تین سو بیس روپئے (57,28,320) ہوتے ہیں، گویا ایک ہزار آیتوں کی تلاوت پر اتنا ثواب مل رہا ہے، یہ تو ہم نے دنیا کے لحاظ سے حساب لگایا ہے ورنہ آخرت میں قنطار کی مقدار کیا ہوگی اس کو تو اللہ ہی جان سکتا ہے، آخرت کا ایک اوقیہ ہی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، پھر حدیث میں ایک قنطار حاصل کرنے والا ہی نہیں کہا گیا بلکہ مطلقاً یہ کہا گیا ہے کہ ایسا شخص قنطار والوں میں سے ہوگا کتنے قنطار والا ہوگا اس کا ذکر حدیث میں صراحتاً نہیں، اس لیے ہم تو اجمالاً یہی بات کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے پناہ اجر وثواب عطا فرمائیں گے۔

فقه الحدیث: حدیث شریف سے رات میں قرآن پاک کے پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی، دوسرے تحزیب

القرآن کا بھی ثبوت ہوا۔

قَالَ أبو داؤد: "ابن حجيرة الأصغر عبدالله بن عبدالرحمن" مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ "ابن حجیرہ" کے نام سے دو راوی مشہور ہیں ایک "الاکبر" اور ایک "الاصغر" اب چوں کہ سند میں کوئی وضاحت نہ تھی اس لیے مصنفؒ نے واضح کر دیا کہ یہاں اصغر مراد ہیں۔ (المنھل العذب المورود: ۸/۱۷)

۱۳۹۹-حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى الْبَلْخِيُّ، وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيُّ، عَنْ عِيسَى بْنِ هِلَالٍ الصَّدَفِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَقْرِئْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: «اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ المر»، فَقَالَ: كَبُرَتْ سِنِّي، وَاشْتَدَّ قَلْبِي، وَغَلُظَ لِسَانِي، قَالَ: «فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حاميم»، فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ، فَقَالَ: «اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنَ الْمُسَبِّحَاتِ»، فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَقْرِئْنِي سُورَةً جَامِعَةً، فَأَقْرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ حَتَّى فَرَغَ مِنْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيدُ عَلَيْهَا أَبَدًا، ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ» مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا اور بولا یا رسول ﷺ مجھے قرآن پڑھائیے آپ ﷺ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ جن کے شروع میں الٓمٓر (الف، لام، میم، راء) ہے یعنی سورہ یونس، سورہ یوسف، سورہ ہود وغیرہ اس شخص نے کہا یا رسول ﷺ میری عمر بہت ہوگئی ہے اور میرا دل سخت ہو گیا ہے (یعنی قوت حافظہ کم ہوگئی ہے اور بھول پیدا ہوگئی ہے) اور میری زبان موٹی ہوگئی ہے (اس لیے اتنی لمبی سورتیں پڑھ اور یاد نہیں کر سکتا) آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو پھر تین سورتیں، "حم" والی سورتوں میں سے یاد کرلے اس نے پھر پہلے والا عذر پیش کیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو تو پھر تین سورتیں مسبحات میں سے یاد کر لے (یعنی جنکے شروع میں سبح یاسبح یسبح ہے) اس نے پھر پہلے والا عذر پیش کیا اور عرض کیا یا رسول ﷺ مجھے ایک جامع سورۃ سکھا دیجئے تو آپ ﷺ نے اس کو إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ سکھائی یہاں تک کہ سکھانے سے فارغ ہو گئے پس وہ شخص بولا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں کبھی اس پر زیادہ نہیں کروں گا (یعنی اسکے معانی اور اسکی تعظیم پر پورا پورا عمل کرونگا) آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: وہ شخص کامیاب ہوگیا۔

۱۳۹۹-أخرجه النسائي: في عمل اليوم والليلة (۷۱۶) ومسند احمد مخرجا (۱۱/۱۳۹/۶۵۷۵)

لغات حدیث: ''أَقْرِئْنِيْ'' یہ صیغہ امر ہے أَقْرَأَ یُقْرِئُ إِقْرَاءً سے، بمعنی آپ مجھے پڑھا دیجیے۔
کَبِرَتْ: (س) کَبِرَ کِبَرًا فِي السِّنِّ بمعنی عمر رسیدہ ہونا، بعض حضرات نے اس کو باب (ک) سے بھی پڑھا ہے۔
غَلُظَ. غَلُظَ (ك) غَلَظًا: موٹا ہونا سخت ہونا۔
الرُّوَيْجِل: یہ ''رَجُل'' کی تصغیر ہے خلاف قیاس، یا یہ ''رَاجِل'' کی تصغیر ہے، بمعنی پیدل چلنے والا۔

تشریح حدیث: ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے (نام ان کا معلوم نہیں) اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے قرآن پاک کی اتنی مقدار پڑھنے کو بتا دیجیے جو مجھے عبادت وغیرہ میں کافی ہو جائے، آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ وہ تین سورتیں یاد کرلو جن کے شروع میں ''الف، لام، میم، راء'' لکھا ہے، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو لمبی سورتیں ہو گئیں ان کا یاد کرنا تو میرے لیے مشکل ہے چوں کہ میں عمر رسیدہ بھی ہو گیا ہوں، میرا دل سخت بھی ہو گیا ہے یعنی یاد نہیں رکھ پاتا قوت حافظہ کمزور ہے، اس لیے آسان اور چھوٹی سورت بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں ''حٰم'' لکھا ہے کیوں کہ یہ سورتیں کچھ چھوٹی ہیں، ان صحابی نے پھر یہی عرض کیا تو آپ ﷺ نے ''مسبحات'' پڑھنے کو فرمایا، انھوں نے پھر یہی عرض کیا، اور کہا کہ مجھے تو کوئی مختصر اور جامع سورت بتا دیجیے اس پر آپ ﷺ نے ان کو سورۂ ''زلزال'' پڑھنے کو فرمایا۔

یہ صحابی کھڑے ہوئے اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں اس پر عمل کرنے میں زیادتی نہیں کروں گا، بلکہ اس کے معانی پر پورا پورا عمل کروں گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان صحابی کے لیے اس سورت کا انتخاب کس وجہ سے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت ان صحابی نے جامع سورت کا سوال کیا تھا اور سورۂ ''زلزال'' اپنے معانی کے اعتبار سے انتہائی جامع سورت ہے؛ اس لیے کہ اس کی آیت ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝'' ان تمام چیزوں کو شامل ہے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی تمام خیر و بھلائی اور دوسری آیت ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝'' میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا ہے یعنی تمام شر و برائی، لہٰذا اس اعتبار سے یہ سورت انتہائی جامع ترین سورت ہوئی۔

اسی کی تائید کعب احبار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں انھوں نے فرمایا: ''لَقَدْ أُنْزِلَ عَلٰى محمد ﷺ آيَتَانِ أَحْصَتَا مَافِي التوراةِ والإِنجِيلِ وَالزَّبُوْرِ وَالصُّحُفِ: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝'' (المنہل: ۸/ ۱۷)

نیز ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: ''إذا زلزلت تعدل نصف القرآن'' اس لیے کہ قرآنی احکام یا تو دنیا سے متعلق ہیں یا آخرت سے، اس سورت میں آخرت کے احکام کا اجمالی بیان ہے۔

خلاصۃ الباب:

اس باب میں مصنفؒ نے کل آٹھ حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن سے تحزیب القرآن کا ثبوت ہوتا ہے، اور مصنفؒ کا مقصد بھی تحزیب القرآن ہی ثابت کرنا ہے۔

بَابٌ فِي عَدَدِ الْآيِ

آیتوں کی گنتی کا بیان

۱۴۰۰- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، عَنْ عَبَّاسٍ الْجُشَمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً، تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ "

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن میں تیس آیتوں والی ایک سورۃ ہے جو (روز حساب) اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اسکو بخش دیا جائے گا وہ سورت ہے تَبَارَكَ الَّذِيْ۔

مقصد ترجمہ: قرآن کریم کی آیات کی تعیین توقیفی ہے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے، آیت کے معنی علامت کے آتے ہیں، علوم قرآن میں آیت کہا جاتا ہے: ''قرآن مركب من جمل ولو تقديرًا، ذو مبتدأ ومقطع مندرج في سورة'' یعنی قرآن کا وہ حصہ جو چند جملوں سے مرکب ہو اگر چہ یہ جملے تقدیری ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ''والضحیٰ'' ایک آیت ہے، اب قرآن کے مرکب حصہ کو آیت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت فصل اور صدق کی علامت ہے یا یہ کہئے کہ یہ جماعت کی علامت ہے کہ آیت چند کلموں کا مجموعہ ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۸۶)

ہمارے مصنفؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن پاک کی سورتوں میں جو آیات ہیں ان کو شمار کرنا ان کی گنتی کرنا شرعاً درست ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، کوئی فعل عبث نہیں ہے، متعدد احادیث میں آیات کے شمار کرنے کا ذکر ہے، مصنفؒ نے اس کے ثبوت کے لیے ایک حدیث پیش کی ہے، کہ دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے بھی سورۂ ملک کی آیات کو شمار کیا ہے کہ اس میں تیس آیتیں ہیں۔

۱۴۰۰- أخرجه أحمد ۲/ ۲۹۹، ۳۲۱، والترمذي: كتاب فضائل القرآن: لهاب ما جاء في فضل سورة الملك، حديث ۲۷۹۱، وابن ماجة: كتاب الأدب: باب ثواب القرآن، حديث (۳۷۸۶) والحاكم في المستدرك (۱/ ۵۶۵) كتاب فضائل القرآن، من حديث أبي هريرة به، قال الترمذي: هٰذا حديث حسن. وقال الحاكم: هٰذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

رجال حدیث: عَبَّاس الجُشَمِيِّ: یہ عباس بن عبداللہ جشمی ہیں، تابعین میں شمار ہوتا ہے؛ مگر قلیل الروایہ ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں ان کو مقبول لکھا ہے، پھر چوں کہ کوئی جرح ان پر ثابت نہیں ہے اس لیے علامہ ذہبیؒ نے الکاشف میں ''وُثِّقَ'' لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ علامہ ذہبیؒ کا اشارہ اس طرف ہو کہ ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی کتاب الثقات میں کیا ہے۔

اور ''جشمی''، بضم الجیم وفتح الشین نسبت ہے خراسان کے ایک گاؤں ''جُشَم'' کی طرف۔ (المنہل: ٨/ ١٨)

تشریح حدیث: اس حدیث میں سورۂ ملک کی فضیلت کا بیان ہے کہ جو شخص اس سورت کی قراءت اور تلاوت کی پابندی کرے گا یہ سورت اس کے حق میں سفارش کرے گی، اور سفارش کرنے کا حقیقی مفہوم تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اس کو قوت گویائی عطا کرے گا اور یہ اپنے پڑھنے والے کے حق میں باری تعالیٰ سے سفارش کرے گی اور اس کی سفارش قبول بھی کی جائے گی، اس لیے کہ ایک حدیث میں ''شافع مشفع'' بھی آیا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں استعارہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا پڑھنا اس کے قاری کے لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سفارش کا سبب بنے گا۔

قوله: ''حتى غفر له'': بعض نسخوں میں ''غفر'' ماضی کا صیغہ ہے اور بعض میں مضارع کا، اگر ماضی کا ہے تو اس کے وقوع کے تحقق کی بنیاد پر ہے۔

قوله: ''تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ'' یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ''تلك السورة تَبَارَكَ الَّذِي...'' اولاً سورت کو مبہم ذکر کر کے پھر تفسیر بیان کر کے اس کی شان عظمت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے پہلا مسئلہ تو یہی ثابت ہوا کہ آیات کو شمار کرنا اور گننا شرعاً درست ہے، دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' ہر سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ مستقل طور پر فصل بین السور کے لیے اس کا نزول ہوا ہے، البتہ سورۂ نمل کی یہ مستقل آیت اور جزء ہے، اگر بسم اللہ ہر سورت کا جزء اور آیت ہوتی تو پھر سورۂ ملک کی آیات تیس (٣٠) نہ ہوتیں بلکہ اکتیس (٣١) ہوتیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک یہی ہے۔

تیسرے حدیث شریف سے سورۂ ملک کی مستقل فضیلت معلوم ہوئی، اگر چہ اس کی فضیلت میں اور بھی متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، معجم طبرانی کی ایک روایت میں اس سورت کو ''المنجیه'' اور ''المجادله'' کہا گیا ہے، ایک روایت ''المانعه من عذاب القبر'' فرمایا گیا ہے، عذاب قبر سر کی جانب سے آئے گا تو یہ سورت کہے گی کہ یہ مجھے پڑھتا تھا لہٰذا تیرے لیے کوئی راستہ نہیں ہے اور اگر بطن کی طرف سے آئے گا تو کہے گا کہ میرے اندر سورت ملک ہے، تیرے لیے کوئی راستہ نہیں غرض ہر جانب سے اس کی حفاظت کی جائے گی۔ (المنہل العذب المورود: ٨/ ١٩)

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ السُّجُودِ، وَكَمْ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ

سجدہائے تلاوت کی تفصیلات اوران کی تعداد کا بیان

۱۴۰۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ الْبَرْقِيِّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سَعِيدٍ الْعُتَقِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُنَيْنٍ، مِنْ بَنِي عَبْدِ كُلَالٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَهُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ، مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ، وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَانِ».

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رُوِيَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ .

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے بتائے ، جن میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں : کہ حضرت ابوالدرداء سے مرفوعا گیارہ سجدے مروی ہیں مگر اسکی سند واہی ہے۔

مقصد ترجمہ: ماقبل میں حضرت امام ابوداؤدؒ نے قرآن کریم کی تلاوت کے تعلق سے روایات کو نقل فرمایا تھا چوں کہ تلاوت کے دوران وہ آیات بھی آتی ہیں جن کی تلاوت سے سجدہ کرنا ہوتا ہے اس لیے مصنفؒ اب تلاوت کے سجدے کے مسائل کو بیان فرمارہے ہیں، اس سلسلہ میں مصنفؒ نے کل آٹھ ابواب قائم فرمائے ہیں، ان میں سے پانچ ابواب تو آیات سجدہ کی تعیین کے سلسلہ میں ہیں، اور تین ابواب دیگر مسائل سجود تلاوت کے تعلق سے ہیں۔

حضرات علماء کرام نے سجود تلاوت کے مسائل پر مستقل رسائل بھی ترتیب دیئے ہیں، ہم یہاں پر باب کی روایات کی تشریح سے پہلے کچھ ضروری مسائل کو نقل کرتے ہیں:

۱۴۰۱-أخرجه ابن ماجة: باب عدد سجود القرآن، الحديث "۱۰۵۷"، والدارقطني "۱/ ۴۰۸": كتاب الصلاة: باب سجود القرآن، الحديث "۸"، والحاكم "۱/ ۲۲۳": كتاب الصلاة: باب خمس عشرة سجدة في القرآن، والبيهقي (۲/ ۳۱۴): كتاب الصلاة: باب في القرآن خمس عشرة سجدة، كلهم من حديث الحارث بن سعيد عن عبد الله بن منين، عن عمرو بن العاص أن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فذكره.

وقال الحاكم: هذا حديث رواته مصريون وقد احتج الشيخان بأكثرهم وليس في عدد سجود القرآن أتم منه ووافقه الذهبي. وفيه نظر من الذهبي فقد ذكر الذهبي عبد الله بن منين في "المغني" (۱/ ۳۵۹) وقال: لم يرو عنه غير الحارث بن سعيد وهو مجهول. والحارث بن سعيد قال الحافظ في "التقريب" (۱/ ۱۴۰) مقبول. يعني عند المتابعة وإلا فهو لين الحديث كما نص على ذلك الحافظ في مقدمة التقريب.

سجدۂ تلاوت کا حکم:

سجدۂ تلاوت حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اور شوافع، مالکیہ، اور حنابلہ کے نزدیک مسنون ہے۔

حنفیہ نے وجوب پر ان آیات یا احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے، مثلاً حدیث میں فرمایا گیا: ''**السجدة علی من سمعها وعلی من تلاها**'' کہ سجدہ اس شخص پر واجب ہے جو آیت سجدہ کی تلاوت کرے یا اسے سنے۔ (نصب الرایہ زیلعی: ۲/ ۱۷۸) اور مصنف عبدالرزاق (۳/ ۳۴۴) میں حضرت عثمان غنیؓ سے موقوفاً اس طرح مروی ہے: ''**إنما السجود علی من استمع**'' ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۲/ ۵۵۸)

اسی طرح وجوب پر حنفیہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ''**إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشیطان یبكي یقول: یا وَیلِي، أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبیت فلی النار**'' (صحیح مسلم: ۱/ ۸۷، طبع حلبی) ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: جب ابن آدم آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان بھاگتا ہے اور کہتا ہے ہائے میری ہلاکت! کہ ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا چناں چہ اس کے لیے جنت ہے اور مجھ کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا چناں چہ میرے لیے جہنم ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے اس کو کافرانہ عمل قرار دیا ہے کہ آیت قرآنی کی تلاوت کی جائے اور انسان سجدہ ریز نہ ہو، فرمایا: ''**واذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون**''

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحریر کیا ہے: ''**لأنها (أی آیات السجدة) ثلاثة أقسام، قسم فیه الأمر الصریح به، وقسم تضمن حكایة استنكاف الكفرة حیث أمروا به، وقسم فیه حكایة فعل الأنبیاء السجود، وكل من الامتثال والاقتداء، ومخالفة الكفرة واجب إلا أن یدل دلیل في معین علی عدم لزومه**'' یعنی آیات سجدہ تین حالتوں سے خالی نہیں، یا تو ان میں سجدہ کا امر ہے، یا کفار کے سجدے سے انکار کرنے کا ذکر ہے یا انبیاء کے سجدہ کی حکایت ہے اور امر کی تعمیل بھی واجب ہے، کفار کی مخالفت بھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء بھی۔ (فتح القدیر: ۱/ ۳۸۲)

حضرات ائمہ ثلاثہ نے سنیت پر حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''**قرأت علی النبي ﷺ "والنجم" فلم یسجد فیها**'' کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس سورۂ نجم کو پڑھا اور آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۱۴۶)

ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضرت زیدؓ سجود علی الفور کی نفی کر رہے ہیں، اور خارج صلوٰۃ فی الفور

سجدہ کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی واجب نہیں بلکہ اس میں تاخیر کی گنجائش ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ نے سجدۂ تلاوت کے عدم وجوب پر حضرت عمرؓ کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے ان کا واقعہ اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے: **"أن عمر رضي الله عنه قرأ يوم الجمعة على المنبر سورة النحل، حتى إذا جاء السجدة نزل فسجد فسجد الناس، حتى إذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى إذا جاء السجدة قال: يا أيها الناس: إنما نمر بالسجود فمن سجد فقد أصاب ومن لم يسجد فلا اثم عليه، ولم يسجد عمر "** ترجمہ: حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل پڑھی، یہاں تک کہ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو حضرت عمرؓ منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ جب دوسرا جمعہ آیا تو انھوں نے پھر وہ سورت پڑھی حتی کہ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو فرمایا: اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم سجدہ کی آیت سے گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا تو بیشک اس نے صحیح عمل کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور حضرت عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری حدیث/۱۰۷۷)

حضرت عمرؓ کے اس واقعہ کا مطلب حضرات ائمہ ثلاثہ نے تو یہ بیان فرمایا کہ سجدۂ تلاوت اختیاری چیز ہے، کرلو تو بہت اچھا نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں، معلوم ہوا کہ واجب نہیں ہے۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کسی نے فوراً کرلیا تو اچھا کیا کہ ذمہ سے فراغت ہوگئی اور اگر فوراً سجدہ نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، گویا حضرت عمرؓ نے علی الفور سجدہ کرنا مشیت پر چھوڑ دیا ہے۔

سجد ہائے تلاوت کی تعداد:

سجود تلاوت کی تعداد میں حضرات فقہاء کرام کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں بنیادی طور پر تین مذہب ہیں:

(۱) پورے قرآن میں سجد ہائے تلاوت کی تعداد پندرہ ہے، یہ مسلک ہے امام لیث، امام اسحاق، اور بعض شوافع، بعض مالکیہ کا اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، ان حضرات نے باب میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں پندرہ سجدوں کا ذکر ہے، اس حدیث پر مفصل کلام عنقریب آرہا ہے۔

(۲) دوسرا مسلک حضرات ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، کہ سجد ہائے تلاوت کی تعداد چودہ ہے، البتہ ان کی تعیین میں اختلاف ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں سورۂ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۂ "ص" میں کوئی سجدہ نہیں، جب کہ حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورۂ "ص" میں بھی سجدہ ہے، اس بارے میں جو فریقین کا استدلال ہے وہ مستقل باب کے تحت آیا ہے۔

(۳) تیسرا مسلک حضرت امام مالکؒ کا ہے کہ آیات سجدہ کل گیارہ ہیں؛ لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت کے دوران پورے

قرآن میں گیارہ سجدے کیے جائیں گے،ان حضرات کے دلائل کے تعلق سے بھی امام ابوداوُدؒ نے مستقل باب قائم کیا ہے۔

چوں کہ تینوں مذاہب کے سلسلہ میں مصنفؒ نے احادیث نقل فرمائی ہیں اس لیے ہم یہاں دلائل کو نقل نہیں کرتے بلکہ جیسے جیسے روایات آئیں گی تو دلائل اور مناقشہ نقل کریں گے۔

آیات سجدہ کی فہرست:

پورے قرآن میں جن آیات پر سجدہ کی علامت لگی ہے وہ پندرہ ہیں:

نمبر شمار	نام سورت	آیت نمبر
(۱)	سورۃ الاعراب	۲۰۶
(۲)	سورہ الرعد	۱۵
(۳)	سورۃ النحل	۵۰
(۴)	سورۃ الاسراء	۱۰۹
(۵)	سورۂ مریم	۵۸
(۶)	سورۃ الحج	۱۸
(۷)	سورۃ الحج	۷۷
(۸)	سورۃ الفرقان	۶۰
(۹)	سورۃ النمل	۲۶
(۱۰)	سورۃ السجدۃ	۱۵
(۱۱)	سورۃ ص	۲۴
(۱۲)	سورۃ حم السجدۃ	۳۸
(۱۳)	سورۃ النجم	۶۲
(۱۴)	سورۃ الانشقاق	۲۱
(۱۵)	سورۃ العلق	۱۹

سجدۂ تلاوت کن پر واجب ہے:

سجدۂ تلاوت مکلف پر واجب ہوتا ہے،کافر،نابالغ،فاتر العقل،حائضہ عورت اگر سجدہ کی آیت کو سن لے یا پڑھ

لے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، فاتر العقل، پرندہ اور آواز بازگشت سے آیت سجدہ سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اسی حکم میں فی زمانا ٹیپ کی ہوئی، ریڈیو اور ٹیپ رکارڈ کے ذریعہ سنی جانے والی تلاوت ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ:

سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے کھڑا ہو، یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں، اور سجدے سے پہلے اور بعد میں قیام مستحب ہے، تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے یا سجدہ کے بعد تشہد پڑھنے یا سلام پھیرنے کی حاجت نہیں ہے، عام سجدوں کی طرح اس سجدے میں بھی: "سبحان ربي الأعلى" پڑھنا مسنون ہے۔ (بدائع: ۱/ ۱۹۲)

سجدہ کی جگہ رکوع:

اگر نماز کے اندر آیت سجدہ کی تلاوت کی ہو تو حنفیہ کے نزدیک آیتِ سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد رکوع کرلیا جائے اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلی جائے تو اس رکوع کے ضمن میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجائے گا، آیت کے فوراً بعد سے مراد یہ ہے کہ کلمۂ سجدۂ کے بعد تین سے زیادہ آیتیں نہ پڑھی ہوں۔ (درمختار: ۲/ ۵۱۸)

سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے کے اسباب:

سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے فی الجملہ تین اسباب ہیں:

(۱) خود آیت سجدہ کی تلاوت کرنا۔

(۲) کسی اہلیت رکھنے والے کی تلاوت کو سننا۔

(۳) نماز با جماعت میں امام کی اقتداء میں مقتدی پر سجدے کا وجوب، جب کہ اسے امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت کی ادائے گی کا موقع ملے، خواہ مقتدی نے سجدے کی آیت کو امام سے سنا ہو یا نہ سنا ہو۔

سجدۂ تلاوت کے شرائط:

سجدۂ تلاوت صحیح ہونے کے لیے وہ تمام شرائط ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہیں، مثلاً بدن اور جگہ کی پاکی وغیرہ، البتہ سجدۂ تلاوت میں تکبیر تحریمہ لازم نہیں ہے۔ (درمختار: ۲/ ۵۷۹)

ان مباحث ضروریہ کے بعد باب کی حدیث کی تشریح پیش خدمت ہے:

رجال حدیث: اس حدیث کی سند میں صحابی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے پانچ راوی ہیں اور سب ثقہ ہیں، اسی وجہ

سے امام ابوداوُدؒ نے اس حدیث پر سکوت بھی اختیار کیا جو غالباً اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے، جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے مثلاً البانی تو وہ محل نظر ہے، محض عبداللہ بن منین کے مقبول ہونے کی وجہ سے روایت کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضرت عمرو بن العاصؓ بیان فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے بتائے ہیں جن میں سے تین سجدے تو مفصلات میں ہیں، اور دو سجدے سورۂ حج میں ہیں، اور بقیہ مقامات تو معلوم ہیں ہی، یہ حدیث اس اعتبار سے انتہائی جامع ہے کہ اس میں سجود القرآن کی کل تعداد مذکور ہے، اور فقہاء میں سے اسحاق بن راہویہ، لیث وغیرہ کی واضح دلیل ہے؛ لیکن احناف سورۂ حج کے دوسرے سجدے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق نماز کے سجدے سے ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت سے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

قوله: "**قال أبو داؤد: روي عن أبي الدرداء عن النبي ﷺ إحدي عشرة سجدةً وإسناده واهٍ**" یہ روایت تعلیقاً ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو متصلاً ومرفوعاً نقل کیا ہے؛ لیکن جس طرح امام ابوداوُدؒ نے اس کی سند کو واہی یعنی ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح امام ترمذیؒ نے بھی اس پر کلام کیا ہے اور کہا ہے: "**غريب لانعرفه إلا من حديث سعيد بن أبي هلال عن عمر الدمشقي**"۔

اب مصنفؒ نے اس کی سند کو ضعیف کیوں قرار دیا ہے؟ تو اس کی سند کے رواۃ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو راویوں پر کلام ہے ایک سعید بن ابی ہلال اور دوسرے عمر الدمشقی، ان دونوں کے ضعف کی وجہ سے مصنفؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فقہی لحاظ سے حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت حضرات مالکیہ کی مستدل ہے، اس لیے کہ مالکیہ کے یہاں مفصلات میں کوئی سجدہ نہیں ہے اور سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے تو اس اعتبار سے ان کے نزدیک سجود تلاوت کی تعداد صرف گیارہ ہے، مالکیہ کے مستدلات کو بیان کرنے کے لیے مصنفؒ نے اگلا باب قائم کیا ہے اور اس میں تین حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ان کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

۱۴۰۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ، أَنَّ مِشْرَحَ بْنَ هَاعَانَ أَبَا الْمُصْعَبِ حَدَّثَهُ، أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ حَدَّثَهُ، قَالَ: قُلْتُ لِرَسُولِ

۱۴۰۲- أخرجه الترمذي: كتاب السفر: باب السجدة في الحج، الحديث (۵۷۵)، والدارقطني (۱/ ۴۰۸) كتاب الصلاة: باب سجود القرآن، الحديث (۹) والحاكم (۱/ ۲۲۱) كتاب الصلاة: باب فضلت سورة الحج بسجدتين، وقال الترمذي: "إسناده ليس بالقوي"، وروى أبو داود في "المراسيل" عن أحمد بن عمرة بن السرح، أبنانا ابن وهب، أخبرني معاوية بن صالح عن عامر بن جشب، عن خالد بن معدان، أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قال: "فضلت سورة الحج على القرآن بسجدتين" قال أبو داود: وقد أسند هذا ولا يصح.

اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَانِ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا، فَلَا يَقْرَأْهُمَا»

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا سورہ حج میں دو سجدے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس میں دو سجدے ہیں، جو ان دو سجدوں کو نہ کرے تو وہ اس سورت کو بھی نہ پڑھے۔

رجال حدیث: مِشْرَحُ بْنُ هَاعَانَ: ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا نام لکھا ہے، اور یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، البتہ ابن حبان نے ''یخطئ و یخالف'' لکھا ہے، نیز کہا ہے کہ جن روایات کے نقل کرنے میں یہ منفرد ہے وہ متروک ہیں؛ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقبول لکھا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عقبہ بن عامرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ معلوم کیا کہ کیا سورۂ حج میں دو سجدے ہیں؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جی دو سجدے ہیں، پھر آپ ﷺ نے ان سجدوں کی تاکید فرمائی کہ جو بھی اس سورت کی تلاوت کرے اس کو یہ دونوں سجدے کرنے چاہئیں، چھوڑنے نہیں چاہئیں، اگر کسی کا ارادہ سجدے نہ کرنے کا ہو تو وہ یہ سورت ہی نہ پڑھے، کیوں کہ تلاوت کرنا تو امر مستحب ہے اور سجدے کرنا واجب ہے یا کم از کم سنت ہے، جو فعل کسی امر واجب یا امر سنت کے ترک کا سبب بنے اس کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے شوافع اور حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدۂ تلاوت ہیں، لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ابن لہیعہ راوی ضعیف ہیں، اور دوسرے مشرح بن ہاعان راوی بھی متکلم فیہ ہیں، اس کے علاوہ سورۂ حج میں دو سجدوں کی اور بھی جو روایات ہیں وہ سب متکلم فیہ ہیں، البتہ کچھ آثار صحابہ اس کی مؤید ضرور ہیں، اسی وجہ سے ہمارے بعض فقہاء احناف نے بھی لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ بھی کر لیا جائے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۱۳۱)

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ السُّجُودَ فِي الْمُفَصَّلِ

مفصل میں سجدہ نہ ہونے کا بیان

۱۴۰۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ الْقَاسِمِ، - قَالَ مُحَمَّدٌ رَأَيْتُهُ بِمَكَّةَ -

---

۱۴۰۳- أخرجه أبو داود الطيالسي (۱ / ۱۱۲) كتاب الصلاة: باب سجود التلاوة، الحديث (۵۱۵) والبيهقي (۲ / ۳۱۲) كتاب الصلاة: باب في القرآن إحدى عشرة سجدة.

حَدَّثَنَا أَبُو قُدَامَةَ، عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ»

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب سے مدینہ آئے سورہ مفصل میں سے کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا۔

مقصد ترجمہ: امام ابوداؤد نے یہ ترجمۃ الباب مالکیہ کے مستدل کو بیان کرنے کے لیے قائم کیا ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا جاچکا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مفصلات میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے، مصنفؒ نے اس کو ثابت کرنے کے لیے دو صحابہ کی روایات کو تین سندوں سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ایک سند سے اور حضرت زید بن ثابت کی حدیث کو دو سندوں سے۔

رجال حدیث: محمد بن رافع: یہ ابوعبداللہ نیشاپوری ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

ازہر بن قاسم: یہ ابوبکر الراسبی البصری ہیں، صدوق درجہ کے راوی ہیں، محمد بن رافع نے ان سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کی ہے؛ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ خیال کہ محمد بن رافع کی لقاء ازہر بن قاسم سے نہیں ہے غلط ہے، وہ خود وضاحت کررہے ہیں کہ "رأيته بمكة"۔

ابوقادمۃ: یہ حارث بن عبید بصری ہیں، متکلم فیہ رواۃ میں سے ہیں، امام احمد، امام نسائی اور یحییٰ بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے، امام بخاریؒ نے صرف دوجگہ پر ان سے متابعت کے طور پر روایت لی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "صدوق يخطئ" اور امام ذہبیؒ نے "ليس بالقوي" کہا ہے۔

مطر الورّاق: یہ مطر بن طہمان ابورجاء خراسانی ہیں، مختلف فیہ راوی ہیں، یحییٰ بن معین اور ابن سعد نے تضعیف کی ہے، امام ابوداؤدؒ نے بھی کہا ہے کہ اختلاف کی صورت میں ان کی روایت حجت نہیں ہے، البتہ عجلی اور ساجی نے صدوق لکھا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "صدوق كثير الخطأ" قرار دیا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عباسؓ نے مدینہ منورہ آمد سے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کو سورۂ مفصلات میں سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن مدینہ منورہ میں نہیں دیکھا، درحقیقت حضرت ابن عباسؓ اپنے علم کے مطابق بات کہہ رہے ہیں ورنہ تو صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مفصلات میں سجود تلاوت کو ادا فرمایا ہے، لہٰذا حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو یا تو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے نفی کررہے ہیں، ورنہ دوسرا جواب روایت کا یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، ابوقدامہ، مطر الوراق دونوں راوی متکلم فیہ ہیں جیسا کہ گزرچکا ہے۔

آگے ہمارے مصنفؒ نے بھی روایات نقل فرمائی ہیں جن سے مفصلات میں سجدہات تلاوت کا ثبوت ہوتا ہے،

پھر مفصلات میں سجود کو نقل کرنے والے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ قدیم الاسلام ہیں، اور ان کی روایات صحت کے لحاظ سے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث باب سے اعلیٰ ہے۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ دراصل حضرت ابن عباسؓ کو مفصل کے سجود تلاوت کا علم ہی نہیں ہوسکا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے نفی کردی ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۸ / ۲۳)

لہٰذا دوسرے حضرات کی روایات مثبت ہیں اور مثبت نافی پر مقدم ہوا کرتی ہیں، اس لحاظ سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہی مقدم ہوگی۔ واللہ اعلم

۱۴۰۴- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: «قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ، فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا»،

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی؛ لیکن آپ ﷺ نے اسمیں سجدہ نہیں کیا۔

تشریح حدیث: مصنفؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث کو دو سندوں سے بیان کیا ہے دونوں کا مضمون قریب قریب ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے سورۂ نجم کے سجدے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کہ میں نے حضور ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی اور اس میں آیت سجدہ بھی ہے مگر سجدہ نہیں کیا۔

مگر بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایات میں سورۂ نجم میں سجدہ کرنے کا ذکر ہے اس لیے روایت باب میں سجدہ نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ علی الفور نہیں کیا، کیوں کہ اگر کوئی مانع ہو سجدے کو موخر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ باوضو نہ ہوں یا وہ وقت ممنوع ہو یعنی عین زوال، عین غروب، عین طلوع کا وقت ہو۔

۱۴۰۵- حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو صَخْرٍ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ، قَالَ أَبُو

۱۴۰۴- أخرجه البخاري: ۲ / ۵۸ ۴، في سجود القرآن، باب من قرأ السجدة ولم يسجد، ومسلم رقم (۵۷۷) في المساجد، باب سجود التلاوة، والترمذي رقم (۵۷۶) في الصلاة، باب ما جاء من لم يسجد فيه، والنسائي (۲ / ۱۶۰) في الافتتاح، باب ترك السجود في {النجم}.

۱۴۰۵- أخرجه البخاري: كتاب سجود القرآن، باب: من قرأ السجدة ولم يسجد (۱۰۷۲، ۱۰۷۳)، و مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: سجود التلاوة (۵۷۷)، و الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء من لم يسجد فيه (۵۷۶)، و النسائي: كتاب الصلاة، باب: ترك السجود في النجم (۲ / ۱۶۰).

دَاوُدَ: «كَانَ زَيْدٌ الْإِمَامَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا»

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے (دوسری سند کے ساتھ) اسی طرح مروی ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ زید بن ثابت امام تھے اور انہوں نے سجدہ نہیں کیا۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث کا طریق ثانی ہے، اس کا مضمون بھی وہی ہے جو پہلی سند سے آئے ہوئے طریق کا تھا، البتہ ابوداؤد کی روایت میں ایک اضافہ ہے جو بخاری، مسلم کی روایت میں نہیں ہے وہ یہ ہے: ''كان زيدٌ الإمامَ فلم يسجد فيها'' یہاں ''الامام'' منصوب ہے کان کی خبر کی وجہ سے، اور مطلب یہ ہے کہ حضرت زیدؓ قاری تھے اور رسول اللہ ﷺ سامع تھے جب قاری نے سجدہ نہیں کیا تو سامع نے بھی نہیں کیا، یہاں امام سے مراد نماز کا امام نہیں ہے، بلکہ امام قراءۃ ہے۔

اور امام ابوداؤدؒ اس قول کے ذریعہ حضور ﷺ کے سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ دراصل قاری حضرت زید بن ثابتؓ تھے اور یہاں اس موقع پر خود امام نے سجدہ نہیں کیا تھا، اس لیے حضور اکرم ﷺ نے بھی سجدہ نہیں کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ تو اس کا جواب وہی ہوسکتا ہے کہ علی الفور سجدہ نہیں کیا بلکہ کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کر دیا۔

البتہ مالکیہ اور حنابلہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ سامع پر سجدہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ تالی بھی سجدہ کرے، جب کہ حنفیہ اور شوافع کے نزدیک سامع کا سجدہ تالی کے سجدہ کرنے پر موقوف نہیں ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں مطلق سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب قرار دیا گیا ہے، فرمایا: ''السجدة على من سمعها وعلى من تلاها'' (نصب الرایہ: ۲/۱۷۸)

بَابُ مَنْ رَأَى فِيهَا السُّجُودَ

سورۂ نجم میں سجدہ کرنے کا بیان

۱۴۰۶- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ سُورَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ فِيهَا، وَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى - أَوْ تُرَابٍ -، فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ، وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا "، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: «فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے سورہ نجم پڑھی اور اسمیں سجدہ کیا اور کوئی شخص

۱۴۰۶- أخرجه البخاري: كتاب سجود القرآن، باب: سجدة النجم (۱۰۷۰)، مسلم: كتاب المساجد، باب: سجود التلاوة، (۵۷۶)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: السجود في "والنجم" (۲/۱۶۰).

نہیں بچا جس نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن ایک شخص نے تھوڑی سی مٹی یا ریت ہاتھ میں لی اور چہرہ تک اٹھائی اور بولا: میرے لیے (بجائے سجدہ کے) یہ کافی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ میں نے دیکھا بعد میں وہ حالت کفر میں قتل ہوا۔

مقصد ترجمہ: حضرات ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ چوں کہ مفصلات میں سجدۂ تلاوت کے قائل ہیں، اس لیے حضرت ابوداوُدؒ ان کے مستدلات کو بیان فرما رہے ہیں، مفصلات میں سورۂ نجم بھی ہے، اس میں سجدہ کرنا بھی ثابت ہے۔

تشریح حدیث: مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت کیا، حاضرین مجلس (مؤمنین ومشرکین) میں سے ہر ایک نے سجدہ کیا، البتہ ایک قریشی بوڑھے نے سجدہ نہیں کیا اس نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہا: مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرما رہے ہیں کہ یہ بوڑھا آدمی اپنی اس گستاخی کی وجہ سے ایمان سے محروم رہا اور بدر میں کفر کی حالت پر ہی مقتول ہوا۔

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت آں حضرت ﷺ کے اتباع میں مسلمانوں کو تو سجدہ کرنا تھا ہی جو مشرکین اس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی کچھ ایسی حالت طاری کر دی کہ سب سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، گو اس وقت ان کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا، مگر وہ بھی اپنا ایک اثر چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو ایمان و اسلام کی توفیق ہو گئی، صرف ایک آدمی کفر پر مرا جس نے اس وقت سجدے سے گریز کیا تھا۔

سجود مشرکین کی وجہ:

اس موقع پر جو حضرات ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ مشرک تھے (اگرچہ بعد میں ایمان کی توفیق ہوگئی) انھوں نے بھی سجدہ کیا اس کی اصل وجہ کی طرف تو ابھی تشریح حدیث کے ضمن میں اشارہ کر دیا ہے کہ اس بابرکت مجلس میں باری تعالیٰ کی تجلیات کا ایسا ظہور ہوا کہ مشرکین بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، اس توجیہ کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اختیار فرمایا ہے اور اسی سے حدیث شریف کی بہترین شرح بھی ہو جاتی ہے۔

واقعہ غرانیق:

کچھ شراح حدیث نے سجود مشرکین کی توجیہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو ''غرانیق'' کے نام سے مشہور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی اور آپ ﷺ ''أَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى'' پر پہنچے تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر ''تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ

لَتُرْتَجٰی '' جاری کردیا، یہ بات مشرکین کے لیے اطمینان بخش تھی، اس لیے انھوں نے کہا کہ: محمد ﷺ نے آج سے پہلے کبھی ہمارے معبودین کا ذکر خیر نہیں کیا آج کر رہے ہیں اس لیے وہ آپ کے ساتھ سجدے میں چلے گئے۔

یہ واقعہ جمہور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بعض حضرات نے اس کو موضوع، ملحدین اور زنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے، اور جن حضرات نے (مثلاً ابن حجر عسقلانیؒ) معتبر بھی مانا ہے تو اس کے ظاہر الفاظ سے جو شبہات قرآن وسنت کے قطعی اور یقینی احکام پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ اس حدیث کی شرح اس واقعہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کی اصل وجہ وہی ہے جس کو شاہ محدث دہلویؒ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے بلا وجہ اس کو حدیث مذکور کی شرح کا جزء بنا کر شکوک وشبہات کا دروازہ کھولنا پھر جواب دہی کی فکر کرنا کوئی مفید کام نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ السُّجُودِ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، وَاقْرَأْ

اذا السماء انشقت اور اقرا میں سجدہ کا بیان

۱۴۰۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «أَسْلَمَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَنَةَ سِتٍّ عَامَ خَيْبَرَ، وَهَذَا السُّجُودُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ فِعْلِهِ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ سورہ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ اور اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ میں سجدہ کیا۔

امام ابوداؤد نے کہا: کہ ابو ہریرہ خیبر کے سال سن ۶ ہجری میں ایمان لائے اور یہ سجود رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل تھا۔

مقصد ترجمہ: امام ابوداؤدؒ مفصلات کی دوسورتوں، سورۂ انشقاق اور سورۂ اقراء میں سجدۂ تلاوت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، سورۂ نجم میں سجدۂ تلاوت کو باب سابق میں ثابت کر چکے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا مذہب جمہور علماء کا مذہب ہے، اور اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

تشریح حدیث: اس حدیث کی شرح کے ذیل میں صاحب منہل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد اہل مدینہ کا عمل مفصلات کے سجود کے ترک کا تھا اور تردید

۱۴۰۷- أخرجه مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: سجود التلاوة (۵۷۸)، والترمذي: كتاب الصلاة، باب: ماجاء في السجدة في {اقرأ باسم ربك} و {إذا السماء انشقت} (۵۷۳، ۵۷۴)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: السجود في {إذا السماء انشقت}، وباب: السجود في {اقرأ باسم ربك}

اس لیے ہوتی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ تو مدنی زندگی میں ہی ایمان لائے ہیں، اور پیغمبر علیہ السلام کے آخری عمل سے واقف ہیں، جب کہ حضرت ابن عباسؓ نے جو نقل کیا تھا کہ مدینہ میں آمد کے بعد حضور ﷺ نے مفصلات کے سجود کو نہیں کیا وہ اپنے علم کے اعتبار سے تھا۔

سنن ابوداود کے بعض نسخوں میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث باب کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ۶ھ میں خیبر کے سال ایمان لائے ہیں اور سورۂ انشقاق واقراء میں سجدۂ تلاوت کو نقل کر رہے ہیں، ان دونوں سورتوں میں سجدہ کا ہونا حضور ﷺ کا آخری عمل ہے۔

۱۴۰۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ: فَقَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ السَّجْدَةُ؟ قَالَ: «سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ»

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی، میں نے کہا: یہ سجدہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے یہ سجدہ ابوالقاسم (حضرت محمد ﷺ) کے پیچھے کیا ہے اور میں ہمیشہ اسکو کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ آپ ﷺ سے جاملوں۔

تشریح حدیث: روایت میں آیا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ انشقاق کو پڑھا پھر آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت ادا فرمایا، اس پر حضرت ابورافع نے استفہام انکاری کے طور پر کہا کہ: یہ سجدہ کیسا ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے بتایا کہ انھوں نے حضور پاک ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اسی لیے میں یہاں سجدہ کر رہا ہوں۔

بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کے اس سجدے پر اس طرح کا انکار ابوسلمہ سے بھی ثابت ہے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہوا کہ امام کے لیے جہری نماز میں ایسی سورت پڑھنا جس میں آیت سجدہ ہو بلا کراہت درست ہے، البتہ سجدہ کرنا واجب ہے، ہاں سری نمازوں میں اور جمعہ وعیدین میں امام کو چاہیے کہ وہ آیت سجدہ کی تلاوت نہ کرے؛ کیوں کہ ان نمازوں میں مقتدیوں میں انتشار کا اندیشہ ہے، درمختار میں لکھا ہے:

"ویکرہ للإمام أن یقرأھا في مخافتة ونحو جمعة وعید..." (درمختار: ۲/ ۵۹۸)

اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدۂ تلاوت کرنا بھول گیا تو منافیٔ نماز عمل کرنے سے پہلے جب بھی یاد آجائے تو

۱۴۰۸- أخرجه البخاري: کتاب سجود السھو، باب: سجدة {إذا السماء انشقت} (۱۰۷۴)، مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: سجود التلاوة (۵۷۸)، النسائي: کتاب الافتتاح، باب: السجود في {إذا السماء انشقت} (۲/ ۱۶۱)

سجدۂ تلاوت ادا کرلے اس کے بعد سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرے۔ (شامی:۲/۵۸۵)

بَابُ السُّجُودِ فِي صٓ

سورہ صٓ میں سجدہ کرنے کا بیان

۱۴۰۹-حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «لَيْسَ ص مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا»

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سورہ صٓ کا سجدہ ضروری نہیں؛ مگر میں نے رسول ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

مقصد ترجمه: سورۂ صٓ کے سجدے کے بارے میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے، دو بڑے امام حضرت ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اس جگہ سجدۂ تلاوت کو مانتے ہیں، اور دو چھوٹے امام سورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت کے قائل نہیں، امام داوٗدؒ نے ترجمۃ الباب قائم کر کے یہ بتادیا کہ وہ بھی اس سورت میں سجدۂ تلاوت کے قائل ہیں، اور ثبوت میں انھوں نے دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک حضرت ابن عباسؓ کی اور دوسری حضرت ابوسعید خدریؓ کی۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ کا عمل بیان فرمایا کہ حضور ﷺ کو میں نے اس سورت میں سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ البتہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: سورۂ صٓ کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے، مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ بھی اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے، چناں چہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں ہے کہ مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ صٓ کے سجدہ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ یہاں سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: قرآن پاک میں ہے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ الخ (سورۂ انعام:۸۴) پھر اس کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (سورۂ انعام ۹۰) پھر ابن عباسؓ نے کہا: کہ حضرت داوٗدؑ انبیاء میں سے ہیں کہ حضور ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور حضرت داوٗد علیہ السلام نے یہاں سجدہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی یہاں سجدہ کیا۔

اسی طرح نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سجدها داؤد توبة ونسجدها شكرًا'' کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے توبہ قبول ہونے کی وجہ سے سجدہ کیا اور ہم ان کی توبہ کے قبول ہونے

۱۴۰۹-أخرجه البخاري: كتاب سجود القرآن، باب: سجدة "ص" (۱۰۶۹) الترمذي: كتاب الصلاة، باب السجدة في "ص" (۱۴۰۹)

پر شکرادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

ہماری اس تفصیل سے متحقق ہوا کہ سورۂ ''ص'' میں سجدۂ تلاوت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ واجب ہی ہے۔

''لیس من عزائم السجود'' کے معنی:

حضرت ابن عباسؓ اپنے اس ارشاد کے ذریعہ سجدے کی حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس سجدے کا امتِ محمدیہ سے کیا تعلق ہے، چناں چہ عزائم السجود کی نفی کر کے بتادیا کہ یہ سجدہ اصالۃً امت محمدیہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کی اقتداء میں ہم سے متعلق کیا گیا ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

''العزيمة في اصطلاح الفقهاء: الحكم الثابت بالأصالة كوجوب الصلوات، وإنما أتي بها عليه الصلوٰة والسلام لموافقة أخيه داؤد عليه السلام وشكرًا لقبول توبته''

ترجمہ: عزیمت فقہاء کی اصطلاح میں اس حکم کو کہتے ہیں کہ جو اصالۃً ثابت ہو جیسے نماز کا وجوب اور سجدہ ص کو حضور ﷺ نے اپنے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عزائم السجود کا مطلب ہے: یہ سجدۂ اصالۃً امت محمدیہ سے متعلق نہ تھا، اس کا حکم صرف اس لیے ہوا کہ حضور ﷺ کو ''**فبهداهم اقتده**'' کہہ کر انبیاء سابقین کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات تمام انبیاء سابقین کی خوبیوں اور کمالات کی جامع ہے اور اسی لیے آپ کی دعوت و بعثت کو تمام انسانی طبقات کے لیے عام قرار دیا گیا ہے۔

عزائم سجود نہ ہونے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس آیت سے سجدے کا حکم متعلق ہے اس میں سجدے کا لفظ نہیں ہے بلکہ رکوع کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، جب کہ سجدہائے تلاوت میں عام طور پر سجدے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عزیمت کی نفی کا مطلب تاکید کی نفی نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ یہ سجدہ اصالۃً امت محمدیہ سے متعلق نہیں تھا، یا یہ کہ اس سجدے کا حکم رکوع کے الفاظ میں دیا گیا ہے، یعنی ''خر راكعًا'' جہاں تک اس کے مؤکد ہونے کی بات ہے تو خود پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے اس کا مؤکد ہونا ثابت ہے، آپ ﷺ نے تو منبر پر اس کو پڑھا تو بھی سجدہ ادا فرمایا، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے، بلکہ مسند احمد کی ایک روایت میں ''لم يزل يسجدها'' بھی آیا ہے۔

فائدہ: شوافع بھی خارج صلاۃ تالی پر اس سجدے کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

١٤١٠- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ،

١٤١٠- انظر السنن الكبرى للبيهقي (٢/ ٣٥١/ ٣٧٤٠) وسنن الدارمي (٢/ ٩١٩/ ١٥٠٧) وصحيح ابن حبان—مخرجا (٦/ ٢٧٠/ ٢٧٦٥).

عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ ص، فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمٌ آخَرُ قَرَأَهَا، فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ تَشَزَّنَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ، وَلَكِنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَزَّنْتُمْ لِلسُّجُودِ»، فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدُوا .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے منبر پر سورہ ص پڑھی، جب آپ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور باقی لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا، اگلے دن آپ ﷺ نے پھر یہی سورت پڑھی، جب آپ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کے لیے تیار ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سجدہ تو ایک نبی کی توبہ تھی لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ سجدے کے لیے تیار ہو گئے ہو پس آپ ﷺ منبر سے اترے اور آپ ﷺ نے اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا۔

رجال حدیث: ابن وہب: یہ عبداللہ بن وہب القرشی ہیں، صغار تبع تابعین میں سے ہیں، ثقہ راوی ہیں، ۱۲۵ھ میں وفات ہوئی ہے۔

ابن ابی ہلال: یہ سعید بن ابی ہلال بصری ہیں، صدوق درجہ کے راوی ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں نقل کیا ہے، ابن حزم نے تضعیف کی ہے لیکن ان کی تضعیف محل نظر ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابوسعید خدریؓ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران منبر پر سورہ ص پڑھی، جب آیت سجدہ: ''خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ '' پڑھی تو سجدۂ تلاوت ادا فرمایا، اس کی کیفیت یہ ہوئی کہ آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور سجدہ ادا فرمایا، لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ ادا فرمایا، جب اگلا جمعہ آیا تو پھر آپ ﷺ نے سورۂ ص کو خطبہ میں پڑھا، جب لوگوں نے آیت سجدہ کو سنا تو جمعہ ماضی کی طرح سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے آپ ﷺ نے لوگوں کی اس تیاری کو دیکھا تو فرمایا: کہ یہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ کا سجدہ تھا (لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاء کی اقتداء کا حکم دیا ہے اس لیے میں نے یہ سجدہ کیا تھا بطورِ شکر کے) اب آپ لوگ سابقہ جمعہ کی طرح اس مرتبہ بھی سجدے کے لیے تیار ہو گئے ہو تو سجدہ کر لو، چناں چہ سب نے سجدہ کیا یہ ہے روایت کا مضمون اور خلاصہ۔

قولہ: تَشَزَّنَ باب تفعل سے ہے ''تَشَزَّنَ بِشَيٍ تَشَزُّنًا'': کسی کام کے لیے تیار ہونا، تشزن للسفر: سفر کے لیے تیار ہونا۔

فقه الحديث: اب اس حدیث سے حضرات شوافع نے استدلال کرلیا کہ سورۂ ص کا سجدہ تاکیدی نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص خارج صلاۃ اس آیت سجدہ کو پڑھے تو سجدہ کرلے لیکن اگر نماز میں پڑھے تو سجدہ نہ کرے کیوں کہ یہ سجدۂ شکر ہے جو نماز میں نہیں ہوتا ہے، اگر یہ سجدہ تاکید ہوتا اور سجدۂ تلاوت ہوتا تو پیغمبر علیہ السلام دوسرے جمعہ کو اس کے ترک کا ارادہ نہ فرماتے۔

ہماری طرف سے صاحبِ بدائع نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کا دوسرے جمعہ کو سجدہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ فی الفور سجدے کا ارادہ نہ ہو بلکہ تاخیر سے کرنے کا ہو، نیز ماقبل میں "ليس من عزائم السجود" کے تحت ہم لکھ چکے ہیں کہ "إنما هي توبة نبي" میں اس سجدے کی حقیقت کا بیان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے تو یہ سجدہ بطورِ توبہ کے کیا تھا اور ہم اس سجدے کو ان کی توبہ کی قبولیت پر شکر ادا کرنے کے طور پر کررہے ہیں کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر مغفرت کا انعام فرمایا اور شاندار ٹھکانا دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ احناف "حسن مآب" پر سجدے کے قائل ہیں، پس ہم جب اس نعمت باری کا بیان پڑھیں اور اس آیت کی تلاوت کریں تو یہ سجدہ کریں اور چوں کہ یہ سجدہ آیت کی تلاوت کی وجہ سے ہو رہا ہے اس لیے اس کو سجدۂ تلاوت ہی کہا جائے گا، نہ کہ سجدۂ شکر، شکر تو ایک حقیقت کا بیان ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۴۵۳)

لہٰذا شوافع کا حدیث باب سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

فائده: اگر امام خطبۂ جمعہ وعیدین میں کوئی آیت سجدہ پڑھے تو امام پر اور جن لوگوں نے آیت سجدہ سنی ہے ان پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہے، اور جن لوگوں نے آیت سجدہ نہیں سنی اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔ ولو تلا علي المنبر سجد وسجد السامعون لا غيرهم (شامی: ۲/ ۵۹۸)

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَهُوَ رَاكِبٌ، وَفِي غَيْرِ الصَّلَاةِ

خارج نماز اور سواری کی حالت میں آیت سجدہ سنے تو کیا کرے؟

۱۴۱۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ أَبُو الْجَمَاهِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً، فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ،

۱۴۱۱- أخرجه البخاري ۲/ ۴۵۹ في سجود القرآن، باب ازدحام الناس إذا قرأ الإمام السجدة، وباب من سجد لسجود القارئ، وباب من لم يجد موضعاً للسجود من الزحام، ومسلم رقم (۵۷۵) في المساجد، باب سجود التلاوة، وأبو داود رقم (۱۴۱۲) و(۱۴۱۳) في الصلاة، باب في الرجل يسمع السجدة وهو راكب وفي غير الصلاة.

مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ فِي الْأَرْضِ، حَتَّى إِنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلَى يَدِهِ»

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی تو سب لوگوں نے زمین پر سجدہ کیا، بعض سوار بھی تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ پر سجدہ کیا۔

مقصد ترجمہ: سجدۂ تلاوت کا سبب جس طرح آیت سجدہ کی تلاوت ہے اسی طرح آیتِ سجدہ کا سماع بھی اس کا سبب ہے، اور جس طرح نماز کے اندر آیت سجدہ کا سننا سجدہ تلاوت کا سبب ہے اسی طرح خارج صلاۃ سننا بھی سجدۂ تلاوت کا سبب ہے، اب سننا اگر زمین پر ہوگا تو سجدہ بھی زمین پر ہی کیا جائے گا، اور اگر سننا سواری پر ہو تو سجدۂ تلاوت بھی سواری ہی پر کرلیا جائے گا، مصنفؒ نے اسی مقصد کو ثابت کرنے کے لیے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

تشریح حدیث: روایت میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکۃ المکرمہ میں ایسی سورت پڑھی جس میں آیت سجدہ تھی، معجم طبرانی کی روایت میں ہے کہ سورۂ نجم پڑھی تھی، اور ممکن ہے کہ صرف آیت سجدہ ہی پڑھی ہو بیان جواز کی خاطر اس لیے کہ صرف آیت سجدہ کا پڑھنا بھی جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے۔

اس موقع پر سامعین میں وہ لوگ بھی تھے جو اپنی سواریوں یعنی اونٹوں اور گھوڑوں پر تھے، اور وہ بھی تھے جو پیدل تھے، جو لوگ پیدل تھے انھوں نے تو زمین پر ہی سجدہ کیا اور جو حضرات سواریوں پر تھے انھوں نے اپنی اپنی سواری پر سجدۂ تلاوت ادا کیا، پھر سواری پر بھی لوگوں نے اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا۔

فقہ الحدیث: آیت سجدہ کو اگر سواری پر پڑھا گیا یا سنا گیا تو سواری ہی پر سجدۂ تلاوت کی اجازت ہے، البتہ علامہ کاسانیؒ نے بدائع میں لکھا ہے: جو سجدۂ تلاوت زمین پر واجب ہوا ہو اس کو سواری پر کرنا درست نہیں ہے، اور جو سجدۂ تلاوت سواری پر واجب ہوا ہے اس کو زمین پر ادا کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

نیز اگر ازدحام کی وجہ سے زمین پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو غیر ارض پر سجدہ کرنا جائز ہے، مثلاً فخذ وغیرہ پر کرلیا جائے۔

مسئلۃ الباب میں مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت راکباً مسافر شرعی کے لیے تو جائز ہے اور جو آدمی شرعی مسافر نہ ہو اس لیے سواری سے اتر کر ہی سجدہ کرنا ضروری ہے۔

چلتی سواری پر آیت سجدہ کا تکرار:

اگر چلتی سواری مثلاً ٹرین، ہوائی جہاز، کشتی اور بس وغیرہ میں ایک ہی آیت سجدہ متعدد بار پڑھی تو بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، البتہ اگر کسی جانور گھوڑے یا اونٹ وغیرہ پر سواری کر رہا ہے تو ہر مرتبہ کے لیے الگ سجدہ کرنا ہوگا۔ (درمختار مع شامی: ۲/ ۵۹۳)

سواری پر سجدۂ تلاوت اشارہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے:

حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص سواری پر آیت سجدہ کو سنے تو کیا کرے؟ فرمایا: اشارہ سے سجدہ کرلے، صاحب بذل فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ (بذل المجہود: ۶/۸۱)

۱۴۱۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ الْمَعْنَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّورَةَ -، قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ، ثُمَّ اتَّفَقَا: - فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ، حَتَّى لَا يَجِدَ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ "

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو نماز کے علاوہ ایک سورت سناتے پھر آپ ﷺ سجدہ کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض کو تو زمین پر اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہ ملتی۔

تشریح حدیث: روایت میں یہ بیان کیا گیا کہ ہم میں سے سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لیے ازدحام کی وجہ سے زمین پر پیشانی رکھنے کی جگہ نہ ملتی تھی تو بھی ہم سجدہ کرتے تھے معلوم ہوا کہ سجدہ زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر ہوتا تھا، معجم طبرانی کی ایک روایت میں ہے، کہ سجدہ کرنے والا دوسرے کی پشت پر سجدہ کرتا تھا۔

فقه الحدیث: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے عمل سے معلوم ہوا کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے زمین پر پیشانی رکھنے کی گنجائش نہ ہو تو دوسرے کی پشت پر سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔

ابن بطال علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے سجدۂ تلاوت کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہ مل سکی، البتہ فرض نماز میں ازدحام کی وجہ سے زمین پر سجدے کی جگہ نہ ملے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوسرے کی کمر پر سجدے کی اجازت ہے، تو اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سجدۂ تلاوت میں بھی اس کی اجازت ہو۔

نیز حضراتِ صحابہ کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سجدہ پر سجدے کا حکم بڑا تاکیدی ہے، آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت لوگوں کا ہجوم ہو اور لوگ بے ترتیب بیٹھے ہوں تب بھی لوگوں کو فوراً سجدے کا اہتمام کرنا چاہیے، اس کے لیے نہ صرف صف بندی ضروری ہے نہ وسیع جگہ کی ضرورت ہے نہ وقت کی قید ہے، بلکہ اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت سجدۂ

۱۴۱۲- أخرجه البخاري (۲/ ۴۵۹) في سجود القرآن، باب ازدحام الناس إذا قرأ الإمام السجدة، وباب من سجد لسجود القارئ، وباب من لم يجد موضعاً للسجود من الزحام، ومسلم رقم (۵۷۵) في المساجد، باب سجود التلاوة.

تلاوت ادا کیا جاسکتا ہے، اس میں لوگوں کا ہجوم بھی مانع نہیں ہے، جیسا کہ آدمی کا سواری پر ہونا بھی مانع نہیں ہے۔

اگر خارج صلاۃ میں مجمع میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی نوبت آئے تو بہتر یہ ہے کہ قاری سجدے میں پہل کرے اور سننے والے اگر باوضو ہوں تو اس کی موافقت میں سجدہ کریں (ایضاح البخاری: ۵/ ۴۲۹)

۱۴۱۳-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ أَبُو مَسْعُودٍ الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ، فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ، وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ»، قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: وَكَانَ الثَّوْرِيُّ يُعْجِبُهُ هَذَا الْحَدِيثُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «يُعْجِبُهُ لِأَنَّهُ كَبَّرَ»

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو قرآن سنایا کرتے تھے جب آیت سجدہ پر پہنچتے تو تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے، عبدالرزاق نے کہا: کہ (اس میں) سفیان ثوری کو یہ حدیث بہت پسند تھی۔

ابوداود کہتے ہیں: کہ سفیان ثوری کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اس میں تکبیر کا بھی ذکر ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں سجدۂ تلاوت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدۂ تلاوت کرتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں جاتے اسی طرح جب سجدے سے اٹھتے تو بھی اللہ اکبر کہتے، صاحب منہل فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے دوران کی کیفیت کا بیان ہے، رہا خارج صلاۃ کا مسئلہ تو روایت میں اگر چہ اس کی کوئی صراحت نہیں ہے؛ لیکن جمہور فقہاء اسی پر قیاس کرتے ہوئے خارج صلاۃ میں بھی سجدے میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت تکبیر کہنے کے قائل ہیں، سفیان ثوریؒ کو بھی یہ حدیث اسی لیے پسند تھی کہ اس میں سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کہنے کا ذکر ہے، جب کہ باب کی دوسری روایات میں تکبیر کے تعلق سے کچھ منقول نہیں ہے۔

البتہ ماقبل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ سجدۂ تلاوت میں تشہد اور درود وغیرہ نہیں ہے، اسی طرح سلام بھی نہیں ہے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ سامع اگر آیت سجدہ سنے تو اس پر سجدۂ تلاوت ہوگا خواہ سامع کا قصد ہو یا نہ ہو؛ اس لیے کہ سجدے کے وجوب کا مدار محض سماع پر ہے قصد پر نہیں ہے، اگر چہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں قصد بھی شرط ہے، ان حضرات کے نزدیک غیر ارادی طور پر آیت سجدہ سن لینے سے سننے والے پر سجدۂ تلاوت نہیں، اور شوافع کے نزدیک ایسے شخص کو بھی سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے لیکن ایسے شخص کے لیے سجدہ کا حکم بالارادہ سننے والوں کے مقابلہ نسبتاً کم مؤکد ہے۔ (المنہل: ۸/ ۳۶، شرح المہذب نووی: ۴/ ۵۸)

۱۴۱۳-انظر التخريج السابق

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَجَدَ

سجدہ تلاوت کی دعا

۱۴۱۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ، يَقُولُ فِي السَّجْدَةِ مِرَارًا: «سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تلاوت کے سجدوں میں رات کو کئی مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداودؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ دیگر سجود اور سجدۂ تلاوت کی دعا میں کچھ فرق ہے یا دونوں میں ایک ہی دعا پڑھی جائے گی، مقصد کے ثبوت کے لیے مصنفؒ نے ایک حدیث پیش کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں توسع ہے، وہ دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے جو عام سجود میں پڑھی جاتی ہے اور یہ بھی پڑھی جاسکتی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، ہماری کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر فرض نماز میں سجدۂ تلاوت کی نوبت آئے تو سجدہ میں نماز والی تسبیح: ''سبحان ربي الأعلي'' پڑھے اور اگر نفل نماز ہو تو تسبیح کے ساتھ دیگر دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے، اسی طرح اگر نماز سے باہر سجدۂ تلاوت ادا کر رہا ہو تو سجدے میں ماثور دعائیں بھی پڑھنا مناسب ہے۔ ''فإن كانت السجدة في الصلوة فإن كانت فريضة قال: سبحان ربي الأعلي أو نفلا قال: ماشاء مما ورد، وإن كان خارج الصلاة قال: كل ما أثر من ذٰلك وأقره في الحلية والبحر والنهر وغيرها.'' (شامی زکریا: ۲/ ۵۸۰)

تشریح حدیث: روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ سجدۂ تلاوت میں کئی بار یہ دعا پڑھتے تھے، ''سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِه'' ابن سکن کی روایت میں کئی مرتبہ کی وضاحت یہ کی گئی کہ تین مرتبہ اس دعا کو پڑھتے تھے۔

اس دعا کے اندر غایت تواضع کا بیان ہے اور اپنے اشرف الاعضاء کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جھکانے کا ذکر ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول درجہ کے ہیں، یعنی ابو العالیہ کے شاگرد، اس لیے روایت ضعیف

۱۴۱۴- أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما يقول في سجود القرآن (۵۸۰)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: الدعاء في السجود (۱/ ۲۱۸-۲۲۳)."

ہوگی، اگرچہ دیگر مؤیدات کیوجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے گی۔

بَابٌ فِيمَنْ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ

جوشخص صبح کی نماز کے بعد آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کب کرے؟

۱۴۱۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْعَطَّارُ، حَدَّثَنَا أَبُو بَحْرٍ، حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ عُمَارَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيُّ، قَالَ: لَمَّا بَعَثْنَا الرَّكْبَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «يَعْنِي إِلَى الْمَدِينَةِ»، قَالَ: كُنْتُ أَقُصُّ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَأَسْجُدُ، فَنَهَانِي ابْنُ عُمَرَ فَلَمْ أَنْتَهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ عَادَ، فَقَالَ: «إِنِّي صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَلَمْ يَسْجُدُوا حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ»

ترجمه: حضرت ابوتمیم ہجیمی سے روایت ہے کہ جب ہم قافلہ کے ساتھ مدینہ میں آئے تو میں فجر کی نماز کے بعد وعظ کہا کرتا تھا اور آیت سجدہ کی تلاوت کرتا اور سجدہ کرتا تھا، پس حضرت ابن عمرؓ نے مجھے اس سے تین مرتبہ روکا؛ لیکن میں نہیں رکا آخر کار انہوں نے کہا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے؛ لیکن کسی نے بھی (نماز کے بعد) سجدہ نہیں کیا جب تک کہ سورج نہ نکل آیا۔

مقصد ترجمه: حضرت امام ابوداؤدؒ اس ترجمۃ الباب کو قائم کرکے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی تلاوت کرنے والا اوقاتِ مکروہہ میں تلاوت کرے تو اسکو بھی سجدۂ تلاوت کرنا ہوگا، اب وہ اسی وقت مکروہ میں کرے یا بعد میں، اس میں حضراتِ فقہاء کرام کا اختلاف ہے جس کو تشریح حدیث کے بعد نقل کیا جائے گا۔

رجال حديث: أبو بحر: یہ عبدالرحمن بن عثمان ثقفی ابوبحر البکراوی ہیں، صغار اتباع تابعین میں سے ہیں، متکلم فیہ رواۃ میں سے ہیں، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ضعیف الحدیث، ابوحاتم نے ''ليس بقوي، يكتب حديثه ولا يحتج به'' اورنسائی نے ضعیف کہا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ ۱۹۵ھ میں وفات ہوئی ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ان کی روایت ہے۔

ثابت بن عمارة: یہ ابومالک بصری ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے بارے میں ''صدوق فيه لين'' کہا ہے۔ ۱۴۹ھ میں وفات پائی ہے۔

۱۴۱۵- السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة جماع ابواب سجود التلاوة، باب من قال: لا يسجد بعد الصبح حتى تطلع الشمس (۳۶۸۱)

أبو تَمِيمَةَ الهُجَيْمِي: بضم المثناة الفوقيه مصغراً، وبفتحها مكبراً نام طریف بن مجالد ہے، ثقہ راوی ہیں، ابن حجر اور ذہبی دونوں ہی نے توثیق کی ہے۔ (موسوعۃ التراجم)

تشریح حدیث: قوله: لَمَّا بَعَثْنا الركْبَ: اس میں پہلا احتمال تو یہ ہے کہ "بعثنا" صیغہ معروف ہے، اور "الراکب" مفعول ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب ہم بنو تمیم نے ایک جماعت کو امور دین سیکھنے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا اور میں بھی اس جماعت میں تھا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "بعثنا" مبنی للمفعول ہو اور "الرکب" منصوب بنزع الخافض ہو، یعنی ہمیں ایک جماعت میں مدینہ منورہ بھیجا گیا تا کہ ہم امور دین سیکھیں اور واقعہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے، جب کہ مدینہ منورہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر مسند درس قائم کیے ہوئے تھے، جب ابو تمیمہ اپنی جماعت کے لوگوں کے ساتھ تھے تو اپنے رفقاء کو بعد نماز فجر وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے وعظ کے دوران قرآن کریم کی کوئی ایسی سورت بھی تلاوت کر لیتے جس میں آیت سجدہ ہوتی تو وہ اسی وقت سجدۂ تلاوت بھی کر لیا کرتے تھے۔

"فنهاني ابن عمر" حضرت ابن عمرؓ نے جب یہ چیز دیکھی تو منع فرمایا کہ اس وقت سجدۂ تلاوت نہیں کرتے۔

فَلَمْ انْتَهِ: ابو تمیمہ منع کرنے سے نہیں رکے کیوں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ممانعت کی کوئی دلیل بیان نہیں کی تھی لیکن جب حضرت ابن عمرؓ نے ممانعت کی وجہ بیان کر دی تو یہ رک گئے۔

قوله: ثلاث مرات: یہ ظرف ہے أي فنهاني ثلاث مرار یعنی حضرت ابن عمرؓ نے بغیر کوئی وجہ بیان کیے ہوئے مجھے تین مرتبہ اس وقت سجدۂ تلاوت کرنے سے روکا لیکن میں نہیں رکا۔

قوله: ثُمَّ عَادَ: یعنی پھر حضرت ابن عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے عمل سے استناد کرتے ہوئے مجھے چوتھی مرتبہ روکا تو میں رک گیا۔

فقه الحديث: حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے حنابلہ کہتے ہیں کہ اوقات منہیہ میں سجدۂ تلاوت جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی کرلے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا مالکیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، لیکن ابن القاسم نے امام مالکؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ فجر کے بعد اسفار سے پہلے پہلے کر سکتا ہے اور عصر کے بعد سورج کے زرد ہونے سے پہلے کر سکتا ہے۔

حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اوقات منہیہ میں سجدۂ تلاوت مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ ذات السبب نوافل کی قبیل سے ہے۔

حنفیہ کا مسلک بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ نماز فجر اور عصر کے بعد سجدۂ تلاوت جائز ہے، البتہ طلوع آفتاب سے لے کر دھوپ کے سفید ہونے اور غروب سے پہلے دھوپ کے زرد ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت منع ہے، نیز حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر تلاوت اوقات مکروہہ کے علاوہ میں کی تھی اور سجدۂ تلاوت اوقات مکروہہ میں کر رہا ہے تو یہ

مکروہ ہے، کیوں کہ وقتِ کامل میں سجدہ واجب ہوا ہے اور ناقص میں ادا کر رہا ہے۔

البتہ تین اوقات: عین طلوع، عین زوال اور عین غروب کے وقت حنفیہ کے یہاں بھی سجدۂ تلاوت جائز نہیں ہے۔

”ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة :إذا طلعت الشمس حتى ترتفع، وعند الانتصاف إلى أن تزول، وعند إحمرارها إلى أن تغيب“۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۵۲)

حدیث باب سے حنابلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث ابوبحر راوی کی وجہ سے ضعیف ہے دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ممانعت عین طلوع کے وقت میں سجدۂ تلاوت کرنے کی ہو کہ عین طلوع کے وقت اس وقت تک سجدۂ تلاوت نہ کیا جائے جب تک کہ سورج مکمل طلوع نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الْوِتْرِ

وتر کے ابواب کی تفصیلات

مصنفؒ نے اپنی عادت کے مطابق یہ ایک جلی عنوان قائم کیا جس سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وتر کی نماز سے متعلق مختلف ابواب ومسائل آئیں گے، چناں چہ انھوں نے اس سلسلہ میں کل دس ابواب قائم کیے ہیں، جن میں وتر کا شرعی حکم، رکعات وتر کی تعداد، وتر کی نماز کی قراءت، قنوت فی الوتر، وتر کا وقت وغیرہ اہم مسائل کو بیان فرمایا ہے، ہم ابواب کے مطابق تفصیل نقل کرتے ہیں۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ الْوِتْرِ

وتر کے استحباب کا بیان

۱۴۱۶- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ، أَوْتِرُوا، فَإِنَّ اللَّهَ وِتْرٌ، يُحِبُّ الْوِتْرَ»۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتے ہیں۔

۱۴۱۶-أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء ان الوتر ليس بحتم (۴۵۳)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب الأمر بالوتر (۲۲۸/۳)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في الوتر (۱۱۶۹).

مقصد ترجمہ: مصنف ؒ کا مقصد وتر کی شرعی حیثیت کو بیان کرنا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے یا سنت؟ اس مقصد کے لیے دو باب قائم کیے ہیں، ایک تو یہی اور ایک اگلا باب، غالباً اس باب میں ان روایات کو لائیں جن سے وتر کی سنیت کی طرف اشارہ ملتا ہے اور اگلے باب میں وہ روایات لائے ہیں جن سے وجوب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، چوں کہ روایات میں اختلاف ہے اس لیے حضرات فقہاء کرام کے مابین بھی اختلاف ہے کہ وتر کی شرعی حیثیت وجوب کی ہے یا سنیت کی؟ دونوں ابواب کی روایات کو نقل کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرات فقہاء کرام کے اختلاف کو مع ادلہ بیان کر دیں؛ تاکہ روایات کا انطباق اچھی طرح ہو سکے۔

وتر کا شرعی حکم:

جمہور مع حضرات ائمہ ثلاثہ امام مالک ؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے، حضراتِ حنفیہ میں سے صاحبین ؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، علامہ ابن ہمام ؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ سے جو منقول ہے کہ وتر فرض ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وتر فرض عملی ہے فرض اعتقادی نہیں، اسی طرح ایک روایت میں امام ابوحنیفہ ؒ سے جو منقول ہے کہ وتر سنت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وتر سنت سے ثابت ہے جو وجوب کے منافی نہیں۔ (فتح القدیر: ۱/ ۳۰۳، طبع بولاق)

جمہور کے دلائل:

(۱) حضرت علی ؓ کی حدیث ہے: ''عن علیٍ قال: الوِترُ لَیسَ بِحَتمٍ کَصَلَاتِکُم الْمکْتُوبَۃِ ولکنَ سَنَّ رسولُ اللہ ﷺ وقال: إنَّ اللہ وِترٌ یُحِبُّ الوِترَ، فأوْتِرُوا یا أھلَ القرآنِ'' (ابوداوٗ (۱۴۱۶) والترمذی (۴۵۳) واللفظ لہ)

اس روایت میں حضرت علی ؓ نے وتر کی حیثیت کو واضح کیا ہے کہ وتر کا حکم دیگر پانچ فرض نمازوں کی طرح نہیں ہے بلکہ وتر تو سنت ہے۔

جواب: ہماری طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں وتر کے فرض ہونے کی نفی ہے اور فرضیت کے تو ہم بھی قائل نہیں اور سنت ہونے کا مطلب ثابت بالسنۃ ہے، لہٰذا اس سے عدم وجوب پر استدلال صحیح نہ ہوگا۔

(۲) ''أن النبی ﷺ سألَہُ أعرَابِیٌ عَمَّا فَرَضَ اللہُ عَلَیہِ فی الیومِ واللَّیلَۃِ، فقال: خَمسُ صَلَوَاتٍ، فقَال: ھَلْ

عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ '' (صحیح بخاری حدیث/۴۶)

اس حدیث میں نمازوں کی تعداد پانچ بیان کی گئی ہے، اگر وتر واجب ہو تو نمازوں کی تعداد چھ ہو جائے گی۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ احناف وتر کی نماز کو فرض کہاں کہتے ہیں، بلکہ فرض سے نیچے کا درجہ واجب ہے اور حنفیہ اس کو واجب ہی کہتے ہیں، جب کہ حدیثِ مذکور میں فرائض خمسہ کا بیان ہے۔

(۳) آگے ابوداؤد کی روایت آ رہی ہے جس میں ہے: ''زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: خمس صلوات افترضهن الله... '' (سنن ابوداؤد: حدیث/۴۲۵/۱۴۲۰)

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے وتر کے فرض ہونے کی تغلیط فرمادی ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ انھوں نے نفی فرضیت کی کی ہے نہ کہ وجوب کی، اس لیے کہ ابو محمد واجب کو بمعنی فرض لے رہے تھے۔

احناف کے دلائل:

(۱) اگلے باب میں حضرت بریدہؓ کی روایت ہے: ''عن عبد الله بن بريدة قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا'' (سنن ابوداؤد: حدیث/۱۴۱۹)

اس روایت میں وتر کی نماز کی تاکید معلوم ہوتی ہے، جو کہ وجوب ہی کی دلیل ہے؛ کیوں کہ لفظ ''حق'' واجب کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور یہاں وہی معنی مراد ہیں، چناں چہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں: ''الوتر حق واجب علي كل مسلم'' (نصب الرایہ: ۱/۹۰)

اس حدیث کی سند میں اگر چہ عبید اللہ بن عبد اللہ العتکی راوی پر کلام ہے لیکن امام ابوداؤدؒ نے اس پر سکوت کیا ہے اسی طرح امام حاکم نے اس کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے، جو کم از کم اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔

(۲) سنن دارقطنی میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے: قَال رسول الله ﷺ: مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ (سنن دارقطني، كتاب الوتر باب من نام عن وتره: ۲/۱۶/۱۶۲۱، وإسناده صحيح وانظر أيضا ابن ماجه (۱۱۸۸) وأبو داؤد (۱۴۳۱)

اس میں نماز وتر کی قضا کا حکم دیا گیا ہے، اور قضا کا حکم واجبات میں ہوتا ہے نہ کہ سنن میں۔

(۳) سنن ترمذی میں حضرت خارجہ بن حذافہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں: ''خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ: الْوِتْرُ، جَعَلَهُ اللهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ

يَطْلُعَ الْفَجْرُ" (سنن ترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في فضل الوتر، حديث/ ۴۵۲)

اس حدیث میں "أَمَدَّ" اضافہ کرنے اور مدد پہنچانے کے معنی میں ہے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور یہ محض سنت ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کے بجائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہوتی جیسا کہ تراویح کے بارے میں ہے: "سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ" لہٰذا "إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ" میں اللہ کی طرف اضافہ کرنے کی نسبت وجوب وتر پر دلالت کرتی ہے۔

(۴) حدیث باب میں بھی: فأوتروا ياأهل القرآن صیغہ امر کے ساتھ ہے یہ بھی وجوب ہی کی دلیل ہے۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پر مواظبت فرمائی ہے کبھی بھی اس کو ترک نہیں فرمایا ہے، اور اس کے تارک پر نکیر بھی فرمائی ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اختلاف کی نوعیت:

جمہور اور احناف کے مابین جو وتر کے بارے میں وجوب سنت کا اختلاف ہے، یہ درحقیقت ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ جمہور کے نزدیک فرض اور واجب لغۃً اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن اصطلاح کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اصطلاح کے اعتبار سے ان کے یہاں جو واجب ہوگا وہ فرض بھی ہوگا ان حضرات کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان مامور بہ کا کوئی اور مرتبہ نہیں ہے، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان واجب کا مرتبہ ہے۔ (الموسوعة الفقهية: ۴۲/ ۳۳۰)

اب وتر کے بارے میں حضرات ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ آکد الرواتب وافضل السنن ہے، اس کا تارک گناہ گار ہے، امام احمد بن حنبلؒ تو فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی، اب حنفیہ بھی فرضیت کے قائل نہیں گویا اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ وتر کا مرتبہ عام سنن مؤکدہ سے اوپر ہے اور فرض سے نیچے ہے اب ائمہ ثلاثہ کے فرض سے نیچے کے اسی درجہ کو آکد الرواتب والسنن کہہ دیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے واجب کہہ دیا ہے چوں کہ ان کے نزدیک فرض وسنت کے درمیان واجب کا مرتبہ موجود ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ اور جمہور ائمہ ثلاثہ کے مابین جو اختلاف ہے یہ عملاً لفظی اختلاف ہے۔ (الموسوعة الفقهية: ۲۷/ ۲۹۱، درس ترمذی: ۲/ ۲۱۰)

اس تفصیل کے بعد حدیث باب کی تشریح پیش خدمت ہے:

رجال حديث: إبراهيم بن موسى: یہ ابراہیم بن موسیٰ بن زاذان تمیمی ہیں، کنیت ابواسحاق فراء ہے، لقب الصغیر ہے، ثقہ ہیں، ۲۲۰ھ میں وفات پائی ہے۔

عیسیٰ: یہ ابن یونس بن ابی اسحاق سبیعی ہیں، ثقہ راوی ہیں ۱۸۷ھ میں وفات ہوئی ہے۔

زکریا: یہ زکریا بن ابی زائدہ ہیں، ثقہ درجہ کے راوی ہیں البتہ شعبی سے تدلیس کرتے ہیں ۱۴۷ھ میں وفات ہوئی ہے۔

عاصم: یہ عاصم بن ضمرہ سلولی کوفی ہیں، صدوق درجہ کے راوی ہیں، ۱۷۴ھ میں وفات ہے، شاید ان کی وجہ سے ہی امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو درجہ صحت سے نیچے اتار کر تحسین کی ہے۔

تشریح حدیث: "قوله: یا أهل القرآن": اہل قرآن کا مصداق تمام مؤمنین ہیں، خواہ وہ قرآن پڑھے ہوئے ہوں یا نہ پڑھے ہوئے ہوں، اگر چہ جو حفاظ قرآن ہیں وہ اس کا مصداق اوّلین ہو سکتے ہیں، لیکن چوں کہ تمام ایمان والے قرآن کریم کی تصدیق کرنے والے ہیں، اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کرنے والے ہیں، اس لیے اس خطاب کی عمومیت میں سب ہی شامل ہوں گے، صاحب منہلؒ لکھتے ہیں: "أهل القرآن، المراد بهم المؤمنون عامة من قرأ و من لم يقرأ"۔

البتہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اہل قرآن سے مراد یہاں حفاظِ قرآن ہی ہیں اور ان کی عظمت و شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو مخاطب بنایا گیا ہے، اگر چہ وتر سب ہی کے حق میں مشروع ہے۔ (المنہل: ۸/ ۴۰)

قوله: فإن الله وتر "وتر کے اصل معنی ہیں: یکتا، اکیلا، باری تعالیٰ کا ایک نام، فرد واحد، عدد طاق جیسے ایک، تین، پانچ الخ۔

قوله: "یحب الوتر" اللہ تعالیٰ وتر کو پسند کرتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت والجلال بہت سے اعمال اور طاعات میں وتر کو پسند فرماتے ہیں چناں چہ نمازوں کو پانچ، پاکی کو تین مرتبہ، طواف وسعی کو سات چکر، رمیٔ جمار کو سات، ایام تشریق کو تین، زکوٰۃ میں پانچ وسق کو مقرر فرمایا ہے، عظیم مخلوقات میں آسمان کو طاق عدد، زمین کو طاق عدد اور ہفتہ کے ایام کو طاق عدد بنایا ہے۔ (شرح نووی: ۵/ ۱۷) (طبع دار احیاء التراث العربی)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے کہ طاق عدد میں وہ فضیلت ہے جو دوسرے عدد یعنی شفعہ میں نہیں ہے؛ اس لیے کہ "طاق عدد" وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور ہر اس طاق عدد کو پسند کرتا ہے، جس کو مشروع کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے انقسام کو قبول نہیں کرتا، اپنی صفات میں یکتا ہے، اس کا کوئی مثیل یا شبیہ نہیں ہے، اپنے افعال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک یا معاون نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر اس کام کو پسند کرتا ہے جس کو طاق عدد میں مشروع کیا ہو۔ (المنہل: ۸/ ۴۱)

فقه الحديث: حضرات ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے وتر کے سنت ہونے پر استدلال کیا ہے اس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وتر کو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبوبیت کی طرف منسوب کیا ہے، جس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا؛ لیکن

اس سے استدلال تام نہیں ہوتا جیسا کہ ماقبل میں تفصیل بیان کی چکی ہے، وجوبِ وتر کے ادلہ کی تفصیل گذر ہی چکی ہے۔

۱۴۱۷-حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ الْأَبَّارُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ، زَادَ: فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: مَا تَقُولُ؟ فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ، وَلَا لِأَصْحَابِكَ

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی کے ہم معنی روایت منقول ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ ایک اعرابی بولا: کیا کہتے ہو؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: یہ حکم تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے نہیں۔

رجال حدیث: أبو حفص الأبار: یہ عمر بن عبدالرحمن بن قیس الاسدی ابوحفص الکوفی ہیں، بغداد میں مقیم تھے، یحییٰ بن معین، ابن سعد اور دارقطنی وغیرہ ائمہ نے توثیق کی ہے، ابوحاتم اور ابوزرعہ نے صدوق قرار دیا ہے، جب کہ امام احمد اور امام نسائی نے: ''لا بأس به'' کہا ہے، اور ''أَبَّار'' بفتح الھمزہ وتشدید الباء بمعنی سوئی بنانے والا، سوئی فروش۔

ابوعبیدہ: کہا گیا ہے کہ ان کا نام عامر ہے لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ ۱۸۰ھ میں وفات ہوئی ہے اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے ہیں، لیکن ان کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں ہے اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔ (عون المعبود: ۴/ ۲۰۶)

تشریح حدیث: باب کی پہلی حدیث حضرت علیؓ سے تھی، جب کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے، مضمون دونوں کا ایک ہی ہے فرق یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب یہ حدیث بیان کی ''اهل القرآن! أوتروا، فإن الله وتر يحب الوتر'' تو ایک اعرابی نے کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اعرابی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے ہیں یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب میں فرمایا: یہ حکم تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اہل القرآن کے مصداق صرف حفاظ کو قرار دیتے ہیں اس لیے انھوں نے اعرابی کو یہ جواب دیا کہ وتر (وتر سے مراد یہاں کل صلاۃ اللیل ہوگی) کا یہ حکم تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف حفاظ قرآن کے لیے ہے، چوں کہ اکثر اعرابی تو پڑھے لکھے ہوتے نہیں ہیں۔

لیکن جمہور کی رائے اس کے مختلف ہے جمہور کہتے ہیں کہ جو بھی قرآن پر ایمان لے آیا وہ اہل قرآن میں سے ہے پس اہل قرآن کے خطاب میں سارے ہی مسلمان شامل ہیں، اگرچہ وہ قرآن کریم کے پڑھنے والے یا حفاظ نہ ہوں، اس معنی کی تائید میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ واللہ اعلم

۱۴۱۷-أخرجه ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في الوتر (۱۱۷۰).

۱۴۱۸- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَاشِدٍ الزَّوْفِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُرَّةَ الزَّوْفِيِّ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ - قَالَ أَبُو الْوَلِيدِ: الْعَدَوِيُّ - خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ، وَهِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ، وَهِيَ الْوِتْرُ، فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ»

ترجمہ: حضرت ابوالولید عدوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالی نے تمہاری ایک ایسی نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے جس کا وقت عشاء کے بعد سے لیکر طلوعِ فجر تک ہے۔

رجال حدیث: عبدالله بن راشد الزَّوْفي: ابوالضحاک المصری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ ان کی صرف ابواب الوتر ہی میں ایک حدیث ہے اور ابن ابی بریرہؓ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، حافظ ذہبیؒ نے الکاشف میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں ان کو مستور لکھا ہے، اور مستور وہ ہے جس سے نقل کرنے والے تو ایک سے زائد ہوں لیکن کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔

عبدالله بن أبي مرة: امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: "لايعرف إلا بحديث الوتر" البتہ امام عجلیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں "صدوق" اور تہذیب التہذیب میں "أشار البخاري إلي أن في روايته انقطاعًا" لکھا ہے۔ (موسوعۃ الشاملۃ رقم (۳۶۰۹)

خارجة بن حذافة: مصنفؒ کے استاذ ابوالولید طیالسی نے ان کی نسبت "العدوي" بیان کی ہے، صحابی ہیں، سنن ابوداؤد، ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ان کی روایت ہے۔

لغات حدیث: أَمَدَّكُم: أَمَدَّ فلانًا بِشَيءٍ: مدد کرنا، دینا، اضافہ کرنا، حُمْرِ یہ الأَحْمَر کی جمع ہے، بمعنی سرخ، النَّعَم: بفتح النون والعین بمعنی اونٹ، جمع أنعام آتی ہے، جیسا کہ جَمَل کی جمع جِمْلَان آتی ہے، یہاں حدیث میں اضافت الصفۃ الی الموصوف ہے أي مِنَ النَّعَمِ الحُمْرِ۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمہارے ثواب کو بڑھانے کے لیے نماز پنجگانہ پر ایک نماز زیادہ کردی ہے جو تمہارے لیے بہترین اموال یعنی سرخ اونٹوں سے بھی عمدہ ہے، سرخ اونٹوں کا ذکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لیے فرمایا کہ عربوں کے یہاں یہ سرخ اونٹ تمام اموال سے بہتر اور عمدہ سمجھے جاتے تھے،

۱۴۱۸- أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ماجاء في فضل الوتر (۴۵۲)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في الوتر (۱۱۶۸).

لہٰذا جو شخص اس نماز کو پڑھے گا اس کو ایسا ثواب ملے گا جو دنیا کی تمام مال ومتاع سے بہتر ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع فجر تک رہتا ہے، اس دوران جب چاہے اس کو پڑھا جا سکتا ہے۔

بَابٌ فِيمَنْ لَمْ يُوتِرْ

تارک وتر کے بارے میں وعید

۱۴۱۹-حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الطَّالْقَانِيُّ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْعَتَكِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا»

ترجمه: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: وتر حق ہے؛ پس جو وتر نہ پڑھے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں، وتر حق ہے؛ بس جو وتر نہ پڑھے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، وتر حق ہے؛ بس جو وتر نہ پڑھے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

مقصد ترجمه: اس باب کو قائم کر کے مصنفؒ کا مقصود وتر کی نماز کی اہمیت اور تاکید کو بیان کرنا ہے، احناف نے وجوب وتر پر اسی باب کی روایات سے استدلال کیا ہے، اس باب میں مصنف دو حدیثیں لائے ہیں اور دونوں ہی سے وتر کی تاکید معلوم ہوتی ہے، پھر حدیث کی سند پر کچھ کلام کیا گیا ہے؛ مگر اس کے باوجود روایت قابل استدلال ہے، تخریج

۱۴۱۹-أخرجه أحمد (۵/ ۳۵۷)، ومحمد بن نصر المروزي (ص/ ۱۱۵): كتاب الوتر: باب الترغيب في الوتر، والحث عليه، والدولابي في الكنى (۲/ ۱۳۰)، والحاكم (۱/ ۳۰۵) كتاب الوتر، والبيهقي (۲/ ۴۷۰): كتاب الصلاة: باب تأكيد صلاة الوتر، والخطيب (۵/ ۱۷۵) في "التاريخ" كلهم من رواية أبي المنيب عبيد الله بن عبد العتكي، عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه وزاد أكثرهم تكرار فمن لم يوتر فليس منا ثلاثا. وقال الحاكم: "حديث صحيح، وأبو المنيب العتكي مروزي ثقة"، وقال الذهبي: قال البخاري: عنده مناكير. و وثقه ابن معين، وقال النسائي: ثقة وقال مرة: ضعيف وقال ابن عدي: لا بأس به وقال الحاكم: ثقة يجمع حديثه وقال عباس بن مصعب رأى أنسا وروى عن جماعة من التابعين وهو ثقة. وقال الحافظ: صدوق يخطئ.

ثم إن للحديث شواهد عن أبي أيوب الأنصاري، وابن مسعود. حديث أبي أيوب: أخرجه أحمد (۵/ ۴۱۸)، وأبو داود (۱۴۲۲)، والنسائي (۳/ ۲۳۹) وابن ماجة (۱۱۹۰)، والدارمي (۱/ ۱۳۷۱) والدارقطني (۲/ ۲۲)، والحاكم (۱/ ۳۰۳) والطحاوي (۱/ ۲۹۱) والبيهقي (۳/ ۲۲) من طرق عن الزهري عن عطاء بن يزيد الليثي عنه مرفوعاً بلفظ: الوتر حق... وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، وصححه ابن حبان "۶۷-موارد". حديث ابن مسعود: أخرجه البزار كما في "نصب الراية" (۲/ ۱۱۳).

حدیث کے ذیل میں ہم اس کی تفصیل نقل کر چکے ہیں۔

رجال حدیث: ابو اسحاق الطَّالِقَانِي: یہ ابراہیم بن اسحاق بن عیسیٰ ہیں۔ یحییٰ بن معین اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ کہا ہے، ابو حاتم نے صدوق کہا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی صدوق لکھا ہے، یہ مسلم ابوداؤد اور ترمذی کے رواۃ میں سے ہیں، اور طالقان (بکسر اللام) خراسان کے شہر کی طرف نسبت ہے، حافظ ابن حجر کی اصطلاح کے مطابق ان کی روایت صحیح ہوگی۔

الفضل بن موسي: ثقة۔

عبيد الله بن عبد الله العتكي: یہ ابو المنیب العتکی المروزی السنجی ہیں، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے رواۃ میں سے ہیں، امام بخاری نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: عنده مناکیر لیکن یاد رہے کہ عنده مناکیر کی اصطلاح سے راوی کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا، ہاں اگر امام بخاری یہ کہیں منکر الحدیث تو پھر راوی ضعیف ہوتا ہے، امام نسائی نے عبید اللہ العتکی کو ایک مرتبہ ضعیف کہا لیکن دوسری مرتبہ ثقہ بھی کہا ہے، امام ابوداؤدؒ نے ''لا بأس به'' کہا ہے، حاکم ابو عبید اللہ نے بھی ثقہ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں ''صدوق، یخطئ'' کہا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک ''صدوق یخطئ'' رواۃ کا پانچواں مرتبہ ہے جن کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

یہ سند حسن لذاتہ کے درجہ میں ہے:

اس سند میں کل چھ راوی ہیں:

(۱) محمد بن المثنیٰ: ثقہ ہیں، ان کی حدیث دوسرے درجہ کی صحیح لذاتہ ہے۔

(۲) ابو اسحاق الطالقانی: صدوق درجہ کے ہیں، ان کی حدیث تیسرے درجہ کی صحیح لذاتہ ہے۔

(۳) فضل بن موسیٰ: ثقہ ہیں ان کی حدیث بھی دوسرے درجہ کی صحیح لذاتہ ہے۔

(۴) عبید اللہ بن عبد اللہ عتکی ہیں: صدوق یخطئ کے درجہ میں ہیں، ان کی حدیث نمبر ایک کی حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

(۵) عبد اللہ بن بریدہ: ثقہ ہیں ان کی حدیث بھی نمبر دو کی صحیح لذاتہ ہوتی ہے۔

(۶) بریدہؓ ہیں صحابی ہیں۔

ہماری اس تفصیل اور تجزیہ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ باب کی یہ حدیث کم از کم حسن لذاتہ کے درجہ کی ہے، ورنہ تو چوں کہ اس کے شواہد موجود ہیں اس لیے یہ ترقی کر کے صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے گی، اس کو حسن کے درجہ سے نیچے اتار کر ضعیف قرار دینا دلائل کی روشنی میں غلط ہے، ناصر الدین البانی سے اس جگہ غلطی ہوئی ہے اور انھوں نے عبید اللہ العتکی

کی وجہ سے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگا دیا ہے، حالاں کہ ایک تو امام ابوداؤدؒ کا اس روایت پر سکوت اختیار کرنا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے دوسرے شواہد کا پایا جانا اور تیسرے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا ان پر صدوق کا حکم لگانا اس کی واضح علامت ہے کہ یہ روایت کم از کم حسن لذاتہ ورنہ صحیح لغیرہ کے درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث: حدیث شریف کا واضح مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز ثابت وقائم اور واجب ولازم ہے کیوں کہ اس کے اوپر ''حق'' کا اطلاق کیا گیا ہے، پس وتر پر حق کا حکم لگانا اور اس حکم کی تعمیل کو تاکید و تکرار اور شدت کے ساتھ بیان فرمانا اس کی مضبوط ترین دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، بالخصوص اس وقت وجوب اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے جب کہ دوسری روایات میں وتر کی نماز کے چھوٹنے پر اس کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے، چناں چہ سنن ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من نام عن الوتر أو نسیه فلیصل إذا ذکر و إذا استیقظ کہ جو شخص وتر کی نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اس کا پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ اس کی قضاء کرے۔ واللہ اعلم

۱۴۲۰- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي كِنَانَةَ يُدْعَى الْمَخْدَجِيَّ، سَمِعَ رَجُلًا بِالشَّامِ يُدْعَى أَبَا مُحَمَّدٍ، يَقُولُ: إِنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، قَالَ الْمَخْدَجِيُّ: فَرُحْتُ إِلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ عُبَادَةُ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ، فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ»

ترجمہ: حضرت محیریز سے روایت ہے کہ بنی کنانہ کے مخدجی نامی ایک شخص نے ابومحمد نام کے ایک شخص سے شام میں سنا تھا کہ وتر واجب ہے، مخدجی کا بیان ہے کہ میں یہ سن کر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے پاس گیا اور ان سے ابومحمد کا قول بیان کیا، حضرت عبادہ نے فرمایا: ابومحمد نے غلط کہا؛ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر صرف پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو ان کو ادا کرے گا اور ان کو غیر اہم نہ سمجھے گا تو اللہ تعالی کا اس سے وعدہ ہے کہ

۱۴۲۰- أخرجه مالك (۱/ ۱۲۳) کتاب صلاة اللیل: باب الأمر بالوتر، حدیث (۱۴)، وأحمد (۵/ ۳۱۵-۳۱۶)، والنسائي (۱/ ۲۳۰) کتاب الصلاة: باب المحافظة علی الصلوات الخمس، حدیث (۴۶۱) وابن ماجه (۱/ ۴۴۸) کتاب الصلاة: باب ما جاء في فرض الصلوات الخمس، حدیث (۱۴۰۱) والحمیدي (۱/ ۱۹۱-۱۹۲) رقم (۳۸۸) وابن أبي شیبة (۲/ ۲۹۶)، والدارمي (۱/ ۳۷۰) رقم (۱۵۷۵) وابن حبان "۲۵۲- موارد"، والبیهقي في "السنن الکبری" (۱/ ۳۶۱)، کتاب الصلاة: باب أول فرض الصلاة.

وہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور جو ان نمازوں کو ادا نہیں کرے گا اور ان کو غیر اہم سمجھے گا تو اللہ تعالی کا اس سے کوئی وعدہ نہیں ہے اگر چاہے تو (نافرمانی پر) عذاب دے گا اور چاہے گا تو (اپنی رحمت خاص سے) اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

رجال حدیث: رجلا من بني كنانة: کہا گیا ہے کہ ان کا نام رفیع تھا، فلسطین میں آباد بنو کنانہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، تابعین میں شمار ہوتا ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے، علامہ ذہبی نے کہا ہے: ''وُثِّقَ'' اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں لکھا ہے: ''مقبول'' اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک مقبول کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ راوی قلیل الحدیث ہے یعنی ان کی احادیث عموماً ایک سے دس تک ہوتی ہیں، اور ان کے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کی حدیث چھوڑی جائے، چناں چہ ایسے رجال میں سے جن کی احادیث کی متابعت کی گئی ہوتی ہے ان کو حافظ مقبول سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی حدیث نمبر دو کی حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

رجلا بالشام يدعي أبا محمد: یہ ابو محمد انصاری صحابی ہیں ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں، مشہور قول یہ ہے کہ ان کا نام مسعود بن اوس بن زید بن اصرم ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مسعود بن زید بن سبیع ہے، تیسرا قول ہے کہ قیس بن عامر ہے۔ بدری صحابہ میں ہیں، حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۳/۱۳۹۱)

تشریح حدیث: ابو محمدؓ نے لفظ واجب کو واجب ہی کے معنی میں استعمال کیا لیکن حضرت عبادہ بن صامتؓ نے واجب کو بمعنی فرض لیا اس لیے حضرت ابو محمدؓ کی طرف خطاء کا انتساب کیا ہے، درحقیقت یہ تعبیر کا اختلاف ہے؛ کیوں کہ حضرت عبادہؓ استدلال میں صلواتِ خمسہ کی فرضیت کو ذکر کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وتر کی حیثیت صلواتِ خمسہ کی طرح نہیں ہے؛ اور ظاہر بات ہے کہ صلواتِ خمسہ کی طرح تو حنفیہ بھی نہیں کہتے، بلکہ اس سے کم درجہ ہے جس کو واجب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے عدم وجوب وتر پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے صرف عدم فرضیت ثابت ہوتی ہے، یہ حدیث کتاب الصلوۃ کے شروع میں ''باب المحافظة علي الصلوات'' کے تحت گزر چکی ہے، مزید تفصیل کے لیے رجوع کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ كَمِ الْوِتْرُ؟

وتر میں رکعات کی تعداد

۱۴۲۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ

۱۴۲۱- أخرجه مسلم (۳/ ۲۸۷) نووي " كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب صلاة الليل مثنى مثنى، حديث (۱۵۵- ۷۵۳)، والنسائي (۳/ ۲۳۲) كتاب الصلاة: باب كم الوتر، حديث (۱۶۹۰)

اللَّيْلِ، فَقَالَ بِأُصْبُعَيْهِ هَكَذَا: «مَثْنَى مَثْنَى، وَالْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جو جنگل میں رہتا تھا رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کا حال دریافت کیا، آپ نے ان دو انگلیوں سے اشارہ کیا یعنی دو دو رکعتیں اور وتر کی ایک رکعت اخیر رات میں۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب کا مقصد وتر کی رکعات کی تعداد کو بیان کرنا ہے کہ وتر کی کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟ ایک رکعت یا تین یا پانچ یا سات رکعتیں؟ اور مقصد کے ثبوت میں دو حدیثوں کو نقل فرمایا ہے، پہلی حدیث میں صرف ایک رکعت کا ذکر ہے جب کہ باب کی دوسری حدیث میں ایک سے پانچ رکعت تک کا اختیار مذکور ہے۔

تشریح حدیث: ''قوله: إن رجلاً من أهل البادية'' ان صحابی کا نام معلوم نہیں ہے، ''قوله: صلوٰة الليل'' سوال کا مقصد تو تہجد کی نماز کی کیفیت معلوم کرنا تھا کہ دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے یا چار چار رکعت کر کے؟ لیکن چوں کہ وتر کی نماز بھی تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے اس لیے وتر کے مسئلہ کو بھی بیان کر دیا۔

قوله: فقال بأصبعيه: یہاں "قال" "أشار" کے معنی میں ہے، پیغمبر علیہ السلام نے دو انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی بیان کر دیا کہ آخری شب میں وتر کی ایک رکعت بھی ملا لو، احناف کے یہاں اس کا مطلب یہی ہے کہ آخری شفعہ کو ایک رکعت کے ساتھ ملا کر وتر بنا لو، نیز اس حدیث میں افضل وقت کا بیان ہے کہ آخری شب میں وتر پڑھو ورنہ تو عشاء کے بعد اوّل شب میں بھی وتر پڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ کتاب الطہارت میں حضرت عائشہؓ کی مفصل حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اوّل شب میں بھی وتر پڑھا ہے اور آخر شب میں بھی پڑھا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے ہم اولاً باب کی حدیث ثانی کی تشریح بھی نقل کر دیتے ہیں اس کے بعد ہی مسئلہ پر مفصل و مدلل گفتگو کریں گے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ باب کی یہ حدیث اوّل حضرات ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے۔

۱۴۲۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنِي قُرَيْشُ بْنُ حَيَّانَ الْعِجْلِيُّ، حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ «الْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ»

۱۴۲۲- أخرجه النسائي (۳/ ۲۳۸) كتاب قيام الليل والتطوع: باب الاختلاف على الزهري في الوتر، وابن ماجة (۱/ ۳۷۶) كتاب إقامة الصلاة: باب الوتر بثلاث وخمس، الحديث (۱۱۹۰) وابن حبان ۶۷۰- موارد"، وأحمد (۵/ ۴۱۸) الدارمي (۱/ ۳۷۱): كتاب الصلاة: باب كم الوتر،

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وتر ہر مسلمان پر واجب ہے؛ پس جو پانچ کے ذریعہ عدد کا طاق کرنا چاہے وہ پانچ رکعت پڑھے اور جو شخص تین کے ذریعہ طاق کرنا چاہے تو تین رکعت پڑھ لے، اور ایک کے ذریعہ طاق کرنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھے۔

رجال حدیث: بکر بن وائل: اتباع تابعین میں سے ہیں، ابوحاتم اور امام نسائی نے "لیس به بأس" کہا ہے، اور حاکم نے ثقہ کہا ہے، جب کہ امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "صدوق" کہا ہے، اور صدوق درجہ کے راوی کی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب تو ظاہر ہے کہ وتر کی نماز "حق" یعنی واجب ہے، اور اس میں اختیار ہے کہ آدمی اگر چاہے تو پانچ رکعت کے ساتھ وتر بنالے اور اگر چاہے تو تین رکعت کے ساتھ وتر بنالے اور اگر چاہے تو ایک رکعت کے ساتھ وتر بنالے، اب یہ روایت بظاہر احناف کے خلاف ہے؛ ہم اس کا جواب مذاہب ائمہ اور ان کے دلائل کو نقل کرنے کے بعد دیں گے۔

وتر کی رکعتوں کی تعداد:

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی نماز کی اقل تعداد ایک رکعت ہے، اور ایک رکعت کا پڑھنا ان کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، البتہ خلاف اولیٰ ہے، بلکہ الموسوعۃ الفقہیہ میں یہ نقل کیا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک ایک رکعت وتر پڑھنے کی شرط یہ ہے کہ عشاء کے بعد کوئی نفل یا سنت پڑھ لی گئی ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ایک رکعت وتر جائز ہے لیکن مع الکراہت، پھر ان دونوں ائمہ کے نزدیک تین، پانچ اور سات رکعت وتر بھی جائز ہے؛ بلکہ شافعیہ کے ایک قول میں تو وتر کی تیرہ رکعت تک جائز ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ: ۲۷/ ۲۹۳)

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت جائز تو ہے لیکن انتہائی مرجوح ہے بلکہ مؤطا مالک کی عبارت سے تو پتہ چلتا ہے کہ وتر برکعۃٍ ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے، چناں چہ موطا میں باب الامر بالوتر میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں "كان يوتر بعد العتمة بواحدة" نقل کرنے کے بعد امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: "وليس على هذا العمل عندنا ولكن أدنى الوتر ثلاث" اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک رکعت وتر پر امام مالکؒ کی رائے مستقر نہیں رہی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعت متعین ہیں اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ، دو سلاموں کے ساتھ تین رکعتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کا استدلال:

حضرات ائمہ ثلاثہ نے وتر کی ایک رکعت کے جواز پر ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن میں "أوتر

بواحدۃٍ'' کے الفاظ آئے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن ابوداوٗد وغیرہ میں ہے، ''صلاۃ اللیل مثنی مثنی فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدۃ'' اسی طرح روایات میں ''أوتر بثلاث، أوتر بخمسٍ، أوتر بسبع'' وغیرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں، جن کے ظاہر سے فائدہ اٹھا کر ان حضرات نے ایک سے لے کر سات رکعت تک وتر کی اجازت دے دی ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایک روایت کے اعتبار سے تیرہ رکعت تک کی اجازت ہے اس لیے کہ بعض روایات میں ''أوتر بإحدی عشرۃ اور أوتر بثلاث عشرۃ'' بھی آیا ہے۔

چوں کہ ان حضرات کے یہاں وتر کے سلسلہ میں بڑی وسعت ہے اس لیے ساری روایات متعارضہ کو ان کے مسلک پر منطبق کرنا آسان ہے، احناف چوں کہ اصول سے چل رہے ہیں اس لیے بعض روایات ان کے مسلک کے خلاف پڑتی ہیں جن کی توجیہ ان کے ضمن میں آجائے گی۔

حنفیہ کے دلائل:

وتر کی تین رکعتیں ہیں اور تینوں ایک سلام کے ساتھ ہیں، حنفیہ نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ادلہ سے استدلال کیا ہے۔ان میں سے بعض سے دلالۃ وتر کی تین رکعتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، (رواه البخاري: (۳/ ۱۶) في التهجد، باب كيف صلاة النبي ﷺ، ومسلم رقم (۷۳۶) و (۷۳۷) في صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ، والموطأ (۱/ ۱۲۵) و (۱۲۶) في صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ في الوتر، وأبو داؤد رقم (۱۳۳۴) و (۱۳۳۵) و (۱۳۳۶) و (۱۳۳۷) و (۱۳۳۸) و (۱۳۳۹) و (۱۳۴۰) و (۱۳۴۱) ورقم (۱۳۶۰) في الصلاة، باب صلاة الليل، والترمذي رقم (۴۳۹) و (۴۴۰) و (۴۴۱) و (۴۴۳) و (۴۴۴) و (۴۴۵) في الصلاة، باب ماجاء في وصف صلاة النبي ﷺ.

یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور اس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں تہجد سے الگ پڑھا کرتے تھے، البتہ اس میں یہ تو صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی یہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے ہوتی تھیں لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے ہوتی ہوں گی اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ اس کو بیان کر دیتیں۔

(۲) عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ، يَقْرَأُ فِي

كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" (سنن الترمذي: ۲/ ۳۲۳/ ۴۶۰)

اس حدیث میں بھی وتر کی تین ہی رکعتوں کا ذکر ہے کہ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے، دیکھئے یہاں بھی درمیان میں تسلیم کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر تین رکعتیں دو سلاموں سے ہوتیں تو ذکر ہوتا۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الوِتْرِ: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ (سنن الترمذي شاكر (۲/ ۳۲۶/ ۴۶۲)

اس حدیث میں بھی حضرت ابن عباسؓ نے تین رکعتوں کا ذکر کیا ہے، اور ہر رکعت کے بارے میں قراءت کو بھی بیان کیا ہے۔

(۴) عَنْ عَبْدِ العَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَأَلْنَا عَائِشَةَ، بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: "كَانَ يَقْرَأُ فِي الأُولَى: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَالمُعَوِّذَتَيْنِ": «وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ» (سنن الترمذي ت شاكر (۲/ ۳۲۶/ ۴۶۳)

یہ روایت بھی حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ روایات کے ہم معنی ہے کہ حضور ﷺ پہلی، دوسری اور تیسری رکعت میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ؟ قَالَتْ: «كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ، وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ، وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ، وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ، وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ» (سنن ابي داؤد (۲/ ۴۶/ ۱۳۶۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکعات تہجد کی تعداد تو بدلتی رہتی تھی لیکن وتر کی رکعات کی تعداد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام روایات وتر کی تین رکعات پر صریح ہیں، اگر چہ ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن سے وتر کی تین رکعات ہونے کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً ماقبل میں حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ گزرا ہے کہ انھوں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں رات گزاری اور پیغمبر علیہ السلام کی تہجد کی نماز کو قریب سے دیکھا تو وتر کی تین ہی رکعت بیان کی۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:

اب رہا ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تعلق تو ان کا جواب یہ ہے کہ "ایتار بر کعۃ" سے لے کر "ایتار بثلاث عشرۃ رکعۃ" تک ثابت ہے، اور یہ سب تعبیرات نماز تہجد مع وتر کے لیے استعمال کی گئی ہیں، جن میں تین رکعت وتر کی ہیں اور

بقیہ دس یا آٹھ یا چھ یا چار تہجد کی ہیں، امام ترمذیؒ نے بھی اسحاق بن راہویہ کا قول نقل کر کے اس توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں:

"معني ماروي أن النبي ﷺ كان يوتر بثلاث عشرة قال (اسحاق) إنما معناه أنه كان يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة مع الوتر فنسبت صلاة الليل إلي الوتر" (ابواب الوتر، حدیث/ ۴۵۷)

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے:

اگر وتر کی تین رکعتیں پڑھی جائیں تو دو سلام سے پڑھی جائیں یا ایک سلام سے؟ دو سلام سے پڑھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرا جائے پھر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر ایک رکعت مستقلاً پڑھ لی جائے، اور ایک سلام سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اولاً دو رکعت کے بعد تشہد پڑھی جائے اور بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا جائے، ایک سلام سے پڑھنے کی دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ تینوں رکعتیں مسلسل پڑھی جائیں، درمیان میں نہ تو تشہد ہو اور نہ ہی تسلیم ہو، گو یا یہ تین صورتیں ہو گئیں۔

پہلی صورت مالکیہ کا مسلک مختار ہے، اور شوافع وحنابلہ کے یہاں جائز ہے، دوسری صورت حنفیہ کا مذہب ہے، اگرچہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور تیسری صورت شوافع اور حنابلہ کا مسلک مختار ہے۔ (الموسوعة الفقهية: ۲۷/ ۲۹۶)

اس تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں دو سلام کے ساتھ جائز ہیں جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حضراتِ ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) "عن نافع أن عبدالله بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يأمر ببعض حاجته"

(صحيح بخاري، ابواب الوتر، باب ماجاء في الوتر: حديث/ ۲۷۳)

اس میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل منقول ہے کہ وہ وتر کی دو رکعت اور ایک ایک رکعت کے درمیان سلام کا فصل کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات اپنی کسی ضرورت کا حکم بھی دیتے تھے، امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے اس عمل سے فصل بالتسلیم کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔

نیز شرح معانی الآثار میں امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے: "أنه كان يفصل بين شفعته ووتره بتسليمة، وأخبر ابن عمر أن النبي ﷺ كان يفعل ذلك" (طحاوی، حدیث/ ۱۶۶۴)

اس میں حضرت ابن عمرؓ نے اس عمل کو پیغمبر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کے قول: ''الوتر رکعة من آخر اللیل'' سے یہ مطلب سمجھا کہ ایک رکعت منفرداً پڑھی جائے گی اور چوں کہ تین رکعت وتر بھی حضور ﷺ سے ثابت تھیں لہٰذا دونوں میں انھوں نے تطبیق اس طرح دی کہ یہ تین رکعتیں دوسلاموں کے ساتھ پڑھی جائیں گی، لہٰذا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں مروی ہے: ''یوتر بواحدة بعد صلاة العشاء لا یزید علیها حتی یقوم من جوف اللیل'' (آثار السنن: ص/۱۵۹، بحوالہ معرفة السنن للبیهقي)

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ انھوں نے بھی اپنے اجتہاد سے ایسا ہی سمجھا ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سمجھا تھا۔

حنفیہ کے دلائل:

(۱) ماقبل میں حنفیہ کی طرف سے متعدد روایات پیش کی گئی تھیں جن میں وتر کی تین رکعتوں کا صراحتاً ذکر تھا، انھیں روایات میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کا کوئی ذکر نہیں تھا جس سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تینوں رکعت ایک سلام سے ہوتی تھیں نہ کہ دو سلام سے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نقل فرمایا: ''الوتر رکعة من آخر اللیل'' (صحیح مسلم: ۱/ ۲۵۷) یہ حدیث مرفوع ہے اور صحیح ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ تہجد کے شفع کے ساتھ ایک رکعت کا اضافہ کرکے تین رکعت بنا دیا جائے نہ یہ کہ ایک رکعت منفرداً پڑھی جائے۔ چناں چہ حضرت ابن عباسؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ وہ تین رکعت کو ایک سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ موطا امام محمد میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: ''الوتر کصلوٰۃ المغرب'' اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وتر کی تین رکعات کو مغرب کی تین رکعات کی طرح ایک سلام سے پڑھنے کے قائل تھے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اکرم ﷺ کے وتر کو سب سے زیادہ جانتی ہیں اور انھوں نے حضور ﷺ کے وتر کی کیفیت کو بیان فرماتے ہوئے تثلیث کا تو ذکر کیا ہے لیکن دو سلاموں کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ سنن نسائی (۱/ ۲۴۸) میں منقول ہے: کان النبي ﷺ لا یسلم في رکعتي الوتر۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے بذاتِ خود آں حضرت ﷺ کی صلاة اللیل کا یا صلاة الوتر کا مشاہدہ کیا ہو، اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ وتر کی نماز کا مسلسل مشاہدہ کرتی تھیں۔

(۵) اگر ''ایتار برکعة واحدة'' کا وہ مطلب نہ لیا جائے جو حنفیہ نے لیا ہے تو یہ روایات اس حدیث کے

معارض ہوں گی، جس میں ہے: ''أن رسول الله ﷺ نهي عن البتيراء أن يصلي الرجل واحدة يوتر بها''
(نصب الرایہ: ۲/ ۱۲۰)

اس حدیث کی سند پر اگر چہ کلام ہے لیکن یہ متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے جس کی وجہ سے اس کا درجہ کم از کم حسن کا ہوگا۔

(۶) صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابہ داخل ہیں۔ ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں پڑھنے کے قائل ہیں، ان حضرات کی روایات وآثار مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ اور طحاوی وغیرہ میں موجود ہیں، اور حضرت عائشہؓ کی روایات تو کتب ستہ میں بھری پڑی ہیں، لہٰذا حنفیہ کی یہ توجیہ آثار صحابہ سے مؤید ہے۔

(۷) نماز مغرب کو وتر النہار کہا گیا ہے اور نماز وتر کو وتر اللیل، لہٰذا اگر اس کو مغرب پر قیاس کیا جائے تو بھی تین رکعات بسلام واحد ثابت ہوتی ہیں، سنن نسائی کبریٰ میں ہے: ''قال رسول الله ﷺ: صلاة المغرب وتر صلاة النهار''۔

البتہ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات میں وتر کے بارے میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں: لا تشبهوا بصلاة المغرب (سنن دار قطنی: ۲/ ۲۵)؟ لیکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں پر مقصد یہ ہے کہ وتر اللیل میں نماز مغرب کی طرح صرف تین رکعات پر اکتفاء نہ کرو بلکہ اس سے پہلے تہجد بھی پڑھو، کیوں کہ خود حضور اکرم ﷺ سے تین رکعات وتر کی پڑھنا روایاتِ صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے، لہٰذا ''لا تشبهوا بصلاة المغرب'' کا یہ مطلب لینا کہ صلاۃ الوتر کی رکعتیں نماز مغرب کی طرح تین نہ ہونی چاہیے کسی طرح درست نہ ہوگا۔ (فتح الملہم: ۲/ ۲۹۳)

(۸) صحابہ کرامؓ کے بعد خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں فقہاء سبعہ: سعد بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمن، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ، اور سلیمان بن یسار کے قول کے مطابق مدینہ میں وتر کی تین رکعتوں پر عمل درآمد کرایا، طحاوی میں بسند صحیح منقول ہے: ''أثبت عمر بن عبدالعزيز الوتر بالمدينة بقول الفقهاء ثلاثا لا يسلم إلا في آخرهن'' اسی وجہ سے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''أجمع المسلمون على أن الوتر ثلاث ركعات لا يسلم إلا في آخرهن'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۹۰)

اب غور کیجئے کہ ائمہ ثلاثہ جن دلائل سے وتر کی رکعتوں کے درمیان فصل بالتسلیم کو راجح قرار دے رہے ہیں ان میں فصل بالتسلیم کی تصریح نہیں ہے بلکہ وہ مبہمات کی قسم سے ہیں، جب کہ تین رکعتوں کو موصولاً پڑھنے کی بات نصوص کے ذریعہ صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور ان کی روایات حضور اکرم ﷺ کی نماز کے مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

حنفیہ نے تعارض ادلہ کے وقت وہ راستہ اختیار کیا ہے جس میں نماز کی صحت مشکوک نہ ہو اور عدم فصل کی صورت میں نماز کی

صحت میں کوئی شک کسی کے نزدیک نہیں رہتا ہے، اور فصل کی صورت میں خلاف اصول ہونے کی بناء پر مشکوک ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ

وتر میں کون کونسی سورتیں پڑھی جائیں

۱۴۲۳- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ الْأَبَّارُ، ح وحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَنَسٍ، وَهَذَا لَفْظُهُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ طَلْحَةَ، وَزُبَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَ {قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا} [آل عمران: ۱۲]، وَاللَّهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ".

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں " سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" اور دوسری رکعت میں " قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللهُ أَحَد پڑھتے۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب کا مقصد نماز وتر کی قراءتِ مسنون کو بیان کرنا ہے کہ وتر کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں؟

رجال حدیث: أبو حفص الأبار: یہ عمرو بن عبد الرحمن کوفی ہیں، اور ''أبار'' نسبت ہے۔ ''إبرة'' کی طرف بمعنی سوئی فروش، صدوق درجہ کے راوی ہیں، ماقبل میں ان کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

سند کے باقی رواۃ ثقہ درجہ کے ہیں؛ اسی وجہ سے اس حدیث کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا عمل نقل کیا کہ آپ ﷺ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے، اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ''اعلیٰ'' دوسری رکعت میں سورۂ ''کافرون'' اور تیسری رکعت میں سورۂ ''اخلاص'' پڑھا کرتے تھے، روایت میں: اللہ الواحد الصمد سے مراد سورۂ اخلاص ہی ہے۔

صاحبِ منہلؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہوا کرتی تھیں، چوں کہ سنن نسائی میں یہ حدیث: قتادة عن عروة عن سعيد بن عبد الرحمن کے طریق سے آئی ہے اسمیں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ اخیر میں سلام پھیرتے تھے درمیان میں سلام نہ پھیرتے تھے: ''ولا يسلم إلا في آخرهن'' (المنهل العذب المورود: ۸/ ۵۲)

۱۴۲۳- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى، أبواب صلاة التطوع باب مايقرء في الوتر بعد الفاتحة، حديث / ۴۸۵۵، والنسائي (۳/ ۲۳۵) قيام الليل، باب ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي بن كعب في الوتر، وباب نوع آخر من القراءة في الوتر، وهو حديث صحيح.

فقه الحديث: حدیث کے پیش نظر حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتوں میں مذکورہ تین سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

۱۴۲۴-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا خُصَيْفٌ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، قَالَ: وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ.

ترجمه: حضرت عبدالعزیز بن جریج سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے بھی حدیث بالا کی طرح بیان کیا؛ مگر یہ کہا کہ تیسری رکعت میں آپ قُل هو الله أحد اور معوذتین پڑھتے تھے۔

رجال حديث: خُصَیف: یہ خصیف بن عبدالرحمن جذری اموی ہیں صغار تابعین میں سے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو تقریب التہذیب میں ”صدوق سیء الحفظ خلط بأخرة“ لکھا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے بھی الکاشف میں یہی لکھا ہے۔

عبدالعزیز بن جریج: یہ ابن جریج کی ہیں، بخاری، عقیلی نے تو: ”لایتابع علی حدیثه“ کہا ہے اور امام دار قطنیؒ نے مجہول کہا ہے اور ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے لیکن یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ان کا سماع نہیں ہے اسی وجہ سے ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو لین الحدیث قرار دیا ہے، سنن اربعہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

تشریح حديث: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو عبدالعزیز بن جریج نقل کر رہے ہیں اور اس میں انھوں نے وتر کی آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کے بعد معوذتین کا پڑھنا بھی نقل کیا ہے، جب کہ حضرت عائشہؓ کی مشہور روایات میں سورۂ اخلاص کے بعد معوذتین کا ذکر نہیں ہے، جیسا کہ امام مسلمؒ نے بھی حضرت عائشہؓ کی حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس میں بھی معوذتین کا ذکر نہیں ہے۔

اب اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ نے معوذتین بھی پڑھ لی ہوں گی تو اس میں آپ ﷺ کے کبھی کبھی پڑھنے کا ہی بیان ہے اور دیگر احادیث میں آپ ﷺ کا معمول اکثری ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باب ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں عبدالعزیز بن جریج اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کوئی واسطہ مذکور نہیں ہے، حالاں کہ عبدالعزیز کا حضرت عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں، معلوم ہوا کہ سند میں انقطاع ہے جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہوگی، اگر چہ صاحب

۱۴۲۴-أخرجه الترمذي (۲/ ۳۲۶): أبواب الصلاة: باب ما جاء فيما يقرأ به في الوتر، (۴۶۳)، وابن ماجة (۱/ ۳۷۱) كتاب إقامة الصلاة: باب ما جاء في يقرأ في الوتر، (۱۱۷۳) وقال الترمذي: حسن غريب.

منہل ؒ نے اس روایت کے مؤیدات ذکر کیے ہیں، لیکن جتنے بھی مؤیدات نقل فرمائے ہیں، وہ خود ضعیف ہیں۔

فقہ الحدیث: حضرات ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالک ؒ اور حضرت امام شافعی ؒ کا حدیث باب کی وجہ سے مسلک یہ ہے کہ وتر کی آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین کا پڑھنا بھی مستحب ہے جب کہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی آخری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص کا پڑھنا مستحب ہے، چناں چہ فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب درمختار میں لکھا ہے: زيادة المعوذتين لم يخترها الجمهور، قال ابن عابدين: أنكرها الإمام أحمد وابن معين ولم يخترها أكثر أهل العلم كما ذكره الترمذي۔ (درمختار: ۱/ ۴۴۱)

اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کے کبھی کبھی کے معمول میں وتر کی ہر رکعت میں تین تین سورتوں کا پڑھنا بھی مذکور ہے، چناں چہ محمد بن نصر نے حضرت علی ؓ کی روایت نقل کی ہے: ”أن النبي ﷺ كان يوتر بتسع سور، في الأولى: ألهاكم التكاثر وإنا أنزلناه في ليلة القدر، وإذا أنزلت، وفي الثانية: والعصر، وإذا جاء نصر الله والفتح، وإنا أعطيناك الكوثر، وفي الثالثة: قل يا ايها الكافرون، وتبت يدا ابي لهب، وقل هو الله أحد“ (مختصر قیام اللیل للمروزی: ۱/ ۳۰۳)

بَابُ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ

وتر میں قنوت پڑھنے کا بیان

۱۴۲۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ الْحَنَفِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ، قَالَ: قَالَ الْحَسَنُ بْنُ

۱۴۲۵- أخرجه أحمد (۱/ ۱۹۹) والدارمي (۱/ ۳۷۳-۳۷۴): كتاب الصلاة: باب الدعاء في القنوت، والترمذي (۲/ ۳۲۸) كتاب الصلاة: باب ما جاء في قنوت الوتر، الحديث (۴۶۴) والنسائي (۳/ ۲۴۸) كتاب قيام الليل: باب الدعاء في الوتر، وابن ماجة (۱/ ۳۷۲) كتاب إقامة الصلاة: باب ما جاء في قنوت الوتر، الحديث (۱۱۷۸) وابن الجارود (۱/ ۱۰۳) كتاب الصلاة: باب قنوت الوتر، الحديث (۲۷۲) والحاكم (۳/ ۱۹۲) وابن خزيمة (۲/ ۱۵۱-۱۵۲) رقم (۱۰۹۵) والطبراني في "المعجم الكبير" (۳/ ۱۷۵-۱۷۶) رقم (۲۷۰۸) وأبو نعيم (۹/ ۳۲۱) وأبو يعلى برقم (۶۷۶۲) وابن حبان (۵۱۲) - "موارد"، كلهم من رواية ابن ابي إسحاق، عن بريد بن أبي مريم، عن أبي الجوزاء، عن الحسن قال: "علمني رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كلمات اقولهن في صلاة الوتر، "اللهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت فإنك تقضي ولا يقضى عليك، إنه لا يذل من واليت، تباركت ربنا وتعاليت".

وقال الترمذي: هذا حديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه ولا نعرف عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في القنوت في الوتر شيئاً احسن من هذا" ا.هـ. وصححه ابن خزيمة وابن حبان، وصحح سنده النووي في "الأذكار" ص ۸۹".

عَلِيٍّ رَضِيَ عَنْهُمَا: عَلَّمَنِي رَسُولُ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي الْوِتْرِ، - قَالَ ابْنُ جَوَّاسٍ: فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ: - «اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ».

ترجمہ: حضرت حسن بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو چند کلمات سکھائے جن کو وتر میں پڑھا کرتا ہوں ابن جواس نے کہا: وتر کے قنوت میں وہ کلمات یہ ہیں: «اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ». اے اللہ! جن لوگوں کو آپ نے ہدایت یافتہ بنایا ہے (یعنی انبیاء اور اولیاء) مجھ کو بھی ہدایت دے کر ان میں شامل فرما، جن لوگوں کو تو نے عافیت عطا فرمائی ہے مجھے بھی عافیت عطا فرما کر ان میں شامل فرما جن لوگوں کا تو والی اور کارساز بنا میرا بھی کارساز بن کر مجھے ان میں شامل فرما، جو تو نے مجھے عنایت کیا ہے (یعنی عمر، علم، عزت، اعمال خیر، مال) اس میں برکت عطا فرما، جو کچھ تو نے مقدر کیا اس کے شر سے مجھے بچا بیشک تو جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور تیرے مقابلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، بے شک تو جس کا والی اور کارساز بنا وہ بے عزت نہیں ہو سکتا، اے ہمارے پروردگار! تو برکت والا ہے اور تو ہی بلند و برتر ہے۔

مقصد ترجمہ: جاننا چاہیے کہ قنوت کی دو قسمیں ہیں: ایک قنوتِ دائمی اور دوسری قنوت نازلہ، قنوت دائمی کا تعلق وتر کی نماز سے ہے، اور قنوت نازلہ کا تعلق فرض نماز سے ہے، یہاں ترجمۃ الباب سے مصنفؒ کا مقصود قنوتِ دائمی کو بیان کرنا ہے، اسی لیے ''باب القنوت في الصلوات'' کا عنوان قائم کیا ہے، ہم بھی یہاں پر قنوتِ وتر کے متعلقہ مباحث ہی نقل کریں گے، قنوتِ نازلہ کے تعلق سے ''باب القنوت في الصلوات'' کے تحت گفتگو کریں گے۔

قنوت کی تعریف:

قنوت کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں: مثلاً: (۱) اطاعت، جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے: لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ (سورۂ بقرہ: آیت/ ۱۱۶)

(۲) صلاۃ، جیسا کہ یٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ (سورۂ آل عمران: آیت/ ۴۳)

(۳) طولِ قیام، جیسا کہ حدیث میں ہے: أفضل الصلاة طول القنوت'' أی طول القیام (مسلم: ۱/ ۵۲۰)

(۴) سکوت جیسا کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ أی ساکتین (سورۂ بقرہ آیت/۲۳۸)

(۵) دعاء، اور زیادہ مشہور معنی یہی ہیں، چناں چہ زجاج فرماتے ہیں: المشهور في اللغة أن القنوتَ الدعاءُ، وأن القانت الداعي، وحكى النووي أن القنوت يطلق على الدعاء بخير وشر (الموسوعة الفقهيه الكويتيه: ۵۷/۳۴)

اور حضرات فقہاء کی اصطلاح میں قنوت کہتے ہیں: نماز کے مخصوص قیام میں دعاء کا پڑھنا، ابن عسلان فرماتے ہیں: القنوت عند أهل الشرع اسم للدعاء في الصلاة في محل مخصوص من القيام. (حوالہ سابقہ)

مسئلہ: قنوتِ وتر پورے سال ہے یا صرف رمضان میں؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پورے سال وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا قنوت کا پڑھنا واجب ہے، چناں چہ حنفیہ کے نزدیک جب نمازی وتر کی تیسری رکعت میں قراءت سے فارغ ہوگا تو دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر "اللہ اکبر" کہہ کر نیت باندھ لے گا اور پھر دعاء قنوت پڑھے گا۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۳)

حضرت امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وتر میں قنوت مکروہ ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ صرف رمضان کے نصف آخر میں دعا قنوت مشروع ہے۔ (الکافی لابن عبدالبر: ص/ ۷۴)

حضرت امام شافعیؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ رمضان کے نصف اخیر میں تو قنوت فی الوتر مستحب ہے، جب کہ غیر مشہور روایت یہ ہے کہ پورے سال بھی قنوت فی الوتر مشروع ہے۔ (شرح المہذب: ۴/ ۱۵)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پورے سال قنوت فی الوتر سنت ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۵۸۰)

خلاصہ مذاہب کا یہ نکلا کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قنوت فی الوتر پورے سال ہے اور مالکیہ وشوافع کے نزدیک رمضان کے نصف اخیر میں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل:

(۱) حدیث باب سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو قنوت فی الوتر کا حکم فرمایا اور اس کی تعلیم فرمائی، اور اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی قید نہیں ہے۔

(۲) مجمع الزوائد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پورے سال قنوت فی الوتر منقول ہے: عن النخعي أن ابن مسعود كان يقنت السنة كلها في الوتر (مجمع الزوائد: ۲/ ۲۴۴)

شافعیہ اور مالکیہ کے دلائل:

ان حضرات کا استدلال حضرت علیؓ کے اثر سے ہے جس کو امام ترمذیؒ نے تعلیقاً نقل فرمایا ہے: أنه كان لا يقنت إلا في النصف الآخر من رمضان۔ (سنن ترمذی: ۱/ ۸۷)

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قنوت سے مراد قیام طویل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ رمضان کے آخر میں جس قدر طویل قیام فرماتے تھے اتنا عام دنوں میں نہیں فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

مسئلہ: قنوت وتر قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محل قنوت وتر کی تیسری رکعت قراءت کے بعد رکوع سے پہلے ہے۔ (مجمع الانہر: ۱/ ۱۲۸)
حضرت امام مالکؒ کے مشہور قول میں تو قنوت فی الوتر مشروع ہی نہیں ہے تو پھر محل قنوت کی بحث ہی نہ ہوگی۔
اور حضرت امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قنوتِ وتر کا محل بعد الرکوع ہے۔ (شرح المہذب: ۴/ ۱۵)

حنفیہ کے دلائل:

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ان کے شاگرد حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں: أن ابن مسعود وأصحاب النبي ﷺ كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۹۷/ ۶۹۱۱) علامہ ہیثمی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں حضرت اُبی بن کعبؓ کی حدیث ہے: ”أن رسول الله ﷺ كان يوتر فيقنت قبل الركوع“ (سنن ابن ماجہ: ۱/ ۷۴/ ۳/ ۱۱۸۲) اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، شیخ البانی نے اسی وجہ سے اس کی تصحیح کی ہے نیز امام نسائیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے دلائل

ان حضرات کا استدلال حضرت علیؓ کے اثر سے ہے جس کو سنن ترمذی میں نقل کیا گیا ہے، أنه كان لا يقنت إلا في النصف الآخر من رمضان وكان يقنت بعد الركوع. (سنن ترمذی: ۱/ ۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا اپنا اجتہاد ہو جس کا ماخذ یہ ہو کہ انھوں نے آں حضرت ﷺ کو

قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے ہوئے دیکھا ہوتو اسی پر قنوتِ وتر کو قیاس کرلیا اور قنوتِ نازلہ میں احناف بھی بعد الرکوع کے قائل ہیں۔

مسئلہ: کون سا قنوت (دعاء) افضل ہے:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قنوت وتر میں یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: **اللهمَ إنّا نَستعينك، ونستغفرك، ونؤمن بك، ونتوكّل عليك، ونثني عليكَ الخيرَ ونشكرُك ولا نَكفُرك، ونَخلعُ ونَترُك مَن يَفجرُك،** یہاں تک کی دعا سورۂ فلق کہلاتی ہے، اور اس کے آگے کی دعا سورۃ الحفد کہلاتی ہے۔ **اللهمَ إيّاكَ نَعْبد، ولَك نُصلّي ونَسجد، وإليكَ نَسعي ونَحفِد، نَرجو رَحمَتك، ونَخشى عَذابك، إنَ عذابَكَ الجِدَّ بالكُفّارِ مُلحِق۔** (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۳۱۵، مصنف عبدالرزاق: حدیث/ ۴۹۶۹) یہ دعا متعدد صحابہ سے مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے، بلکہ اس دعا کو قرآن کریم کی دو سورتیں کہا گیا ہے، جو منسوخ التلاوۃ ہیں لیکن بطور دعا کا پڑھنا ثابت ہے، اس سلسلہ میں شیخ ابو یعلی البیضاوی کا مستقل رسالہ ہے، جس کا نام ہے: تحفة الوفد بما ورد في سورتي الخلع والحفد اس رسالہ میں انھوں نے اس دعا قنوت کے بارے میں تین صحابہ:

(۱) حضرت علی ابن ابی طالبؓ (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(۳) حضرت خالد بن ابی عمرانؓ

کی احادیث کو مرفوعاً نقل فرمایا ہے، اور آٹھ صحابہ:

(۱) حضرت عمر بن الخطابؓ (۲) حضرت عثمان بن عفانؓ

(۳) حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(۵) حضرت ابن ابی بن کعبؓ (۶) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۸) حضرت انس بن مالکؓ

کی روایات کو موقوفاً نقل فرمایا ہے، اس کے علاوہ دس تابعین:

(۱) ابراہیم بن یزید نخعی (۲) امیہ بن عبداللہ

(۳) حسن بن ابی الحسن بصری (۴) سعید بن المسیب

(۵) سفیان بن سعید ثوری (۶) طاؤس بن کیسان

(۷) عطا بن ابی رباح (۸) محمد بن مسلم زہری

(۹) مکحول الشامی (۱۰) عبد الملک بن جریج مکی

کی موقوف روایات کو نقل فرمایا ہے، ان تمام مرفوعات وموقوفات سے اس دعا کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اسی وجہ سے احناف نے قنوتِ وتر کے سلسلہ میں اس دعا کو اختیار فرمایا ہے، ہم افادہ کی غرض سے مذکورہ صحابہ اور تابعین کے آثار مع مرفوعات کے نقل کر دیتے ہیں، اگر چہ ان کے مع حوالہ نقل کرنے میں طوالت ہوگی لیکن چوں کہ اہل علم کے لیے مفید ثابت ہوگا اس لیے ہم ان کو مع حوالہ کتب نقل کر دیتے ہیں۔

- الأحاديث المرفوعة

[ا/ا] أما حديث (علي بن أبي طالب) المرفوع

- فأخرجه الحافظ الكبير (أبو القاسم الطبراني) في كتابه (الدعاء)[1] (۲۳۸/۱، رقم (۷۵۰) قال:

حدثنا محمد بن عثمان بن أبي شيبة، ثنا عباد بن يعقوب الأسدي، ثنا يحيى بن يعلى الأسلمي، عن ابن لهيعة، عن عبد الله بن هبيرة، عن عبد الله بن زرير[2] قال: (قال لي عبد الملك بن مروان: ما حملك على حب أبي تراب إلا أنك أعرابي جاف؟ فقلت: والله لقد قرأت القرآن قبل أن يجتمع أبويك، لقد علمني سورتين علمهما إياه رسول الله، ما علمتهما أنت ولا أبوك.

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك. اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، الجد إن عذابك بالكفار ملحق

اللهم عذب كفرة أهل الكتاب، والمشركين الذين يصدون عن سبيلك، ويجحدون آياتك، ويكذبون رسلك، ويتعدون حدودك، ويدعون معك إلها آخر، لا إله إلا أنت، تباركت وتعاليت عما يقول الظالمون علوا كبيرا))

- قال الحافظ (ابن حجر العسقلاني) في كتابه (نتائج الأفكار في أمالي الأذكار)[3] (۱۶۰/۲)

هذا حديث غريب، وعبد الله بن زرير صدوق، وأبوه (بزاي وراء مصغر)، وابن هبيرة اسمه عبد الله

(۱) طبع في دار الكتب العلمية بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا في مجلد

(۲) عبد الله بن زرير الغافقي المصري ثقة رمي بالتشيع من الثانية مات سنة ثمانين أو بعدها قاله في التقريب

(۳) هي أمالي حديثية أملاها الحافظ على كتاب الأذكار للنووي أملى منها (۶۶۰) مجلسا وأتمه تلميذه السخاوي ولم يكمله أيضا وقد طبع منها (۲۸۵) مجلسا في دار ابن كثير بتحقيق حمدي السلفي في ثلاث مجلدات ثم أعيد طبعه في العلمية في مجلدين بتحقيق أخر

صدوق، وابن لهيعة اسمه عبد الله وهو صدوق، ضعيف من قبل حفظه، ويحيى [۴] الراوي عنه من أقرانه، وهو ضعيف، وعباد صدوق أخرج له البخاري لكنه منسوب إلى الرفض

- وأخرج (محمد بن نصر المروزي) [۵] من طريق يزيد بن أبي حبيب، عن عبد الله بن زرير بعض هذا الحديث، لكن موقوفا، وجعل القصة مع عبد العزيز بن مروان، فإن كان الأول محفوظا حمل على أنه جرى له مع كل منهما، والثاني أشبه لأنه مصري، وكان عبد العزيز أمير مصر. انتهى

[۲/۲] حديث (عبد الله بن مسعود) المرفوع

- عزاه (السيوطي) في (الدر المنثور في التفسير بالمأثور) (۶/۶۹۷) لمحمد بن نصر المروزي [۶]

عن عطاء بن السائب قال:

كان أبو عبد الرحمن يقرئنا:

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونؤمن بك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، الجد إن عذابك بالكفار ملحق

وزعم أبو عبد الرحمن أن ابن مسعود كان يقرئهم إياها، ويزعم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقرئهم إياها)

---

(۴) قال في (التقريب): شيعي ضعيف

(۵) لعله يقصد بذلك أحد كتبه الثلاثة (مختصر قيام الليل) و(قيام رمضان) (الوتر) وقد اختصرها العلامة المؤرخ (تقي الدين المقريزي) لمتوفى سنة ۸۴۵هـ، وقد حذف منه المكرر من الأحاديث والآثار، وحذف أسانيد الآثار، وقد طبعت في مجموع بمطبعة رفالاهور الهند ۱۳۲۰هـ، وصورت في دار عالم الكتب بيروت ۱۴۰۳هـ، ثم في دار الكتب العلمية، وهناك طبعات مفردة لكل كتاب

وأثر عبد الله بن زرير الذي أشار إليه الحافظ لا يوجد في المطبوع من هذه الكتب ولا في كتابه الآخر (تعظيم قدر الصلاة)

ومحمد بن نصر هو شيخ الإسلام أبو عبد الله المروزي الفقيه، ولد سنة ۲۰۲هـ، وبرع في هذا الشأن، وكان من أعلم الناس باختلاف الصحابة ومن بعدهم في الأحكام، قال الحاكم: إمام أهل الحديث في عصره بلا مدافعة، له كتاب الصلاة، وكتاب القسامة، وغير ذلك، قال ابن حزم: أعلم الناس من كان أجمعهم للسنن وأضبطهم لها وأذكرهم لمعانيها وأدراهم بصحتها وبما أجمع عليه الناس مما اختلفوا فيه إلى أن قال وما نعلم هذه الصفة بعد الصحابة أتم منها في محمد بن نصر فلو قال قائل ليس لرسول الله حديث ولا لأصحابه سنة إلا وهو عند محمد بن نصر لما بعد عن الصدق، مات في محرم سنة ۲۹۴هـ. اهـ (طبقات الحفاظ) للسيوطي ترجمة (۶۵۰)

(۶)- لم أره في المطبوع من كتاب (الوتر)

- قلت: عطاء بن السائب قال الحافظ في (التقريب): صدوق اختلط، والسند غير موجود حتى ينظر في الراوي عنه هل هو ممن ذكر العلماء انه اخذ عن عطاء قبل اختلاطه أم بعده.

[۳/۳] واما حديث (خالد بن أبي عمران التجيبي) المرسل [۷]

- فأخرجه الحافظ (أبو داود السجستاني) في كتاب (المراسيل) برقم (۸۹) قال: حدثنا سليمان بن داود، حدثنا ابن وهب، أخبرني معاوية بن صالح، عن عبد القاهر، عن خالد بن أبي عمران قال:

(بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو على مضر، إذ جاءه جبريل، فأومأ إليه أن اسكت، فسكت، فقال: يا محمد، إن الله لم يبعثك سبابا، ولا لعانا، وإنما بعثك رحمة، ولم يبعثك عذابا، {ليس لك من الأمر شيء، أو يتوب عليهم، أو يعذبهم فإنهم ظالمون} (آل عمران: ۱۲۸)

قال ثم علمه هذا القنوت: اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونؤمن بك، ونخضع لك، ونخلع ونترك من يكفرك،

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، واليك نسعى ونحفد)

- وأخرجه أيضا الحافظ (أبو بكر البيهقي) في (سننه الكبرى) (۲/ ۲۱۰، رقم: ۳۱۴۲) وقال: هذا مرسل، وقد روي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه صحيحا موصولا. انتهى

- وأخرجه الفقيه العلامة (سحنون المالكي) [۸] في ((المدونة)) من طريق عبد الله بن وهب (۱/ ۱۰۳)

- وكذلك أخرجه الحافظ (أبو بكر محمد بن موسى الحازمي الهمذاني) [۹] في كتابه (الاعتبار في

---

(۷) هو أبو عمر قاضي إفريقية قال الحافظ في التقريب: فقيه صدوق من الخامسة مات سنة خمس ويقال تسع وعشرين اخرج له مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي.

(۸) سحنون: هو أبو سعيد عبد السلام بن سعيد التنوخي الملقب بسحنون الفقيه المالكي قرأ على ابن القاسم وولي القضاء بالقيروان وعلى قوله المعول بالمغرب وصنف كتاب المدونة في مذهب الإمام مالك وابن وهب وأشهب ثم انتهت الرياسة في العلم بالمغرب إليه توفي سنه ۲۴۰ ولقب سحنون باسم طائر حديد بالمغرب يسمونه سحنونا لحدة ذهنه وذكائه ذكر ذلك أبو العرب في كتاب طبقات من كان بإفريقية من العلماء/ (وفيات الأعيان) (۳/ ۱۸۰)

(۹) الحازمي هو الإمام الحافظ البارع النسابة أبو بكر محمد بن موسى بن عثمان بن حازم الهمذاني صنف وجود وتفقه في مذهب الشافعي وجالس العلماء وصار من أحفظ الناس للحديث وأسانيده ورجاله مع زهد وتعبد صنف عجالة المبتدئ في الأنساب والمؤتلف والمختلف في أسماء البلدان والناسخ والمنسوخ وأملى أحاديث المهذب وأسندها ولم يتمها وكان الحافظ أبو موسى يفضله على عبد الغني المقدسي ويقول ما رأيت شابا أحفظ منه.

طبقات الحفاظ للسيوطي ترجمة (۱۰۷۱) بتصرف

الناسخ والمنسوخ من الآثار)(ص ٦۴) من طريق أبي داود وقال : هذا مرسل أخرجه أبو داود في ((المراسيل))، وهو حسن في المتابعات

- قال الحافظ (ابن حجر) في (أمالي الأذكار)(۲/ ١٦١): خالد من صغار التابعين و عبد القاهر ما وجدت عنه راويا إلا معاوية بن صالح، وقد ذكره ابن حبان في الثقات. انتهى
- أقول: و معاوية بن صالح هو ابن حدير الحمصي، قاضي الأندلس، قال الحافظ في (التقريب): صدوق له أوهام

[۳/ ١] أثر (عمر بن الخطاب)، ورد عنه من ثمان طرق:

(١) الأول: عن (عبدالله بن عباس الهاشمي)

- أخرجه (أبو جعفر الطحاوي) في (شرح معاني الآثار) (١/ ٢٥٠) قال أبو بكرة، قال ثنا وهب بن جرير، قال ثنا شعبة، عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس، عن عمر رضي الله:

(أنه كان يقنت في صلاة الصبح بسورتين، اللهم إنا نستعينك...، واللهم إياك نعبد...).

- وأخرجه (عبدالرزاق) في (المصنف) (۲۹۷۲) عن رجل عن شعبة به...

بلفظ: (أن عمر كان يقنت بسورتين)

- وأخرجه أيضا (۴۹۷۸) من طريق الحكم، وأخبرني طاووس أنه سمع ابن عباس يقول:

(قنت عمر ؓ قبل الركعة بهاتين السورتين)

إلا أنه قدم التي أخر علي، وأخر التي قدم علي، والقول سواء، وهو طرف من أثر علي الآتي (رقم ٦)

- وأخرجه الحافظ (أبو جعفر محمد بن جرير الطبري) في كتابه ((تهذيب الآثار)) [١٠] (٢/ ٢، رقم/

(١٠) كتاب (تهذيب الآثار) كتاب عظيم أثنى عليه العلماء قال الخطيب البغدادي: لم أر سواه في معناه ولم يتمه، قال أبو محمد الفرغاني: ابتدأ بتصنيف كتاب تهذيب الآثار وهو من عجائب كتبه ابتداء بما أسنده الصديق مما صح عنده سنده وتكلم على كل حديث منه بعلله وطرقه ثم فقهه واختلاف العلماء وحججهم وما فيه من المعاني والغريب والرد على الملحدين فتم منه مسند العشرة وأهل البيت والموالي وبعض مسند ابن عباس فمات قبل تمامه قال الذهبي: قلت هذا لو تم لكان يجيء في مائة مجلد. انتهى بتصرف من السير (١۴/ ٢٧٣)

وقد طبع الموجود من هذا السفر القيم في ثلاث مجلدات بتحقيق الاستاذ محمود شاكر أخو أبي الأشبال المحدث المشهور رحمه الله ويحتوي على مسند علي وعمر ابن عباس رضي الله عنهم، ثم أعيد طبعه في مطابع الصفا بمكة بتحقيق د. ناصر بن سعد الرشيد وعبد القيوم عبد رب النبي، وطبع مجلد اخر منه بدار المأمون للتراث بتحقيق علي رضا ويتضمن مسند عبد الرحمن بن عوف وطلحة والزبير

۱۰۱۷، و۱۰۱۸، و۱۰۱۹، و۱۰۲۰، و۱۰۲۱، و۱۰۸۱، و۱۰۸۲، و۱۰۸۳، و۱۰۹۱)

من طرق عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس به

- وعزاه (السيوطي) في (الدر المنثور) (۸۲۹۶) لمحمد بن نصر المروزي [۱۱]

۲-الطريق الثاني: عن (عبيد بن عمير) عنه [۱۲]

- أخرجه (عبد الرزاق الصنعاني) في (مصنفه) (۴۹۶۹) عن ابن جريج قال أخبرني عطاء:

(أنه سمع عبيد بن عمير يأثر عن عمر بن الخطاب في القنوت أنه كان يقول:

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، وألف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوك وعدوهم

اللهم العن كفرة أهل الكتاب الذين يكذبون رسلك، ويقاتلون أولياءك، اللهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل بهم بأسك الذي لا ترده عن القوم المجرمين

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إنا نستعينك ونستغفرك، ونثني عليك ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى و نحفد، نرجو رحمتك ونخاف عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق

قال وسمعت عبيد بن عمير يقول: القنوت قبل الركعة الآخرة من الصبح، وذكر أنه بلغه أنهما سورتان من القرآن في مصحف ابن مسعود، وأنه يوتر بهما كل ليلة، وذكر أنه يجهر بالقنوت في الصبح

قلت: فإنك تكره الاستغفار في المكتوبة فهذا عمر قد استغفر، قال: قد فرغ هو في الدعاء في آخرها.

- وأخرجه أيضا (ابن أبي شيبة) في (مصنفه) (۷۰۲۷، و۷۰۳۱، و۲۹۷۱۴، و۲۹۷۱۹)
- و(محمد بن نصر المروزي) في (صلاة الوتر) (رقم ۲۹۲)
- و(الطحاوي) في (معاني الآثار) (۱/ ۲۴۹/ رقم ۱۴۷۵)
- و(البيهقي) في (سننه الكبرى) (۲/ ۲۱۰، رقم ۳۱۴۳)
- و(ابن جرير) في (تهذيب الآثار) (۲/ ۲۳، رقم ۱۰۹۲)

(۱۱) أثر عمر في كتاب (الوتر) المطبوع (۲۹۱) بدون ذكر ابن عباس

(۱۲) عبيد بن عمير بن قتادة الليثي أبو عاصم المكي ولد على عهد النبي صلى الله عليه وسلم قاله مسلم وعده غيره في كبار التابعين وكان قاص أهل مكة مجمع على ثقته مات قبل ابن عمر. قاله في (التقريب)

- قال الحافظ (ابن حجر) في (الأمالي) (۲-۱۵۸) هذا موقوف صحيح. انتهى
- قال العلامة (أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين الألباني) رحمه الله في (إرواء الغليل تخريج منار السبيل) (۱۷۰/۲) هذا إسناد رجاله كلهم رجال الشيخين، ولو لا عنعنة ابن جريج لكان حريا بالصحة.

۳-الطريق الثالث عن (عبد الرحمن بن ابزى) عنه[۱۳]

- أخرجه (البيهقي) في (سننه) (۲/ ۲۱۱، رقم ۳۱۴۴) قال: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، أنبأ العباس بن الوليد، أخبرني أبي، ثنا الأوزاعي، حدثني عبدة بن أبي لبابة، عن سعيد بن عبد الرحمن بن أبزى، عن أبيه قال:

صليت خلف عمر بن الخطاب صلاة الصبح، فسمعته يقول بعد القراءة قبل الركوع:

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد. وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكافرين مُلحق

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونؤمن بك، ونخضع لك، ونخلع من يكفرك

قال (البيهقي): كذا قال (قبل الركوع) وهو وإن كان إسنادا صحيحا فمن روى عن عمر قنوته بعد الركوع أكثر، فقد رواه أبو رافع وعبيد بن عمير، وأبو عثمان النهدي، وزيد بن وهب، والعدد أولى بالحفظ من الواحد، وفي حسن سياق عبيد بن عمير للحديث دلالة على حفظه، وحفظ من حفظ عنه. انتهى

- قال الشيخ (الألباني) رحمه الله في (الإرواء) (۱٦٥/۲) إسناده صحيح.
- وأخرجه (ابن أبي شيبة) في (المصنف) (۷۰۲۸) قال: حدثنا هشيم، قال: أخبرنا حصين، عن ذر، عن سعيد به

ولفظه: (أنه صلى خلف عمر فصنع مثل ذلك) (أي مثل رواية عبيد عنده (۷۰۲۷)

- وأخرجه (الطحاوي) في (شرح المعاني) (۱/ ۲۵۰ رقم ۱۴۷٦) ثنا صالح، ثنا سعيد، أنا حصين، عن ذر بن عبد الله الهمذاني، عن سعيد به...
- وأخرجه (ابن جرير الطبري) في (تهذيب الآثار) (۲۲۲، رقم ۱۰۸۹) قال: ثنا ابن حميد، قال ثنا هارون، عن عنبسة، عن أبي إسحاق، عن عبد الرحمن به...

(۱۳)-صحابي صغير وكان في عهد عمر رجلا وكان على خراسان لعلي۔

- وعزاه (السيوطي) في (الدر المنثور) (٦/ ٦٩٥) لابن الضريس [١٤]

٤- الطريق الرابع: عن (أبي رافع) عنه [١٥]

- أخرجه (عبد الرزاق) في (مصنفه) (٣/ ١١٠، رقم ٤٩٦٨) عن معمر، عن علي بن زيد بن جدعان [١٦]، عن أبي رافع قال:

صليت خلف عمر بن الخطاب الصبح، فقنت بعد الركوع، قال فسمعته يقول:

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك ولا نكفرك، ونؤمن بك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك، ونخاف عذابك، إن عذابك بالكافرين ملحق

اللهم عذب الكفرة، وألق في قلوبهم الرعب، وخالف بين كلمتهم، وأنزل عليهم رجزك وعذابك، اللهم عذب الكفرة أهل الكتاب، الذين يصدون عن سبيلك، ويكذبون رسلك، ويقاتلون أوليائك

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، وأصلح ذات بينهم، وألف بين قلوبهم، واجعل في قلوبهم الإيمان والحكمة، وثبتهم على ملة نبيك، وأوزعهم أن يوفوا بالعهد الذي عاهدتهم عليه، وانصرهم على عدوك وعدوهم، إله الحق، واجعلنا منهم

قال عبد الرزاق: ولو كنت إماما قلت هذا القول، ثم قلت: اللهم اهدنا فيمن هديتى

- قال الحافظ في (الأمالي) (٢/ ١٦١) أخرجه عبد الرزاق بسند حسن
- وأخرجه أيضا (محمد بن نصر) في (قيام الليل) برقم (٢٩٣)

٥- الطريق الخامس: عن (عثمان بن زياد) عنه

- أخرجه (ابن أبي شيبة) في (المصنف) برقم (٢٠٣٢٧، و٢٩٧١٦) قال: حدثنا هشيم، قال أخبرنا حصين قال:

---

(١٤) - والأثر لا يوجد في المطبوع من كتاب فضائل القران - ا ـ

(١٥) - أبو رافع المدني نفيع بن رافع الصائغ نزيل البصرة أدرك الجاهلية روى عن أبى بكر وعمر وعثمان وعلي وغيرهم من الصحابة قال في التقريب: ثقة ثبت ـ

(١٦) - ابن جدعان قال الذهبي في ديوان الضعفاء: حسن الحديث صاحب غرائب احتج به بعضهم وقال أبوزرعة: ليس بقوي وقال أحمد: ليس بشيء.

وقال الحافظ في التقريب: ضعيف

صليت الغداة ذات يوم، وصلى خلفي عثمان بن زياد، قال: فقنت في صلاة الصبح، قال: فلما قضيت صلاتي قال لي: ما قلت في قنوتك؟، قال: فقلت: ذكرت هؤلاء الكلمات

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير كله، ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك الجد بالكفار ملحق

فقال عثمان: كذا كان يصنع عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان)

٦-الطريق السادس: عن (معبد بن سيرين) عنه (١٧)

- أخرجه (ابن جرير الطبري) في (تهذيب الآثار) (٢/ ٢٣، رقم ١٠٩٣) ثنا عمرو بن علي الباهلي، قال ثنا سعيد بن عامر، قال ثنا هشام بن حسان، عن ابن سيرين، عن معبد بن سيرين قال:

(صليت خلف عمر بن الخطاب رضوان الله عليه صلاة الصبح، فقنت بعد الركوع بالسورتين)

وكرره برقم (١٠٩٤) مثله، والراوي عن معبد هو أخوه محمد كما صرح به في الرواية الثانية

٧-الطريق السابع: عن (عبد الله بن شداد) عنه (١٨)

- أخرجه (ابن جرير الطبري) في (تهذيب التهذيب) (٢/ ٢٣، رقم ١٠٩٥) ثنا ابن حميد، قال ثنا هارون، عن عنبسة، عن ابن أبي ليلى، عن عثمان بن سعيد قال:

(لقي عبد الرحمن بن أبي ليلى عبد الله بن شداد، فقال: هل حفظت صلاة عمر؟، فقال: نعم، صلى بنا عمر فقرأ في الفجر بسورة يوسف حتى بلغ (وهو كظيم)، فبكى حتى انقطع، ثم ركع، ثم قام فقرأ سورة الفجر، فلما أتى على آخرها سجد، ثم قام فقرأ (إذا زلزلت)، ثم رفع صوته فقنت بهاتين السورتين:

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك، ولا نكفرك، ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق.

٨-الطريق الثامن: عن (محمد بن أبي ليلى) (١٩)

---

(١٧)-معبد بن سيرين الأنصاري أكبر إخوته ثقة من الثالثة مات على رأس المائة. قاله في التقريب

(١٨)-عبد الله بن شداد بن الهاد الليثي أبو الوليد الليثي المدني ولد على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وذكره العجلي من كبار التابعين الثقات وكان معدودا في الفقهاء مات بالكوفة مقتولا سنة ٨١، وقيل بعدها اهـ من التقريب

(١٩) محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى الأنصاري الكوفي القاضي أبو عبد الرحمن صدوق شيء لحفظ من السابعة مات سنة ٤٨

- أخرجه (محمد بن نصر المروزي) (٢٠)

(أن عمر قنت بهاتين السورتين: اللهم إنا نستعينك... و اللهم إياك نعبد...)

- عزاه له (السيوطي) في (الدر المنثور) (٨/ ٦٩٦)

[٥] أثر (عثمان بن عفان)

وهو مذكور ضمن أثر (عمر السابق من رواية عثمان بن زياد (ص ١٣)

[٦] أثر (علي بن أبي طالب)

وقد روي عنه من طريقين:

١- الأول: عن (عبد الرحمن بن الأسود الكاهلي) عنه

- أخرجه (عبد الرزاق) في (مصنفه) (٤٩٧٨) عن الحسن بن عمارة، عن حبيب بن أبي ثابت، عن عبد الرحمن بن الأسود الكاهلي:

(أن عليا كان يقنت بهاتين السورتين في أنه يقدم الآخرة ويقول:

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى و نحفد، نرجو رحمتك، ونخاف عذابك، إن عذابك بالكافرين ملحق

اللهم إنا نستعينك، ونستهديك، ونثني عليك الخير كله، ونشكرك ولا نكفرك، ونؤمن بك ونخلع ونترك من يفجرك

قال الحكم وأخبرني طاووس:

أنه سمع ابن عباس يقول: قنت عمر قبل الركعة بهاتين السورتين،ن إلا أنه قدم التي أخر علي، وأخر التي قدم علي، والقول سواء)

- وأخرجه أيضا (ابن أبي شيبة) (٧٠٢٩، و٧١٧٩) حدثنا وكيع، قال حدثنا سفيان، عن حبيب به، عن عبد الملك بن سويد الكاهلي به

- وأخرجه أيضا (ابن سعد) في (طبقاته) (٦/ ٢٤١) قال: أخبرنا الفضل بن دكين قال حدثنا حمزة الزيات عن حبيب به.

٢- الثاني: عن (عبد الله بن زرير الغافقي):

(٢٠)- ولم أره في كتاب (الوتر) المطبوع.

- عزاه الحافظ في (أمالي الأذكار) (٢ / ١٦٠) لمحمد بن نصر المروزي قال: من طريق يزيد بن أبى حبيب، عن عبدالله بن زرير موقوفا، وفيه قصة مع عبد العزيز بن مروان

وانظر حديث (علي) المرفوع المتقدم (رقم ١)، فقد اختلف على (علي) في رفعه ووقفه، ورجح الحافظ (ابن حجر) في (أماليه) الرواية الموقوفة.

[٧] أثر (عبدالله بن مسعود) روي عنه من طريقين:

١-الأول عن (أبي عبد الرحمن السلمي) عنه (٢١)

- أخرجه (ابن أبى شيبة) في (مصنفه) (٦٨٩٣، و ٦٩٠٨) قال: حدثنا ابن فضيل، عن عطاء بن السائب، عن أبي عبد الرحمن قال:

علمنا ابن مسعود أن نقرأ في القنوت:

اللهم إنا نستعينك ونستغفرك، ونؤمن بك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، واليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك الجد بالكفار ملحق)

- قلت: عطاء قال الحافظ في (التقريب): صدوق اختلط.

٢-الثاني عن (عبيد بن عمير) عنه (٢٢)

- أخرجه عنه (عبد الرزاق) في (مصنفه) (٤٩٦٩) عن ابن جريج، قال: أخبرني عطاء، قال سمعت عبيد بن عمير يقول:

(القنوت قبل الركعة الآخرة من الصبح، وذكر أنه بلغه أنهما سورتان من القرآن في مصحف ابن مسعود، وأنه يوتر بهما كل ليلة)

- وهو طرف من أثر عمر السابق من رواية عبيد
- وأخرجه (محمد بن نصر) في كتاب (الوتر) (٢٩٢)

وهذا كما ترى بلاغ ولم يذكر من أبلغه

---

(٢١) - عبد الله بن حبيب بن ربيعة بفتح الموحدة وتشديد الياء أبو عبد الرحمن السلمي الكوفي المقرئ مشهور بكنيته ولأبيه صحبة. ثقة ثبت. من الثانية مات بعد السبعين قاله في التقريب

(٢٢) - عبيد بن عمير بن قتادة الليثي أبو عاصم المكي ولد على عهد النبي صلى الله عليه وسلم قاله مسلم وعده غيره في كبار التابعين وكان قاص أهل مكة مجمع على ثقته مات قبل ابن عمر. قاله في التقريب

[۸] أثر (أبي بن كعب رضی اللہ عنہ)، وله عنه تسعة طرق:

۱- أولها عن (ميمون بن مهران) عنه [۲۳]

- أخرجه (عبد الرزاق) في (المصنف) (۴۹۷۰) عن الثوري، عن جعفر بن برقان، عن ميمون ابن مهران، عن أبي بن كعب:

(أنه كان يقول: اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك فلا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نخشى عذابك، ونرجو رحمتك، إن عذابك بالكفار ملحق)

- وأخرجه أيضا (ابن أبي شيبة) في ((المصنف)) (۷۰۳۰و۲۹۷۱۸) قال: حدثنا وكيع، قال حدثنا جعفر بن برقان، عن ميمون بن مهران قال:

(في قراءة أبي بن كعب: اللهم إنا نستعينك... الحديث)

- قال الشيخ (الألباني) رحمه الله في (الإرواء) (۲/ ۱۷۱): رجال إسناده ثقات، ولكن ابن مهران لم يسمع من أبي، فهو منقطع. اهـ

۲- الثاني عن (عروة بن الزبير) عنه

- أخرجه (ابن خزيمة) في (صحيحه) (۱۱۰۰) قال: نا الربيع بن سليمان المرادي، نا عبد الله بن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، أخبرني عروة بن الزبير:

أن عبد الرحمن بن عبد القاري وكان في عهد عمر بن الخطاب مع عبد الله بن الأرقم على بيت المال:

أن عمر خرج ليلة في رمضان، فخرج معه عبد الرحمن بن عبد القاري، فطاف بالمسجد، وأهل المسجد أوزاع متفرقون، يصلي الرجل الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر:

والله إني أظن لو جمعنا هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم عمر على ذلك، وأمر أبي بن كعب أن يقوم لهم في رمضان فخرج عمر عليهم، والناس قارئهم فقال عمر:

نعم البدعة هي والتي تنامون عنها أفضل من التي تقومون - يريد آخر الليل -

فكان الناس يقومون أوله، وكانوا يلعنون الكفرة في النصف

اللهم قاتل الكفرة، الذين يصدون عن سبيلك، ويكذبون رسلك، ولا يؤمنون بوعدك، وخالف بين

---

(۲۳)- ميمون بن مهران الجزري أبو أيوب أصله كوفي نزل الرقة ثقة فقيه ولي الجزيرة لعمر بن عبد العزيز وكان يرسل من الرابعة مات سنة سبع عشرة من التقريب

كلمتهم، وألق في قلوبهم الرعب، وألق عليهم رجزك، وعذابك إله الحق

ثم يصلي على النبي ﷺ ويدعو للمسلمين بما استطاع من خير ثم يستغفر للمؤمنين قال:

وكان يقول إذا فرغ من لعنة الكفرة وصلاته على النبي واستغفاره للمؤمنين والمؤمنات ومسألته:

اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ربنا ونخاف عذابك الجد إن عذابك لمن عاديت ملحق

ثم يكبر ويهوى ساجدا.

- قال الشيخ (الألباني) رحمه الله في تخريج (صحيح ابن خزيمة): إسناده صحيح

۳-الثالث عن (سلمة بن كهيل) عنه [۲۴]

(أقرأها في مصحف أبي بن كعب مع قل أعوذ برب الناس، وقل أعوذ برب الناس.)

- أخرجه (محمد بن نصر المروزي) في كتاب ((الوتر)) (رقم ۲۹۴)

۴۔الرابع: عن (حماد) عنه

- أخرجه (ابن الضريس) في (فضائل القرآن) [۲۵] قال: أخبرنا موسى بن إسماعيل أنبانا حماد قال:

قرأنا في مصحف أبي بن كعب:

اللهم إنا نستعينك ونستغفرك ونثني عليك الخير ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك

قال حماد: هذه الآن سورة وأحسبه قال:

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نخشى عذابك، ونرجو رحمتك، إن عذابك بالكفار ملحق)

- ذكره (السيوطي) في (الدر المنثور)

۵-الخامس: عن (الشعبي) عنه

- عزاه (السيوطي) في (الدر المنثور) (۸/۶۹۷) لمحمد بن نصر المروزي عنه [۲۶] قال:

(۲۴)-سلمة بن كهيل الحضرمي أبو يحيى الكوفي ثقة من الرابعة ع من (التقريب)

(۲۵)-ابن الضريس هو الحافظ أبو عبد الله محمد بن أيوب بن يحيى بن الضريس البجلي الرازي، مصنف فضائل القرآن ولد على رأس المائتين وثقه ابن أبي حاتم والخليلي وقال هو محدث ابن محدث وجده يحيى من أصحاب الثوري توفي سنة ۲۹۴ھ

وأثر حماد هذا لا يوجد في ((فضائل القران)) المطبوع في دار الفكر بتحقيق غزوة بدير

(۲۶) ولم أره في كتاب الوتر المطبوع

(قرأت أو حدثني من قرأ في بعض مصاحف أبي بن كعب هاتين السورتين، اللهم إنا نستعينك.. والأخرى، بينهما (بسم الله الرحمن الرحيم)، قبلهما سورتان من المفصل، وبعدهما سور من المفصل)

٦-السادس عن (محمد بن سيرين) عنه

- اخرجه (ابو عبيد القاسم بن سلام) عزاه له (السيوطي) في (الإتقان في علوم القرآن) (٨٤٤) قال:

(كتب أبي بن كعب في مصحفه فاتحة الكتاب، والمعوذتين، واللهم إنا نستعينك، واللهم إياك نعبد، وتركهن ابن مسعود، وكتب عثمان منهن فاتحة الكتاب، والمعوذتين)

٧-السابع عن (عبد الرحمن بن أبزى) عنه

- اخرجه (ابن الضريس) [٢٧] قال: أنبأنا أحمد بن جميل المروزي، عن عبد الله بن المبارك، أنبأنا الأجلح [٢٨]، عن عبد الله بن عبد الرحمن، عن أبيه قال:

في مصحف ابن عباس قراءة أبي وأبي موسى

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك

وفيه، اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نخشى عذابك، ونرجو رحمتك، إن عذابك بالكفار ملحق)

- أورده (السيوطي) في ((الإتقان)) بسند ابن الضريس (٨٤٩)

٨_الثامن عن (محمد بن اسحق بن يسار) عنه

- أخرجه (محمد بن نصر) في (الوتر) (٢٩٥) قال:

قد قرأت في مصحف أبي بن كعب بالكتاب الأول العتيق

بسم الله الرحمن الرحيم، قل هو الله أحد إلى آخرها

بسم الله الرحمن الرحيم، قل أعوذ برب الفلق إلى آخرها

بسم الله الرحمن الرحيم، قل أعوذ برب الناس إلى آخرها

(٢٧)-ولا يوجد في المطبوع من فضائل القران.

(٢٨) اجلح بن عبد الله بن حجية الكندي يقال اسمه يحيى قال الحافظ في (التقريب): صدوق شيعي وقال صاحبا (تحرير التقريب): بل ضعيف يعتبر به ضعفه احمد وأبو داود والنسائي وابن سعد والجوزجاني والساجي وابن حبان وابن الجارود، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه ولا يحتج به

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك،

بسم الله الرحمن الرحيم، إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد

نخشى عذابك، ونرجو رحمتك، إن عذابك بالكفار ملحق

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم لا ينزع ما تعطي، ولا ينفع ذا الجد منك الجد، سبحانك وغفرانك، وحنانيك، إله الحق))

۹۔ التاسع عن (عطاء بن أبي رباح) عنه

- أخرجه (محمد بن نصر) في كتاب (الوتر) (۲۹٦) عن سلمة بن خصيف:

سألت عطاء بن أبي رباح: أي شيء أقول في القنوت؟

قال: هاتين السورتين اللتين في قراءة أبي: اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق، اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك، ولا نكفرك، ونخلع ونترك، من يفجرك.

- فـــائدة: قال ابن أشتة [۲۹] في كتاب (المصاحف): أنبأنا محمد بن يعقوب، حدثنا أبو داود، حدثنا أبو جعفر الكوفي، قال:

(هذا تأليف مصحف أبي: الحمد ثم البقرة، ثم النساء، ثم آل عمران، ثم الأنعام، ثم الأعراف، ثم المائدة، ثم يونس، ثم الأنفال، ثم براءة، ثم هود، ثم مريم، ثم الشعراء، ثم الحج، ثم يوسف، ثم الكهف، ثم النحل، ثم الأحزاب، ثم بني إسرائيل، ثم الزمر، أولها حم، ثم طه ثم الأنبياء، ثم النور، ثم المؤمنون، ثم سبأ، ثم العنكبوت، ثم المؤمن، ثم الرعد، ثم القصص، ثم النمل، ثم الصافات، ثم ص، ثم يس، ثم الحجر، ثم حمعسق، ثم الروم، ثم الحديد، ثم الفتح، ثم القتال، ثم الظهار، ثم تبارك الملك، ثم السجدة، ثم إنا أرسلنا نوحا، ثم الأحقاف، ثم ق، ثم الرحمن، ثم الواقعة، ثم الجن، ثم النجم، ثم سأل سائل، ثم المزمل، ثم المدثر، ثم اقتربت، ثم حم الدخان، ثم لقمان، ثم حم الجاثية، ثم الطور، ثم الذاريات، ثم ن، ثم الحاقة، ثم الحشر، ثم الممتحنة، ثم المرسلات، ثم عم يتساءلون، ثم لا أقسم بيوم القيامة، ثم إذا الشمس كورت، ثم يا أيها النبي

(۲۹) هو محمد بن عبد الله بن أشته اللوذزي أبو بكر، قال الداني: أصبهاني سكن مصر، ضابط مأمون، عالم بالعربية بصير بالمعاني، حسن التصنيف، صاحب سنة، توفي سنة ۳٦۰هـ انتهى من (بغية الوعاة) للسيوطي (۱/۱۴۲) من تصانيفه: المفيد في الشاذ، والمصاحف، قال السيوطي: نقلت منه أشياء في (الإتقان)

إذا طلقتم النساء، ثم النازعات، ثم التغابن، ثم عبس، ثم المطففين، ثم إذا السماء انشقت، ثم والتين والزيتون، ثم اقرأ باسم ربك، ثم الحجرات، ثم المنافقون، ثم الجمعة، ثم لم تحرم، ثم الفجر، ثم لا أقسم بهذا البلد، ثم والليل، ثم إذا السماء انفطرت، ثم والشمس وضحاها، ثم والسماء والطارق، ثم سبح اسم ربك، ثم الغاشية، ثم الصف، ثم سورة أهل الكتاب، وهي لم يكن، ثم الضحى، ثم ألم نشرح، ثم القارعة، ثم التكاثر، ثم العصر، ثم، سورة الخلع ثم سورة الحفد، ثم ويل لكل همزة، ثم إذا زلزلت، ثم العاديات، ثم الفيل، ثم لإيلاف، ثم أرأيت، ثم إنا أعطيناك، ثم القدر، ثم الكافرون، ثم إذا جاء نصر الله، ثم تبت، ثم الصمد، ثم الفلق، ثم الناس.)

نقله الحافظ (السيوطي) في كتابه (الإتقان في علوم القرآن) (۸۳۲)

- وذكر (ابن النديم) في كتابه (الفهرست) (۱/۴۰) :باب ترتيب القرآن في مصحف أبي بن كعب (وفيه اختلاف بينه وبين رواية (ابن اشته) في ترتيب بعض السور، ولفظه:

قال (الفضل بن شاذان) [۳۰] أخبرنا الثقة من أصحابنا قال:

كان تأليف السور في قراءة أبي بن كعب بالبصرة في قرية يقال لها قرية الأنصار، على رأس فرسخين عند محمد بن عبد الملك الأنصاري، أخرج إلينا مصحفا، وقال هو مصحف أبي، رويناه عن آبائنا، فنظرت فيه، فاستخرجت أوائل السور، وخواتيم الرسل، وعدد الآي:

فأوله فاتحة الكتاب، البقرة، النساء، آل عمران، الأنعام، الأعراف، المائدة الذي التبسته (كذا)، وهي يونس، الأنفال، التوبة، هود، مريم، الشعراء، الحج، يوسف، الكهف، النحل، الأحزاب، بني إسرائيل، الزمر، حم تنزيل، طه، الأنبياء، النور، المؤمنين، حم المؤمن، الرعد، طسم القصص، طس سليمان، الصافات، داود سورة ص، يس، أصحاب الحجر، حم عسق، الروم، الزخرف، حم السجدة، سورة إبراهيم، المليكة، الفتح، محمد صلى الله عليه وسلم، الحديد، الطهارة، تبارك الفرقان، ألم تنزيل، نوح، الأحقاف، ق، الرحمن، الواقعة، الجن، النجم، نون، الحاقة، الحشر، الممتحنة، المرسلات، عم يتساءلون، الإنسان، لا أقسم، كورت، النازعات، عبس، المطففين، إذا السماء انشقت، التين، اقرأ باسم

(۳۰) - الفضل بن شاذان: أبو العباس الرازي المقرئ أحد الأعلام وشيخ الإقراء بالري.. روى عنه أبو حاتم الرازي مع تقدمه وابنه عبد الرحمن بن أبي حاتم وقال ثقة.. قال أبو عمرو الداني: لم يكن في دهره مثله في علمه وفهمه وعدالته وحسن اضطلاعه قلت (أي الذهبي): وهو قديم الموت.

معرفة القراء للذهبي ترجمة (۱۳۳) تمييز: وهناك آخر اسمه الفضل بن شاذان بن خليل وهو شيعي إمامي رافضي توفي سنة ۲۶۰ھ.

ربك، الحجرات، المنافقون، الجمعة، النبي عليه السلام، الفجر، الملك، الليل إذا يغشى، إذا السماء انفطرت، الشمس وضحاها، السماء ذات البروج، الطارق، سبح اسم ربك، الأعلى، الغاشية، عبس، وهي أهل الكتاب، لم يكن أول ما كان الذين كفروا، الصف، الضحى، ألم نشرح لك، القارعة، التكاثر، الخلع، ثلاث آيات، [الجيد] (۳۱)، ست آيات: اللهم إياك نعبد، وآخرها بالكفار ملحق، اللمز، إذا زلزلت، العاديات، أصحاب الفيل، التين، الكوثر، القدر، الكافرون، النصر، أبي لهب، قريش، الصمد، الفلق الناس، فذلك مائة وستة عشر سورة، قال: إلى هاهنا أصبت في مصحف أبي بن كعب)). انتهى

[۹، ۱۰] أثر (أبي موسى الأشعري) و (عبد الله بن عباس)

تقدما ضمن أثر (أبي بن كعب □) من رواية عبد الرحمن بن أبي أبزي (۱۹)

[۱۱] أثر (أنس بن مالك)

- أخرجه (أبو الحسن القطان) (۳۲) في (الطوالات): أنبأ أبو محمد الحارث بن محمد بن أبي أسامة ثنا يزيد بن هارون أنبأ أبان بن أبي عياش قال:

سألت أنس ابن مالك رضي الله عنه عن الكلام في القنوت فقال:

اللهم إنا نستعينك ونستغفرك ونثني عليك الخير ولا نكفرك ونؤمن بك ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك الجد أن عذابك بالكافرين ملحق

اللهم عذب الكفرة وألق في قلوبهم الرعب وخالف بين كلمتهم وأنزل عليهم رجزك وعذابك

اللهم عذب كفرة أهل الكتاب الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويجهدون بآياتك ويجعلون معك إلها لا إله غيرك

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وأصلحهم استصلحهم وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم واجعل في قلوبهم الإيمان والحكمة وثبتهم على ملة رسولك وأوزعهم أن يشكروا نعمتك التي أنعمت عليهم وأن يوفوا بعهدك الذي عاهدتهم عليه وانصرهم على عدوهم وعدوك

(۳۱) كذا والصواب (الحفد)

(۳۲) هو الحافظ الإمام القدوة أبو الحسن علي بن إبراهيم بن سلمة ابن بحر القزويني، محدث قزوين وعالمه، ولد سنة ۲۵۴ ورحل وسمع ابن ماجة وأبا حاتم وكان شيخا عالما بجميع العلوم التفسير والفقه والنحو واللغة زاهدا، قال ابن فارس سمعته يقول: كنت حين رحلت أحفظ مائة ألف حديث، مات سنة ۳۴۵ طبقات السيوطي (ترجمة ۸۰۱)

إله الحق

قال أنس والله إن أنزلتا إلا من السماء

- ذكره الإمام (عبد الكريم بن محمد الرافعي) [۳۳] في (تاريخه): (التدوين في أخبار قزوين) (۱/ ۱۷۴) في ترجمة: (محمد بن أحمد أبو سليمان الجاباري القزويني)

ز قال: أبان بن أبي عياش أبو إسماعيل البصري يروى عن شعبة [۳۴] إساءة القول فيه. انتهى

- ونقله (السيوطي) في (الدر المنثور) (۸/ ۶۹۵)
- قلت: وقول أن (والله إن أنزلتا إلا من السماء) يدل على أن الحديث من المرفوع، فإن الصحابي لا يقدم على الجزم إلا إذا كان عنده من النبي شيء، ولكن السند ضعيف جدا، فأبان بن أبي عياش قال الفلاس، والإمام أحمد: متروك الحديث، وقال ابن معين: ليس حديثه بشيء، وقال الحافظ في (التقريب): متروك

[۱۲] أثر (الحسن البصري)

- أخرجه (عبد الرزاق) في (المصنف) (۴۹۸۲) عن معمر، عن عمرو، عن الحسن يقول:

القنوت في الوتر والصبح:

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك الخير ولا نكفرك، ونؤمن بك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك ونخشى عذابك، الجد إن عذابك الجد بالكفار ملحق

اللهم عذب الكفرة والمشركين، وألق في قلوبهم الرعب، وخالف بين كملتهم، وأنزل عليهم رجزك وعذابك، اللهم عذب كفرة أهل الكتاب، الذين يصدون عن سبيلك، ويكذبون رسلك

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، اللهم أصلح ذات بينهم، وألف بين قلوبهم، واجعل في قلوبهم الإيمان والحكمة، وأوزعهم أن يشكروا نعمتك التي أنعمت عليهم، وأن يوفوا

---

(۳۳) هو شيخ الشافعية الإمام العلامة أبو القاسم عبد الكريم ابن العلامة أبي الفضل محمد الرافعي القزويني، قرأ على أبيه، وكان من العلماء العاملين يذكر عنه تعبد ونسك وأحوال وتواضع، انتهت إليه معرفة المذهب، له ((الفتح العزيز في شرح الوجيز\ط))، وشرح آخر صغير، وله ((شرح مسند الشافعي)) في مجلدين تعب عليه، وأربعون حديثا مروية، وله أمالي على ثلاثين حديثا، وكتاب ((التذنيب\ط)) فوائد على الوجيز، توفي سنة ۶۲۳ (سير النبلاء: ۲۲/ ۲۵۲)

(۳۴) -قال البخاري: كان شعبة سيئ الرأي فيه وقال عباد المهلبي: أتيت شعبة أنا وحماد بن زيد فكلمناه في أبان أن يمسك عنه فامسك ثم لقيته بعد ذلك فقال ما أراني يسعني السكوت عنه. من التهذيب

بعهدك الذي عاهدتهم عليه، وتوفهم على ملة رسولك، وانصرهم على عدوك وعدوهم، إله الحق، واجعلنا منهم

فكان يقول هذا ثم يخر ساجدا

وكان لا يزيد على هذا شيئا من الصلاة على النبي

وكان بعض من يسأله يقول: يا أبا سعيد، أيزيد على هذا شيئا من الصلاة على النبي ، والدعاء، والتسبيح والتكبير؟

فيقول: لا أنهاكم، ولكني سمعت أصحاب رسول الله ﷺ لا يزيدون على هذا شيئا، ويغضب إذا أرادوه على الزيادة

- وأخرجه (محمد بن نصر) في (الوتر) (۲۹۸) ولفظه مختصر:

عن الحسن: يبدأ في القنوت بالسورتين، ثم يدعو على الكفار، ثم يدعو للمؤمنين والمؤمنات.

[۱۳] أثر (إبراهيم النخعي)

- أخرجه (عبد الرزاق) (۴۹۷۷) عن الثوري، عن الزبير بن عدي، عن إبراهيم

كان يستحب أن يقول في قنوت الوتر بهاتين السورتين

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك، ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكافرين ملحق

- وأخرجه (ابن نصر) في ((الوتر)) مختصرا (۳۰۱)

[۱۴] أثر (طاووس اليماني)

- أخرجه (عبد الرزاق) (۴۹۸۳) قال: وروي عن ابن جريج، ومعمر، عن ابن طاووس، عن أبيه قال:

(إنما القنوت طاعة لله، وكان يقنت بأربع آيات من أول البقرة، ثم {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ} (آل عمران: من الآية ۱۹۰) هذه الآية و(اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ) (البقرة: من الآية: ۲۵۵) وهذه الآية {لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ} (البقرة: من الآية ۲۸۴) حتى يختم البقرة، ثم {قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ} (الإخلاص: ۱) ثم {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ} (الفلق: ۱)، ثم (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) (الناس: ۱) ثم يقول:

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نخشى عذابك ونرجو رحمتك، إن

عذابك بالكافرين ملحق، اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك فلا نكفرك، ونؤمن بك ونخلع ونترك من يكفرك

وذكروا أنها (كذا) سورتان من البقرة، وأن موضعهما بعد {قل هو الله أحد}

قال ابن جريج في حديثه عن ابن طاووس قال: كان يقولهما أبي في الصبح، وكان لا يجهر به، وكان يقول هو في الظهر والعصر والعشاء الآخرة فيقول في الركعتين الأخريين من الظهر والعصر والعشاء، ويقول في الركعة الأولى من الأخريين من الظهر ما في البقرة، ويقول في الآخرة من الأخريين من الظهر ما سوى ذلك، وكذلك في العصر والعشاء الآخرة، وكان يوتر، وكان يجعل القراءة في الوتر)

[۱۵] أثر (سعيد بن المسيب)

- أخرجه (محمد بن نصر) في (الوتر) (۲۹۷) عن سعيد بن المسيب قال:

(يبدأ في القنوت فيدعو على الكفار، ويدعو للمؤمنين والمؤمنات، ثم يقرأ السورتين: اللهم إنا نستعينك....واللهم إياك نعبد...)

[۱۶] أثر (أمية بن عبد الله بن خالد بن أسيد)

- أخرجه (أبو القاسم الطبراني) في (معجمه الكبير) (۱/ ۲۹۲) رقم ۸٦۰) قال: ثنا محمد بن إسحاق بن راهويه، ثنا أبي، ثنا عيسى بن يونس، حدثني أبي، عن جدي قال:

(أمنا أمية بن عبد الله بن خالد بن أسيد بخراسان، فقرأ بهاتين السورتين، إنا نستعينك ونستغفرك.)

وجد يونس هو أبو إسحاق السبيعي

- قال (السيوطي) في (الإتقان) (۸۵۰): بسند صحيح

[۱۷] أثر (ابن شهاب الزهري)

- أخرجه محمد بن نصر في (الوتر) (۲۹۹) عن ابن شهاب:

كانوا يلعنون الكفرة في النصف يقولون:

اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بوعدك وخالف بين كلمهم والق في قلوبهم الرعب والق عليهم رجزك وعذابك إله الحق

ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويدعو للمسلمين بما استطاع من الخير ثم يستغفر للمؤمنين.

وكان يقول إذا فرغ من لعنة الكفرة وصلاته على النبي صلى الله عليه وسلم، واستغفاره للمؤمنين ومسألته

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، ولك نسعى و نحفد، نرجو رحمتك ربنا، ونخاف عذابك الجد، إن عذابك لمن عاديت ملحق، ثم يكبر ويهوي ساجدا.

[۱۸] أثر (سفيان)

- أخرجه (ابن نصر) في (صلاة الوتر) (۳۰۹) قال:

كانوا يستحبون أن يجعلوا في قنوت الوتر هاتين السورتين:

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك، ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى و نحفد، نخشى عذابك، ونرجو رحمتك، إن عذابك بالكفار ملحق.

وهذه الكلمات: اللهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، إنك تقضي ولا يقضى عليك، لا يذل من واليت، تباركت ربنا وتعاليت

ويدعو بالمعوذتين، وإن دعوت بغير هذا أجزأك، وليس فيه شيء موقت)

[۱۹] أثر (ابن جريج الأموي) (۳۵)

- أخرجه (عبد الرزاق) في (المصنف) (۴۹۸۹) قال:

يقول آخرون في القنوت:

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم لك نصلي ولك نسجد، و إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخاف عذابك، الجد إن عذابك بالكافرين ملحق

اللهم إنا نستعينك، ونستغفرك، ونثني عليك، ولا نكفرك، ونؤمن بك، ونخلع ونترك من يفجرك

اللهم أسلمنا نفوسنا إليك، وصلينا وجوهنا إليك، وألجأنا ظهورنا إليك، رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي أنزلت، ورسولك الذي أرسلت

اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، وأصلح ذات بينهم، وألف بين قلوبهم، واجعل في قلوبهم الإيمان والحكمة، وأوزعهم أن يوفوا بعهدك الذي عاهدتهم عليه، وتوفهم

(۳۵) -عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج الأموي مولاهم المكي، ثقة فقيه، فاضل، وكان يدلس ويرسل، من السادسة، مات سنة خمسين أو بعدها، وقد جاز السبعين وقيل جاز المائة ولم يثبت. قاله في ((التقريب))

على ملة نبيك، وانصرهم على عدوك وعدوهم، إله الحق

اللهم عذب الكفرة، والق في قلوبهم الرعب، وخالف بين كلمتهم، وأنزل عليهم رجزك وعذابك، اللهم عذب كفرة أهل الكتاب، الذين يكذبون رسلك، ويصدون عن سبيلك، اللهم اغفر لنا، وارحمنا، وارض عنا.

[۲۰] اثر (مكحول الشامي)(۳٦)

● أخرجه الحافظ (ابن عساكر) في (تاريخ دمشق)(۳۷) (۱۱/ ۳۵٦) قال: أخبرنا أبو الحسن علي بن المسلم الفقيه، حدثنا أبو الفتح المقدسي، وابن محمد الكلاعي، وأخبرنا أبو الحسن علي بن يزيد السلمي، حدثنا نضر بن إبراهيم الزاهد، قال أنبأنا أبو الحسين بن عوف، أنبأنا أبو علي بن مني، ر أنبأنا محمد بن خريم، أنبأنا هشام بن عمار في مشيخته الدمشقيين أنبأنا أبو فروة، حاتم بن شفي الهمداني، ويخضب بحمرة قال:

رأيت مكحولا يقنت في صلاة الصبح بعد الركوع، ويرفع يديه قليلا من تحت الرواح، ويقول: ربنا ولك الحمد، ملء السماوات وملء الأرضين السبع، وما بينهن، وملء ما فيهن من شيء بعد اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، نرجو رحمتك، ونخاف عذابك، الجد إن عذابك بالكافرين ملحق.

ماقبل میں مذکورہ تفصیلی بحث حنفیہ کے نزدیک قنوتِ وتر میں پڑھی جانے والی دعا سے متعلق تھی، کہ چوں کہ اس دعا کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اس لیے احناف اس دعا کے پڑھنے کو افضل کہتے ہیں۔

(۳٦)-مكحول الشامي أبو عبد الله ثقة فقيه كثير الإرسال مشهور من الخامسة مات سنة بضع عشرة ومائة. قاله في التقريب.

(۳۷) (تاريخ دمشق الشام) لحافظ الأمة وناصر السنة وخادمها ختام الجهابذة الحافظ وصاحب التصانيف الجليلة أبي القاسم بن عساكر الدمشقي في ثمانين مجلدا أو أكثر وفي بغية الوعاة في سبعة وخمسين مجلدا وفي أول شرح القاموس للشيخ مرتضى انه خمس وخمسون مجلدا أتى فيه بالعجائب وهو على نسق تاريخ بغداد ذكر فيه تراجم الأعيان والرواة ومروياتهم وقد قالوا انه يقصر العمر عن إن يجمع الإنسان فيه مثل هذا الكتاب وعليه أذيال وله مختصرات ومن مختصراته (مختصر) لشهاب الدين عبد الرحمن بن إسماعيل الدمشقي الشافعي المعروف بابي شامة المتوفى سنة ٦٦٥ هـ، وهو نسختان كبرى في خمسة عشر مجلدا وصغرى. انتهى من (الرسالة المستطرفة) للكتاني (ص: ۹۹)

وقد طبع هذا السفر العظيم كاملا ولله الحمد والمنة في دار الفكر ببيروت في أكثر من سبعين مجلدا وطبع من مختصراته اثنان الأول للشيخ عبد القادر ابن بدران في سبع مجلدات بدار المسيرة وهو قدر النصف من الكتاب والثاني مختصر العلامة اللغوي ابن منظور صاحب اللسان في خمسة عشر مجلدا بدار الفكر بسوريا.

شوافع اور حنابلہ کی دلیل:

شوافع اور حنابلہ قنوتِ وتر میں اس دعا کو ترجیح دیتے ہیں: اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت الخ۔ ہمارے مصنفؒ نے بھی اس کی تخریج کی ہے، احناف کہتے ہیں کہ کبھی کبھی حضور اکرم ﷺ نے اس کو بھی پڑھا ہوگا یا پھر یہ فجر کی قنوت نازلہ کے بارے میں ہے۔

یاد رہے کہ حضرات فقہاء کا یہ اختلاف محض افضل اور غیر افضل ہونے کا ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف میں سے حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ قنوتِ وتر کے لیے کوئی دعا مخصوص نہیں ہے بلکہ جو بھی آسان ہو اس کو پڑھ لے بشرطیکہ وہ کلام الناس کی حد تک نہ پہنچے، اس لیے کہ جب نماز میں قرآن کی قراءت متعین نہیں ہے کہ فلاں سورت ہی پڑھنی ہے تو پھر دعا کیسے متعین ہوسکتی ہے، پھر متعین دعا کے پڑھنے میں حضور قلب بھی نہیں رہ پاتا۔ واللہ اعلم بالصواب

قنوتِ وتر سے متعلق مباحث ضرور یہ کے بعد حدیث باب کی تشریح پیش خدمت ہے۔

حدیث باب

رجال حدیث: أبو الأحوص: یہ سلام بن سلیم ہیں، ثقہ راوی ہیں، مسلم اور ابوداؤد کے رواۃ میں سے ہیں (تقریب)۔

أبو اسحاق: یہ عمرو بن عبداللہ الہمدانی ابواسحاق سبیعی کوفی ہیں، ثقہ ہیں، البتہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے، کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۲۹ھ میں وفات ہوئی، (تقریب وکاشف)

بريد بن أبي مريم: مصغرًا، یہ مالک بن ربیعہ سلولی ہیں، ثقہ ہیں، کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۴۴ھ میں وفات ہوئی ہے۔

أبو الحوراء: ان کا نام ربیعہ بن شیبان سعدی ہے، یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔

تشریح حدیث: "قوله: علمني كلمات": یعنی آپ ﷺ نے مجھے چند جملے سکھلائے جن کو میں قنوتِ وتر میں پڑھوں، نسائی کی روایت میں: "أقولهن في قنوت الوتر" ہے۔

قوله: اللهم اهدني في من هديت: یعنی جن لوگوں کو تو نے دین وایمان کی ہدایت سے نوازا ہے ان نیک لوگوں کے زمرے میں مجھے بھی داخل فرما۔

قوله: إنه لا يذل من واليت: جس کے آپ والی اور حمایتی ہوجائیں وہ کبھی بھی رسوا اور ذلیل نہیں ہوسکتا نہ تو دنیا میں نہ ہی آخرت میں، اگر چہ ظاہر کے اعتبار سے وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوجائے یا اس کو کوئی ذلیل کردے یا اس کو کوئی بے عزت وحقیر سمجھے، جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہود نے آرے سے چیرا اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کو ذبح کرڈالا،

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ اس طرح کے حالات کا پیش آنا ان کی آزمائش ہوتی ہے جس میں ان کے لیے کامیابیوں اور بلندیوں کے راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔

فقه الحديث: حضرات شوافع نے دعائے قنوت میں اسی دعا کو اختیار کیا ہے، جب کہ حنفیہ کی اختیار کردہ دعا کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، حنفیہ نے اس کو قنوتِ نازلہ پر محمول کیا ہے، یا یہ کہ بیان جواز پر محمول کیا ہے، چناں چہ بعض احناف سے یہ بھی مروی ہے کہ دونوں دعاؤں کو جمع کرلیا جائے۔

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ اس دعا کو رمضان کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں ہی وتر کی نماز میں اس دعا کو پڑھنا چاہیے، کیوں کہ اس روایت میں مطلقاً وتر کی نماز میں اس دعا کو پڑھنے کا ذکر ہے، لہٰذا اس کو عام ہی رکھا جائے۔ (المنہل: ۸/ ۵۷)

مصنفؒ اس حدیث کی ایک سند کو اور بیان فرمارہے ہیں:

۱۴۲۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ: فِي آخِرِهِ قَالَ: هَذَا يَقُولُ فِي الْوِتْرِ فِي الْقُنُوتِ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَقُولُهُنَّ فِي الْوِتْرِ، أَبُو الْحَوْرَاءِ: رَبِيعَةُ بْنُ شَيْبَانَ .

ترجمه: حضرت زہیر عن ابواسحاق سے بھی سابقہ سند ومفہوم کے ساتھ روایت منقول ہے، اس میں "أقولهن في الوتر" کی جگہ في الوتر في القنوت" ہے، ابوداؤد کہتے ہیں: ابوالحوراء کا نام ربیعہ بن شیبان ہے۔

تشريح حديث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، اس میں ابواسحاق سبیعی سے نقل کرنے والے زہیر ہیں، جب کہ سابقہ سند میں ابوالاحوص تھے، مصنفؒ کا مقصد ابواسحاق کے انھیں دونوں تلامذہ کے الفاظ میں اختلاف کو بیان کرنا ہے۔ اور فرق یہ بیان کیا کہ ابوالاحوص کی روایت میں: أقولهن في الوتر تھا، اور یہ کلام تھا حضرت حسن بن علیؓ کا، اور زہیر کی روایت میں "يقول في الوتر في القنوت" ہے کہ حضرت حسنؓ قنوتِ وتر میں اس دعا کو پڑھتے تھے، تو اس کلام کے قائل ہوں گے ابوالحوراء۔

قوله: بإسناده ومعناه: "ہ" ضمیر کا مرجع ابواسحاق سبیعی ہیں۔ (المنہل: ۸/ ۵۹)

۱۴۲۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عَمْرٍو الْفَزَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، أَنَّ رَسُولَ ﷺ كَانَ

۱۴۲۶- انظر تخريج الحديث السابق.

۱۴۲۷- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: في دعاء الوتر (۳۵۶۶)، النسائي: كتاب الوتر، باب: الدعاء في الوتر (۳/ ۲۴۸)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في القنوت في الوتر (۱۱۷۹).

يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ».

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ».

رجال حدیث: هشام بن عمرو الفزاري: صغار تابعین میں سے ہیں، یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، اور کہا کہ حماد بن سلمہ کے علاوہ ان سے کوئی نقل نہیں کرتا ہے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو مقبول لکھا ہے، چوں کہ حافظ کی اصطلاح میں مقبول اس راوی کو کہا جاتا ہے جو قلیل الحدیث ہوتے ہیں، یعنی ان کی احادیث عموماً ایک سے دس تک ہوتی ہیں اور ان کے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کی حدیث کو چھوڑا جائے، چناں چہ اگر کسی معتبر امام نے ان کی توثیق کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہاں یحییٰ ابن معین نے ان کی توثیق کر رکھی ہے، تو ان کو حافظ مقبول کہتے ہیں اور ان کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں لہٰذا یہ حدیث کم از کم حسن لذاتہ ورنہ صحیح لغیرہ کے درجہ کی ہوگی۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں پیغمبر علیہ السلام کا عمل بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے آخر میں یعنی جب وتر کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ سنن نسائی کی روایت میں ہے: "يقول: إذا فرغ من صلاته وتبوأ مضجعه اللهم إني أعوذ برضاك الخ" لیکن مسلم کی روایت میں تہجد کی نماز میں سجدہ کے دوران بھی اس دعا کے پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے نقل کیا کہ میں نے رات کو پیغمبر علیہ السلام کو تلاش کیا تو آپ ﷺ سجدہ میں یہ دعا پڑھ رہے تھے؛ لہٰذا مختلف اوقات پر اس کو محمول کرلیا جائے گا۔

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تقصیر وکوتاہی کا اظہار فرمایا کہ اے اللہ! جیسی آپ کی شان عالی ہے میں ایسی آپ کی تعریف نہیں کرسکتا، "قال أبو داؤد: هشام أقدم شيخ لحماد" یعنی ہشام بن عمرو سے اگر چہ حماد بن زید کے علاوہ کوئی اور روایت نقل نہیں کرتا مگر اس کے باوجود ہشام قابل اعتبار راوی ہیں اس لیے کہ حماد بن زید کے قدیم ترین اساتذہ میں ہیں۔

آگے حضرت امام ابوداؤدؒ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کی حدیث کو تعلیقاً نقل کر رہے ہیں اور اس پر تفصیلی کلام بھی کر رہے ہیں: اور مصنفؒ کے کلام کا مقصد حضرت ابی بن کعبؓ کی حدیث محل قنوت کے ثبوت کے ضعف کو بیان کرنا ہے۔

قَالَ: أَبُو دَاوُدَ: رَوَى عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ - يَعْنِي - فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ.

یہاں سے حضرت امام ابوداؤدؒ چند تعلیقات کو لا رہے ہیں اور ان سب تعلیقات کا مقصد قنوت فی الوتر کے محل کو بیان کرنا ہے، چناں چہ اس تعلیق میں قنوت فی الوتر قبل الرکوع مذکور ہے اسی طرح اگلی دونوں تعلیقات میں بھی قبل الرکوع ہی نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى عِيسَى بْنُ يُونُسَ هَذَا الْحَدِيثَ أَيْضًا، عَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيفَةَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

وَرُوِيَ عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ.

سابقہ تعلیق میں عیسیٰ بن یونس سعید بن ابی عروبہ سے نقل کر رہے تھے جب کہ اس تعلیق میں فطر بن خلیفہ سے نقل کر رہے ہیں اور اس فطر بن خلیفہ نے بھی قنوت قبل الرکوع کو ہی نقل کیا ہے، پھر زبید کے ایک دوسرے شاگرد مسعر ہیں انھوں نے بھی قنوت قبل الرکوع کو ہی بیان کیا ہے، گویا ان تینوں مذکورہ تعلیقات میں قنوت کا ذکر ہے اور قبل الرکوع ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ، وَحَدِيثُ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، رَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرِ الْقُنُوتَ، وَلَا ذَكَرَ أُبَيًّا.

اس سے مصنفؒ یہ اشارہ فرمارہے ہیں کہ قتادہ کی روایت کے موصول و مرسل ہونے میں اختلاف ہے، چناں چہ عیسیٰ بن یونس نے تو موصولاً ذکر کیا ہے اور قنوت قبل الرکوع کو بھی نقل کیا ہے اور یزید بن زریع نے مرسلاً نقل کیا ہے نیز قنوت کو بھی ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی حضرت ابی ابن کعبؓ کا ذکر کیا، امام نسائیؒ نے قتادہ کی اس روایت کو دو سندوں سے نقل فرمایا ہے۔

وَكَذَلِكَ رَوَاهُ عَبْدُ الْأَعْلَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ وَسَمَاعُهُ بِالْكُوفَةِ مَعَ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا الْقُنُوتَ.

یعنی حدیث مذکور کو عبدالاعلیٰ اور محمد بن بشر نے سعید بن ابی عروبہ سے بغیر ذکر قنوت کے نقل کیا ہے، اور محمد بن بشر نے اس حدیث کو سعید بن ابی عروبہ سے اس وقت سنا ہے جب وہ کوفہ میں تھے۔

وَقَدْ رَوَاهُ أَيْضًا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ وَشُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، وَلَمْ يَذْكُرَا الْقُنُوتَ.

چوں کہ اس حدیث کا مدار زبیدی اور قتادہ پر ہے تو اب مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ قتادہ سے اس حدیث کو شعبہ اور ہشام نے نقل کیا ہے اور قنوت کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ قتادہ کے شاگرد سعید بن ابی عروبہ نے قنوت قبل الرکوع کا ذکر کیا تھا۔

وَحَدِيثُ زُبَيْدٍ، رَوَاهُ سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ، وَشُعْبَةُ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، كُلُّهُمْ عَنْ زُبَيْدٍ، لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمُ الْقُنُوتَ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ زُبَيْدٍ، فَإِنَّهُ قَالَ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّهُ قَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَلَيْسَ هُوَ بِالْمَشْهُورِ مِنْ حَدِيثِ حَفْصٍ نَخَافُ أَنْ يَكُونَ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ غَيْرِ مِسْعَرٍ».

یہاں سے مصنفؒ دوسری تعلیق "عن عیسی عن فطر" اور تیسری تعلیق "عن حفص عن مسعر" کے اختلاف کو نقل فرما رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ زبید کی حدیث کو سلیمان الاعمش وغیرہ نے نقل کیا تو فطر بن خلیفہ کی مخالفت کی ہے کیوں کہ فطر نے قنوت قبل الرکوع کو ذکر کیا تھا اور ان حضرات نے قنوت قبل الرکوع کو ذکر نہیں کیا اسی طرح ان حضرات نے "حفص بن غیاث عن مسعر" کی بھی مخالفت کی ہے کیوں کہ حفص بن غیاث نے بھی قنوت قبل الرکوع کو نقل کیا تھا؛ لیکن مصنفؒ نے اس پر کلام کیا ہے کہ حفص بن غیاث سے قنوت قبل الرکوع منقول ہے ہوسکتا ہے کہ حفص بن غیاث نے مسعر کے علاوہ سے قنوت قبل الرکوع نقل کیا ہو، مسعر سے حفص کا قنوت قبل الرکوع کو نقل کرنا مشہور نہیں ہے۔

مصنفؒ کی بیان کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہے "قنوت فی الوتر" کی زیادتی ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح ثبوت صرف اتنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَيُرْوَى أَنَّ أُبَيًّا، كَانَ يَقْنُتُ فِي النِّصْفِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ»

یہ تعلیق ہے اس کا وصل مصنفؒ آگے خود ہی بیان کر رہے ہیں، اور مقصد مصنفؒ کا اس کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حدیث ابی میں ذکر قنوت ثابت نہیں کیوں کہ اگر ثابت ہوتا تو وہ خود اس کی مخالفت کیوں کرتے۔

۱۴۲۸- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، «أَمَّهُمْ - يَعْنِي - فِي رَمَضَانَ، وَكَانَ يَقْنُتُ فِي النِّصْفِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ»

ترجمہ: بعض اصحاب سے مروی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ جب رمضان میں امام ہوتے تو رمضان کے نصف

۱۴۲۸ - انظر مصنف عبد الرزاق الصنعاني (۴/ ۲۶۰/ ۷۷۲۹) و معرفة السنن والآثار للبيهقي (۴/ ۴۵/ ۵۴۲۴)

اخیر میں قنوت پڑھتے تھے۔

تشریح: یہ تعلیق سابق کا وصل ہے، پہلی روایت مصنفؒ نے بغیر سند کے بیان کی تھی اور اب سند کے ساتھ لائے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے اس لیے کہ سند میں "بعض اصحابه" کا مصداق معلوم نہیں لہٰذا یہ مجہول ہوئے۔

۱۴۲۹- حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، «فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي، فَإِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلَّى فِي بَيْتِهِ، فَكَانُوا يَقُولُونَ أَبَقَ أُبَيٌّ».

ترجمہ: حضرت حسن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو نماز تراویح کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا، پس وہ لوگوں کو بیس راتوں تک نماز پڑھاتے تھے؛ مگر قنوت صرف آخر کے نصف حصہ میں پڑھتے تھے، جب اخیر کے دس دن باقی رہ جاتے تھے تو اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے جس پر لوگ کہتے تھے: کہ ابیؓ بھاگ گئے۔

تشریح حدیث: حضرت مصنفؒ قنوت فی الوتر کے باب میں اس حدیث کو لائے ہیں اس میں حضرت ابی بن کعبؓ کا عمل بیان کیا گیا ہے، کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے اور تین رکعت وتر کی پڑھاتے تھے، وتر کی نماز میں صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ پورے سال وتر میں قنوت پڑھنا ثابت نہیں ہے ورنہ تو حضرت ابی بن کعبؓ ایسا نہ کرتے۔

قوله: في النصف الباقي: نصف باقی کے مصداق میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد پندرہ رمضان سے بیس رمضان تک کے پانچ دن مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ صرف بیس دن تک تراویح پڑھاتے تھے اور بیس میں سے صرف نصف باقی میں قنوت فی الوتر پڑھتے تھے اور نصف اول یعنی شروع سے پندرہ رمضان تک قنوت فی الوتر نہیں پڑھتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں بیس کی تنصیف مراد ہے کہ عشرۂ اولیٰ کے دس دنوں میں تو قنوت فی الوتر نہیں پڑھتے تھے اور نصف باقی یعنی عشرۂ ثانیہ میں قنوت پڑھتے تھے اور پھر تیسرے عشرہ میں تو اپنے گھر چلے جاتے تھے مسجد میں تراویح نہ پڑھاتے تھے۔

فائدہ: سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں "عشرين ليلة" کے بجائے "عشرين ركعة" ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس کو حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ حجاز سے نقل کر کے یہاں لائے تھے، اور اسی نسخہ میں انھوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے پڑھا تھا۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الَّذِي ذُكِرَ فِي الْقُنُوتِ لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَهَذَانِ

۱۴۲۹- السنن الصغير للبيهقي كتاب الصلاة، باب القنوت في الوتر وفي النصف الأخير من رمضان (۱/۲۸۵/۷۸۸)

الْحَدِيثَانِ يَدُلَّانِ عَلَى ضَعْفِ حَدِيثِ أُبَيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَنَتَ فِي الْوِتْرِ»

یہاں سے حضرت امام ابوداؤدؒ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ ماقبل میں جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مطلقاً قنوت فی الوتر مذکور ہوا وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ صرف رمضان کے نصفِ آخر میں قنوت فی الوتر پڑھتے تھے مصنفؒ کے قول "هذا يدل" کا مصداق حضرت ابی بن کعبؓ کا یہی عمل ہے کہ وہ صرف رمضان کے نصفِ آخر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔

لیکن صاحبِ منہل نے حضرت امام ابوداؤدؒ کے اس کلام پر یہ نقد کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ کا اثر مذکور "لايقنت بهم إلافي النصف الباقي" قابل استدلال نہیں ہے کیوں کہ حسن کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں لہٰذا سند میں انقطاع ہے۔

قوله: "وهٰذا الحديثان" اس سے مراد حضرت ابی بن کعبؓ کے مذکورہ دونوں اثر ہیں، یعنی ایک تو وہ جس کو محمد بن سیرین بعض اصحاب سے نقل کررہے ہیں اور دوسرا وہ جس کو حسن بصری حضرات عمرؓ کے حوالہ سے نقل کررہے ہیں، ان دونوں میں حضرت ابی بن کعبؓ کا صرف رمضان کے نصف اُخیر میں قنوت فی الوتر مذکور ہے۔

اوران دونوں آثار کے ذریعہ مصنفؒ جس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے ہیں وہ وہ حدیث مرفوع ہے جو ماقبل میں گزری کہ: "عن أبي بن كعب أن رسول الله ﷺ قنت يعني في الوتر قبل الركوع" اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ مستقل پورے سال قنوت فی الوتر پڑھا کرتے تھے۔

اور مصنفؒ کی وجہ ضعف یہ ہوسکتی ہے کہ صحابی کا عمل اپنی مروی کے خلاف ہو تو مروی روایت کے ضعیف ہونے کی علامت ہوا کرتا ہے۔

لیکن ابھی ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصنفؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ کے جو اثر پیش کیے ہیں وہ تو خود ضعیف ہیں ان کو دوسری حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل بنانا صحیح نہیں ہے، پہلے اثر میں "بعض أصحابه" مجہول تھے اور دوسرے اثر میں انقطاع ہے، لہٰذا یہ دونوں اثر مرفوع حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں بنیں گے۔ (المنہل: ۸/ ۶۶)

بَابٌ فِي الدُّعَاءِ بَعْدَ الْوِتْرِ

وتر کے بعد کی دعا

۱۴۳۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ

۱۴۳۰- أخرجه النسائي (۳/ ۲۳۵) في قيام الليل، باب ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي بن كعب في الوتر، وباب نوع آخر من القراءة في الوتر.

الْأَعْمَشِ، عَنْ طَلْحَةَ الْأَيَامِيِّ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ، قَالَ: «سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ».

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر پڑھ کر سلام پھیرتے تو پڑھتے تھے: "سُبحَانَ المَلِکِ القُدُّوسِ"۔

مقصد ترجمہ: حضرت مصنفؒ کا مقصد وتر کی نماز کے بعد پڑھی جانے والی مخصوص دعا کو بیان کرنا ہے وتر کی نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ ایک مخصوص دعا کے پڑھنے کی تھی لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تشریح حدیث: حدیث میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز کے بعد یہ کلمات ''سبحان الملك القدوس'' پڑھا کرتے تھے، نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تین مرتبہ ان کلمات کو باآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مذکورہ کلمات دعا کہاں ہیں بلکہ یہ تو تسبیح اور ذکر کے کلمات ہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مصنفؒ کی مراد دعا سے عام معنی مراد ہیں، جس میں ذکر و تسبیح بھی داخل ہے، یا یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا یہ عین دعا ہی تو ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أفضل الدعا الحمد لله'' لہٰذا حدیث ترجمۃ الباب کے عین مطابق ہوئی۔

۱۴۳۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ الْمَدَنِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ، أَوْ نَسِيَهُ، فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ»

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے تو جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ بعض ناسخین نے اس کا اس جگہ پر اضافہ کردیا ہو ورنہ تو یہ حدیث وجوب وتر سے متعلق ہے اور وتر کی شرعی حیثیت کے بیان کے ذیل میں یہ حدیث گزر بھی چکی ہے۔

۱۴۳۱- أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الرجل ينام عن الوتر (۴۶۵)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: من نام عن وتر أو نسيه معه (۱۱۸۸)

بَابٌ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ

سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا بیان

۱۴۳۲- حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: " أَوْصَانِي خَلِيلِي صلى الله عليه وسلم بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ فِي سَفَرٍ، وَلَا حَضَرٍ: رَكْعَتَيِ الضُّحَى، وَصَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنَ الشَّهْرِ، وَأَنْ لَا أَنَامَ إِلَّا عَلَى وِتْرٍ ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میرے دوست حضرت محمد ﷺ نے مجھ کو تین باتوں کی وصیت فرمائی جن کو میں کبھی نہیں چھوڑتا ہوں نہ سفر میں اور نہ حضر میں (۱) چاشت کی دو رکعتیں (۲) ہر مہینہ کے تین دن کے روزے (۳) وتر پڑھ کر سونا۔

مقصد ترجمہ: اگر اخیر شب میں بیدار ہونے کا یقین ہو تو افضل اور بہتر یہی ہے کہ اخیر شب میں تہجد کی نماز کے ساتھ وتر کی نماز ادا کی جائے اور اگر اخیر شب میں بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو احتیاط اسی میں ہے کہ رات کو سونے سے پہلے وتر کی نماز کو ادا کر لیا جائے، مصنفؒ اسی افضل اور احتیاطی امر کو بیان فرما رہے ہیں اور اس مقصد کے لیے مصنفؒ نے باب میں تین صحابہ کی تین حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ایک حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری حضرت ابوالدرداءؓ کی اور تیسری حدیث حضرت ابوقتادہؓ کی۔

تشریح حدیث: حضرت ابوہریرہؓ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی یعنی تاکیدی حکم دیا کہ میں ان تین چیزوں کو سفر و حضر میں مرتے دم تک نہ چھوڑوں، ان تین چیزوں میں پہلے سے چیز تو یہی کہ ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنے کا اہتمام کرنا اور تین دن سے مراد ایام بیض ہیں اور یہ حکم اس لیے کہ طبیعت روزے کی عادی رہے اور رمضان میں فرض کی ادائیگی آسان ہو اور تاکہ صوم دہر کا ثواب ملے۔

دوسری چیز جس کا نبی علیہ السلام نے تاکیدی حکم دیا چاشت کی دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں انسان کے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر واجب ہونے والے صدقہ کے لیے کفایت کرتی ہیں۔

اور تیسری چیز جو ترجمۃ الباب سے متعلق ہے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی تاکید ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کو یہ حکم

۱۴۳۲- أخرجه البخاري: كتاب التهجد، باب: صلاة الضحى في الحضر (۱۱۷۸)، ومسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان (۷۲۱).

بطورِ خاص اس لیے دیا کہ وہ حدیث شریف کے یاد کرنے اور پڑھنے میں مشغول رہا کرتے تھے، اس لیے ان کو احتیاطاً وتر پڑھ کر سونے ہی کا حکم دیا۔

۱۴۳۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ السَّكُونِيِّ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: " أَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ لِشَيْءٍ: أَوْصَانِي بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَلَا أَنَامُ إِلَّا عَلَى وِتْرٍ، وَبِسُبْحَةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ "

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے دوست حضرت محمد ﷺ نے مجھ کو تین باتوں کی وصیت فرمائی جن کو میں کسی حال میں نہیں چھوڑتا ہوں، خواہ سفر ہو یا حضر، وہ یہ ہیں: (۱) ہر مہینہ کے تین دن کے روزے (۲) وتر پڑھ کر سونا (۳) چاشت کی دو رکعتیں۔

تشریح حدیث: یہ باب کی دوسری حدیث ہے، اس میں بھی رسول اللہ ﷺ نے دوسرے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کو ان ہی تین چیزوں کا حکم فرمایا جن کا حکم حضرت ابو ہریرہؓ کو دیا تھا۔

یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے کیوں کہ ابوالیمان راوی متکلم فیہ ہیں لیکن مضمون چوں کہ دیگر روایات سے ثابت ہے اس لیے حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ کی ہے۔

۱۴۳۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، حَدَّثَنَا أَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ السَّيْلَحِينِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: «مَتَى تُوتِرُ؟»، قَالَ: أُوتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَقَالَ لِعُمَرَ: «مَتَى تُوتِرُ؟»، قَالَ: آخِرَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: «أَخَذَ هَذَا بِالْحَزْمِ»، وَقَالَ لِعُمَرَ: «أَخَذَ هَذَا بِالْقُوَّةِ»

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: شروع رات میں، پھر حضرت عمر سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: اخیر رات میں، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزیمت اختیار کی۔

۱۴۳۳- اخرجه أحمد في المسند (۶/ ۴۴۰)، وذكره الهيثمي في "مجمع الزوائد" (۲۲۰) كتاب الصلاة: باب في ركعتي الفجر، وعزاه لأبي داود وللطبراني في "الكبير"، وقال: ورجاله رجال الصحيح.

۱۴۳۴- رواه الموطأ (۱/ ۱۲۴) في صلاة الليل، باب الأمر بالوتر۔

تشریح حدیث: جس شخص کو اس بات کا خدشہ ہو کہ وہ اخیر شب میں نہیں اٹھ سکے گا تو اس کو چاہیے کہ اوائل شب میں نماز عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور جو شخص اخیر شب میں اٹھنے کی توقع رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وتر کو اخیر شب میں پڑھے کیوں کہ اخیر شب میں پڑھی جانے والی نماز مشہودہ ہے یعنی اس میں فرشتوں کی شرکت ہوتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق نحیف البدن بھی تھے کاموں کا ہجوم اور فکرات ہر وقت دامن گیر تھیں اور دین کے معاملہ میں بڑے ہی محتاط تھے اس لیے عشاء کے بعد وتر پڑھ کر ہی سویا کرتے تھے ان کی اس احتیاط اور فکر مندی کی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریف و توثیق فرمائی کہ انھوں نے احتیاط کو اختیار کیا ہے۔

دوسری طرف حضرت فاروق اعظم کی شان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اعتبار سے قوت و طاقت سے نوازا تھا اور اپنے عزم و ارادے میں بڑے پختہ تھے یقین رہتا تھا کہ تہجد میں اٹھ ہی جائیں گے شیطان آپ سے خائف رہتا تھا، اس لیے آپ تو اخیر شب میں تہجد کے ساتھ ہی وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے، پیغمبر ﷺ نے ان کے عمل کی بھی توثیق فرمائی بلکہ ان کی قوت و عزم کی پختگی کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ یہ بڑے پختہ انسان ہیں اور اپنی شانِ قوت ہی کو اختیار بھی کر رکھا ہے۔

صاحب منہل نے حضرت عمر کا مقولہ نقل فرمایا ہے: ''إنّ الأكياس الذي يؤترون أوّل الليل وإن الأقوياء الذين يوترون آخر الليل وهو الأفضل''

حاصل یہ ہے کہ جس کو اخیر شب میں بیدار ہونے کا یقین ہو اس کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ اخیر شب میں وتر پڑھے اگر چہ اس کے لیے بھی اوّل شب میں پڑھنا کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس کو احتیاط پر عمل کرنا ہو اس کو سونے سے پہلے ہی وتر کی نماز پڑھ لینی چاہیے۔

بَابٌ فِي وَقْتِ الْوِتْرِ

وتر کے وقت کا بیان

۱۴۳۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: مَتَى كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: «كُلَّ ذَلِكَ قَدْ فَعَلَ، أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ، وَوَسَطَهُ، وَآخِرَهُ، وَلَكِنِ انْتَهَى وِتْرُهُ حِينَ مَاتَ إِلَى السَّحَرِ».

۱۴۳۵- أخرجه البخاري: كتاب الوتر، باب: ساعات الوتر (۹۹۶)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل (۷۴۵)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: الوتر أول الليل (۴۵۷)، النسائي: كتاب الوتر، باب: الوتر (۳/ ۲۳۰)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في الوتر آخر الليل (۱۱۸۵).

ترجمہ: حضرت مسروق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کس وقت پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا: سب طرح کیا ہے، کبھی آپ ﷺ اول شب میں پڑھتے، کبھی وسط شب میں اور کبھی آخر شب میں؛ لیکن آخر عمر میں آپ ﷺ وتر کو فجر کے قریب پڑھا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ نماز وتر کا وقت بیان کرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے مصنفؒ نے چار حدیثیں پیش کی ہیں دو حضرت عائشہؓ کی اور دو حضرت ابن عمرؓ کی، اور ان کا مفہوم یہ ہے کہ وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا ہے، البتہ عشاء اور وتر میں ترتیب ضروری ہے کہ پہلے عشاء پڑھی جائے اور اس کے بعد وتر کی نماز پڑھی جائے اور عشاء کے بعد اختیار ہے کہ صبح صادق سے پہلے رات کے کسی حصہ میں بھی وتر پڑھ لے۔

تشریح حدیث: مشہور تابعی حضرت مسروق نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول وتر کے تعلق سے کیا تھا؟ آپ ﷺ کس وقت وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں نماز وتر پڑھی ہے، البتہ آخری عمر میں آپ ﷺ کا معمول آخرِ شب کا رہا ہے۔

یہاں پر ''كُلَّ ذٰلِكَ'' میں ''كُلَّ'' منصوب ہے اس لیے کہ وہ فَعَلَ کا مفعول مقدم ہے۔

فقہ الحدیث: حضرات فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو آخرِ شب میں بیدار ہونے کا یقین ہو تو اس کے لیے آخر شب میں وتر پڑھنا ہی افضل ہے، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری معمول یہی رہا ہے، اور جس کو آخر شب میں بیدار ہونے میں تردد ہو تو اس کو اوّل شب میں وتر پڑھ لینا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عمل تھا۔

۱۴۳۶- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ».

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وتر جلدی پڑھو صبح ہو جانے سے پہلے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: صبح سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لیا کرو، ''مبادرت'' کے اصل معنی ہیں جلدی کرنا، سبقت کرنا، لپکنا اور کسی کام کا کسی چیز کے وقوع سے پہلے کر لینا، پس حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوا کہ طلوع فجر سے پہلے پہلے وتر کی نماز کو ضرور پڑھ لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے اور تم وتر پڑھنے سے رہ جاؤ۔

فقہ الحدیث: حدیث میں مذکور تاکید سے حنفیہ نے یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رات میں وتر پڑھنے سے

۱۴۳۶- أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: مبادرة الصبح بالوتر (۴۶۷).

رہ جائے تو چوں کہ اس کی قضا واجب ہے اس لیے دن میں اس کو پڑھ لینا چاہیے۔

نیز حدیث کا مفاد یہ بھی ہے کہ وتر کی ادائے گی کا آخر وقت طلوع فجر ہے۔

۱۴۳۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ: «رُبَّمَا أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا أَوْتَرَ مِنْ آخِرِهِ»، قُلْتُ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَتُهُ؟ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ، أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: «كُلَّ ذٰلِكَ كَانَ يَفْعَلُ، رُبَّمَا أَسَرَّ، وَرُبَّمَا جَهَرَ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ، وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ، فَنَامَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ غَيْرُ قُتَيْبَةَ: «تَعْنِي فِي الْجَنَابَةِ».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے حضور ﷺ کے وتر کے متعلق دریافت کیا کہ کب پڑتے تھے؟ فرمایا: کبھی اول شب میں اور کبھی آخر شب میں، میں نے پوچھا کہ اس میں قراءت کیسے کرتے تھے آہستہ یا بلند آواز؟ فرمایا: کہ دونوں طرح کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز سے، نیز کبھی آپ ﷺ غسل کر کے سوتے اور کبھی وضو کر کے سوتے۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ قتیبہ کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: غسل سے مراد جنابت ہے۔

تشریح حدیث: اس مضمون کی روایت کتاب الطہارت میں بھی گزر چکی ہے، یہاں اس کو لانے کا مقصد وتر کی نماز کے آخری وقت کو بیان کرنا ہے، کہ حضوا کرم ﷺ آخر شب میں بھی وتر پڑھ لیا کرتے تھے، بلکہ آخری عمر میں تو آپ ﷺ اخیر شب میں پڑھا کرتے تھے۔

حدیث میں دو چیزوں کا اور ذکر ہے، ایک حضور ﷺ کی رات کی نماز میں قراءت کی کیفیت کا اور دوسرے غسل جنابت کے وقت کا، ان دونوں کی وضاحت بھی کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے۔

۱۴۳۸- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کی آخری نماز وتر کو بنایا کرو۔

تشریح حدیث: یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے اور شراح بخاری نے اس سے یہ استدلال کیا ہے، ہمارے مصنفؒ نے تو اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیے، اور یہ حکم بھی استحبابی ہے کوئی وجوبی نہیں،

۱۴۳۷- أخرجه مسلم: كتاب الحيض، باب: جواز نوم الجنب (۳۰۷)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب قراءة الليل (۴۴۹).

۱۴۳۸- أخرجه البخاري: كتاب الوتر، باب: يجعل آخر صلاته وترا، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: صلاة الليل (۷۷۷)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في التطوع في البيت (۱۳۷۷).

اگر وجوبی ہوتا تو پھر اگر کوئی شخص شروع شب میں وتر پڑھ کر سوجاتا اور آخر شب میں بیدار ہوتا تو اس کو دوبارہ وتر پڑھنا ضروری ہوتا، مصنف ؒ اگلے ترجمہ میں اس کی وضاحت بھی فرمائیں گے۔

بَابٌ فِي نَقْضِ الْوِتْرِ

وتر دومرتبہ نہیں پڑھے جاسکتے

۱۴۳۹-حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، قَالَ: زَارَنَا طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ فِي يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ، وَأَمْسَى عِنْدَنَا، وَأَفْطَرَ، ثُمَّ قَامَ بِنَا اللَّيْلَةَ، وَأَوْتَرَ بِنَا، ثُمَّ انْحَدَرَ إِلَى مَسْجِدِهِ، فَصَلَّى بِأَصْحَابِهِ، حَتَّى إِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلًا، فَقَالَ: أَوْتِرْ بِأَصْحَابِكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ».

ترجمہ: حضرت قیس بن طلق سے روایت ہے کہ ایک دن رمضان میں طلق بن علی ہمارے پاس آئے اور شام تک رہے اور روزہ افطار کیا، اس کے بعد ہمیں اس رات تراویح اور وتر پڑھائے، پھر اپنی مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی، جب وتر باقی رہ گئے تو ایک دوسرے شخص کو آگے بڑھایا اور فرمایا: کہ لوگوں کو وتر پڑھا کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوسکتے۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداؤدؒ کا مقصد قرنِ اوّل کے ایک اہم اختلافی مسئلہ کو بیان کرنا ہے اور وہ مسئلہ ہے نقض وتر کا جس کی تفصیل یہ ہے کہ دو حدیثیں ہیں جو باہم متعارض نظر آتی ہیں۔ (۱) اجعلوا آخر صلاتکم الوتر۔ (۲) لا وتران في ليلة۔

پہلی حدیث کا مفاد یہ ہے کہ وتر کی نماز رات کی تمام نمازوں میں سب سے اخیر میں پڑھو، اب اگر کسی شخص نے عشاء کے فوراً بعد وتر کی نماز پڑھی اور سوگیا پھر تہجد میں بیدار ہوا اور تہجد کی نماز پڑھی تو اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ آخری نماز وتر کی ہو اور تہجد کے بعد وتر کی نماز دوبارہ پڑھی جائے، لیکن اگر تہجد کے بعد دوبارہ وتر کی نماز پڑھے گا تو دوسری حدیث: ''لا وتران في ليلة'' کی مخالفت لازم آتی ہے کیوں کہ ایک ہی رات میں دومرتبہ وتر پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے ایسے شخص کی یا تو آخری نماز وتر کی نہیں ہوتی بلکہ تہجد کی ہوتی ہے یا پھر وتر کا دومرتبہ پڑھنا لازم آتا ہے، اگر ایک حدیث پر عمل کرے تو دوسری کی مخالفت ہوتی ہے، اور اگر دوسری پر عمل کرے تو پہلی کی مخالفت لازم آتی

۱۴۳۹-أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: لا وتران في ليلة (۴۷۰)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: النهي عن وترين في ليلة (۳/۲۲۹)

ہے، یہ ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔

اس کا حل بعض علماء نے یہ نکالا کہ عشاء کے بعد پڑھے گئے وتر کا نقض کر دیا جائے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ تہجد شروع کرنے سے قبل ایک رکعت نماز اس نیت سے پڑھے کہ اس کو میں وتر کی تین رکعات میں جو شروع شب میں پڑھی تھیں، شامل کرتا ہوں، اب وہ سابق وتر کی نماز بجائے وتر کے نفل ہو جائے گی، اس کے بعد یہ شخص تہجد کی نماز پڑھ کر وتر کو پڑھ لے، اس صورت میں تہجد بھی ہوگئی اور آخری نماز وتر بھی ہوگئی اور ایک رات میں دو مرتبہ وتر پڑھنا بھی لازم نہ آیا کیوں کہ شروع میں پڑھے گئے وتر درحقیقت وتر ہی نہ رہے بلکہ وہ تو نفل ہو گئے تھے۔

حضراتِ صحابہ میں حضرت ابن عمرؓ کی رائے یہی تھی۔

لیکن جمہور ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ نقض وتر کو اختیار نہیں کیا جائے گا؛ اس لیے کہ آدمی کے اختیار میں یہ کہاں ہے کہ وہ سابق پڑھے گئے وتر کو توڑ سکے وہ تو آسمان پر پہنچ گئے۔

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ حدیث میں ''اجعلوا آخر صلاتکم وترا'' کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز کے بعد وتر کی نماز پڑھ لی اور پھر بعد میں تہجد کے وقت بھی بیدار ہوا تو اس کو تہجد کی نماز پڑھنی چاہیے اور وتر کی نماز کو دوبارہ نہ پڑھے۔

تشریح حدیث: حدیث شریف میں اولاً تو حضرت طلق بن علیؓ کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے اور پھر اخیر میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: ''لا وتران في ليلة'' کہ ایک رات میں دو مرتبہ وتر نہیں ہے۔

''لا وتران في ليلة'' کے اعراب میں اختلاف ہے، صاحبِ منہل کا خیال ہے کہ یہاں ''وتران'' فعل محذوف کا فاعل ہے اور تقدیری عبارت ہے: ''لا يجوز أو لا يجتمع وتران في ليلة'' اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''لا'' مشابہ بلیس ہے اور ''وتران'' اس کا اسم ہے، اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ''لا'' نفی جنس کا ہے اور ''وتران'' اس کا اسم ہے جو کہ منصوب ہے لیکن اس کا نصب الف کے ساتھ ہے لغت بنی حارث کے مطابق اگرچہ اہل حجاز کی لغت میں یہ ''لا وترين'' ہوگا۔ (عون المعبود: ۴/۲۲۱)

بقیہ حدیث شریف کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے۔

بَابُ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَوَاتِ

نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھنے کا بیان

۱۴۴۰- حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أُمَيَّةَ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنِي ابْنَ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ

۱۴۴۰- أخرجه البخاري: كتاب الأذان، باب: حدثنا معاذ بن فضالة (۷۹۷)، مسلم: كتاب المساجد، باب: استحباب القنوت في جميع الصلاة، إذا نزلت بالمسلمة نازلة (۶۷۶)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: النهي عن وترين في ليلة (۲/۲۲۹).

أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَاللَّهِ لَأُقَرِّبَنَّ لَكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ «يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، وَصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ، وَيَلْعَنُ الْكَافِرِينَ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں کہا کہ: خدا کی قسم میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی سی نماز پڑھاؤں، ابوسلمہ کہتے ہیں: کہ حضرت ابوہریرہؓ ظہر اور عشاء اور فجر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے، مسلمانوں کے لیے دعا کرتے تھے اور کافروں پر لعنت کرتے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے قنوتِ نازلہ کو بیان کرنا ہے اور وہ بھی تمام نمازوں میں، جہاں تک قنوتِ دائمی کا تعلق ہے تو اس پر تو تفصیلی بحث مصنفؒ ماقبل میں کر چکے ہیں، اب قنوتِ نازلہ سب نمازوں میں پڑھی جائے گی یا صرف فجر کی نماز میں؟

اس سلسلہ میں الموسوعۃ الفقہیہ میں چار مذاہب نقل کئے ہیں:

(۱) حنفیہ کا معمول و مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز میں آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی جائے گی ''قال أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليةٍ، فإذا وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به، فعله رسول الله ﷺ، أما القنوت في الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل به إلا الشافعي''۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق: ۲/ ۴۸)

(۲) مالکیہ کے نزدیک بھی قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز ہی میں پڑھی جائے گی، لا يقنت في غير الصبح مطلقًا، قال الزرقاني: لا بوترٍ ولا في سائر الصلوات عند الضرورة۔ (شرح الزرقانی علی مختصر خلیل: ۱/ ۲۱۲)

(۳) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز میں ہوگی، اگرچہ غیر مشہور قول یہ بھی ہے کہ جمعہ کے علاوہ سب فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ ہوسکتی ہے۔ ''فإن نزل بالمسلمين نازلة فللإمام أن يقنت في صلاة الصبح نص عليه أحمد، قال الأثرم: سمعت أبا عبد الله سئل عن القنوت في الفجر؟ فقال: إذا نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام وأمّن من خلفه'' (المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۵۸۷)

(۴) حضرت امام شافعیؒ کا مشہور اور صحیح مذہب یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ تمام فرض نمازوں میں پڑھی جائے گی: ''إذا نزلت بالمسلمين نازلة كوَبَاءٍ وَقَحطٍ أو مَطَرٍ يَضُرُّ بالعُمْرَانِ أو الزرع أو خوفِ عَدُوٍّ أو أسرِ عَالمٍ قنتوا في جميع الصلواتِ المكتوبة''۔ (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۴/ ۶۶)

خلاصہ یہ نکلا کہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز میں مشروع ہے، اور شافعیہ کے یہاں تمام نمازوں میں مشروع بلکہ مستحب ہے۔

شوافع کی دلیل:

حضرات شوافع کی سب سے واضح دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کا عمل پیغمبر علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے ہمارے مصنف نے بھی اس حدیث میں ابن عباس کو مندرجہ ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "قَنَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ، يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، عَلَى رِعْلٍ، وَذَكْوَانَ، وَعُصَيَّةَ، وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهُ" (سنن ابوداؤد: حدیث/ ۱۴۴۳)

اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضراتِ احناف کی طرف سے اس کا جواب منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اس پر پیغمبر علیہ السلام کی مواظبت ثابت نہیں ہے۔

احناف کی دلیل:

ہمارا استدلال اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''أنه عليه الصلاة والسلام قنت في صلاة الفجر شهرًا ثم تركه'' (نصب الرايه للزيلعي، كتاب الصلاة باب صلاة الوتر)

لیکن منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فقہاء احناف کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ قنوت نازلہ کو دیگر صلواتِ جہریہ میں بھی پڑھا جاسکتا ہے، اور ہمارے خیال میں بھی روایات کے ظاہر سے یہی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ نے چوں کہ حضور اکرم ﷺ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اس لیے فرمارہے ہیں کہ میں آپ لوگوں کو حضور ﷺ جیسی نماز پڑھ کر دکھاؤں گا، یا ایسی نماز پڑھ کر دکھاؤں گا جو حضور ﷺ کی نماز سے بہت قریب ہوگی، مشابہ ہوگی۔

اب حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے تلامذہ کو پوری نماز پڑھ کر دکھائی یا نہیں، اس کا تو روایات میں کوئی ذکر نہیں ہے البتہ ان کے تلامذہ نے قنوتِ نازلہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کا عمل بیان کیا کہ وہ ظہر، عشاء اور فجر میں قنوتِ نازلہ

پڑھتے تھے، جس میں اہل ایمان کے لیے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے اور کافروں سے بھی ظالم کفار ہی مراد ہیں۔

یہ عمل اگرچہ حضرت ابوہریرہؓ کا ہے لیکن وہ اس عمل کو حضور ﷺ کے مشابہ قرار دیتے ہیں اس لیے اس کو حکماً مرفوع کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

مصنفؒ اس حدیث ابوہریرہؓ کو آگے بھی تفصیل سے لا رہے ہیں جس میں حضور ﷺ کا عمل نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ بھی ان نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔

۱۴۴۱- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، قَالُوا كُلُّهُمْ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْنُتُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ»، زَادَ ابْنُ مُعَاذٍ: وَصَلَاةِ الْمَغْرِبِ .

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور ابن معاذ کی روایت میں مغرب کا بھی ذکر ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: ''قالوا کلھم'': کل کا مصداق ہے مصنفؒ کے چاروں اساتذہ یعنی ابوالولید، مسلم بن ابراہیم، حفص بن عمر اور معاذ بن معاذ العنبری، ان چاروں حضرات نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی ہے، اور ''قالو'' کی ضمیر ان ہی چاروں کی طرف راجع ہے۔

پھر مصنفؒ کے چاروں اساتذہ میں سے صرف ابن معاذ نے مغرب کی نماز میں بھی قنوت کا ذکر کیا ہے جب کہ دیگر تین نے صرف فجر میں قنوت کو بیان کیا ہے۔

۱۴۴۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: " قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْعَتَمَةِ شَهْرًا يَقُولُ فِي قُنُوتِهِ: اللَّهُمَّ نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اللَّهُمَّ نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي

۱۴۴۱- أخرجه مسلم: كتاب المساجد، باب: استحباب القنوت في جميع الصلاة، وإذا نزلت بالمسلمين نازلة (٦٧٨)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: القنوت في الفجر (٤٠١) النسائي: كتاب افتتاح الصلاة، باب: القنوت في صلاة المغرب (٢/٢٠٢)

۱۴۴۲- أخرجه البخاري: كتاب الصلاة، باب: دعاء النبي صلى الله عليه وسلم اجعلها عليهم كسني يوسف، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: استحباب القنوت (٦٧٥).

يُوسُفَ "، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَأَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَلَمْ يَدْعُ لَهُمْ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «وَمَا تُرَاهُمْ قَدْ قَدِمُوا» .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک عشاء کی نماز میں قنوت پڑھی ہے، آپ ﷺ قنوت میں یہ پڑھتے تھے: اللَّهُمَّ نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ... اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے دے، یا اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے دے (یہ لوگ کفار کی قید میں تھے) یا اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات دے دے، یا اللہ مضر پر اپنا سخت عذاب نازل فرما، یا اللہ! ان پر قحط ڈال دے جیسا کہ تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ڈالا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ: ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی؛ لیکن ان لوگوں کے لئے دعا نہیں کی، اس بارے میں میں نے آپ سے استفسار کیا تو فرمایا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ ولید اور سلمہ کفار کی قید سے آ گئے ہیں۔

تشریح حدیث: صحیح مسلم کی روایت میں عشاء کی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، اور صحیح بخاری میں "قنت بعد الركوع" کے الفاظ ہیں، پھر اس حدیث میں قنوت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں صرف انھیں کا پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ اور کلمات بھی پڑھا کرتے تھے، نیز ہماری ابوداؤد کی اس روایت میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو مسلمانوں کے نام لے کر دعا فرمائی ایک حضرت ولید بن ولید اور دوسرے سلمہ بن ہشامؓ جب کہ بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تین مسلمانوں کا نام لے کر دعا کی ہے، جن میں دو تو یہی ہیں اور تیسرے عیاش بن ربیعہ ہیں، یہ اختلاف احوال پر محمول ہو سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ نے دو کا نام لیا ہو، اور کبھی تین کا نام لیا ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے کمزور مسلمانوں کے لیے نجات کی دعا کی، پھر قبیلہ مضر کے لیے بددعا کی ہے کہ اے اللہ! ان کی سخت پکڑ فرما اور ان کو قحط سالی میں مبتلا کر دے۔

قولہ: "الوليد بن الوليد" یہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی ہیں، جنگ بدر میں تو مشرکین کی طرف سے لڑنے آئے تھے لیکن قید ہو گئے تھے اور چار ہزار درہم کا فدیہ دے کر آزادی حاصل کی تھی، اور پھر فوراً ہی اسلام لے آئے، کسی نے کہا کہ فدیہ سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیتے تو کہا کہ اگر فدیہ دینے سے قبل اسلام قبول کرتا تو لوگ یہ کہتے یا سمجھتے کہ فدیہ کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے، اس کے بعد یہ مکہ گئے تو مشرکین نے ان کو گرفتار کر لیا اس پر پیغمبر علیہ السلام نے ان کا نام لے کر دعا فرمائی۔

قولہ: "سلمة بن هشام" یہ بھی خالد بن ولیدؓ کے چچازاد بھائی تھے، اور ان مسلمانوں میں سے ہیں جو شروع میں ہی اسلام لے آئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، پھر جب مکہ آئے تو ابو جہل نے گرفتار کر لیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے روک دیا اور سخت سزائیں دیں لیکن یہ ثابت قدم رہے، بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے اور آخر تک مدینہ میں ہی رہے ۱۴ھ میں جب کہ حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا انتقال فرمایا ہے۔

قولہ: "اللھم اشدد وطاتك علیھم" وَطاَءة مصدر ہے بمعنی سخت گرفت، سخت حملہ، اصل میں تو اس کے معنی پاؤں سے روندنے کے آتے ہیں، لیکن مراد یہاں ہلاک کرنا یا سخت عذاب دینا ہے کیوں کہ جس چیز کو روندا جاتا ہے وہ ہلاک ہی ہوجاتی ہے۔ اور "مضر" یہ عرب کا مشہور قبیلہ تھا جو اسلام دشمنی میں بڑا سخت تھا۔

قولہ: اجعلھا علیھم سنین کسني یوسف: سِنِين کا لفظ قحط کے لیے استعمال ہوتا ہے "ہا" ضمیر "وطاۃ" کی طرف راجع ہے اور مطلب اس بددعائیہ کلمہ کا یہ ہے کہ اے اللہ! ان لوگوں پر سات سال تک ایسا قحط مسلط کردے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم پر مسلط ہوا تھا۔

اعداء اسلام کے حق میں پیغمبر علیہ السلام کی بددعا بھی رحمت ہے:

اگر اعداء اسلام دشمنی اور سرکشی پر تلے ہوں اور صورتِ حال یہ ہوجائے کہ ان کو سمجھانے کی ہر کوشش ناکام ہوں اور حق کو قبول کرنے کی تمام توقعات ختم ہوجائیں تو مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے حق میں بددعا کردی جائے تاکہ دنیا ہی میں یہ پریشان ہوکر توبہ کرلیں اور ہدایت کو قبول کرلیں، اسی مصلحت اور حکمت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں قحط سالی کی دعا کردی، ورنہ تو آپ علیہ السلام انسانیت کے لیے بے پناہ شفیق اور مہربان ہیں، قرآن پاک میں فرمایا گیا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ.

فقه الحديث: حدیث میں جو یہ فرمایا: "وماتراھم قد قدموا" اس سے معلوم ہوا کہ جب ظالم کے ظلم سے نجات حاصل ہوجائے تو پھر قنوت نازلہ بند کردی جائے گی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس وقت بند کردی تھی جب مسلمان مشرکین کے ظلم سے نجات پا گئے تھے، نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کا نام لے کر بھی دعا کی جاسکتی ہے اور اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۴۴۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ، يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، عَلَى رِعْلٍ، وَذَكْوَانَ، وَعُصَيَّةَ، وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهُ.

۱۴۴۳- أخرجه ابن خزيمة في صحيحه، كتاب الصلاة، بَابُ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا وَتَأْمِينِ الْمَأْمُومِينَ.... حديث/ ٦١٨، و قال المحدث الاعظمي: اسناده حسن. ومسند أحمد مخرجا (۴/ ۴۷۵/ ۲۷۴۶)

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لگا تار ایک مہینہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ تو قنوت پڑھا، آپ ﷺ بنی سلیم کی بستی میں سے قبیلہ رعل، ذکوان اور عصیہ کے لیے بددعا فرماتے تھے اور لوگ آپ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔

تشریح حدیث: اس روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھی ہے، اس روایت کو ہم ماقبل میں بھی نقل کر چکے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث میں جس قنوتِ نازلہ کا ذکر کیا ہے وہ غزوۂ بئر معونہ (واقع صفر ۴ھ) کے موقع پڑھی گئی ہے، اس جگہ مناسب ہے کہ اس کی کچھ تفصیل نقل کر دی جائے۔

رِعل: راء کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ ہے، یہ قبیلۂ بنو سلیم کی ایک شاخ تھی، جو رعل بن خالد بن عوف بن مالک بن امرئ القیس بن بہثہ بن سلیم کی طرف منسوب ہے۔

ذکوان: یہ بھی قبیلۂ بنو سلیم ہی کی ایک شاخ تھی جس کی نسبت ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم کی طرف ہے۔

عصیة: یہ عصا کی تصغیر ہے اور قبیلہ بنو سلیم ہی کی ایک شاخ تھی، جس کی نسبت عصیہ بن خفاف بن امرئ القیس بن بہثہ بن سلیم کی طرف ہے۔

غزوۂ بئر معونہ:

بئر معونہ کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ قبیلہ بنو عامر کا سردار عامر بن مالک حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ساتھ میں ہدیہ بھی لایا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی انکار کیا، بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے آدمی ہمارے قبیلہ کی طرف اسلام کی دعوت کی غرض سے بھیجیے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اہل نجد سے اندیشہ ہے، کہ وہ ہمارے اصحاب کو نقصان پہنچائیں گے عامر بن مالک نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، حضور ﷺ نے ان کی فرمائش پر ستر صحابہ کو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۵۲)

بخاری کتاب الجہاد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلۂ رِعل و ذکوان کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے اسلام کا اظہار کر کے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی، کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجیے، آپ ﷺ نے ان کی مدد کی غرض سے ستر صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو روانہ فرمایا تھا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۸۶)

لیکن دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں کہ عامر بن مالک کی درخواست کو بھی پورا کرنا تھا اور قبیلۂ رعل و ذکوان کی امداد بھی مقصود تھی۔

حاصل یہ کہ یہ ستر صحابۂ کرام روانہ ہوئے، ان کے امیر حضرت منذر بن عمرو ساعدیؓ مقرر ہوئے اور حضرت حرام بن ملحانؓ کو آپ ﷺ نے ایک خط بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام دیا، یہ عامر بن طفیل، عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، حضرت حرامؓ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم پیچھے رہو میں عامر بن طفیل کو خط دیتا ہوں، اگر اس نے مجھے امن دے دیا تو تم یہیں رہنا اور اگر مجھے قتل کر دیا تو تم باقی ساتھیوں کے پاس چلے جانا، حضرت حرامؓ کو قتل کر دیا گیا اور عامر بن طفیل نے بنو عامر کو باقی صحابہ کے قتل پر ابھارا، عامر بن طفیل کے چچا عامر بن مالک نے کہا کہ میں نے ان حضرات کو امن دے دیا ہے لہٰذا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے مگر اس نے اپنے چچا کی بات نہ مانی، بنو عامر نے بھی کہا کہ ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے لیکن عامر بن طفیل نے ان کی بھی نہ مانی اور دو قبیلہ رِعل وذکوان سے مدد مانگی، رعل وذکوان نے باوجود اس کے کہ حضور ﷺ سے صحابۂ کرامؓ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی عہد شکنی اور عامر بن طفیل کے ساتھ مل کر صحابۂ کرامؓ کو شہید کر دیا۔

صرف تین صحابہ بچے ایک کعب بن زید انصاریؓ، ان کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ یہ فوت ہو چکے ہیں حالاں کہ وہ زندہ تھے، یہ بعد میں غزوۂ خندق کے موقع پر شہید ہوئے ہیں، دوسرے دو صحابہ میں ایک منذر بن محمدؓ تھے اور ایک عمرو بن امیہ ضمریؓ تھے، یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے اچانک انھیں آسمان پر پرندے اڑتے ہوئے نظر آئے، پرندوں کو دیکھ کر یہ دونوں گھبرا گئے کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہے، جب قریب گئے تو معلوم ہوا کہ تمام صحابہ شہید ہو گئے ہیں، منذر بن محمدؓ بولے جہاں ہمارے امیر شہید ہو گئے ہیں میں وہاں سے کیوں بھاگوں آگے بڑھے اور کفار سے لڑ کر جامِ شہادت نوش فرمایا، عمرو بن اُمیہ کو لوگوں نے زندہ گرفتار کیا اور عامر بن طفیل کے حوالے کیا عامر نے ان کے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی یہ اس کی طرف سے آزاد ہے۔ (تاریخ طبری: ۲/ ۳۲۰)

جب حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ ایک مہینہ تک قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے اور رعل وذکوان قبائل کے حق میں بد دعا فرماتے رہے، اس حادثہ سے پیغمبر علیہ السلام کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ زندگی بھر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔

بعض شراح حدیث نے لکھا ہے کہ درحقیقت قنوتِ نازلہ کے مشروع ہونے کا سبب ہی یہ واقعہ ہے؛ لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں؛ کیوں کہ جیسا کہ پہلی حدیث میں آیا کہ غزوۂ بدر سے پہلے بھی آپ ﷺ نے ولید بن ولید وغیرہ کے حق میں قنوتِ نازلہ پڑھی ہے، اور یہ واقعہ بئر معونہ ۵ھ میں پیش آیا ہے اس لیے اس کو قنوتِ نازلہ کے ابتداء کا سبب قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

فقه الحدیث: اس حدیث سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ قنوتِ نازلہ کا محل آخری رکعت ہے، کہ آخری رکعت کا رکوع کرنے کے بعد امام جب جب "سمع الله لمن حمده" کہے تو قنوت شروع کرے اور مقتدی آمین کہیں اور یہ آمین احناف کے نزدیک سراً کہنا ہی افضل ہے۔

۱۴۴۴- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سُئِلَ هَلْ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ، أَوْ بَعْدَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ: «بَعْدَ الرُّكُوعِ»، قَالَ مُسَدَّدٌ: بِيَسِيرٍ.

ترجمہ: حضرت محمد بن انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر پوچھا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی ہے یا بعد میں؟ فرمایا: رکوع کے بعد، مسدد کی روایت میں ہے کہ رکوع کے تھوڑی ہی دیر بعد پڑھی ہے۔

تشریح حدیث: یہاں سے مصنفؒ حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث کو تین سندوں سے بیان کر رہے ہیں اور مقصد قنوتِ نازلہ کے محل کو بیان کرنا ہے کہ قنوتِ نازلہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد ہوگی، جس کی وضاحت سابقہ روایت کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے۔

صاحبِ منہل تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ رواۃ حدیث کا اختلاف ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہوگی جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے یا بعد الرکوع جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، لیکن راجح بعد الرکوع ہی ہے؛ کیوں کہ اس سلسلہ میں روایات زیادہ صحیح وصریح ہیں، فرماتے ہیں: ''والراجح أن القنوت يكون بعد الركوع لثبوته بالأحاديث الكثيرة المرفوعة عن أنس وغيره، وقال البيهقي: رواة القنوت بعدالركوع أكثر وأحفظ وعليه درج الخلفاء الراشدون''

(المنہل العذب المورود: ۸/۸۸)

۱۴۴۵- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا، ثُمَّ تَرَكَهُ».

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی اور اس کے بعد چھوڑ دی۔

تشریح حدیث: یہ حضرت انسؓ کی حدیث کا طریق ثانی ہے اس میں یہ آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ (تمام نمازوں میں) پڑھی اس کے بعد چھوڑ دیا، احناف اس سے استدلال کرتے ہیں کہ تمام نمازوں میں

۱۴۴۴- أخرجه البخاري: كتاب الوتر- باب القنوت قبل الركوع وبعده (۱۰۰۱)، مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب القنوت في جميع إذا نزلت بالمسلمين نازلة حول (۲۹۸/ ۶۷۷)، النسائي: كتاب التطبيق، باب: القنوت في صلاة الصبح (۲/ ۲۰۰)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في القنوت قبل الركوع وبعده (۱۱۸۴).

۱۴۴۵- أخرجه مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب القنوت في جمع الصلاة- (۶۷۷).

قنوت نازلہ پڑھنا منسوخ ہوگیا ہے، لیکن ہمارے خیال میں احناف کا یہ استدلال مناسب نہیں ہے اس لیے کہ یہاں حضرت انس ؓ جس قنوت کو چھوڑنے کی بات کہہ رہے ہیں اس سے مراد صرف یہ ہے کہ قبیلہ رعل وذکوان پر ایک ماہ کے بعد بددعا کرنا بند کردی یا جب مظلوم مسلمان کفار کے ظلم سے آزاد ہوگئے تو بند کردی، یہ مراد نہیں ہے کہ تمام فرض نمازوں میں جو قنوتِ نازلہ پڑھنا مشروع تھا وہ منسوخ ہوگیا۔

۱۴۴۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُفَضَّلٍ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْ «صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، قَامَ هُنَيَّةً».

ترجمہ: محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جس نے نبی ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی تھی کہ: جب آپ نے دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سر اٹھایا تو تھوڑی دیر تک (قنوت پڑھنے کے لیے) کھڑے رہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت انس بن مالک ؓ کی حدیث کا طریق ثالث ہے اس میں بھی قنوت بعد از رکوع کا بیان ہے، اس حدیث میں "حدثني مَن" کا مصداق حضرت انس ؓ ہی ہیں۔

خلاصہ روایات الباب:

اس باب میں مصنف ؒ نے کل چار صحابہ کرام کی روایات کو سات سندوں سے بیان فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث دو سندوں سے حضرت براء اور حضرت ابن عباس ؓ کی روایت کو ایک ایک سند سے اور حضرت انس ؓ کی روایت کو تین سندوں سے اور مفاد ان ساتوں روایتوں کا قنوتِ نازلہ کو بیان کرنا ہے کہ اگر کسی ظالم اور دشمن کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو تو ان مظلوم مسلمانوں کی نجات کے لیے قنوتِ نازلہ مشروع ہے اور راجح قول کے اعتبار سے تمام فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھی جاسکتی ہے۔

اس جگہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قنوتِ نازلہ کے الفاظ کو جو ماثور ہیں نقل کردیں تاکہ یاد کرلیے جائیں اور بوقت ضرورت پڑھے جاسکیں:

قنوتِ نازلہ

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ،

۱۴۴۶- أخرجه النسائي: كتاب التطبيق، باب: القنوت في صلاة الصبح (۲/۲۰۱).

تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ». " اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَانْصُرْهُمْ عَلَى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ، اللَّهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ، وَيُقَاتِلُونَ أَوْلِيَاءَكَ، اللَّهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ، وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِي لَا يُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ. وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

بَابٌ فِي فَضْلِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

گھر میں نفل پڑھنے کی فضیلت

۱۴۴۷- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ قَالَ: احْتَجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ حُجْرَةً، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ اللَّيْلِ، فَيُصَلِّي فِيهَا، قَالَ: فَصَلَّوْا مَعَهُ لِصَلَاتِهِ - يَعْنِي رِجَالًا -، وَكَانُوا يَأْتُونَهُ كُلَّ لَيْلَةٍ حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةٌ مِنَ اللَّيَالِي لَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَنَحْنَحُوا، وَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ، وَحَصَبُوا بَابَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُغْضَبًا، فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا زَالَ بِكُمْ صَنِيعُكُمْ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنْ سَتُكْتَبَ عَلَيْكُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ».

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک حجرہ بنوایا، جس میں آپ رات میں آ کر نماز پڑھتے تھے، یہ دیکھ کر لوگوں نے آ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی، ایک رات آپ ﷺ اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں نے اس خیال میں کہ شاید آپ سو گئے ہیں کھنکھارنا، پکارنا اور دروازے پر کنکر مارنا شروع کر دیا؛ پس آپ باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ غصہ کی حالت میں تھے، فرمایا: لوگو! تم ایسا ہی کیے جاتے ہو یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ تم پر کہیں واجب نہ ہو جائے؛ لہٰذا نفل نماز تمہیں اپنے اپنے

۱۴۴۷- أخرجه البخاري: كتاب الأذان، باب: صلاة الليل (۷۳۱)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: استحباب صلاة النافلة (۷۸۱)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: فضل التطوع في البيت (۴۵۰)، النسائي: كتاب قيام الليل، باب: الحث على الصلاة في البيوت (۱۹۷/۳).

گھروں میں پڑھنی چاہیے کیونکہ فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازیں گھر پر پڑھنا بہتر ہے۔

مقصد ترجمہ: تمام سنن ونوافل میں افضل یہ ہے کہ یہ نمازیں گھر میں پڑھی جائیں، البتہ اگر گھر آکر مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لی جائیں، آج کل چوں کہ سستی کا غلبہ ہے گھر آکر سنن ونوافل چھوٹ جاتے ہیں اس لیے مسجد میں پڑھنے کا فتویٰ ہے؛ لیکن جس کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ گھر آکر سنتیں فوت نہ ہوں گی اس کے لیے عزیمت اور افضل یہی ہے کہ ابھی بھی گھر ہی پڑھے، مصنفؒ اس ترجمۃ الباب سے یہی مسئلہ واضح فرما رہے ہیں۔

تشریح حدیث: ''قوله: احتجر رسول الله ﷺ في المسجد حجرة'' یہاں حجرہ سے مراد چٹائی کا حجرہ یعنی مُعتکف ہے جو رمضان میں آپ ﷺ کے اعتکاف کے لیے بنالیا گیا تھا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد میں بنایا گیا چٹائی کا یہ حجرہ اعتکاف کے لیے نہ ہو بلکہ آپ ﷺ کی تنہائی کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہو کہ آپ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں رات کو اپنی ازواج مطہرات کے پاس سے نکلتے اور اس چٹائی کے حجرہ میں عبادت باری تعالیٰ میں مشغول ہوتے، حدیث کے اگلے جملہ ''يخرج من الليل يصلي فيها'' سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ یہاں عبارت میں تقدیم وتاخیر ہے، یہاں عبارت ''فكان رسول الله ﷺ يخرج من الليل فيصلي فيها'' ہے، جب کہ صحیح یہ ہونی چاہیے: ''فكان رسول الله ﷺ يصلي فيها فيخرج من الليل'' کہ آپ ﷺ نے اس حجرة الحصير سے باہر نکل کر بعض راتوں میں مسجد کے اندر صحابہ کو جماعت سے تراویح کی نماز پڑھائی، ایک رات آپ ﷺ تشریف نہ لائے تو صحابہؓ نے آپ ﷺ کو اپنی موجودگی کی اطلاع کے لیے وہ طریقہ اختیار کیے جو روایات میں مذکور ہیں، لیکن ہمارے خیال میں یہاں ابوداؤد میں جو واقعہ مذکور ہے اس کو تراویح کی نماز سے جوڑنا بہتر نہیں ہے بلکہ یہ ایک مستقل واقعہ بلکہ مستقل معمول کی تفصیل ہے، اور اس کی صحیح صورت حال یہ ہے کہ:

حجرة الحصیر کا صحیح مصداق:

اس روایت میں جس حجرہ کا ذکر ہے یہ کوئی مستقل حجرہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک عارضی خلوت گاہ تھی جس کے لیے چٹائی کا استعمال ہوتا تھا، دن میں اس کو بچھالیا جاتا تھا اور رات میں اس سے حجرہ کا کام لیا جاتا تھا، آپ ﷺ نے اس میں نماز شروع کی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے صف قائم کرلی، کئی دن تک آپ ﷺ اس حجرہ میں نماز پڑھتے رہے اور صحابہ کرامؓ حجرہ سے باہر اقتداء کرتے رہے، جب آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے احتیاط فرمائی صحابۂ کرام نے شوق کا اظہار کیا، آواز بلند کی، تسبیح پڑھی اور اس خیال سے کہ شاید آپ ﷺ سو رہے ہیں جگانے کی تدبیریں کیں؛ مگر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لا کر سمجھایا مجھے سب معلوم ہے مگر نوافل کے لیے افضل مقام ان کا گھر ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ حجرۂ شریفہ کے مصداق دو ہیں ایک حجرۂ عائشہ اور دوسرا حجرۂ حصیر، اگر یہ حجرۂ عائشہ مراد ہے تو پھر یہ واقعہ تراویح سے متعلق ہے، اور اگر حجرۂ حصیر مراد ہے تو یہ واقعہ تراویح سے متعلق نہیں ہے۔

ہمارے مصنفؒ کا مقصود تو اس سے صرف یہ استدلال کرنا ہے کہ فرائض کے ماسواء نمازوں کو گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

لیکن حضرات فقہاء نے یہ تفصیل بھی لکھی ہے کہ فرائض کے علاوہ وہ نمازیں جو اسلام کا شعار سمجھی جاتی ہیں اور ان کو جماعت سے پڑھا جاتا ہے تو ان کو مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ نماز تراویح، نماز عیدین، نماز کسوف، نماز استسقاء وغیرہ چناں چہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

”وبه أخذ أئمتنا فقالوا: يسن فعل النوافل التي لاتسن فيها الجماعة فى البيت فهو أفضل منه في المسجد“ (المنہل العذب المورود: ۸/ ۹۴)

۱۴۴۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی کچھ نمازیں گھر میں پڑھا کرو اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔

تشریح حدیث: اپنی کچھ نمازوں کو گھروں میں پڑھو مراد نوافل ہیں کہ ان کو گھروں میں پڑھا جائے تاکہ گھروں کے اندر بھی برکتیں و رحمتیں نازل ہوں، اور گھروں کو نماز سے اس طرح خالی نہ رکھو جیسا کہ قبرستان ہوتے ہیں کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی ایسے ہی گھروں میں بھی نماز پڑھنا بند نہ کرو بلکہ سنن و نوافل کو گھروں میں پڑھا کرو، حدیث شریف میں تمثیل بدیع ہے کہ اس گھر کو جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی قبرستان سے تشبیہ دی گئی ہے اور طاعت سے غافل شخص کو میت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

☆☆☆

۱۴۴۸- أخرجه البخاري: كتاب الصلاة، باب: كراهية الصلاة في المقابر (۴۳۲) مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد ۲۰۸ـ (۷۷۷)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في فضل صلاة التطوع في البيت (۴۵۱)، النسائي: كتاب قيام الليل (۲/ ۱۹۷)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في التطوع في البيت (۱۳۷۷).

بَابُ طُولِ الْقِيَامِ

طول قیام کا بیان

۱۴۴۹-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَلِيٍّ الْأَزْدِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبْشِيٍّ الْخَثْعَمِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «طُولُ الْقِيَامِ»، قِيلَ: فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «جَهْدُ الْمُقِلِّ»، قِيلَ: فَأَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ»، قِيلَ: فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِينَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ»، قِيلَ: فَأَيُّ الْقَتْلِ أَشْرَفُ؟ قَالَ: «مَنْ أُهَرِيقَ دَمُهُ، وَعُقِرَ جَوَادُهُ».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حبشیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز میں طویل قیام کرنا، اس کے بعد پوچھا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: جو کم محنت والا محنت کر کے صدقہ کرے، اس کے بعد سوال کیا گیا کونسی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اللہ کے حرام کردہ تمام کاموں کو چھوڑ دے اس کے بعد پوچھا گیا کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اپنے جان و مال کے ساتھ مشرکین کے ساتھ جہاد کرے، پھر پوچھا کون سا قتل افضل ہے؟ فرمایا: جس کا راہ خدا میں خون بہا جائے، اس کے گھوڑے کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔

مقصد ترجمہ: ہمارے ہندوستانی نسخوں میں یہ باب بلا ترجمہ ہے، البتہ مکتبہ شاملہ کے نسخہ میں ''باب طول القیام'' کا عنوان ہے اور یہ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس کے ذیل میں جو حدیث ہے اس میں طولِ قیام کی فضیلت مذکور ہے۔

تشریح حدیث: ''قوله: أي الأعمال أفضل'' یہاں اعمال سے مراد اعمالِ صلاۃ ہیں کہ نماز کے اعمال میں سے کون سے اعمال افضل ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: طویل قیام کرنا؛ اس لیے کہ اس سے کثرت قراءت اور طوالتِ عبادت لازم آتا ہے جو کہ شریعت میں مطلوب و محبوب ہے، اور جس حدیث میں اطالتِ سجود کو افضل کہا گیا ہے تو اس وجہ سے ہے کہ وہ کمالِ مسکنت اور قرب باری کا سبب ہے۔

قوله: ''جُهْدُ الْمُقِلِّ'' بضم الميم و كسر القاف و تشدد اللام اى طاقة الفقير و مجهوده یعنی مفلس و محتاج کا جدوجہد کرنا کہ وہ صدقہ اور خیرات افضل ہے جو کوئی مفلس و محتاج اپنے فقر و افلاس کے باوجود محنت و مشقت

۱۴۴۹-أخرجه النسائي بأطول منه (۵/۵۸) في الزكاة، باب جهد المقل.

کر کے نکالے؛ بشرطیکہ وہ صبر پر قادر ہو اور اس کے تصدق کی وجہ سے اس کے اہل وعیال کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو، اور فقیر کے صدقہ کو غنی کے صدقہ سے افضل اس لیے کہا گیا ہے کہ مالدار تو اپنا فاضل اور زائد مال صدقہ کرتا ہے جب کہ فقیر اس مال کو صدقہ کرتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے۔

قولہ: "مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ": ہجرت کے معنی اگرچہ دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا ہے، لیکن حرام چیزوں کو چھوڑ کر حلال چیزوں کو اختیار کرنا بھی ہجرت ہی کہلاتا ہے، بلکہ یہی ہجرت بہتر ہے؛ اس لیے کہ یہ مجاہدۂ نفس پر موقوف ہے۔ ہاں اگر ترکِ وطن کے ساتھ ترکِ محرمات بھی ہو تو ہجرتِ وطن افضل ہے۔

قولہ: "من جاهد المشركين بماله ونفسه": مطلب یہ ہے کہ وہی جہاد افضل ہے جس میں مجاہد نے اپنا مال واسباب اور روپیہ پیسہ بھی اپنی اور دوسرے مجاہدین کی ضروریات جہاد میں صرف کیا ہو اور میدان جنگ میں اپنی جان کو بھی پیش کیا ہو، صاحبِ منہل نے لکھا ہے کہ اس میں کفار ملحدین، بدعتی اور فرق ضالہ کے عقائد باطلہ کے خلاف دلائل کے ذریعہ مقابلہ کرنا بھی شامل ہے۔

قولہ: أُهْرِيقَ دَمُهُ: صیغہ مجہول ہے، بمعنی بہانا یعنی وہ قتل وشہادت افضل ہے جس میں مجاہد کا خون بہایا گیا ہو اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی گئی ہوں، یعنی خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے۔

فقه الحديث: حدیث شریف میں طولِ قیام کی فضیلت وترغیب ہے۔

فقیر کے تصدق کی افضلیت کا بیان ہے۔

محرمات کے ترک کی ترغیب ہے۔

جہاد اور شہادت کی فضیلت ہے۔ (المنہل: ۸/ ۹۶)

بَابُ الْحَثِّ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ

شب بیداری اور تہجد کی فضیلت

۱۴۵۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، حَدَّثَنَا الْقَعْقَاعُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى، وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا،

۱۴۵۰- أخرجه النسائي: كتاب قيام الليل والتطوع بالنهار، باب: الترغيب في قيام الليل (۲/ ۲۰۵)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: من أيقظ أهله من الليل (۱۳۳۶) وتقدم برقم (۱۲۷۸).

فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر رحمت نازل ہو رات کو تہجد پڑھنے کے لیے اٹھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے اور دونوں تہجد پڑھیں اور اگر اس کی بیوی نہ اٹھ سکے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار دیدے؛ تا کہ وہ جاگ جائے اور رحمت نازل فرمائے اللہ اس عورت پر جو رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے اور وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیدے۔

مقصد ترجمہ: قیام لیل سے مراد رات کو پڑھی جانے والی تہجد وغیرہ کی نماز ہے، اور مصنفؒ اس باب سے قیام لیل کی ترغیب کرنا چاہتے ہیں چناں چہ وہ اس مقصد کے لیے دو حدیثیں لائے ہیں، اگر چہ دونوں حدیثیں ماقبل میں قیام اللیل کے تحت نقل کر چکے ہیں۔

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان زوجین کو رحمت کی دعا سے نوازا ہے جو باری تعالیٰ کی اطاعت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہوں، شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو تہجد جیسے عمل کے لیے بیدار کرے اور بیوی کو چاہیے کہ شوہر کو بیدار کرے اور اس کی معاون بنے۔

بلکہ احباب اور رفقاء کو بھی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے معاون بنیں اور تہجد جیسے اہم عمل کے لیے ایک دوسرے کو بیدار کریں۔

اس حدیث سے حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ زندوں کے لیے بھی دعا رحمت کرنی چاہیے۔

نیز یہ بھی کہ جو شخص اٹھنے میں سستی کرے تو جائز طریقہ سے تنبیہ کرنا اور جگا دینا پسندیدہ عمل ہے مثلاً پانی کے چھینٹے مارنا یا اس کے پیر کو دبا دینا وغیرہ۔

۱۴۵۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنِ الْأَغَرِّ أَبِي مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ، فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ جَمِيعًا، كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا، وَالذَّاكِرَاتِ».

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات میں بیدار ہو اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، پھر دونوں دو دو رکعت پڑھیں تو ان کا نام کثرت سے اللہ کا ذکر

۱۴۵۱-أخرجه النسائي: كتاب قيام الليل والتطوع بالنهار، باب: الترغيب في قيام الليل (۳/ ۲۰۳)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (۱۳۳۵) وتقدم برقم (۱۲۷۹).

کرنے والوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ زوجین اگر تہجد کی دو دو رکعتیں پڑھ لیں تو ان کا شمار ان مردوں اور عورتوں میں ہوگا جن کی فضیلت اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت نمبر (۳۵) میں بیان فرمائی ہے: ''وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝'' کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ رب العزت نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ دو رکعتیں ذاکرین کی فہرست میں شمولیت کے لیے اقل مقدار ہے۔

بَابٌ فِي ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

قرآن پڑھنے کے ثواب کا بیان

۱۴۵۲- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُثْمَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ».

ترجمہ: حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

مقصد ترجمہ: ماقبل میں قیام اللیل کی ترغیب کا بیان تھا، اور چوں کہ قیام اللیل میں قرآن پاک کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اس لیے قرآن کریم کی فضیلت کے تعلق سے روایات کو نقل فرما رہے ہیں اور اس باب میں قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے والے کی خیریت اور فضیلت کا بیان ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کے بعض طرق میں ''وَعلمه'' واوَ کے ساتھ ہے اور بعض طرق میں ''أَوْعَلَّمَه'' حرف أَو کے ساتھ ہے، پھر اگر حرف ''أو'' تنویع کے لیے ہے تو پھر یہ خیریت اس آدمی کے لیے بھی ہوگی جو تعلیم وتعلّم میں سے ایک فعل کو بھی انجام دے گا اور اگر واوَ کے ساتھ ہے تو پھر جس میں تعلیم وتعلّم دونوں چیزوں کا مجموعہ ہوگا وہی اس فضیلت کا مصداق ہوگا۔

اس حدیث میں خطاب امت کو ہے اور تعلیم وتعلّم کی یہ فضیلت تعلّم لفظی اور تعلّم معنوی دونوں کو شامل ہے اسی طرح

۱۴۵۲- أخرجه البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب: خيركم من تعلم القرآن وعلمه (۵۰۲۷)، الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب: ماجاء في تعليم القرآن (۲۹۰۷)، ابن ماجه: كتاب المقدمة، باب: فضل من تعلم القرآن وعلمه

تعلیم لفظی و تعلیم معنوی کو بھی شامل ہے، پس جس شخص نے قرآن کریم کو حفظ کیا یا ناظرہ پڑھا پھر دوسرے کو پڑھایا اور حفظ کرایا وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہے، اور جس شخص نے قرآن کے معانی کو پڑھایا، یہ معانیٔ قرآن خواہ تفسیری ہوں یا فقہی اور دوسروں کو قرآن کے معانی سکھائے وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہوگا، اس تشریح سے اس اشکال کا جواب بھی ہو گیا کہ کیا حافظ قرآن فقیہ اور محدث سے بھی افضل ہے، کیوں کہ جب تعلیم و تعلّم سے لفظ اور معانی دونوں ہی مراد ہیں تو پھر اس کے مصداق میں حفاظ، قراء، محدثین، فقہاء اور مفسرین سبھی داخل ہو جائیں گے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن پاک کی تعلیم و تعلّم پر یہ فضیلت کیوں ہے کہ قرآن کے خدام کو سب لوگوں سے افضل بتایا جا رہا ہے؟

اس سوال کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ چوں کہ قرآن پاک اللہ رب العالمین کا کلام ہے اور جب یہ کلام سب سے افضل ہے تو اس کا خادم بھی تمام لوگوں میں افضل ہوگا، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی فضیلت سارے کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ رب العزت کی فضیلت ساری مخلوق پر۔

دوسری وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآنِ مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تمام علوم کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں، یہی منبع علوم ہے، قاضی ابوبکر بن عربی نے اپنی کتاب ''قانون التاویل'' میں لکھا ہے کہ قرآن کے علوم کی تعداد (۷۷۴۵۰) ہے، یعنی تمام علوم کو محیط ہے، اب جس کتاب کا یہ عالم ہو تو یقیناً اس کا خادم سب لوگوں میں افضل ہی ہوگا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرآن کی تعلیم و تعلّم کا نفع متعدی ہے اس وجہ سے اس میں مشغول ہونے والا ان علوم میں مشغول ہونے والے سے افضل ہوگا جن علوم کا نفع متعدی نہیں یا متعدی تو ہے لیکن اس قدر متعدی نہیں یا ان علوم کا نفع صرف دنیا میں ہوتا ہے آخرت میں نہیں، جب کہ قرآن کی تعلیم و تعلّم کا نفع دونوں جہانوں میں ہوتا ہے۔

فوائد: خَيْرُكُمْ: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کے شروع سے ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث ''أی الإسلام خیر'' کے اندر ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ''خیر کم'' کی جگہ ''أفضلکم'' ہے۔

ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عمل بھی مراد ہے، کیوں کہ شریعت میں وہ علم ہی نہیں جس پر عمل نہ ہو بلکہ وہ تو جہل ہے۔

۱۴۵۳- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ، أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

۱۴۵۳- أخرجه أحمد (۳/ ۴۴۰) و الحاکم في المستدرك على الصحيحين (۱/ ۷۵۶/ ۲۰۸۵) و قال: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، و البيهقي في شعب الايمان (۳/ ۳۴۲/ ۱۷۹۸)

ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا؟».

ترجمہ: حضرت معاذ جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کی تعلیم پر عمل کیا تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی، پھر اس شخص کے مرتبہ کا کیا ٹھکانا ہوگا جس نے خود قرآن پر عمل کیا ہوگا۔

تشریح حدیث: قوله: ''مَنْ قَرأَ القرآن'': جس نے قرآن پاک کو ترتیلاً پڑھا کہ اس کے حروف کی ادائیگی صحیح ہو تو وہی مستحق اکرام ہوگا، کیوں کہ ترتیلاً پڑھنے ہی کا حکم اللہ رب العٰلمین کی طرف سے ہے، فرمایا: ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً'' اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کی ایک حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قرآن کریم کو شعر کی طرح جلدی جلدی نہ پڑھو بلکہ اس کے ذریعہ قلوب کو متحرک کرو اور تلاوت کے وقت تمہارا مقصد صرف کسی بھی سورت کا ختم نہ ہو بلکہ مقصد اس قرآن سے قلوب کی جلاء ہو۔

قوله: عَمِلَ بِمَافيه: قرآن مجید میں جو اخلاق، آداب، احکام، اوامر، نواہی وغیرہ مذکور ہیں ان پر عمل کرے، اوامر کو اختیار کرے، نواہی سے اجتناب کرے اس کے والدین کا یہ اعزاز و اکرام ہوگا جو حدیث میں مذکور ہے۔

قوله: ''أُلبسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يومَ القيامَةِ'': موتی، جواہرات کا جو تاج بادشاہوں کے لیے تیار کیا جاتا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے پڑھنے والے کے والدین کے سر پر رکھے گا، جس سے ان کے اعزاز و اکرام اور بلند رتبہ کا پتہ چلے گا، پھر آگے اس تاج کی صفات کا بیان ہے کہ یہ تاج دنیا کے ملوک کے تاجوں کی طرح نہ ہوگا بلکہ اس کی کیفیت اور صفت یہ ہوگی سورج کی چمک دمک سے بھی زیادہ اس میں چمک دمک ہوگی، اس کی روشنی سورج کی روشنی سے اَحسن ہوگی کہ سورج میں تو تپش بھی ہوتی ہے کہ اس کے قریب کھڑا ہونا ممکن نہیں جب کہ اس تاج سے ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی بلکہ یہ تو زینت اور حسن ہی کا سبب ہوگا۔

قوله: ''لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ'': اگر بالفرض آفتاب آسمان کی بلندیوں سے اتر کر تمہارے میں آجائے تو اس کی روشنی بھی قیامت کے دن پہنائے جانے والے تاج کی روشنی کے سامنے ہلکی اور ماند ہوگی، یہ گویا آفتاب کی روشنی کو بطورِ مبالغہ بیان فرمایا گیا ہے کیوں کہ اگر آفتاب گھر میں ہو تو اس کی روشنی کس قدر تیز ہوگی، بس اسی سے اندازہ لگالو کہ قاریٔ قرآن کے والدین کے سر پر رکھا جانے والا تاج کس قدر حسین و خوبصورت اور چمکدار ہوگا۔

قوله: ''فَما ظَنُّكُمْ بِالَّذى عَمِلَ بِهٰذَا'' یعنی جب صاحب قرآن کے والدین کا یہ اعزاز و اکرام ہوگا تو پھر خود اس کے اعزاز و اکرام کا کیا عالم ہوگا، اسی سے اس کے بلند رتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، والدین تو اس کے قرآن پڑھنے کا سبب

بنے ہیں یقیناً قاریٔ قرآن کا ثواب اور مقام ومرتبہ تو اس سے بلند ہی ہوگا۔

قاریٔ قرآن کے بلند مرتبہ کا پتہ اس حدیث سے بھی چلتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو اعمال لکھنے والے اور بزرگ ونیکوکار ہیں، نیز اس سے تو کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے بلند مراتب تک پہنچتا جا۔

فقه الحديث: علامہ طیبیؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ یہاں قرآن پڑھنے والے سے حافظ قرآن مراد ہے؛ لیکن ہمارے خیال میں تو اس کو عام رکھا جائے حافظ قرآن بھی اس کا مصداق ہو اور مفسر قرآن بھی اس کا مصداق ہو اور قرآن سے احکام فقہیہ کا استنباط کرنے والا بھی اس کا مصداق ہو بشرطیکہ یہ سب حضرات قرآن کے مقتضی پر عمل پیرا ہوں۔

صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تعلیم قرآن کی بڑی ترغیب ہے نیز والدین کو بھی اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن پاک پڑھانے کی سعی کریں اور ساتھ ساتھ قرآن کے پڑھنے پڑھانے والوں کو اس کی بھی تاکید ہے کہ وہ قرآن پاک کے احکام پر عمل بھی کریں، کیوں کہ بغیر عمل کے علم بے فائدہ ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں زبان بن فائد اور سہل بن معاذ دو راوی متکلم فیہ ہیں اس لیے سند کے اعتبار سے حدیث کمزور ہے؛ لیکن فضائل کے باب میں مقبول ہوگی حضرت امام ابوداؤدؒ کا سکوت بھی اس کی دلیل ہے۔

۱۴۵۴- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، وَهَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ، مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ»

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن کو مہارت کے ساتھ پڑھتا ہے تو وہ بڑی عزت والے فرشتوں اور نبیوں کے ساتھ ہوگا، اور جس کے لیے قرآن پڑھنا مشکل ہو اور پھر بھی محنت کرتا رہا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوگا (ایک قرآن پڑھنے کا دوسرا اس پر محنت کرنے کا)

تشريح حديث: قوله: ''وهو ماهر به'' ماہر قرآن وہ شخص ہے جس کو قرآن خوب اچھی طرح یاد بھی ہو، اٹکے بغیر پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لیے قرآن پڑھنا مشکل اور دشوار نہ ہو۔

''السفرة'' اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ یہ جمع ہے ''سافر'' کی جیسا کہ ''طالب'' کی جمع ''طلبة'' آتی ہے اور

۱۴۵۴- أخرجه البخاري: كتاب التفسير، باب: سورة "عبس" (۴۹۳۷)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضل الماهر بالقرآن والذي يتمتع به (۲۴۴/ ۷۹۸)، الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب: ما جاء في فضل قارئ القرآن (۲۹۰۴)، ابن ماجه: كتاب الأدب، باب: ثواب القرآن (۳۷۷۹).

"کاتب" کی جمع "كَتَبة" آتی ہے۔ اور سافِر کہتے ہیں لکھنے والے کو، پس یہاں مراد وہ فرشتے ہوں گے جو لوحِ محفوظ سے صحیفے نقل کرتے ہیں اور حضراتِ انبیاء کرام تک پہنچاتے ہیں۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں سافر سفیر کے معنی میں ہے جس کا مصدر سفارۃ آتا ہے، اس صورت میں مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں، وحی الٰہی کو لانے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک پہنچانے میں فرشتوں کو مثل سفیر کے قرار دیا گیا ہے۔

صاحبِ منہل نے تیسرا احتمال یہ بھی لکھا ہے کہ سَفَرَة سے مراد خود حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں، اس لیے کہ وہ بھی اللہ اور قوموں کے درمیان سفیر ہی ہیں۔

البَرَرَة: یہ "بارّ" کی جمع ہے بمعنی نیکوکار، اللہ کے مقرب اور فرماں بردار فرشتے اور "الکرام" کریم کی جمع ہے بمعنی معزز و محترم۔

اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوا کہ ماہر قرآن ان عظیم فرشتوں کے ساتھ ہے بایں طور کہ وہ دنیا میں ان ہی جیسا عمل کرتا ہے یہ فرشتے قرآن پاک کو لوح محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہنچانے والا ہے تو گویا دونوں ایک ہی راستہ پر ہوئے لہٰذا آخرت میں بھی یہ شخص جو ماہر قرآن ہے ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔

وهو يشتد عليه فله أجران: یعنی جو شخص ثقل زبان کی وجہ سے الفاظ قرآن بسہولت ادا نہیں کر پاتا یا یاد کی کمی کی وجہ سے بسہولت نہیں پڑھ پاتا اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہے تو اس کے لیے دو ثواب کی بشارت ہے ایک اجر قراءت اور دسرا اجر مشقت جو اسے قرآن پڑھنے میں ہوتی ہے، پیغمبر علیہ السلام اس ارشاد کے ذریعہ قرآن پاک کی تعلیم کی ترغیب دے رہے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے وہ ماہر قرآن سے بلند رتبہ والا ہے اور زیادہ ثواب پاتا ہے، کیوں کہ ماہر قرآن کو تو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے بایں طور کہ اسے فرشتوں کی رفاقت جیسی عظیم سعادت کی بشارت دی گئی ہے، افضل تو ماہر قرآن ہی ہے۔

۱۴۵۵- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ تَعَالَى، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب لوگ اللہ کے گھروں میں

۱۴۵۵- أخرجه مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب: فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر (۲۶۹۹/ ۳۸)، ابن ماجه: المقدمة، باب: فضل العلماء (۲۲۵). وجزء من الحديث أخرجه أبو داود في كتاب الأدب (۴۹۴۶).

سے کسی گھر میں (یعنی مسجد میں) جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سکینہ نازل فرماتا ہے، اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں سے ان کا ذکر فرماتا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: يتدارسونه: تَدَارَسَ الطلبةُ الكتاب: بمعنی طلبہ کا باہم کتاب کو پڑھنا، اور کہا جاتا ہے: تَدَارَسَ الكتاب ادّرَاسهُ بمعنی اس نے کتاب پڑھی، صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ مدارسۃ یہ ہے کہ ایک آدمی پڑھے تو پھر دوسرا بھی اسی طرح پڑھے کیوں کہ مدارسۃ درحقیقت اس کیفیت کا نام ہے جو حضور ﷺ کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے حاصل ہوتی تھی، طلبہ کا باہم تکرار و مذاکرہ بھی اس کے تحت داخل ہے۔

نزلت عليهم السكينة: یہاں سکینۃ سے تسکین قلب و دماغ، خاطر جمعی اور نشاطِ طبع مراد ہے، یہ جوہر جس کو حاصل ہو جاتا ہے وہ دماغی الجھاؤ، ذہنی انتشار اور طبعی کسل و سستی سے جو علمی افادہ و استفادہ کی راہ کی بہت بڑی رکاوٹ ہے محفوظ ہو جاتا ہے، اس کے دل و دماغ سے دنیا کی خواہش اور ماسوی اللہ کا خوف نکل جاتا ہے اور اس کے اندر وہ نورانیت پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ کی قربت و حضوری کے بلند و برتر مقام تک پہنچاتی ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت شیخ زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث شریف میں مکاتب اور مدرسوں کی خاص فضیلت ذکر فرمائی گئی ہے، جو بہت سی انواعِ اکرام کو شامل ہے، ان میں سے ہر ہر اکرام ایسا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر خرچ کر دے تب بھی ارزاں ہے، پھر چہ جائے کہ ایسے ایسے متعدد انعامات فرمائے جاویں، بالخصوص آخری فضیلت آقا کے دربار میں ذکر محبوب کی مجلس میں یاد ایک ایسی نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کرسکتی۔

اور سکینہ کا نازل ہونا متعدد روایات میں وارد ہوا ہے اور اس کے مصداق میں مشائخ حدیث کے چند قول ہیں لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارض ہو بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے، حضرت علیؓ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے، جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے، علامہ سدی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جنت کے طشت کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے اس میں انبیاء کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے، بعض نے کہا کہ یہ خاص رحمت ہے، طبری نے اس کو پسند کیا ہے کہ اس سے سکونِ قلب مراد ہے، بعض نے کہا کہ طمانیت مراد ہے، بعض نے اس کی تفسیر وقار سے کی ہے تو کسی نے ملائکہ سے، بعض نے اور بھی اقوال کہے ہیں، حافظ کی رائے فتح الباری میں یہ ہے کہ سکینہ کا اطلاق سب پر آتا ہے، نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو جامع ہے طمانیت اور رحمت وغیرہ کو، اور ملائکہ کے ساتھ نازل ہوتی ہے، کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے: فأنزل الله سكينة عليه دوسری جگہ ارشاد ہے: هُوَ الذی أنزل السكينة فی قلوب المؤمنين، ایک جگہ ارشاد ہے: فيه سكينة من ربكم غرض متعدد آیات میں اس کا ذکر

ہے، اور احادیث میں متعدد روایات میں اس کی بشارت فرمائی گئی ہے۔

احیاء میں نقل کیا ہے کہ ابن ثوبان نے اپنے کسی عزیز سے اس کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچے، انھوں نے شکایت کی تو کہا کہ اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا مانع پیش آیا، مجھے اتفاقاً دیر ہوگئی تھی حتی کہ عشاء کی نماز کا وقت آگیا، خیال ہوا کہ وتر بھی ساتھ ہی پڑھ لوں کہ موت کا اطمینان نہیں کبھی رات میں مرجاؤں اور وہ ذمہ پر باقی رہ جائیں، میں دعا قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنت کا ایک سبز باغ نظر آیا جس میں ہر نوع کے پھول وغیرہ تھے۔ اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہوگئی۔

اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں درج ہیں لیکن ان کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جس وقت ماسوا سے انقطاع ہوجاوے اور اس جانب توجہ کامل ہوجاوے۔

ملائکہ کا ڈھانکنا بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے، حضرت اسید بن حضیرؓ کا مفصل قصہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ انھوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ابر سا چھایا ہوا محسوس کیا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ ملائکہ تھے، جو قرآن شریف سننے کے لیے آئے تھے، ایک صحابی کو ایک مرتبہ ابر محسوس ہوا تو حضور نے فرمایا: یہ سکینہ تھی، یعنی رمت جو قرآن شریف کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ (فضائل قرآن از شیخ زکریا: ص/ ۳۳)

یہ روایت مسلم شریف میں زیادہ مفصل آئی ہے، جس میں اور بھی مضامین ہیں، اخیر میں ایک جملہ یہ بھی زیادہ ہے: ''مَنْ بَطَّأَ به عَمَلُه لم يُسْرِعْ به نَسَبُه''، جس شخص کو اس کے برے اعمال رحمت سے دور کریں اس کا عالی نسبت ہونا رحمت سے قریب نہیں کرسکتا، ایک شخص جو شریف النسب ہے مگر فسق وفجور میں مبتلا ہے وہ اللہ کے نزدیک ایک رذیل اور کم ذات مسلمان کی برابری کسی طرح بھی نہیں کرسکتا جو متقی پرہیزگار ہو، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''إن أكرمكم عند الله أتقاكم''

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں قرآن اور علوم قرآن میں مشغول لوگوں کے لیے چار قسم کے انعامات کی خوش خبری دی گئی ہے:

(۱) نزول سکینہ (۲) نزول رحمت
(۳) نزول ملائکہ (۴) بارگاہ الٰہی میں ذکر

۱۴۵۶- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ، فَقَالَ: «أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى بُطْحَانَ - أَوِ

۱۴۵۶- أخرجه مسلم رقم (۸۰۳) في صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن في الصلاة وتعلمه، وأبو داؤد رقم (۱۴۵۶) في صلاة، باب في ثواب قراءة القرآن. أخرجه أحمد في مسنده (۴/ ۱۵۴)

الْعَقِيقِ - فَيَأْخُذَ نَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ زَهْرَاوَيْنِ بِغَيْرِ إِثْمٍ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ؟» قَالُوا: كُلُّنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: «فَلَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَيَتَعَلَّمَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ، وَإِنْ ثَلَاثٌ فَثَلَاثٌ مِثْلُ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ»

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم مسجد کے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ بطحان یا عقیق تک جائے اور پھر دو اونٹ بڑی کوہان والے موٹے تازے بغیر کسی گناہ کے اور بغیر کسی قطع رحمی کے لے کر آئے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص یہ چاہے گا، فرمایا: تم سے جو شخص ہر روز مسجد میں آ کر قرآن کی دو آیتیں سیکھے گا تو اس کے لیے یہ دو آیتیں سیکھنا دو اونٹوں کے برابر ہیں، پس جتنی آیتیں قرآن کی سیکھے گا وہ اس کے حق میں اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہوں گی۔

لغات حدیث: يَغْدُوَ: غَدَا يَغْدُوْ غُدُوًّا بمعنی سویرے آنا،

بُطْحَانَ: بضم الموحدۃ وفتحہا یہ مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے، اسی طرح "عقیق" بھی ایک وادی کا نام ہے، اور "أوْ" یہاں تنویع کے لیے ہے، ان دونوں جگہوں پر بازار لگا کرتا تھا۔

كَوْمَاوَيْنِ: یہ كَوْمَاءُ کا تثنیہ ہے، ہمزہ کو واو سے بدل دیا گیا ہے، بلند کوہان والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

زَهْرَاوَيْنِ: یہ بھی "زَهْرَاء" کا تثنیہ ہے وہ اونٹنی جو موٹی بھی ہو اور خوبصورت بھی ہو۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی ترغیب دی ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت کا پڑھنا عربوں کے پسندیدہ اور عمدہ مال اونٹنی سے بھی بہتر ہے، اس لیے کہ اونٹنی کا نفع تو فانی ہے چند روز میں ختم ہو جائے گا جب کہ آیت پر ملنے والا اجر و بدلہ دائمی ہوگا اور ظاہر ہے کہ دائمی بہتر ہوا کرتا ہے فانی سے۔

پھر پیغمبر علیہ السلام کی تمثیل کا اندازہ بھی عجیب ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت کا سیکھنا اس ایک اونٹنی سے بہتر ہے جس کے حصول میں نہ تو کسی کا حق مارا گیا ہو اور کسی اور گناہ کا ارتکاب کیا گیا ہو بلکہ بالکل حلال طریقہ پر ان کو حاصل کیا گیا ہو اور مفت حاصل ہوئی ہوں، حضرات صحابہؓ نے اسی کے پیش نظر عرض کیا تھا کہ جب اتنے پاکیزہ طریقہ پر یہ اونٹنیاں حاصل ہوں تو پھر ہر ایک ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس پر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مقدس کی ایک آیت کا سیکھنا ایک عمدہ فربہ اور شاندار اونٹنی کے حصول سے بہتر ہے اور اخیر میں فرمایا:

مِثْلُ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ: اس جملے کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ جتنی بھی آیات سیکھیں جائیں گی اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہوگا یعنی تین آیتوں کا سیکھنا تین اونٹنیوں سے بہتر، چار کا چار سے اور پانچ کا پانچ سے هَلُمَّ جرًّا۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک آیت ایک ناقہ اور ایک ابل سے افضل ہے، اور دو آیتیں دو ناقہ اور دو ابل سے افضل اور تین آیات تین ناقہ اور تین ابل سے افضل ہیں، یعنی ناقہ اور ابل دونوں کا مجموعہ مراد ہے۔

صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ: هذا من باب التمثیل یعنی یہ ہمیں سمجھانے کے لحاظ سے صرف ایک تمثیل ہے ورنہ تو ایک آیت کے مقابلہ میں پوری کی پوری دنیا ہی حقیر اور کمتر ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کا اسلوب بلیغ ہے کہ آپ ﷺ نے حضراتِ صحابہ سے مذکورہ بالا سوال کر کے اس چیز کی طرف رغبت دلائی جو باقی رہنے والی ہے اور اس چیز سے نفرت دلائی جو دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی قدر و قیمت والی کیوں نہ ہو انجام کے اعتبار سے ختم ہونے والی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۃ فاتحہ کی فضیلت کا بیان

یہاں سے حضرت امام ابوداؤدؒ چند ابواب قرآن پاک کی سورتوں کے فضائل میں قائم کر رہے ہیں، اس سے قبل کے ہم ان سورتوں کے سلسلہ میں وارد احادیث کی تشریح کریں ایک اہم مسئلہ بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، اور وہ ہے "تفضیل بعض القرآن علی بعض" کہ قرآن پاک کی بعض سورتوں کو دوسری بعض پر فضیلت دینا، اس سلسلہ میں حضراتِ متقدمین کے یہاں کچھ اختلاف بھی ہے اور یہ اختلاف دوسری صدی ہجری کے بعد اس وقت سامنے آیا جب خلق قرآن کا مسئلہ اٹھا ورنہ اس سے پہلے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

تفضیل بعض قرآن علی بعض کی بحث:

معتزلہ کے نزدیک کلام اللہ چوں کہ مخلوق ہے اور مخلوق میں باہمی تفاضل کا انکار نہیں کیا جاسکتا اس لیے قرآن کے بعض حصہ کا اس کے دوسرے بعض حصہ سے افضل ہونا ان کے نزدیک باعث اشکال نہیں، البتہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس میں دو مذہب بن گئے۔

پہلا مذہب:

امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر باقلانی، احمد بن کلاب اور متاخرین شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم میں تفاضل نہیں ہے، یعنی یہ کہنا کہ اس کا بعض حصہ بعض سے افضل ہے درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۷/ ۶۹)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کلام اللہ حق تعالیٰ شانہ کی صفتِ قدیمہ ہے، اور صفاتِ قدیمہ میں تفاضل جائز نہیں اس لیے تفاضل کا قول درست نہیں ہے، بلکہ ابوعبداللہ دراج نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انھوں نے امتناع تفاضل پر اہل سنت والجماعت کا اجماع نقل کیا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

”أجمع أهل السنة على أن ما ورد في الشرع مما ظاهره المفاضلة بين آي القرآن وسوره المراد به تفضيل ذوات بعضها علي بعض، إذ هو كله كلام الله وصفة من صفاته بل هو كله لله فاضل كسائر صفاته الواجب لها نعت الكمال“ (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۷/ ۷۳)

باقی جن آیات اور سورتوں کو افضل یا اعظم کہا گیا ہے یہ حضرات اس کے دو مطلب بیان کرتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اعظم اور افضل ثواب اور جزاء کے اعتبار سے کہا ہے یعنی وہ حصہ دوسرے بعض سے ثواب کے اعتبار سے افضل اور بہتر ہے، اور ثواب کے اعتبار سے تفاضل میں کسی کا اختلاف نہیں؛ کیوں کہ ثواب اور جزاء مخلوق ہیں اور مخلوق میں تفاضل سب کے نزدیک درست ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۷/ ۶۸)

(۲) دوسرے یہ کہ اعظم اور افضل سے اس کا عظیم ہونا مراد ہے یعنی اس سے نفس فضیلت اور نفس عظمت کا بیان مقصود ہے کسی کے مقابلہ میں افضل و اعظم ہونا مراد نہیں ہے۔

دوسرا مذہب:

دوسرا مسلک جمہور ائمہ اربعہ کا ہے کہ قرآن کریم کا بعض بعض سے افضل ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان نصوص سے ہے جن میں مختلف آیات وسورتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ان میں سے چند فضائل آگے آرہے ہیں، مثلاً آیت الکرسی کو قرآنی آیات کا سردار کہا گیا ہے، سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمایا گیا ہے، سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا گیا ہے، یہ تمام نصوص اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم کا بعض اس کے دوسرے بعض سے افضل اور بہتر ہے۔

رہی یہ بات کہ بعض کو اگر بعض سے افضل قرار دیا جائے تو مفضل علیہ کے نقص کا ابہام لازم آتا ہے یہ کوئی وزنی دلیل نہیں، ایک چیز دوسری چیز کے مقابلہ میں اگر افضل قرار دی جائے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دوسری چیز ناقص ہے، بعض انبیاء دوسرے بعض انبیاء سے افضل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مفضل علیہ میں نقص یا کمی وکوتاہی پائی جاتی ہے، پھر اگر کسی کو یہ وہم ہوتا بھی ہے تو اس کی وجہ سے ان صحیح اور صریح روایات کو رد بہر حال نہیں کیا جاسکتا، یہی جمہور کا مسلک ہے، چناں چہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''والقول بأن كلام الله بعضه أفضل من بعض هو القول المأثور عن السلف، وهو الذي عليه أئمة الفقهاء من الطوائف الأربعة وغيرهم'' (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۷/ ۶۸)

مثلاً: قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ہے اور تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ ہے، یہ دونوں اللہ جل شانہ کا کلام ہیں، لیکن متکلم فیہ کے اعتبار سے دونوں میں تفاضل ہے، ایک میں متکلم فیہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں، اور دوسری میں ایک کافر متکلم فیہ ہے، اس لحاظ سے ان دونوں کلاموں میں تفاوت ہے۔

قرآن کریم میں تفاضل کا یہ اختلاف درحقیقت ایک دوسرے مشہور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ کلام اللہ شئ واحد ہے یا شئ متعدد؟ اشاعرہ کے نزدیک کلام اللہ شئ واحد ہے اس میں کسی قسم کا تنوع اور تعدد نہیں، اور جب تنوع اور تعدد نہیں تو باہمی تفاضل کا سوال ہی نہیں، جب کہ دوسرے علماء کے نزدیک کلام اللہ شئ واحد نہیں۔ (ارشاد الساری: ۱۱/ ۲۵۴)

سورۂ فاتحہ کے فضائل ومناقب:

سورۂ فاتحہ کو قرآن کریم میں بہت سی خصوصیات حاصل ہیں، منجملہ ان خصوصیات کے اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورت پورے قرآن کا متن اور پورا قرآن اس کی شرح ہے، کیوں کہ قرآن کے مقاصد ایمان اور عمل صالح ہیں اور ان دونوں چیزوں کے بنیادی اصول اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں، اسی وجہ سے اس کو ''ام القرآن''، ''ام الکتاب'' اور قرآن عظیم بھی کہا گیا ہے اس بات کے تحت مصنفؒ نے چند ہی فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۴۵۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أُمُّ الْقُرْآنِ، وَأُمُّ الْكِتَابِ، وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ فاتحہ ام القرآن ہے، ام لکتاب ہے، اور سبع مثانی ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کے تین نام ذکر فرمائے ہیں، ایک ام القرآن ، دوسرا ام الکتاب اور تیسرا سبع مثانی۔

جہاں تک پہلے دو ناموں کا تعلق ہے تو جاننا چاہیے کہ ''ام'' کے معنی ہیں اصل اور بنیاد، اور کتاب سے مراد بھی قرآن ہی ہے تو اس کا معنی ہوا کہ سورۂ فاتحہ قرآن پاک کی اصل اور اساس ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن کے چار مقاصد

۱۴۵۷- أخرجه البخاري: كتاب التفسير، باب: تفسيرا " لقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم " من سورة الحجر (۴۷۰۴)، الترمذي: كتاب التفسير، باب: سورة الحجر (۳۱۲۴).

ہیں (۱) الہیات (۲) معاد (۳) اثبات قضا وقدر (۴) نبوت۔

پس ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ '' الہیات کا بیان ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات تمام صفات کمال کو جامع ہے۔ اور'' مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ '' میں معاد کا بیان ہے، اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ '' میں جبر کی نفی اور قضا وقدر کا اثبات ہے اور'' اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ '' میں نبوت کا اثبات ہے، گویا یہ سورت قرآن پاک کے تمام اصول واساس کو جامع ہے اس لیے اسکو ام القرآن اور ام الکتاب کہا گیا ہے۔

اس حدیث میں اس سورت کا دوسرا نام ''سبع مثانی'' فرمایا گیا ہے، ''مثانی'' جمع ہے ''مثناۃ'' کی، ہر وہ شیٔ جو دہرائی جائے، یہ سورت چوں کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے، یا اس لیے سبع مثانی کہا جاتا ہے کہ یہ سورت دو قسموں پر مشتمل ہے یعنی دعا اور ثناء پر، جیسا کہ حدیث مشہور ہے: ''قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين''۔

حضرات مفسرین نے اس سورت کے اور بھی متعدد نام نقل کیے ہیں چناں چہ لکھا ہے کہ اس کو سورۂ فاتحہ، سورۂ کافیہ، سورۂ شافیہ، سورۃ الاساس، سورۃ الصلاۃ، سورۃ السوال، سورۃ الشکر، سورۃ الدعا، اور سورۃ الشفاء بھی کہا جاتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے اس قدر اسماء دلالت کرتے ہیں کہ یہ سورت انتہائی جامع سورت ہے اور دیگر سورتوں کے مقابلہ میں اس کو فضیلت حاصل ہے، سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت اس کی یہ ہے کہ اس کو جس غرض اور مقصد سے پڑھا جائے اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرماتا ہے، واللہ اعلم

۱۴۵۸- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ يُصَلِّي، فَدَعَاهُ، قَالَ: فَصَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ، قَالَ: فَقَالَ: «مَا مَنَعَكَ أَنْ تُجِيبَنِي؟»، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي، قَالَ: " أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ} [الأنفال:۲۴]، لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ - أَوْ فِي الْقُرْآنِ، شَكَّ خَالِدٌ - قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ "، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَوْلُكَ: قَالَ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي الَّتِي أُوتِيتُ، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ»

۱۴۵۸ -أخرجه البخاري: كتاب التفسير، باب: ما جاء في فاتحة الكتاب (۴۴۷۵)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: تأويل قوله تعالى {ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم} (۲/۱۳۹)، ابن ماجه: كتاب الأدب، باب: ثواب القرآن (۳۷۸۵).

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے روایت کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اسی حال میں رسول اللہ ﷺ میرے قریب سے گزرے، آپ نے مجھے آواز دی میں نماز پڑھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دریافت فرمایا: تو نے مجھے کیوں جواب نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کو جواب دو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے. فرمایا: مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھ کو قرآن کی عظمت والی سورت سکھادوں جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے، میں نے آپ کو آپ کا قول یاد دلایا، آپ نے فرمایا: سورت " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطاء کی گئی.

تشریح حدیث: قولہ: ''فَدَعَاهُ'' حضرت ابوسعید بن المعلی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو آواز دی انھوں نے یہ سمجھا کہ جس طرح غیر نبی کی آواز پر جواب دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح نبی کی آواز پر جواب دینے سے بھی نماز باطل ہو جائے گی، چناں چہ جواب نہیں دیا، نماز سے فراغت کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے آپ ﷺ کی بات کا جواب نہیں دیا، پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اللہ رب العزت کا ارشاد نہیں پڑھا کہ جب اللہ اور اس کے رسول آواز دیں تو ان کی آواز پر فوراً جواب دو، پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد اس بات کی تردید کے لیے تھا کہ اجابۃ النبی ﷺ مبطل صلاۃ نہیں ہے۔

اجابة النبي في الصلاة کا حکم:

اس حدیث کی بناء پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ حکم رسول کی اطاعت میں نماز میں جو کام بھی کریں اس سے نماز میں خلل نہیں ہوتا، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی یہی رائے ہے، جب کہ دوسرے فقہاء نے یہ فرمایا کہ اگر چہ یہ خلافِ نماز افعال سے نماز قطع ہو جاتی ہے اور بعد میں اس کی قضا کرنی پڑے گی لیکن کرنا یہی چاہیے کہ جب رسول کریم ﷺ کسی کو بلائیں اور وہ نماز میں ہو تو نماز کو قطع کر کے تعمیل حکم کرے، حنفیہ کی یہی رائے ہے، اور یہ حدیث بطلانِ صلاۃ کے سلسلے میں ساکت ہے۔

یہ صورت تو صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، لیکن دوسرے ایسے کام ہیں جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو اس میں بھی نماز قطع کر دینا اور پھر بعد میں قضا کر لینا چاہیے، جیسے کوئی نمازی یہ دیکھے کہ نابینا آدمی کنویں کے قریب پہنچ کر گرا چاہتا ہے تو فوراً نماز توڑ کر اس کو بچانا چاہیے۔ (معارف القرآن: ۴/ ۲۰۹)

قولہ: ''لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمھیں قرآن کی ایک بڑی سورت نہ سکھلاؤں قبل اس کے کہ ہم مسجد سے باہر نکلیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو قرآن کی عظیم ترین سورت فرمایا ہے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ قرآن ہی ہے بعض غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ سورۂ فاتحہ قرآن نہیں ہے اس حدیث کی طرف نظر نہ کرنے اور ان کی جہالت کی وجہ سے ہے۔

قوله: قَوْلَكَ: یہ منصوب ہے فعل محذوف کے مفعول ہونے کی وجہ سے "أي اذكر قولك أو احفظ قولَكَ الذي وعدتني" مطلب یہ ہے کہ جب ابوسعید بن المعلی مسجد سے نکلنے لگے اور پیغمبر علیہ السلام بھی نکلنے لگے تو حضرت ابوسعید بن معلّی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا میں تمھیں قرآن کی ایک بہت بڑی سورت نہ سکھلاؤں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سورت سورۂ فاتحہ ہے وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

قوله: "هي السبع المثاني" اس حدیث میں تصریح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ" میں سورۂ فاتحہ ہی مراد ہے، پس حدیث میں سبع مثانی پر قرآن کا عطف کرنا عطف مرادف ہے، اور سورۂ فاتحہ پر قرآن کریم کا اطلاق کرنا اس اعتبار سے ہے کہ یہ سورت اپنے معانی اور فوائد کے اعتبار سے قرآن کا جزءِ عظیم ہے اس لیے مبالغۃً فرمایا کہ یہ سورت قرآن عظیم ہے۔

حدیث میں مذکور واقعہ کن صحابی کا ہے:

ہماری ابوداؤد کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ صحابیٔ رسول حضرت ابوسعید بن المعلی کا ہے، جب کہ سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ ہے لیکن اس کو حضرت ابی بن کعب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے؟ اب امام بیہقیؒ نے تو یہ تطبیق دی ہے کہ یہ واقعہ دونوں ہی حضرات کو پیش آیا تھا لہٰذا کوئی تضاد نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اسی کو اختیار کیا ہے، البتہ جن لوگوں نے اس واقعہ کو حضرت ابوسعید خدریؓ کا قرار دیا ہے ان سے وہم ہوا ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۸/۱۰۷)

فقه الحديث: سورۂ فاتحہ عظیم ترین سورت ہے۔
سورۂ فاتحہ قرآن ہی کا حصہ ہے قرآن سے خارج نہیں۔
قرآن پاک کی بعض سورتیں بعض سے افضل ہیں۔
نماز کے دوران ہی پیغمبر علیہ السلام کی آواز پر جواب دینا ضروری ہے۔
سورۂ فاتحہ میں کل سات آیات ہیں۔
انسان کو دینی مسائل کے سیکھنے میں کسی کا ڈر اور خوف نہ ہونا چاہیے۔

بَابُ مَنْ قَالَ: هِيَ مِنَ الطُّوَلِ

سورت فاتحہ کا لمبی سورتوں میں سے ہونے کا بیان

۱۴۵۹- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «أُوتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي الطُّوَلِ، وَأُوتِيَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام سِتًّا، فَلَمَّا أَلْقَى الْأَلْوَاحَ، رُفِعَتْ ثِنْتَانِ، وَبَقِيَ أَرْبَعٌ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سات مثانی آیتیں جو لمبی ہیں عطا کی گئی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو چھ آیتیں عطاء کی گئی تھیں، جب انہوں نے غصہ میں آ کر وہ تختیاں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی پھینک دیں تو دو آیتیں اٹھالی گئیں اور چار باقی رہ گئیں۔

مقصد ترجمہ: ترجمۃ الباب کے دو مقصد ہیں، ایک یہ کہ سورۂ فاتحہ جس کی فضیلت باب سابق میں بیان ہوئی، قرآن کریم کی لمبی سات سورتوں میں سے ایک سورت ہے، یعنی قرآن پاک کے شروع میں سات سورتیں لمبی ہیں (۱) فاتحہ (۲) بقرہ (۳) آل عمران (۴) النساء (۵) المائدہ (۶) انعام (۷) الاعراب، ان سات لمبی سورتوں میں سورۂ فاتحہ بھی لمبی سورت ہے، اور یہ سورت اپنے الفاظ کے اعتبار سے تو لمبی نہیں ہے لیکن اپنے معانی کے اعتبار سے یہ سورت لمبی ہے۔

دوسرا مطلب اس ترجمۃ الباب کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث سابق میں جو "سبع مثانی" کا کلمہ آیا تھا اس سے مراد قرآن پاک کی لمبی سات سورتیں ہیں سورۂ فاتحہ اس میں شامل نہیں ہے، اس صورت میں ترجمۃ الباب کے اندر حرف "من" زائد ہوگا اور "ہی" ضمیر کا مرجع "سبع مثانی" ہوگا کہ سبع مثانی لمبی سات سورتیں ہیں اور یہ لمبی سات سورتیں ہیں، (۱) البقرہ (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) المائدہ (۵) انعام (۶) اعراف (۷) التوبہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سبع مثانی کی ایک تفسیر یہی منقول ہے۔

لغات حدیث: الطُّوَل بضم الطاء وفتح الواو جمع ہے طُولیٰ کی جیسا کہ کُبریٰ اور کُبر ہے۔

الألْوَاح: لَوْح کی ہے بمعنی تختی۔

بَقَيْنَ: یہ بَقِيَ يَبْقٰى سے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے، بعض نسخوں میں واحد مذکر غائب "بَقِيَ" کا صیغہ ہے بمعنی باقی رہنا۔

۱۴۵۹- أخرجه النسائي: كتاب الافتتاح، باب: فاتحة الكتاب (۲/ ۱۳۹).

تشریح حدیث: حضرت ابن عباسؓ فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو سات لمبی آیات عطا کی گئی ہیں اور مراد حضرت ابن عباسؓ کی سات آیتوں سے سورۂ فاتحہ ہے اس لیے کہ یہ سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ سات آیات اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بڑی مفصل اور طویل ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے جس کا اظہار ترجمۃ الباب میں کیا گیا کہ سبع مثانی سے مراد قرآن پاک کی شروع کی سات لمبی سورتیں ہیں اور سورۂ فاتحہ ان میں شامل نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سنن نسائی کے اندر بھی بسند صحیح منقول ہے۔

قولہ: فَلَمَّا أَلْقَى الأَلْوَاحَ الخ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے تورات لے کر واپس آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو اگرچہ قوم کی اس گمراہی کی خبر حق تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر کردی تھی لیکن سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے جب قوم کو دیکھا کہ گائے کی پوجا پاٹ کررہے ہیں تو غصہ کی انتہا نہ رہی، پہلے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي'' یعنی تم لوگوں نے میرے بعد بڑی نامعقول حرکت کی ہے، اللہ کی کتاب تورات کے آنے کا انتظار تو کرلیتے تم نے اس سے جلد بازی کرکے یہ گمراہی اختیار کرلی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے ان کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے انھوں نے قوم کو اس بت پرستی سے کیوں نہیں روکا، ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی خاطر ہاتھ کو خالی کرنے کی ضرورت ہوئی توریت کی تختیاں جو ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے جلدی سے رکھ دیں، اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَأَلْقَى الأَلْوَاحَ القاء کے لغوی معنی تو ڈال دینے کے ہیں لیکن مراد جلدی رکھ دینا ہے نہ کہ بے ادبی کے ساتھ ڈالنا، کیوں کہ بے ادبی کے ساتھ ڈالنا گناہ عظیم ہے جب کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب گناہوں سے معصوم ہیں۔

(معارف القرآن: ۴/ ۶۸)

تورات کی تختیاں:

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات سات تختیوں پر لکھ کر دیا گیا تھا اور تختیاں زبرجد اور سرخ یاقوت کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان تختیوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے تورات کو نہر نور سے لکھوایا تھا، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جلدی سے زمین پر رکھا تو ان میں سے چھ تو ٹوٹ گئیں اور ان کو اٹھالیا گیا، اور صرف ایک باقی رہی، وہ چھ تختیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا ان میں مخلوق کی ضرورت کی تمام چیزیں تھیں اور جو تختی باقی رہی وہ ہدایت اور رحمت پر مشتمل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلاً لِكُلِّ شَيْءٍ۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تختیاں دی گئی تھیں وہ کتنی تھیں؟

ہماری ابوداؤد کی روایت میں تو آیا ہے کہ وہ چھ تھیں جن میں سے دو اٹھالی گئیں اور چار باقی رہیں، دوسری روایت میں ہے کہ یہ کل چھ تھیں جن میں سے پانچ اٹھالی گئیں اور ایک باقی رہی۔ (المنہل: ۸/۱۰۹)

بَابُ مَا جَاءَ فِي آيَةِ الْكُرْسِيِّ

آیت الکرسی کی فضیلت

۱۴۶۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ إِيَاسٍ، عَنْ أَبِي السَّلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَبَا الْمُنْذِرِ، أَيُّ آيَةٍ مَعَكَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَعْظَمُ؟» قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «أَبَا الْمُنْذِرِ، أَيُّ آيَةٍ مَعَكَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَعْظَمُ؟» قَالَ: قُلْتُ: ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ قَالَ: فَضَرَبَ فِي صَدْرِي، وَقَالَ: «لِيَهْنِ لَكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ الْعِلْمُ»

ترجمه: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابومنذر! (یہ ابی بن کعب کی کنیت ہے) قرآن کی کونسی آیت سب سے زیادہ بڑی ہے، میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں، پھر آپ نے استفسار فرمایا: کون سی آیت کتاب اللہ میں سب سے بڑی ہے، میں نے عرض کی: اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ" یہ سن کر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا فرمایا: اے ابومنذر! تجھے علم مبارک ہو۔

مقصد ترجمه: مصنفؒ چوں کہ چند مخصوص سورتوں اور آیتوں کے فضائل کو بیان کر رہے ہیں، اس لیے مصنفؒ نے قرآن کریم کی عظیم ترین سورت سورہ بقرہ کی عظیم آیت آیت الکرسی کی اہمیت وفضیلت کو بیان کرنے کے لیے اس باب کو قائم کیا ہے۔

تشريح حديث: یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور الفاظ حدیث بھی دونوں کے ملتے جلتے ہیں۔

قوله: أي آية معك: یعنی تمھیں جو اللہ کی کتاب قرآن مقدس کی آیات یاد ہیں ان میں کون سی آیت ثواب کے اعتبار سے بڑی ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے اس کے علم کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ کر دیا لیکن پیغمبر علیہ السلام بذریعہ وحی جانتے تھے کہ ابی بن کعبؓ کو اس کا علم ہے اس لیے آپ ﷺ نے مکرر سوال فرمایا، حضرت ابی بن کعبؓ نے پہلی مرتبہ یاد با جواب نہیں دیا یا وہ سمجھ رہے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ افضل کا علم ہو، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مکرر سوال کیا تو حضرت ابی بن کعبؓ نے سمجھا کہ آپ ﷺ کا مقصد مجھ ہی سے معلوم کرنا ہے، چناں چہ

۱۴۶۰- أخرجه مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضل سورة الكهف وآية الكرسي ۲۵۸- (۸۱۰).

جواب دیا کہ یہ عظیم آیت آیت الکرسی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو علم کی مبارک باد پیش کی اور اپنے دستِ مبارک کو سینے پر رکھ کر مزید دعاؤں سے نوازا۔

قولہ: ''لِيَهْنِ'': یہ امر غائب کا صیغہ ہے بفتح الیاء وسکون الہاء وکسر النون، اور بعض نسخوں میں ''لِيَهْنِئْ'' ''ی'' کے اوپر ہمزہ کے ساتھ بھی اور یہی اصل بھی ہے لیکن تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے، اور مطلب ہے: **لِيَكُنِ الْعِلْمُ هَنِيئًا لَكَ.**

اب آیت الکرسی عظیم ترین آیت کیوں ہے؟ تو اس سلسلہ میں صاحب منہل لکھتے ہیں: آیت الکرسی ان بنیادی مسائل پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے تمام کمالات کے ثبوت اور اس کی ذات سے تمام نقائص کی نفی پر دلالت کرتے ہیں، نیز اللہ کی توحید اور اس کی عالی صفات کا بیان بھی اسی آیت میں ہے، صرف اسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا نام سترہ مرتبہ آیا ہے بعض جگہ ظاہراً اور بعض جگہ مستتراً، اس آیت الکرسی کے تعلق سے تفصیلی مضامین کتب تفسیر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فقہ الحدیث: استاذ کے لیے مناسب ہے کہ وہ لائق اور باصلاحیت طلبہ کی آزمائش اور امتحان کی خاطر علمی سوالات کرلیا کرے تاکہ ان میں شوق بھی پیدا ہو اور علم کے اندر تازگی ہو اور دوسرے کمزور طلبہ کے سامنے ان کا تفوق ظاہر ہو اور پھر وہ بھی اس سے استفادہ کریں۔

اپنے سے بڑے لوگوں کی تعظیم اور ادب بھی شریعت کا حصہ ہے۔

انسان کی اس کے سامنے بھی تعریف کی جاسکتی ہے، جب کہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور مخاطب کے عجب میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

قرآن کا بعض حصہ بعض سے افضل ہے۔

آیت الکرسی قرآن کی عظیم ترین سورت ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي سُورَةِ الصَّمَدِ

سورت (الصمد) اخلاص کی فضیلت کا بیان

۱۴۶۱- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ يُرَدِّدُهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ لَهُ، وَكَأَنَّ الرَّجُلَ

۱۴۶۱- أخرجه البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب: فضل {قل هو الله أحد} (۵۰۱۳)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: الفضل في قراءة {قل هو الله أحد} (۲/ ۱۷۱) وفي عمل اليوم والليلة برقم (۶۹۸)

يَتَقَالُّهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کو بار بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھتے ہوئے سنا، جب صبح ہوئی تو اس نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ ذکر کیا؛ کیونکہ وہ اس سورت کو اس کے اصل مرتبہ سے کم تصور کرتا تھا، آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سورت کا مرتبہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد سورۂ اخلاص کی فضیلت کو بیان کرنا ہے، محدثین نے سورۂ اخلاص کے تقریباً بیس نام ذکر کیے ہیں، جن میں بعض یہ ہیں: سورۂ صمد، سورۂ معرفہ، سورۂ تفرید، سورۂ تجرید، سورۂ نجاۃ، مصنفؒ نے ان اسماء میں سے ''الصمد'' کا انتخاب اس کی معنوی جامعیت کی وجہ سے کیا ہے، اس لیے کہ ''صمد'' اس آقا اور ذات کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی نہ ہو، اور لوگ اپنے امور اور حوائج میں ہمیشہ اسی کا قصد کرتے ہوں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''صمد'' وہ آقا ہے جو اپنی سیادت، شرافت، عظمت، بردباری، علم اور حکمت میں کامل اور یکتا ہو، عز و شرف کی تمام انواع اور اقسام کا مالک ہو۔

تشریح حدیث: حضرت ابوسعید خدریؓ نے اپنے پڑوسی اور اخیافی بھائی حضرت قتادہ بن نعمانؓ کو دیکھا کہ وہ رات بھر سورۂ اخلاص کو بار بار پڑھتے رہے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھا، تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص تو رات بھر اسی ایک سورت کو پڑھتا رہا کوئی دوسری سورت نہ پڑھی، حضرت ابوسعید خدریؓ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس عمل کو کم سمجھ رہے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کی اہمیت کو بیان فرمایا کہ جو سورت یہ یعنی قتادہ بن نعمان پڑھ رہے تھے کوئی معمولی سورت نہیں ہے بلکہ یہ تو ثلث قرآن کے برابر ہے۔

ثلث قرآن ہونے کا مطلب:

حضرات محدثین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

(۱) قرآنِ پاک کے مضامین تین قسم کے ہیں ایک قصص، دوسرے احکام اور تیسرے عقائد، اور یہ سورۂ اخلاص عقائد سے متعلق ہے پس بمنزلہ ثلث قرآن کے ہوگئی، اس معنی کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ''عن أبي الدرداء أن رسول الله ﷺ قال: أيعجز أحدكم أن يقرأ كل يوم ثلث القرآن؟ قالوا: نعم، قال فإن الله تعالى جزأ القرآن ثلاثة أجزاء، فجعل قل هو الله أحد ثلث القرآن'' (صحیح مسلم حدیث/۸۱۱)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ اخلاص کے علاوہ میں بھی توحید باری کے مضامین آئے ہیں لیکن اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے دو نام ایسے آئے ہیں جو اور کسی جگہ قرآن پاک میں نہیں آئے، ایک ''الاحد'' اور دوسرا ''الصمد''۔

دوسرا مطلب ثلث قرآن ہونے کا یہ ہے کہ یہ سورۂ اخلاص باعتبار ثواب کے ایک تہائی قرآن ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ عمل کا ایک تو اصل اجر ہوتا ہے اور ایک اجر انعامی ہوتا ہے اب یہاں مراد یہ ہے کہ سورۂ اخلاص کا اجر انعامی ثلث قرآن کے اجر اصلی کے برابر ہے، اس کی مثال بالکل اس طرح ہے کہ ایک آدمی مکان تعمیر کراتا ہے اور اجیر کے لیے ہر دن کی دس روپے کی اجرت متعین کر دیتا ہے، پھر جب مکان بن جاتا ہے تو طے شدہ اجر کے علاوہ ایک انعام اور دیتا ہے جو انعام کبھی بہت زیادہ بھی ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی خاص عمل پر کوئی خاص انعام عطا کر دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، تمام چیزیں تو اس کی مملوک ہیں۔ (از منہل: ۸/ ۱۱۵)

بَابٌ فِي الْمُعَوِّذَتَيْنِ

قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی فضیلت کا بیان

۱۴۶۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ الْقَاسِمِ، مَوْلَى مُعَاوِيَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: كُنْتُ أَقُودُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ، فَقَالَ لِي: «يَا عُقْبَةُ، أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ قُرِئَتَا؟» فَعَلَّمَنِي قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، قَالَ: فَلَمْ يَرَنِي سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا، فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ الْتَفَتَ إِلَيَّ، فَقَالَ: «يَا عُقْبَةُ، كَيْفَ رَأَيْتَ؟»

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کو کھینچا کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تجھ کو پڑھی گئیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں؟ پھر آپ نے "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" سکھائیں، جب آپ نے محسوس کیا مجھے یہ سورتیں سیکھ کر زیادہ خوشی نہیں ہوئی تو آپ نے صبح کو اتر کر فجر کی نماز میں یہی دو سورتیں تلاوت کیں تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عقبہ! کیسے دیکھا؟ (یعنی کیا اب بھی سمجھے تم ان سورتوں کا مرتبہ)۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ چند مخصوص سورتوں کے فضائل کو بیان فرما رہے ہیں ان ہی مخصوص سورتوں میں معوذتین ہیں، ان دونوں سورتوں میں خاص تاثیر یہ ہے کہ آفات و بلاؤں کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنے کے سلسلہ میں

۱۴۶۲- أخرجه النسائي: كتاب قيام الليل، باب: الأمر بقراءة المعوذات بعد التسليم من الصلاة.

یہ دونوں سورتیں اپنی مثال آپ ہیں ان کی نظیر نہیں۔

تشریح حدیث: اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت عقبہ بن عامرؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ ﷺ مقام جحفہ اور ابواء کے درمیان پہنچے تو تیز آندھی چلنے لگی اور تاریکی چھا گئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرمایا کہ اے عقبہ! کیا میں تم کو قرآن کریم کی بہترین دو سورتیں نہ سکھلاؤں؟ آپ ﷺ کا منشاء تھا کہ تعوذ کے سلسلہ میں جو سورتیں بہترین ہیں ان کو نہ سکھلاؤں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے معوذتین کو سکھلایا، عقبہ فرماتے ہیں کہ اس سے مجھے کوئی زیادہ خوشی نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صبح کو فجر کی نماز میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھا اور اپنے عمل کے ذریعہ ان کی اہمیت کو واضح فرمادیا، بلکہ ترغیب اور تنبیہ کے طور پر یہ بھی فرمایا: "یاعقبة! کیف رأیت"۔

فجر کی نماز میں لمبی قراءت مسنون ہے لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صرف ان دو سورتوں کی قراءت پر اکتفاء فرمایا تاکہ عقبہ ان کی اہمیت کو سمجھ جائیں۔ فقط (المنہل العذب المورود: ۸/ ۱۱۶)

۱۴۶۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ، وَالْأَبْوَاءِ، إِذْ غَشِيَتْنَا رِيحٌ، وَظُلْمَةٌ شَدِيدَةٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، وَيَقُولُ: «يَا عُقْبَةُ، تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا»، قَالَ: وَسَمِعْتُهُ يَؤُمُّنَا بِهِمَا فِي الصَّلَاةِ

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جحفہ اور ابواء (نامی دو مقاموں) کے درمیان چل رہا تھا، اچانک تیز ہوا اور تاریکی نے ہم کو ڈھانپ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے: "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھنی شروع کردی اور فرمایا: اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعہ دعا مانگا کرو؛ کیونکہ کسی پناہ مانگنے والے نے اس جیسی پناہ نہیں مانگی، حضرت عقبہ فرماتے ہیں: میں نے ان سورتوں کو آپ سے نماز کی حالت میں سنا ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث کے ہم معنی ہی ہے بس اس میں یہ اضافہ ہے کہ آفات وبلاء سے حفاظت کے سلسلہ میں اس سے زیادہ اچھی سورت اور کوئی نہیں ہے، کسی پناہ مانگنے والے نے ان سے زیادہ اچھی سورتوں کے ذریعہ پناہ نہیں مانگی۔

۱۴۶۳۔ أخرجه مسلم رقم (۸۱۴) في صلاة المسافرين، باب فضل قراءة المعوذتين، والترمذي رقم (۲۹۰۲) و (۲۹۰۵) في ثواب القرآن، باب ما جاء في المعوذتين، والنسائي ۲/ ۱۵۸ في افتتاح الصلاة، باب القراءة في الصبح بالمعوذتين، وباب الفضل في قراءة المعوذتين، و۸/ ۲۵۱-۲۵۳، في الاستعاذة في فاتحته،

حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں سورتوں کی تفسیر لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات اور سب لوگوں کو ان کی حاجت اور ضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے، ان دونوں سورتوں کو سحر اور نظر بند اور تمام آفات جسمانی وروحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے۔

معارف القرآن میں لکھا ہے کہ ان دونوں سورتوں میں سے پہلی سورت یعنی سورۂ فلق میں تو دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورۂ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔

یہاں چوں کہ ان تمام فضائل اور برکات کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس لیے مصنفؒ نے صرف ایک ہی حدیث کو نقل کرنے پر اکتفاء فرمایا ہے، جس کو تفصیل مطلوب ہو وہ تفسیر کی کتب سے مراجعت کریں۔

صاحب منہلؒ نے اس جگہ سحر یعنی جادو کے حوالہ سے کافی تفصیل نقل فرمائی ہے لیکن یہاں اس کو نقل کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ

قراءت میں ترتیل کے مستحب ہونے کا بیان

۱۴۶۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ، وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا "

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صاحب قرآن سے فرمائے گا: پڑھتا جا اور چڑھتا جا، ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا؛ کیونکہ تیرا مقام وہ ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ یہاں سے آداب تلاوت بیان فرما رہے ہیں، ان آداب میں سے بنیادی ادب ترتیل ہے اور ترتیل کے معنی ہیں بہتر طریقہ پر پڑھنا کہ تمام الفاظ وحروف واضح ہوجائیں، نیز اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا کہ حروف وحرکات خوب ظاہر ہوجائیں، حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے، کہ ترتیل کا درجہ تلاوت سے بہت اونچا ہے، حضرت شاہ

۱۴۶۴- اخرجه الترمذي: ثواب القرآن، باب: من ليس في جوفه قرآن كالبيت الخرب (۲۹۱۴)، تحفة (۸۶۲۷/۶).

عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر میں ہے کہ ترتیل سات چیزوں کی رعایت کا نام ہے۔ (۱) تصحیح الحروف (۲) مراعاۃ الوقوف (۳) اظہار الشد والمد (۴) اشباع الحرکات (۵) تزیین الصوت (۶) التاوّہ فیہ (۷) التاثیر بآیات الرغبہ والرہبہ۔

ان ساتوں چیزوں کی تشریح حضرت شیخ نے اپنی اردو تصنیف فضائل قرآن مجید میں فرمائی ہے، حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے والے کو چاہیے کہ ان تمام امور کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کیا کرے۔

تشریح حدیث: قولہ: "یقال لصاحب القرآن الخ" صاحب قرآن کے مصداق میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد وہ شخص جو تلاوت قرآن کا اہتمام کرتا ہو اور اس کے احکام پر عمل بھی کرتا ہو، صاحب بذل المجہود نے اسی معنی کو نقل فرمایا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حافظ قرآن ہے خواہ حافظ قرآن پورے قرآن پاک کا ہو یا بعض کا، البتہ اس کے احکام پر عمل بھی کرتا ہو، صاب المنہل العذب المورود نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اب اس صاحب قرآن کو "اقرأ وارتق" جو کہا جائے گا یہ اس وقت ہوگا جب کہ جنتی جنت میں داخل ہوں گے، کہ تو دنیا میں جس طرح ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا تھا اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا جا تیری منزل قراءت کی آخری آیت پر ہوگی، جب یہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے گا تو یقیناً زیادہ وقت لگے گا، اور زیادہ وقت میں جنت کے زیادہ بلند مراتب پر پہنچ جائے گا اور اگر جلدی جلدی پڑھے گا تو پھر کم وقت میں پڑھ لے گا اور کم وقت میں کم مسافت طے ہوگی اور جنت کے کم منازل طے ہوں گے، معلوم ہوا کہ ترتیل کے ساتھ پڑھنے میں زیادہ بلند مراتب حاصل ہوں گے۔

اس حدیث کے ذیل میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے اندر قرآنی آیات کے برابر درجات بنائے ہیں، اور قرآن کریم کی آیات کی تعداد صحیح قول کے مطابق چھ ہزار دو سو چھتیس ہے، لہٰذا جنت کے اندر بھی اتنے ہی درجات ہیں، اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ جنت میں قرآن پاک کے حروف کے بقدر درجات ہیں جب کہ حروف کی تعداد تین لاکھ تیس ہزار سات سو تینتیس ہے، اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جنت کے ہر درجہ میں بھی بے شمار درجات ہیں، اوپر والے درجہ میں جو سب سے اوپر کا درجہ ہوگا وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہوگا۔

ایک اشکال کا جواب:

حدیث میں فرمایا گیا کہ بندے (صاحب قرآن) سے کہا جائے گا "اقرأ وارتق" کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، اس سے اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان منازل عالیہ کا حصول جنت میں قرآن پاک کے پڑھنے پر ہوگا، حالاں کہ آخرت تو دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "اقرأ وارتق" میں قراءت بالفعل مراد نہیں بلکہ اس میں اشارہ ہے اس کی طرف تجھ کو جو اس

وقت یہ منازل حاصل ہو رہے ہیں یہ نتیجہ اور ثمرہ ہے تیری اس قراءت کا جو تو دنیا میں کرتا تھا، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اپنی قراءت فی الدنیا کی جزاء میں اس وقت عروج کرتا ہوا چلا جا۔

لیکن دوسرا جواب جو زیادہ مناسب ہے کہ یہ قراءت جو جنت میں ہوگی وہ بطریق عمل اور تکلیف نہ ہوگی، بلکہ بطریق تشویق و تفریح ہوگی، کہ اپنی لذت اور شوق پورا کرنے کے لیے پڑھ اور چڑھ۔ واللہ اعلم

فقہ الحدیث: اس حدیث میں قرآن پاک کے حفظ کی ترغیب اور اس کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تلقین و تشویق ہے۔ نیز اس سے حفاظ قرآن کے بلند رتبہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے کلام کے پڑھنے والے کو کس قدر بلند درجات عطا فرمائے گا۔

صحیح بخاری میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص قرآن کو حفظ کر رہا ہو اور مکمل ہونے سے قبل انتقال کر جائے تو قبر میں اس کے پاس فرشتہ آئے گا اور قرآن کریم حفظ کرائے گا۔ (المنہل: ۸/ ۱۲۴)

۱۴۶۵- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «كَانَ يَمُدُّ مَدًّا»

ترجمہ: حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک سے نبی ﷺ کی قراءت کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہر مد کو ادا فرماتے تھے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ان حروف کو کھینچ کر پڑھا کرتے تھے جن کو کھینچا جاتا ہے، یعنی وہ حرف جس کے بعد الف ہو یا واؤ ہو یا یاء ہو اس کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے، اور اس مد کی حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے قراءت میں تدبر و تفکر پیدا ہو جاتا ہے، نیز پڑھنے اور سننے میں کشش بھی بڑھ جاتی ہے، مدات کے تعلق سے باقی تفصیلات فن تجوید و قراءت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۴۶۶- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ، عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَلَاتِهِ، فَقَالَتْ: «وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتَهُ؟ كَانَ يُصَلِّي وَيَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى، ثُمَّ يُصَلِّي

۱۴۶۵ - أخرجه البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب: مد القرآن (۵۰۴۵)، الترمذي: في "الشمائل"، باب: ما جاء في قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم (۳۱۶)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: تعوذ القارئ إذا مر بآية عذاب (۲/ ۱۷۶)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ما جاء في القراءة في صلاة الليل (۱۳۵۱).

۱۴۶۶ - أخرجه الترمذي: ثواب القرآن، باب: كيف كانت قراءة النبي ﷺ (۲۹۲۴)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: تزيين القرآن بالصوت (۲/ ۱۷۹)

قَدْرَ مَا نَامَ، ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى، حَتَّى يُصْبِحَ، وَنَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ، فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَتَهُ حَرْفًا حَرْفًا»

ترجمه: حضرت یعلی بن مملک ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت اور نماز کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا: کہاں تمھاری نماز اور کہاں آپ ﷺ کی؟ (آپ ﷺ کی نماز کا طریقہ یہ تھا کہ) رات میں آپ ﷺ نماز پڑھتے اور پھر اتنی ہی دیر کے لیے سو جاتے جتنی دیر تک نماز پڑھی تھی پھر سونے کے بعد اتنی ہی دیر نماز میں مشغول رہتے جتنی دیر سوئے تھے اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا، پھر آپ ﷺ کی قراءت کا حال بیان کیا تو کہا کہ آپ ﷺ کی قراءت کا ایک ایک حرف الگ الگ ہوتا تھا۔ (یعنی آپ ﷺ کی قراءت کے ہر حرف کو اچھی طرح سنا جا سکتا تھا)

تشریح حدیث: حضرت ام سلمہ ؓ سے جب رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے تعلق سے سوال کیا گیا تو فرمایا: کہ تم رسول اللہ ﷺ کی نماز کا کیا کرو گے؟ آپ ﷺ کی نماز کی طرح اور آپ ﷺ کی قراءت کی طرح تمہاری نماز اور قراءت کہاں ہو سکتی ہے؟ حضرت ام سلمہ ؓ کا ارشاد سائل کو تعجب میں ڈالنے کے لیے تھا، اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تھا کہ آپ ﷺ کی طرح عمل کرنا آسان نہیں ہے، اس کے بعد حضرت ام سلمہ ؓ نے رات میں آپ ﷺ کی نماز اور قراءت کی جو کیفیت دیکھی اس کو بیان فرما دیا، خاص طور سے آپ کی قراءت کے بارے میں فرمایا کہ آپ کی قراءت حرف حرف یعنی خوب واضح ہوتی تھی، آپ ﷺ کی قراءت کا ہر حرف صاف سمجھ میں آتا تھا، کہ آپ نے ''ص'' پڑھا ہے یا ''سین''، ''ق'' پڑھا ہے یا ''ک'' وغیرہ۔

قوله: وَمَالَكُمْ وَصَلَاتَهُ: اس میں واؤ ثانیہ معیت کے لیے ہے لہٰذا کلمہ ''صلاتہ'' منصوب ہوگا، البتہ مسند احمد کی روایت میں ''وَمَالَكُمْ وَلِصَلَاتِهِ'' کے الفاظ ہیں۔

فقه الحديث: حدیث باب سے قرآن پاک کو ترتیل اور صاف پڑھنے کا حکم معلوم ہوا، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ کی عبادت اور رات کو آرام کرنے میں اعتدال ہوتا تھا آپ ﷺ آرام بھی کرتے اور عبادت بھی کیا کرتے تھے، اور بھی روایات سے آپ کی عبادت اور نیند میں اعتدال کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۴۶۷- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ عَلَى نَاقَةٍ يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفَتْحِ، وَهُوَ يُرَجِّعُ»

۱۴۶۷- أخرجه البخاري: كتاب المغازي، باب: أين ركز النبي الراية يوم الفتح (۴۲۸۱)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: قراءة صلى الله عليه وسلم سورة الفتح يوم الفتح (۷۹۴)، الترمذي في "الشمائل" النسائي في الكبرى: كتاب فضائل القرآن.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا اس دن میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہیں اور آپ ﷺ سورہ فتح پڑھ رہے ہیں اور ایک آیت کو کئی کئی مرتبہ پڑھ رہے ہیں۔

تشریح حدیث: ترجیع کے معنی ہیں حلق میں آواز کو گھمانا، اب یہاں حدیث شریف میں تلاوت کے دوران ترجیع سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے دو احتمال بیان فرمائے ہیں:

ایک تو یہ کہ تلاوت کے دوران آواز کو اوپر نیچے ہو کر گھومنا آپ ﷺ کے سواری پر سوار ہونے کی وجہ سے تھا، آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور اونٹنی چلتے ہوئے حرکت کرتی ہے سوار کا جھٹکا لگتا ہے اس لیے آپ ﷺ کی آواز میں ترجیع پیدا ہوگئی تھی۔

جب کہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مد کی جگہ میں دراز کر کے پڑھا جس کی وجہ سے ترجیع پیدا ہوگئی۔

صاحبِ منہلؒ نے محمد بن ابی حمزہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں ترجیع کے معنی تحسین تلاوت کے ہیں، نہ کہ ترجیع غنا کے اس لیے کہ ترجیع الغناء تو خشوع کے منافی ہے۔ (المنہل: ۸/ ۱۲۷)

۱۴۶۸- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْسَجَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی آوازوں کے ذریعہ قرآن کو زینت بخشو۔

تشریح حدیث: یعنی قرآن پاک کی تلاوت کے وقت اپنی اچھی آوازوں کے ذریعہ قرآن پاک کو زینت بخشا کرو، اس لیے کہ اچھے کلام کا حسن اچھی آواز کے ذریعہ بڑھ جاتا ہے، جیسے اچھے قسم کے کھانوں کو اچھے دسترخوان پر سجادیا جائے تو ان کا حسن بڑھ جاتا ہے، چناں چہ ایک روایت میں آیا ہے: فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنًا.

لیکن یاد رہے کہ حدیث میں زینت بخشنے کا مطلب قرآن پاک کو تجوید اور ترتیل کے ساتھ نرم اور لطیف آواز میں پڑھنا ہے، نہ کہ راگ میں قرآن کو اس طرح پڑھنا کہ حروف میں یا حرکات میں کمی زیادتی ہو بلکہ یہ تو حرام ہے۔ (مظاہر حق: ۳/ ۶۰)

۱۴۶۹- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ، بِمَعْنَاهُ، أَنَّ اللَّيْثَ حَدَّثَهُمْ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَهِيكٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ - وَقَالَ: يَزِيدُ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ سَعِيدِ

۱۴۶۸-أخرجه النسائي: كتاب الافتتاح، باب: تزيين القرآن بالصوت (۲/ ۱۷۹)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: في حسن الصوت بالقرآن (۱۳۴۲).

۱۴۶۹-أخرجه أحمد رقم (۱۴۷۶) وابن ماجة رقم (۱۳۳۷).

بْنِ أَبِي سَعِيدٍ. وَقَالَ قُتَيْبَةُ: هُوَ فِي كِتَابِي، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ - قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»،

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح سند: مصنفؒ کے اس سند میں تین استاذ ہیں ابوالولید طیالسی، قتیبہ بن سعید اور یزید بن خالد اور تینوں کی روایت ہم معنی ہے اگر چہ الفاظ میں قدرے اختلاف ہے، پھر ان تینوں کے درمیان آگے سند میں اختلاف ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ ابوالولید طیالسی نے تو سند اس طرح بیان کی: "**عن ابن أبي مليكة عن ابن أبي نهيك عن سعد بن أبي وقاص**" جب کہ قتیبہ اور یزید بن خالد نے اس طرح بیان کی "**عن ابن أبي مليكة عن سعيد بن أبي سعيد المقبري**"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ابوالولید طیالسی کی روایت ہی کو درست قرار دیا ہے، علامہ ذہبی نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے، قتیبہ اور یزید کی سند کے مطابق تو انقطاع لازم آئے گا اس لیے کہ سعید بن ابی سعید کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۳/ ۲۳۴، المنہل: ۸/ ۱۲۹)

تشریح حدیث: اس کے بعد جاننا چاہیے کہ تغنی کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) تغنی سے مراد الفاظ کو اس طرح واضح کر کے پڑھنا ہے کہ تجوید و قراءت کے تمام قوانین و قواعد کی رعایت ہو جائے۔

(۲) تغنی سے مراد استغنا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ قرآن کی ساری توجہ قرآن کی طرف ہونی چاہیے، لوگوں سے یا دیگر کتب سماویہ سے مستغنی ہونا چاہیے۔

(۳) تغنی سے مراد قرآن کریم کو زور سے پڑھنا۔

(۴) تغنی سے مراد اللہ تعالیٰ کی خشیت اور رقتِ قلب کے ساتھ پڑھنا ہے۔

(۵) تغنی کے معنی تحزن کے بھی آتے ہیں، یعنی قرآن پاک کو درد کے لہجہ میں پڑھنا تا کہ اس کی تاثیر قلب پر ہو۔

(۶) اس طرح پڑھنا کہ اس کی تلاوت سے انسان کا رنج اور غم زائل ہو جائے۔

(۷) اور عرفِ عام میں تغنی کے معنی ہوتے ہیں: قرآن کو نغمہ کے ساتھ پڑھنا یعنی قرآن کو گانے کی طرح گا گا کر پڑھنا مگر اس سلسلہ میں قول محقق یہ ہے کہ اگر اس طرح پڑھنے میں قواعد تجوید بگڑ جائیں تو یہ حرام ہے، اور مطلقاً تحسین صوت سے پڑھنا مع رعایت قواعد تجوید کے تو یہ مستحب اور مستحسن ہے؛ جیسا کہ اہل عرب خوش آوازی اور بلا رعایت قواعد موسیقیہ کے پڑھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**المراد به تحسين الصوت من غير إخلال بشيء من الحروف**"

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عربوں کے لہجہ میں قرآن پاک کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ سنن بیہقی کی روایت میں ہے: ''اقرءو القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل العشق ولحون أهل الكتابين...''

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ شرعاً جو چیز مطلوب ہے وہ ہے اس طرح اچھی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرنا جو تدبر خشوع، خضوع اور رقتِ قلب کا باعث ہو۔

۱۴۷۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَهِيكٍ، عَنْ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

ترجمہ: عبید اللہ بن ابی نہیک نے حضرت سعدؓ سے بھی اسی (حدیث سابق) کے مانند روایت کی ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے اس طریق میں ابن ابی ملیکہ سے نقل کرنے والے عمرو بن دینار ہیں، جب کہ پہلے طریق میں ان سے نقل کرنے والے لیث تھے، اب اس طریق کو لا کر مصنفؒ کا مقصد کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ابو الولید طیالسی کی تائید کرنا ہو کیوں کہ پچھلی سند میں مصنفؒ کے تین استاذ تھے، ابو الولید، قتیبہ اور یزید بن خالد، ابو الولید نے تو اس حدیث کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مسانید میں شمار کیا تھا اور قتیبہ و یزید نے سعید بن ابی سعید کی مسانید میں اور یہ گزر چکا ہے کہ اس کا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مسانید میں ہونا زیادہ صحیح ہے، اب مصنفؒ نے اس سند کو لا کر اسی کی تائید کردی ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۷۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْوَرْدِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ، يَقُولُ: قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ: مَرَّ بِنَا أَبُو لُبَابَةَ فَاتَّبَعْنَاهُ حَتَّى دَخَلَ بَيْتَهُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَجُلٌ رَثُّ الْبَيْتِ، رَثُّ الْهَيْئَةِ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»، قَالَ: فَقُلْتُ لِابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، أَرَأَيْتَ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَسَنَ الصَّوْتِ؟ قَالَ: «يُحَسِّنُهُ مَا اسْتَطَاعَ».

ترجمہ: عبد الجبار بن ورد سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن ابی یزید

۱۴۷۰- انظر تخريج الحديث السابق

۱۴۷۱- السنن الصغير للبيهقي: ۱/ ۳۴۸/ ۹۸۳، كتاب فضائل القران، باب في ترتيل القرآن وتحسين الصوت به. و السنن الكبرى للبيهقي: ۲/ ۷۸/ ۲۴۲۹، والمعجم الكبير للطبراني: ۵/ ۳۴/ ۴۵۱۲.

کا کہنا ہے کہ ابولبابہ ہمارے پاس سے گزرے، ہم ان کے ساتھ تھے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں گئے، ان کے ساتھ ہم بھی گھر میں داخل ہوئے ہم نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے حال میں بیٹھا ہے، میں نے اس سے سنا وہ کہتا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص قرآن کو خوش آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے، عبدالجبار کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہؒ سے پوچھا کہ اے ابومحمد! اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہوئے تو کیا کرے؟ تو فرمایا: جہاں تک ممکن ہوا اچھی آواز سے پڑھے۔

تشریح حدیث: قوله: فإذا رجل رث البيت'' یہ صحابی رسول حضرت ابولبابہؓ ہیں، جن کا گھر بھی پرانا ہے اور ظاہری حالت بھی پراگندہ ہے، انھوں نے پرانے حال کو اس لیے اختیار فرمایا تھا، کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد: ''ليس منا من لم يتغن بالقرآن'' کو انھوں نے استغناء کے معنی پر محمول کیا تھا۔

قوله: ''يحسنه ما استطاع'' یعنی اگر قرآن پاک پڑھنے والے کی آواز اچھی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ تو ابن ابی ملیکہ نے فرمایا: بقدر استطاعت اچھی آواز سے پڑھے، معلوم ہوا کہ ابن ابی ملیکہ نے تغنی کو تحسین صوت پر محمول کیا ہے۔

۱۴۷۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، قَالَ: قَالَ وَكِيعٌ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، يَعْنِي يَسْتَغْنِي بِهِ

ترجمه: محمد بن سلیمان انباری کہتے ہیں کہ: وکیع اور ابن عیینہ نے یستغنی بالقرآن نقل کیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ وکیع بن الجراح اور سفیان بن عیینہ کی تفسیر ہے، ان حضرات نے تغنی بالقرآن کے معنی استغناء کے لیے ہیں، کہ جو شخص قرآن کے ذریعہ لوگوں اور اکثار دنیا سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے، گویا غناء معنوی مراد لیا ہے، صاحبِ منہل نے لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے استغناء کے معنی کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ اگر استغناء مراد ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی: ''مَنْ يَسْتَغْنِ'' لہٰذا تغنی سے مراد تحسین صوت ہی ہے۔

۱۴۷۳- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مَالِكٍ، وَحَيْوَةُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ، مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ، يَجْهَرُ بِهِ»

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی کلام کو اس طرح متوجہ ہو کر نہیں سنتا جتنا کہ کسی نبی کی خوش آوازی کے ساتھ قراءت قرآن کو یعنی باآواز بلند قراءت کو۔

۱۴۷۲- انظر التخريج المتقدم

۱۴۷۳- أخرجه البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب: من لم يتغن بالقرآن (۵۰۲۳)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: استحباب تحسين الصوت بالقرآن (۷۹۲)، النسائي: كتاب الافتتاح، باب: في تزيين الصوت بالقرآن.

تشریح حدیث: قولہ: "ما أذن الله لشيء" أذِنَ يَأذَنُ أذَنًا بمعنی غور سے سننا، توجہ سے سننا، اور سننے سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

اب مفہوم حدیث شریف کا یہ ہوگا کہ جب نبی ﷺ قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس وقت ان کی آواز کائنات کی ہر آواز سے لطیف اور شیریں ہوتی ہے، اس لیے اللہ رب العزت اس کو جس قدر پسند فرماتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں اتنا کسی اور آواز کو پسند اور قبول نہیں فرماتے۔

قولہ: لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ: یہاں "نبی" عام ہے اس لیے قرآن سے مراد بھی عام ہی لینا چاہیے، یعنی نفس قراءت چوں کہ قرآن مصدر بھی آتا ہے یعنی بمعنی قراءۃ، لہٰذا مراد کسی نبی کا مطلق آسمانی کتاب پڑھنا ہے، قرآن مقدس ہو یا اس کے علاوہ اور اگر قرآن کریم سے معروف معنی مراد لیے جائیں تو نبی سے مراد بھی پیغمبر ﷺ ہی ہوں گے۔

قولہ: "يَجْهَرُ بِهِ" یہ "يَتَغَنَّى" کی تفسیر ہے، جو کسی راوی کی طرف سے بڑھا دی گئی ہے اسی کو ادراج کہتے ہیں، اس تفسیر کے پیش نظر تغنی سے استغناء کے معنی مراد لینا صحیح نہ ہوگا۔

خلاصۃ الباب:

اس باب میں مصنفؒ نے آٹھ صحابہ کی روایات کو نو سندوں سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے اور دو تابعین وکیع اور ابن عیینہ کے قول کو "تغنی" کے معنی کی تفسیر کو بیان کرنے کے لیے پیش کیا ہے، اور ان تمام روایات کو لا کر مصنفؒ کا مقصد قرآن کریم کی تلاوت کے آداب واصول کو بیان کرنا ہے، ان میں بنیادی اور ضروری ادب یہ ہے کہ قرآن پاک کو تجوید وترتیل کے ساتھ پڑھا جائے ہر قسم کی غلطی سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّشْدِيدِ فِيمَنْ حَفِظَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ

قرآن حفظ کرنے کے بعد اس کو بھلا دینے پر وعید

۱۴۷۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا مِنَ امْرِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، ثُمَّ يَنْسَاهُ، إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ»

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن پڑھ

۱۴۷۴- أخرجه أحمد (۵/ ۲۸۴) وسنن الدارمي: ۴/ ۲۱۰۴/ ۳۳۸۳۔

کر بھلا دے وہ روز قیامت اللہ تعالی سے خالی ہاتھ ہو کر ملے گا۔

مقصد ترجمہ: قرآن مقدس کو ہمیشہ پڑھتے رہنا چاہیے قرآن کریم کے بارے میں تغافل اور کوتاہی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر سخت وعید بھی ہے، مصنفؒ اسی وعید کو بیان کرنے کے لیے اس باب کو منعقد فرمارہے ہیں۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک تو یہ کہ نسیان قرآن سے کیا مراد ہے؟ آیا حفظ قرآن کو بھولنا یا اس طرح بھول جانا کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے؟ دوسرے یہ کہ "اجزم" کا کیا مطلب ہے؟ جہاں تک پہلے معنی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "لمعات التنقیح" میں لکھا ہے کہ حدیث کے ظاہر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے کے بعد (غفلت اور لا پرواہی کی وجہ سے) بھول جانا مراد ہے اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔(لمعات التنقیح: ۴/ ۵۹۲)

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن پاک کو اس طرح بھول جائے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔

تیسرے معنی شراح حدیث نے یہ بھی لکھے ہیں کہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے بھولے یا نہ بھولے۔

چوتھے معنی یہ ہیں کہ نسیان سے مراد نسیان الفاظ نہیں بلکہ ترک العمل بما فی القرآن ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا" صاحب منہل نے اولاً انھیں معنی کو نقل کیا ہے۔(المنہل: ۸/ ۱۳۵)

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استعداد والے کا بھولنا تو یہ ہے کہ یاد کیے ہوئے تو بغیر دیکھے نہ پڑھ سکے اور غیر استعداد والے کا بھولنا یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔(مظاہر حق: ۳/ ۶۱)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نسیان تو شریعت میں معاف ہے پھر اس پر مواخذہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عمداً بھلا دینا مراد ہے، جس میں انسان کے کسب اور ارادہ کو دخل ہوا؛ اس لیے یہ گناہ ہوا اور اس پر مواخذہ کی بات کہی گئی۔

رہی دوسری بات کے حدیث شریف میں "أجذم" سے مراد کیا ہے؟ سو اس سلسلہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔

أجذم سے مراد "مقطوع الید" ہے، جس کے صرف ہاتھ کٹے ہوئے ہوں جیسا کہ قاموس میں ہے: الأجذم: المقطوع الید أو الذاهب الأنامل، يقال: جَذِمَتْ يَدُهُ بمعنی اس کا ہاتھ کٹ گیا" اسی طرح الصحاح میں ہے: جَذِمَ الرَّجُلُ أي صَارَ أَجْذَمَ وهو المقطوع اليدُ" یہ معنی نقل کرنے کے بعد صاحب الصحاح نے استشہاد کے طور پر اس حدیث باب کو نقل کیا ہے۔(الصحاح: ۵/ ۱۸۸۴)

دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ "اجذم" سے مراد وہ شخص ہے جس کے تمام اعضاء کٹ کر گر گئے ہوں۔

تیسرے معنی ہیں کہ اس سے مراد مجذوم ہے یعنی وہ شخص جس کو جذام یعنی کوڑھ کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔
تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں "اجذم" مقطوع الحجة کے معنی میں ہے، یعنی قیامت کے دن یہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہ ہوگی۔
اور چوتھے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ شخص خیر سے خالی ہوگا، اس کے ہاتھ میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہوگی؛ علامہ سیوطیؒ نے بھی یہی معنی لیے ہیں اور لکھا ہے: "لقي الله خالي اليد من الخير صفر ها من الثواب، فكني باليد عما تحويه وتشتمل عليه من الخير" (حاشیہ ابوداود: ص/۲۰۷)

حدیث کی اسنادی حیثیت:

یہ حدیث اپنی اسنادی حیثیت سے ضعیف ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں ایک تو یزید بن ابی زیادہ راوی متکلم فیہ ہیں، سیّئ الحفظ ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں ضعیف لکھا ہے، دوسرے عیسیٰ بن فائد ہیں جو کہ مجہول درجہ کے راوی ہیں، اس حدیث کو انھوں نے براہِ راست حضرت سعد بن عبادہؓ سے سنا ہے یا کسی رجل مجہول کے واسطہ سے اس میں اختلاف ہے، بعض سندوں میں ان کے اور حضرت سعد بن عبادہ کے درمیان رجل مجہول کا واسطہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، اس وجہ سے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
لیکن معنی کے لحاظ سے یہ روایت مقبول ہے؛ اس لیے کہ اس معنی کی روایت "باب كنس المسجد" کے تحت بھی گزری ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

قرآن مجید کے سات طرح پر نازل ہونے کا بیان

۱۴۷۵- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَقْرَأَنِيهَا، فَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ،

۱۴۷۵ -أخرجه البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب: أنزل القرآن على سبعة أحرف (۴۹۹۲) مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب: القرآن على سبعة أحرف (۸۱۸)، الترمذي: كتاب القراءات، باب: القرآن أنزل على سبعة أحرف (۲۹۴۴)، النسائي: كتاب الافتتاح (۹۳۷، ۹۳۹).

فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اقْرَأْ»، فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ لِيَ: «اقْرَأْ»، فَقَرَأْتُ، فَقَالَ: «هَكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ»،

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ہشام بن حکیمؓ کو سورہ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے سنا جس طریقہ سے میں پڑھتا تھا اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے جس طرح پڑھائی تھی؛ اس لیے قریب تھا کہ میں ان سے، غلط پڑھنے پر الجھ پڑھوں اور ان کو روک دوں۔ مگر میں نے ان کو مہلت دی یہاں تک کہ وہ فارغ ہوگئے، جب وہ فارغ ہو چکے تو میں نے ان کی گردن میں اپنی چادر ڈالی اور گھسیٹتا ہوا ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ان کو سورہ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا ہے جس طریقہ پر آپ نے مجھے سکھائی تھی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: پڑھو، پس انہوں نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں ان کو پڑھتے ہوئے سن چکا تھا، سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت اسی طریقہ پر نازل ہوئی ہے، اس کے بعد مجھ سے فرمایا: اب تم پڑھو؛ پس میں نے پڑھا، اس پر بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا: کہ یہ سورت اسی طریقہ پر نازل ہوئی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے؛ پس جو طریقہ تمھارے لیے آسان ہو اس طریقہ پر پڑھو۔

مقصد ترجمه: مصنفؒ نے ماقبل میں قرآن کریم کے تحفظ اور اس کو قواعد تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھنے اور اہتمام کرنے کو بیان فرمایا تھا اور اب قراءتوں کے اختلاف کی درستگی کے مسئلہ کو واضح فرما رہے ہیں، اور اختلاف قراءت کا آسان مطلب ہے کہ قرآن مقدس کے کلمات کو مختلف طریقوں سے پڑھنا، قرآن پاک کے کلمات کو کتنے طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے اور اس کی مشروعیت کب و کیسے ہوئی ہے، نیز اس اختلاف قراءت کا اثر معانی پر کیا پڑتا ہے، یہ سب چیزیں ذیل کی حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔

تشريح حديث: حدیث شریف کے شروع میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے اور پھر اخیر میں اصل حدیث: ''هذا القرآن أنزل علي سبعة أحرف'' نقل کی گئی ہے، ہم بھی شروع میں حضرت عمر بن الخطابؓ اور ہشام بن حکیمؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں اور پھر اس حدیث پر جو تفصیلی بحث کی گئی ہے اس کو اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی مشہور اور متداول کتاب ''علوم القرآن'' سے بعینہ نقل کریں گے، اس تفصیلی بحث کا یہاں پر نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ہشام کا واقعہ:

ان دونوں حضرات کا یہ واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں نے ہشام بن حکیمؓ کو سنا کہ وہ سورۂ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھ رہے ہیں جس طریقہ کے مطابق میں پڑھتا تھا اور جس طریقہ سے مجھے رسول اللہ ﷺ نے وہ سورت مجھے پڑھائی تھی، تو قریب تھا کہ قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی میں ان سے لڑ پڑوں مگر پھر میں نے ان کو مہلت دی کہ وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے اس کے بعد میں نے ان کی چادر ان کی گردن میں ڈالی اور کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ یہ سورۂ فرقان کو اس کے خلاف پڑھتے ہیں جس طریقہ سے آپ نے مجھے وہ سورت پڑھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر! ان کو چھوڑ دو، پھر ہشامؓ سے کہا کہ تم پڑھو! چناں چہ حضرت ہشامؓ نے اسی طریقہ سے پڑھا جس طریقہ سے میں نے انھیں پڑھتے ہوئے سنا تھا آں حضرت ﷺ نے ان کی قراءت سن کر فرمایا: یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے، پھر مجھ سے فرمایا: اب تم پڑھو! چناں چہ میں نے پڑھا تو آپ ﷺ نے میری قراءت سن کر بھی یہی فرمایا کہ یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے۔

یاد رکھو کہ یہ قرآن سات طریقہ پر اتارا گیا ہے لہٰذا ان میں سے جس طریقہ سے ہو سکے پڑھو۔

یہ ہے حدیث میں مذکور پورا واقعہ، اب اس حدیث کی شرح کے طور پر ہم علوم القرآن کی بحث نقل کرتے ہیں:

سات حروف پر نازل ہونے کا مطلب:

اس حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟

یہ بڑی معرکۃ الآراء اور طویل الذیل بحث ہے، اور بلا شبہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے، یہاں یہ پوری بحث تو نقل کرنا مشکل ہے، لیکن اس کے متعلق ضروری ضروری باتیں پیش خدمت ہیں۔

جو حدیث اوپر نقل کی گئی ہے وہ معنی کے اعتبار سے متواتر ہے، چناں چہ مشہور محدث امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے اس کے تواتر کی تصریح کی ہے اور حدیث قراءت کے معروف امام علامہ ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب جزء میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کئے ہیں اور ان کے مطابق یہ حدیث حضرت عمر بن خطابؓ، ہشام بن حکیم بن حزامؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اُبی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، وابو سعید خدریؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابو بکرؓ، عمرو بن عاص، زید بن ارقم، انس بن مالک، سمرہ بن جندب، عمر بن ابی سلمہ، ابو جہمؓ، ابو طلحہؓ، اور ام ایوب

انصاریہؓ، سے مروی ہے[1]۔ اس کے علاوہ متعدد محدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے منبر پر یہ اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنھوں نے آں حضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی ہو کہ:

''قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے'' چناں چہ صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہوگئی جسے شمار نہیں کیا جا سکا[2]۔

حروف سبعہ کا مفہوم:

اس حدیث میں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں آراء ونظریات کا شدید اختلاف ملتا ہے، یہاں تک کہ علامہ ابن عربیؒ وغیرہ نے اس باب میں پینتیس اقوال شمار کیے ہیں[3]۔ یہاں ان میں سے چند مشہور اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد سات مشہور قاریوں کی قراءتیں ہیں، لیکن یہ خیال تو بالکل غلط اور باطل ہے، کیوں کہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں ان سات قراءتوں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ اور بھی متعدد قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں یہ سات قراءتیں تو محض اس لیے مشہور ہوگئیں کہ علامہ ابن مجاہدؒ نے ایک کتاب میں ان سات مشہور قراء کی قراءتیں جمع کردی تھیں، نہ ان کا یہ مقصد تھا کہ قراءتیں سات میں منحصر ہیں اور نہ وہ حروف سبعہ کی تشریح ان سات قراءتوں سے کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

(۲) اسی بناء پر بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حروف سے مراد تمام قراءتیں ہیں، لیکن سات کے لفظ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد کثرت ہے، اور عربی زبان میں سات کا لفظ محض کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے لیے اکثر استعمال ہو جاتا ہے، یہاں بھی حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم جن حروف پر نازل ہوا وہ مخصوص طور پر سات ہی ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم ''بہت سے'' طریقوں سے نازل ہوا ہے، علماء متقدمین میں سے قاضی عیاضؒ کا یہی مسلک ہے[4]، اور آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے بھی یہی قول اختیار فرمایا ہے[5]۔

لیکن یہ قول اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ بخاریؒ اور مسلمؒ کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

(۱) ابن الجزري: النشر في القراءات العشر: ص/ ۲۱، ج: ۱، دمشق ۱۳۴۵ھ. (۲) ایضاً۔

(۳) الزركشي رحمه الله: البرهان في علوم القرآن: ص/ ۲۱۲ ج/ ۱۔

(۴) اوجز المسالك الي موطا الامام مالك: ۲/ ۳۵۶، مطبوعه سهارنپور ۱۳۵۰ھ۔

(۵) مصفي شرح موطا: ۱/ ۱۸۷، مطبع فاروقي دهلي ۱۲۹۳ھ.

إقرأني جبرئيل علی حرف فراجعته، فلم ازل استزيده ويزيدلي حتیٰ انتهی الی سبعة احرف "(۱)

"مجھے جبرئیل علیہ السلام نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا، تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کریم کے حروف میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہنچ گئے"۔

اسی کی تفصیل صحیح مسلمؒ کی ایک روایت میں حضرت ابی بن کعبؓ سے اس طرح مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ بنو عقار کے تالاب کے پاس تھے:

"فأتاه جبرئيل عليه السلام فقال ان الله يأمرك ان تقرأ امتك القرآن علي حرف، فقال أسأل الله معافاته ومغفرته وان امتي لا تطيق ذٰلك ثم اتاه الثانية فقال ان الله يأمرك ان تقرأ امتك القرآن علی حرفين فقال أسأل الله معافاته ومغفرته وان امتي لا تطيق ذٰلك. ثم جاءه الثالثة فقال ان الله يأمرك ان تقرَأ امتك القرآن علیٰ ثلاثة أحرف فقال أسأل الله معافاته ومغفرته وان امتي لاتطيق ذٰلك ثم جاءه الرابعة فقال: ان الله يأمرك ان تقرأ امتك القرآن علی سبعة أحرف فأيما حرف قرءوا عليه فقد أصابوا "(۲)

"پس حضور ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی (ساری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو سات حروف پر پڑھے، پس وہ جس حرف پر پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہوگی"۔

ان روایات کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ یہاں سات سے مراد محض کثرت نہیں، بلکہ سات کا مخصوص عدد ہے اس لیے ان احادیث کی روشنی میں یہ قول قابل قبول معلوم نہیں ہوتا چناں چہ جمہور نے اس کی تردید کی ہے۔

(۳) بعض دوسرے علماء مثلاً حافظ ابن جریر طبریؒ وغیرہ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، چوں کہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلہ سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی اور یہ اختلاف ایسا ہی تھا جیسے ایک بڑی زبان میں علاقائی طور پر تھوڑے

(۱) بحوالہ مناهل العرفان: ۱/ ۱۳۳۔ (۲) مناهل العرفان: ۱/ ۱۳۳۔

تھوڑے اختلاف پیدا ہوجاتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی آسانی کے لیے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا تاکہ ہر قبیلہ اسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے[1]۔ امام ابو حاتم سجستانی نے ان قبائل کے نام بھی معین کر کے بتادیئے ہیں اور فرمایا کہ قرآن کریم ان سات قبائل کی لغات پر نازل ہوا ہے، قریش، ہذیل، تیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن، اور سعد بن بکر اور حافظ ابن عبد البرؒ نے بعض حضرات سے نقل کر کے ان کی جگہ یہ قبائل بتائے ہیں: ہذیل، کنانہ، قیس، صبۃ، تیم الرباب، اشد ابن خزیمہ، اور قریش۔ لیکن بہت سے محققین مثلاً حافظ ابن عبد البرؒ علامہ سیوطیؒ اور علامہ ابن الجزریؒ وغیرہ نے اس قول کی بھی تردید کی ہے اوّل تو اس لیے کہ عرب کے قبائل بہت سے تھے ان میں سے صرف ان سات کے انتخاب کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ہشام بن حکیمؓ کے درمیان قرآن کریم کی تلاوت میں اختلاف ہوا جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے، حالاں کہ یہ دونوں حضرات قریشی تھے اور آں حضرت ﷺ نے دونوں کی تصدیق فرمائی اور وجہ یہ بتائی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اگر سات حروف سے مراد سات مختلف قبائل کی لغات ہوتیں تو حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے تھی، کیوں کہ دونوں قریشی تھے[2]، اگرچہ علامہ آلوسیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو آں حضرت ﷺ نے قریش کے علاوہ کسی اور لغت پر قرآن پڑھایا ہو[3]، لیکن یہ جواب کمزور ہے، کیوں کہ مختلف لغات میں قرآن کریم کا نازل ہونے کا منشاء یہی تو تھا کہ ہر قبیلہ والا اپنی لغت کے مطابق آسانی سے اس کو پڑھ سکے، اس لیے یہ بات حکمتِ رسالت ﷺ سے بعید معلوم ہوتی ہے، کہ ایک قریشی کو دوسری لغت پر قرآن کریم پڑھایا گیا ہو۔

اس کے علاوہ اس پر امام طحاویؒ نے بھی یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سات حروف سے مراد سات قبائل کی لغات ہیں، تو یہ اس آیت کے خلاف ہوگا جس میں ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔

''اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں''۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی قوم قریش تھی، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ قرآن صرف قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے[4]۔ امام طحاویؒ کی اس بات کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی جمع ثانی کا ارادہ فرمایا اور حضرت زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کو مصحف تیار کرنے کا حکم دیا اس وقت انھیں یہ ہدایت فرمائی تھی۔

---

(۱) تفسیر ابن جریر: ۱/۱۵۔ (۲) النشر في القراءات العشر: ۱/۲۵، وفتح الباري: ۹/۲۳۔

(۳) روح المعاني: ۱/۲۱۔ (۴) الطحاوي: مشكل الآثار ۴/۱۸۵، ۱۸۶، دائرة المعارف دكن، ۱۳۳۳ھ۔

إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ.

''جب قرآن کی کتابت میں تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو تو اسے قریش کی لغت پر لکھنا کیوں کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے''(۱)

اس میں حضرت عثمانؓ نے تصریح فرمادی ہے کہ قرآن صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے، رہا یہ سوال کہ پھر اختلاف پیش آنے کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا مفصل جواب انشاء اللہ آگے آئے گا۔

اس کے علاوہ اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ ''سبعة احرف'' اور ''قراءات'' دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، قراءات کا اختلاف جو آج تک موجود ہے وہ صرف ایک حرف یعنی لغتِ قریش کے اندر ہے، اور باقی حروف یا منسوخ ہوگئے یا مصلحتاً انہیں ختم کردیا گیا، اس پر دوسرے اشکالات کے علاوہ ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک ''سبعة احرف'' کے اور ایک قراءات کے، بلکہ احادیث میں جہاں کہیں قرآن کریم کے کسی لفظی اختلاف کا ذکر آیا ہے وہاں صرف ''احرف'' کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، قراءات کا کوئی جداگانہ اختلاف بیان نہیں کیا گیا، ان وجوہ کی بناء پر یہ قول بھی نہایت کمزور معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ تھا مشہور قول امام طحاوی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا لیکن چوں کہ اہل عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لیے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی اس لیے ابتدا اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرلیا کریں، چناں چہ جن لوگوں کے لیے قرآن کریم کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی، ان کے لیے خود آں حضرت ﷺ نے ایسے مرادفات متعین فرمادیئے تھے جن سے وہ تلاوت کرسکیں، یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے: تَعَالَ کی جگہ هَلُمَّ یا اَقْبِلْ یا اُدْنُ پڑھ دیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی، جب کہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے، پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرۂ اثر بڑھتا گیا، اہل عرب اس کے عادی ہوگئے، اور ان کے لیے اسی اصلی لغت پر قرآن کی تلاوت آسان ہوگئی تو آں حضرت ﷺ نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا آخری دور کیا، جسے عرضۂ اخیرہ کہا جاتا ہے اس موقع پر یہ مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کردی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا(۲)۔

(۱) صحيح بخاري: باب جمع القرآن. (۲) مشكل الآثار للطحاوي: ۴/ ۱۸۶، تا ۱۹۱۔

اس قول کے مطابق ''سات حروف'' والی حدیث اسی زمانے سے متعلق ہے جب تلاوت میں مرادفات استعمال کرنے کی اجازت تھی، اوراس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ وہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ اسے ایک مخصوص زمانے تک سات حروف پر پڑھا جائے گا اور سات حروف سے بھی مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ میں سات مرادفات کی اجازت ہے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنے مرادفات استعمال کئے جاسکتے ہیں ان کی تعداد سات ہے اوراس اجازت کا مفہوم بھی یہ نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے جو الفاظ چاہے استعمال کرلے، بلکہ متبادل الفاظ کی تعیین بھی خود آں حضرت ﷺ نے فرمادی تھی، اور ہر شخص کو آپ ﷺ نے اس طرح قرآن سکھلایا تھا جو اس کے لیے آسان ہو، لہٰذا صرف ان مرادفات کی اجازت دی گئی تھی جو حضور ﷺ سے ثابت تھے [(۱)]۔

امام طحاویؒ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہ، ابن وہب اور حافظ عبدالبر نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے، بلکہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے تواس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے [(۲)]۔

یہ قول پچھلے تمام اقوال کے مقابلہ میں زیادہ قرین قیاس ہے اوراس کے قائلین اپنی دلیل میں مسند احمد کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے:

أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ اقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ، قَالَ مِيكَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اسْتَزِدْهُ، حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ، قَالَ: كُلٌّ شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخلط آيةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ، أَوْ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ نَحْوَ قَوْلِكَ تَعَالَ وَأَقْبِلْ، وَهَلُمَّ وَاذْهَبْ، وَأَسْرِعْ وَأَعْجِلْ. [(۳)]

''جبرئیل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا کہ اے محمد ﷺ! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا اس میں اضافہ کروائیں یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے ہر ایک شافی وکافی ہے، تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کردیں، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ ﷺ تعال (آو) کے معنی کو اَقْبِلْ، هلم، اذهب اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں''۔

اس قول پر اور تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن ایک الجھن اس میں بھی باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی جو مختلف قراءتیں آج تک متواتر چلی آرہی ہیں، اس قول کے مطابق ان کی حیثیت واضح نہیں ہوتی اگر ان قراءتوں کو سات حروف سے الگ کوئی چیز قرار دیا جائے تو اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، احادیث کے وسیع ذخیرے میں ''احرف'' کے اختلاف کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور لفظی اختلاف کا ذکر نہیں ملتا، پھر اپنی طرف سے یہ کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن

(۱) فتح الباري: ۹/ ۲۲، و۲۳۔
(۲) الزرقاني: شرح الموطا: ۲/ ۱۱، المكتبة التجارية الكبرى، مصر ۱۳۵۵ھ۔
(۳) هذا اللفظ رواية احمد واسناده جيد (اوجز المسالك: ۲/ ۳۵۷)

کریم کی تلاوت میں ''احرف سبعہ'' کے علاوہ ایک اور قسم کا اختلاف بھی تھا، اس الجھن کا کوئی اطمینان بخش حل اس قول کے قائلین کے یہاں مجھے نہیں مل سکا۔

سبعۃ احرف کی راجح ترین تشریح:

ہمارے نزدیک قرآن کریم کے ''سات حروف'' کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں ''حروف کے اختلاف'' سے مراد قراءتوں کا اختلاف ہے، اور سات حروف سے مراد ''اختلافِ قراءت'' کی سات نوعیتیں ہیں، چناں چہ قراءتیں تو اگر چہ سات سے زائد ہیں لیکن ان قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ سات اقسام میں منحصر ہیں، (ان سات اقسام کی تشریح آگے آ رہی ہے)

ہمارے علم کے مطابق یہ قول متقدمین میں سے سب سے پہلے امام مالکؒ، کے یہاں ملتا ہے، مشہور مفسر قرآن علامہ نظام الدین قمی نیشاپوریؒ اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ احرف سبعہ کے بارے میں امام مالکؒ کا یہ مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قراءات میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں:

(۱) مفرد اور جمع کا اختلاف کہ ایک قراءت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغہ جمع مثلاً: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اور كَلِمَاتُ رَبِّكَ.

(۲) تذکیر و تانیث کا اختلاف، کہ ایک میں لفظ مذکر استعمال ہو اور دوسری میں مؤنث جیسے: لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ.

(۳) وجوہِ اعراب کا اختلاف کہ زیر وزبر وغیرہ بدل جائیں، مثلاً: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ اور غَيْرِ اللهِ.

(۴) صرفی ہیئت کا اختلاف جیسے: يَعْرِشُوْنَ اور يُعَرِّشُوْنَ.

(۵) ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف جیسے: لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ اور لٰكِنِ الشَّيَاطِيْنُ.

(۶) لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں جیسے: تَعْلَمُوْنَ اور يَعْلَمُوْنَ اور نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا۔

(۷) لہجوں کا اختلاف جیسے تخفیف، تفخیم، امالہ، مد، قصر، اظہار، اور ادغام وغیرہ [1]۔

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہؒ امام ابوالفضل رازیؒ، قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانیؒ اور محقق ابن الجزریؒ نے اختیار فرمایا ہے [2]۔ محقق ابن الجزریؒ جو قراءات کے مشہور امام ہیں اپنا یہ قول بیان کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور وفکر کرتا رہا، یہاں تک

(۱) النيشابوري، غرائب القرآن در غائب الفرقان هامش ابن جرير: ۱/ ۲۱ ـ المطبعة الميمنية مصر.

(۲) ابن قتیبہ، ابوالفضل رازی اور ابن الجزری کے اقوال فتح الباری: ۹/ ۲۵، ۲۶، اور اتقان: ۱/ ۴۷، میں موجود ہیں اور قاضی ابن الطیب کا قول تفسیر القرطبی: ۱/ ۴۵، میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو انشاءاللہ صحیح ہوگی"(۱)۔

یہ سب حضرات اس بات پر تو متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں، لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے قراءات کا استقراء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے ان میں جن صاحب کا استقراء سب سے زیادہ منضبط و مستحکم اور جامع و مانع ہے، وہ امام ابوالفضل رازیؒ ہیں فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات اقسام میں منحصر ہے۔

(۱) اسماء کا اختلاف جس میں افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے، اس کی مثال وہی تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ ہے، جو ایک قراءت میں تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲) افعال کا اختلاف کہ کسی قراءت میں صیغۂ ماضی ہو، کسی میں مضارع اور (اس کی مثال رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا ہے کہ ایک قراءت میں اس کی جگہ رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ أَسْفَارِنَا بھی آیا ہے۔

(۳) وجوہِ اعراب کا اختلاف جس میں اعراب یا حرکات مختلف قراءتوں میں مختلف ہوں (اس کی مثال وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ اور لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ.

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قراءت میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ہے اور دوسری میں وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ہے اور اس میں وَمَا خَلَقَ کا لفظ نہیں ہے، اسی طرح ایک قراءت میں تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور دوسری میں تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ.

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور جَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ.

(۶) بدلیت کا اختلاف کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ مثلاً نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا، نیز فَتَبَيَّنُوا. فَتَثَبَّتُوا اور طَلْحٍ اور طَلْعٍ.

(۷) لہجوں کا اختلاف جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، ہمز، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں (۱)

(مثلاً موسیٰ ایک قراءت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسی کی طرح پڑھا جاتا ہے اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے)

علامہ ابن الجزریؒ، علامہ ابن قتیبہ، اور قاضی ابوطیب کی بیان کردہ وجوہِ اختلاف بھی اس سے ملتی جلتی ہیں، البتہ امام ابوالفضل رازی کا استقراء اس لیے زیادہ جامع معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں ہے، اس کے برخلاف باقی تین حضرات کی بیان کردہ وجوہ میں آخری قسم یعنی لہجوں کے اختلاف کا بیان نہیں ہے، اور امام مالکؒ کی بیان

(۱) النشر في القراءات العشر: ۱/ ۲۶۔

کردہ وجوہ میں لہجوں کا اختلاف تو بیان کیا گیا ہے، لیکن الفاظ کی کمی بیشی، تقدیم و تاخیر اور بدلیت کے اختلافات کی پوری وضاحت نہیں ہے، اس کے برخلاف امام ابوالفضل رازیؒ کے استقراء میں یہ تمام اختلافات وضاحت کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں، محقق ابن الجزریؒ جنھوں نے تیس سال سے زائد غور و فکر کرنے کے بعد سات احرف کو سات وجوہ اختلاف پر محمول کیا ہے، انھوں نے بھی امام ابوالفضل کا قول بڑی وقعت کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ ان کے مجموعی کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھیں امام ابوالفضلؒ کا استقراء خود اپنے استقراء سے بھی زیادہ پسند آیا ہے[۲]۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے ان تینوں اقوال میں امام ابوالفضل رازیؒ کے استقراء کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ انھوں نے علامہ ابن قتیبہؒ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ ھذا وجه حسن (یہ اچھی توجیہ ہے) پھر امام ابوالفضل کی بیان کردہ سات وجوہ بیان کر کے تحریر فرمایا ہے:

قلت وقد اخذ کلام ابن قتيبة و نقحه۔

"میرا خیال ہے کہ امام ابوالفضل رازیؒ نے ابن قتیبہ کا قول اختیار کر کے اسے اور نکھار دیا ہے"[۳]۔

آخری دور میں شیخ عبدالعظیم الزرقانیؒ نے بھی انہی کے قول کو اختیار کر کے اس کی تائید میں متعلقہ دلائل پیش کئے ہیں[۴]۔

بہر کیف! استقراء کی وجوہ میں تو اختلاف ہے لیکن اس بات پر امام مالکؒ علامہ ابن قتیبہؒ، امام ابوالفضل رازیؒ، محقق ابن الجزریؒ اور قاضی باقلانیؒ پانچوں حضرات متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد قراءت کے وہ اختلافات ہیں جو سات نوعیتوں میں منحصر ہیں۔

احقر کی ناچیز رائے میں "سبعۃ احرف" کی یہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے، حدیث کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے اور یہ مختلف طریقے اپنی نوعیتوں کے لحاظ سے سات ہیں ان سات نوعیتوں کی کوئی تعیین چوں کہ کسی حدیث میں موجود نہیں ہے اس لیے یقین کے ساتھ تو کسی کے استقراء کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث میں وہی مراد ہے، لیکن بظاہر امام ابوالفضل رازی کا استقراء زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ وہ موجودہ قراءات کی تمام انواع کو جامع ہے۔

اس قول کی وجوہِ ترجیح:

"سبعۃ احرف" کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں ہمارے نزدیک ان سب میں یہ قول (کہ سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں) سب سے زیادہ راجح،

(۱) فتح الباري: ۹/ ۲۴۔ (۲) النشر في القراءات: ۱/ ۲۷۔۲۸۔
(۳) فتح الباري: ۹/ ۲۱۲۔ (۴) مناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/ ۱۵۴ تا ۱۵۶۔

قابل اعتماد اور اطمینان بخش ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

(۱) اس قول کے مطابق ''حروف'' اور ''قراءات'' کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا نہیں پڑتا، علام ابن جریرؒ اور امام طحاویؒ کے اقوال میں ایک مشترک الجھن یہ ہے کہ ان میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک حروف کا اختلاف اور دوسرے قراءات کا اختلاف، حروف کا اختلاف اب ختم ہوگیا اور قراءات کا اختلاف باقی ہے، حالاں کہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں کوئی ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ ''حروف'' اور ''قراءت'' دو الگ الگ چیزیں ہیں، احادیث میں صرف حروف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے، اور اسی کے لیے کثرت سے ''قراءۃ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اگر قراءت ان حروف میں سے الگ ہوتیں تو کسی نہ کسی حدیث میں ان کی طرف کوئی اشارہ تو ہونا چاہیے تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ ''حروف'' کے اختلاف کی احادیث تو تقریباً تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں ''قراءت'' کے جداگانہ اختلاف کا ذکر کسی ایک حدیث میں بھی نہیں ہے؟ محض اپنی قیاس سے یہ کہہ دینا کیوں کر ممکن ہے کہ اختلافِ حروف کے علاوہ قرآن کریم کے الفاظ میں ایک دوسری قسم کا اختلاف بھی تھا؟

مذکورہ بالا قول میں یہ الجھن بالکل رفع ہوجاتی ہے اس لیے کہ اس میں ''حروف'' اور ''قراءت'' کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔

(۲) علامہ ابن جریرؒ کے قول پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات حروف میں سے چھ حروف منسوخ یا متروک ہوگئے اور صرف ایک حرفِ قریش باقی رہ گیا، (موجودہ قراءات اسی حرفِ قریش کی ادائیگی کے اختلافات ہیں) اور اس نظریہ کی قباحتیں ہم آگے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے، مذکورہ بالا آخری قول میں یہ قباحتیں نہیں ہیں، کیوں کہ اس کے مطابق ساتوں حروف آج بھی باقی اور محفوظ ہیں۔

(۳) اس قول کے مطابق ''سات حروف'' کے معنی بلا تکلف صحیح ہوجاتے ہیں جب کہ دوسرے اقوال میں یا ''حروف'' کے معنی میں تاویل کرنی پڑتی ہے، یا ''سات'' کے عدد میں۔

(۴) ''سبعۃ احرف'' کے باب میں جتنے علماء کے اقوال ہماری نظر سے گذرے ہیں ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور عہدِ رسالت سے قریب تر ہستی امام مالکؒ کی ہے، اور وہ علامہ نیشاپوریؒ کے بیان کے مطابق اسی قول کے قائل ہیں۔

(۵) علامہ ابن قتیبہؒ اور محقق ابن الجزریؒ دونوں علم قراءت کے مسلم الثبوت امام ہیں، اور دونوں اسی قول کے قائل ہیں اور موخر الذکر کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ انھوں نے تیس سال سے زائد اس حدیث پر غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کا جواب:

اب ایک نظر ان اعتراضات پر بھی ڈال لیجیے جو اس قول پر وارد ہو سکتے ہیں یا وارد کئے گئے ہیں۔

(۱) اس پر ایک اعتراض تو یہ کیا گیا ہے کہ اس قول میں جتنی وجوہِ اختلاف بیان کی گئی ہیں وہ زیادہ تر صرفی اور نحوی تقسیمات پر مبنی ہیں، حالاں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت صرف ونحو کی یہ فنی اصطلاحات اور تقسیمات رائج نہیں ہوئی تھیں، اس وقت اکثر لوگ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، ایسی صورت میں ان وجوہ اختلاف کو ''سبعۃ احرف'' قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہ اعتراض نقل کرکے اس کا جواب دیا ہے کہ:

ولا يلزم من ذلك توهين ماذهب اليه ابن قتيبة لاحتمال ان يكون الا نحصار المذكور في ذلك وقع اتفاقًا وإنما اطلع عليه بالاستقراء وفي ذلك من الحكمة البالغة مالا يخفى [1]۔

''اس سے ابن قتیبہؒ کے قول کی کمزوری لازم نہیں آتی، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ مذکورہ انحصار اتفاقاً ہوگیا ہو، اور اس کی اطلاع استقراء کے ذریعہ ہوگئی ہو اور اس میں جو حکمتِ بالغہ ہے وہ پوشیدہ نہیں''۔

ہماری ناچیز فہم کے مطابق اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ درست ہے عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اصطلاحات رائج نہ تھیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سبعۃ احرف'' کی تشریح اس دور میں نہیں فرمائی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فنی اصطلاحات جن مفاہیم سے عبارت ہیں وہ مفاہیم تو اس دَور میں بھی موجود تھے، اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مفاہیم کے لحاظ سے وجوہِ اختلاف کو سات میں منحصر قرار دے دیا ہو تو اس میں کیا تعجب ہے؟ ہاں اس دور میں اگر سات وجوہ اختلاف کی تفصیل بیان کی جاتی تو شاید عامۃ الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمانے کے بجائے صرف اتنا واضح فرما دیا کہ یہ وجوہِ اختلاف کل سات میں منحصر ہیں بعد میں جب یہ اصطلاحات رائج ہوگئیں تو علماء نے استقراء تام کے ذریعہ ان وجوہِ اختلاف کو اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کر دیا، یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ کسی خاص شخص کے استقراء کے بارے میں یقین کامل سے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی تھی، لیکن جب مختلف لوگوں کا استقراء یہ ثابت کر رہا ہے کہ وجوہ اختلاف کل سات ہیں تو اس بات کا قریب قریب یقین ہو جاتا ہے، کہ ''سبعۃ احرف'' سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سات وجوہ اختلاف تھیں، خواہ ان کی تفصیل بعینہٖ وہ نہ ہو جو بعد میں استقراء کے ذریعہ معین کی گئی ہے، بالخصوص جب کہ ''سبعۃ احرف'' کی تشریح میں کوئی اور صورت معقولیت کے ساتھ بنتی ہی نہیں ہے۔

سات حروف کے ذریعہ کیا آسانی پیدا ہوئی؟

(۲) اس قول پر دوسرا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کو سات حروف پر اس لیے نازل کیا گیا تاکہ امت کے لیے تلاوت قرآن میں آسانی پیدا کی جائے، یہ آسانی علامہ ابن جریرؒ کے قول پر تو سمجھ میں آتی ہے، کیوں کہ عرب

(۱) فتح الباري: ۹/ ۲۴۔

میں مختلف قبائل کے لوگ تھے، اور ایک قبیلے کے لیے دوسرے قبیلے کی لغت پر قرآن پڑھنا مشکل تھا لیکن امام مالکؒ، امام رازیؒ اور ابن الجزریؒ وغیرہ کے اس قول پر تو ساتوں حروف ایک لغت قریش ہی سے متعلق ہیں، اس میں یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جب قرآن کریم ایک ہی لغت پر نازل کرنا تھا تو اس میں قراءات کا اختلاف باقی رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آں حضرت ﷺ نے تلاوتِ قرآن میں سات حروف کی جو سہولت امت کے لیے مانگی تھی اس میں قبائل عرب کا اختلاف لغت آپ ﷺ کے پیش نظر تھا، حافظ ابن جریر طبریؒ نے اسی بناء پر ''سات حروف'' کو ''سات لغات عرب'' کے معنی پہنائے ہیں، حالاں کہ یہ وہ بات ہے جس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی، اس کے برعکس ایک حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ بیان فرمادیا ہے کہ سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پیش نظر کیا بات تھی؟ امام ترمذیؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت اُبی بن کعبؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

لقی رسول اللہ ﷺ جبریل عند احجار المرا فقال رسول اللہ ﷺ لجبریل: انی بعثت الی امة امیین فیھم الشیخ الفانی و العجوز الکبیرة و الغلام، قال فمرھم فلیقرء وا القرآن علی سبعة احرفٍ[(۱)]۔

''رسول اللہ ﷺ کی ملاقات مروہ کے پتھروں کے قریب حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہوئی آپ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا: میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں لب گور بوڑھے بھی ہیں، سن رسیدہ بوڑھیاں بھی، اور بچے بھی، حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ ان کو حکم دیجیے کہ وہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں''۔

ترمذیؒ ہی کی دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا:

اِنِّی بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْھُمُ الْعُجُوْزُ وَ الشَّیْخُ وَ الْکَبِیْرُ وَ الْغُلَامُ وَ الْجَارِیَةُ وَ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ[(۲)]۔

''مجھے ایک اَن پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بوڑھیاں بھی ہیں بوڑھے بھی، سن رسیدہ بھی، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور ایسے لوگ بھی جنھوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی''۔

اس حدیث کے الفاظ صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتلا رہے ہیں کہ امت کے لیے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آں حضرت ﷺ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آپ ﷺ ایک امی اور اَن پڑھ قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، جس میں ہر طرح کے افراد ہیں، اگر قرآن کریم کی تلاوت کے لیے صرف ایک ہی طریقہ متعین کر دیا گیا تو امت مشکل میں مبتلا ہو جائے گی اس کے برعکس اگر کئی طریقے رکھے گئے تو ممکن ہوگا کہ کوئی شخص ایک طریقے سے تلاوت پر قادر نہیں ہے تو وہ دوسرے طریقہ سے انہی الفاظ کو ادا کر دے، اس طرح اس کی نماز اور تلاوت کی عبادات درست ہو جائیں گی،

(۱) بحوالہ النشر فی القراءات العشر: ۱/ ۲۰۔ (۲) جامع الترمذی: ۲/ ۱۳۸، قرآن محل کراچی۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بوڑھوں، بوڑھیوں یا اَن پڑھ لوگوں کی زبان پر ایک لفظ ایک طریقہ سے چڑھ جاتا ہے اور اس کے لیے زیر وزبر کا معمولی فرق بھی دشوار ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے یہ آسانی طلب فرمائی کہ مثلاً کوئی شخص معروف کا صیغہ ادا نہیں کرسکتا تو اس کی جگہ دوسری قراءت کے مطابق مجہول کا صیغہ ادا کرلے، یا کسی کی زبان پر صیغہ مفرد نہیں چڑھتا تو وہ اسی آیت کو صیغہ جمع سے پڑھ لے، کسی کے لیے لہجہ کا ایک طریقہ مشکل ہے تو دوسرا اختیار کرلے اور اس طرح اس کو پورے قرآن میں سات قسم کی آسانیاں مل جائیں گی۔

آپ نے مذکورہ بالا حدیث میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اس میں آں حضرت ﷺ نے سات حروف کی آسانی طلب کرتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ جس امت کی طرف بھیجا گیا ہوں وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی لغت جدا ہے، اس لیے قرآن کریم کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت دی جائے، اس کے برخلاف آپ ﷺ نے قبائلی اختلافات سے قطع نظر ان کی عمروں کا تفاوت اور ان کے امی ہونے کی صفت پر زور دیا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سات حروف کی آسانی دینے میں بنیادی عامل قبائل کا لغوی اختلاف نہ تھا، بلکہ امت کی ناخواندگی کے پیش نظر تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا جس سے امت کے تمام افراد فائدہ اٹھا سکیں۔

(۳) اس قول پر تیسرا اعتراض ہوسکتا ہے کہ اختلاف قراءات کی جو سات نوعیتیں بیان کی گئی ہیں وہ خواہ مالکؒ یا ابوالفضل رازیؒ کی بیان کی ہوئی ہوں یا علامہ ابن قتیبہؒ، محقق ابن الجزریؒ اور قاضی ابن الطیبؒ کی، بہر حال ایک قیاس اور تخمینہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اسی وجہ سے ان حضرات میں سے ہر ایک نے ان سات وجوہ اختلاف کی تفصیل الگ الگ بیان کی ہے، ان کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ کیوں کر باور کرلیا جائے آں حضرت ﷺ کی مراد یہی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''سبعۃ احرف'' کی کوئی واضح تشریح کسی حدیث یا کسی صحابی کے قول میں نہیں ملتی، اس لیے اس باب میں جتنے اقوال ہیں ان سب میں روایات کو مجموعی طور پر جمع کر کے کوئی نتیجہ نکالا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ قول زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس پر کوئی بنیادی اعتراض واقع نہیں ہوتا روایات کو مجموعی طور پر دیکھنے کے بعد ہمیں اس بات کا تو قریب قریب یقین ہوجاتا ہے کہ حدیث میں سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں، رہی ان نوعیتوں کی تعیین وتشخیص، سو اس کے بارے میں ہم پہلے بھی یہ عرض کر چکے ہیں کہ اسے معلوم کرنے کا ذریعہ استقراء کے سوا کوئی اور نہیں امام ابوالفضل رازی کا استقراء ہمیں جامع ومانع ضرور معلوم ہوتا ہے، مگر یقین کے ساتھ ہم کسی کے استقراء کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ کی مراد یہی تھی، لیکن اس سے یہ اصولی حقیقت مجروح نہیں ہوتی کہ ''سبعۃ احرف'' سے آں حضرت ﷺ کی مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں تھیں، جن کی تفصیل کا یقینی علم حاصل کرنے کا نہ ہمارے پاس کوئی راستہ ہے اور نہ اس کی چنداں ضرورت ہے۔

(۴) اس قول پر چوتھا اعتراض یہ ممکن ہے کہ اس قول میں ''حروف سبعہ'' سے الفاظ اور ان کی ادائیگی کے طریقوں کا اختلاف مراد لیا گیا ہے، معانی سے اس میں بحث نہیں ہے، حالاں کہ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سات قسم کے معانی ہیں، امام طحاویؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے آں حضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف واحرف امر وحلال وحرام وو محكم ومتشابه وامثال الخ.

پہلے کتاب ایک باب سے ایک حرف پر نازل ہوتی تھی اور قرآن کریم سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا (وہ سات حروف یہ ہیں) زار (کسی بات سے روکنے والا) آمر (کسی چیز کا حکم دینے والا) حلال، حرام، محکم (جس کے معنی معلوم ہیں) متشابہ (جس کے یقینی معنی معلوم نہیں) اور مثال۔

اسی بناء پر بعض علماء سے منقول ہے کہ انھوں نے سات حروف کی تفسیر سات قسم کے معانی سے کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے امام طحاویؒ اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے ابوسلمہؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، حالاں کہ ابوسلمہؓ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ قدیم زمانہ کے جن بزرگوں سے اس قسم کے اقوال منقول ہیں ان کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ ان کا مقصد ''سبعۃ احرف'' والی حدیث کی تشریح کرنا نہیں تھا بلکہ ''سبعۃ احرف'' کے زیر بحث مسئلہ سے بالکل الگ ہوکر یہ کہنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم اس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔

رہے وہ لوگ جنھوں نے ''سبعۃ احرف'' والی حدیث کی تشریح ہی میں اس قسم کی باتیں کہی ہیں، انکا قول بالکل بدیہی البطلان ہے، اس لیے کہ پیچھے جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں ان کو سرسری نظر ہی سے دیکھ کر ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حروف کے اختلاف سے مراد معانی اور مضامین کا نہیں، بلکہ الفاظ کا اختلاف ہے چناں چہ محقق علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس قول کو اختیار نہیں کیا، بلکہ اس کی تردید کی ہے [1]۔

حروف سبعہ اب بھی محفوظ ہیں یا متروک ہو گئے؟:

''سات حروف'' کے معنی متعین ہوجانے کے بعد اہم بحث یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف آج بھی باقی ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں متقدمین سے تین قول منقول ہیں:

---

(۱) تفصیلی تردید کے لیے ملاحظہ ہو الاتقان: ۱/ ۴۹، نوع: ۱۶، اور النشر في القراءات بعشر لابن الجزري ﷺ: ۱/ ۲۵۔

(۱) پہلا قول حافظ ابن جریر طبریؒ اور ان کے متبعین کا ہے، پیچھے ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ''سبعۃ احرف'' سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، اسی بناء پر وہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک قرآن کریم ان ساتوں حروف پر پڑھا جاتا تھا، لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب اسلام دور دراز ممالک تک پھیلا تو ان حروف سبعہ کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے ہونے لگے، مختلف لوگ مختلف حروف پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کی تلاوت کو غلط ٹھہراتے تھے، اس فتنہ کے انسداد کے لیے حضرت عثمانؓ نے صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے پوری امت کو صرف ایک حرف یعنی لغتِ قریش کے مطابق سات مصاحف مرتب فرما کر مختلف صوبوں میں بھیج دیئے اور باقی تمام مصاحف کو نذرِ آتش کرا دیا تا کہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے، لہٰذا اب صرف لغتِ قریش کا حرف باقی رہ گیا اور باقی چھ حروف محفوظ نہیں رہے اور قراءتوں کا جو اختلاف آج تک باقی چلا آتا ہے وہ اسی ایک حرف قریش کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں[1]۔

حافظ ابن جریرؒ کا نظریہ اور اس کی قباحتیں:

حافظ ابن جریر طبریؒ نے چوں کہ اپنا یہ نظریہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بڑی تفصیل اور جزم و وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس لیے یہ قول بہت مشہور ہو گیا اور آج کل حروف سبعہ کی تشریح عموماً اسی کے مطابق کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر محقق علماء[2] نے اسے اختیار نہیں کیا، بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، کیوں کہ اس قول پر متعدد الجھنیں ایسی کھڑی ہو جاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض تو وہی ہوتا ہے کہ جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں ''حروف'' اور ''قراءت'' کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن جریر طبریؒ ایک طرف تو یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے، دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالاں کہ اس بات کو باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صحابہ کرامؓ ان حروف کو یکسر ختم کرنے پر متفق ہو گئے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی فرمائش پر امت کی آسانی کے لیے نازل فرمائے تھے صحابہ کرامؓ کا اجماع بیشک دین میں حجت ہے، لیکن صحابہ کرامؓ سے یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ جس چیز کا قرآن ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہوا سے وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر متفق ہو جائیں۔

حافظ ابن جریر طبریؒ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ دراصل امت کو قرآن کریم کی حفاظت کا حکم ہوا تھا اور اسے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ وہ سات حروف میں سے جس حرف کو چاہے اختیار کر لے، چناں چہ امت نے

(۱) تفسیر ابن جریر: ۱/ ۱۵۔ (۲) ان علماء کے اسمائے گرامی آگے آرہے ہیں۔

اس اختیار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اجتماعی مصلحت کی خاطر چھ حروف کی تلاوت چھوڑ دی اور ایک حرف کی حفاظت پر متفق ہو گئے، اس اقدام کا منشاء ان حروف کو منسوخ کر دینا تھا اور نہ ان کی تلاوت کو حرام قرار دینا تھا، بلکہ اس کے لیے اجتماعی طور پر ایک انتخاب تھا۔

لیکن یہ جواب بھی اس لیے کمزور ہوتا ہے کہ اگر سورت یہی تھی تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ امت اپنے عمل کے لیے خواہ ایک حرف کو اختیار کر لیتی باقی چھ حروف کا وجود سرے سے ختم کرنے کے بجائے اسے کم از کم ایک جگہ محفوظ رکھتی تاکہ ان کا وجود ختم نہ ہو، قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.

''بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

جب ساتوں حروف قرآن تھے تو اس آیت کا صاف تقاضا یہ ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی شخص ان کی تلاوت چھوڑنا بھی چاہے تو وہ ختم نہیں ہو سکیں گے، حافظ ابن جریر طبریؒ نے اس کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم نے جھوٹی قسم کھانے کے کفارے میں انسانوں کو تین باتوں کا اختیار دیا ہے، یا تو وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا دے، اب اگر امت باقی صورتوں کو ناجائز قرار دیئے بغیر اپنے عمل کے لیے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، اسی طرح قرآن کے سات حروف میں سے امت نے اگر ایک حرف کو اجتماعی طور پر ختم کر لیا، لیکن یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ باقی صورتوں کو ناجائز تو نہ کہے لیکن عملاً ان کا وجود بالکل ختم ہو کر رہ جائے، اور لوگوں کو صرف اتنا معلوم رہ جائے کہ کفارۂ یمین کی دو صورتیں اور تھیں جن پر امت نے عمل ترک کر دیا، لیکن وہ صورتیں کیا تھیں ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہے تو یقیناً امت کے لیے ایسے اقدام کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ باقی چھ حروف کو ترک کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی حافظ ابن جریرؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ان حروف کے اختلاف کی وجہ سے شدید جھگڑے ہو رہے تھے، اس لیے حضرت عثمانؓ نے صحابہ کے مشورہ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان سب کو ایک حرف پر متحد کر دیا جائے لیکن یہ بھی ایسی بات ہے جسے باور کرنا بہت مشکل ہے حروف کے اختلاف کی بناء پر مسلمانوں کا اختلاف تو خود سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا، احادیث میں ایسے متعدد واقعات مروی ہیں کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو مختلف طریقے سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو باہمی اختلاف کی نوبت آگئی، یہاں تک کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ کے گلے میں چادر ڈال کر انھیں آں حضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے تھے، اور حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حروف کا یہ اختلاف سن کر میرے دل میں زبردست شکوک پیدا ہونے لگے تھے لیکن اس قسم کے واقعات کی بناء پر آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف سبعہ کو ختم کرنے کے بجائے انھیں حروف کی رخصت سے آگاہ فرمایا، اور اس طرح کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوسکا، صحابہ کرامؓ سے یہ بعید ہے کہ انھوں نے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بجائے چھ حروف ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔

پھر عجیب بات ہے کہ علامہ ابن جریرؒ کے قول کے مطابق صحابہؓ نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیئے اور قراءتیں (جو ان کے قول میں حروف سے الگ ہیں) جوں کی توں باقی رکھیں، چناں چہ وہ آج تک محفوظ چلی آتی ہیں، سوال یہ ہے کہ افتراق واختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف پر قرآن کی تلاوت جاری رکھنے میں تھا کیا وہی اندیشہ قراءت کے اختلاف میں نہیں تھا؟ جب کہ ان قراءتوں کی روشنی میں بعض مرتبہ ایک ایک لفظ بیس بیس مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے؟ اگرچہ حروف ختم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ سب ایک طریقہ سے قرآن کی تلاوت کیا کریں تو قراءتوں کے اختلاف کو آخر کیوں ختم نہیں کیا گیا؟ جب قراءت کے اختلاف کو باوجود مسلمانوں کے انتشار کو روکا جاسکتا تھا اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا جاسکتا تھا کہ ان تمام طریقوں سے تلاوت جائز ہے تو یہی تعلیم حروفِ سبعہ کے باب میں فتنہ کا سبب کیوں سمجھ لی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن جریرؒ کے قول پر حروف سبعہ اور ''قراءت'' کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی طرف ایسی حیرت انگیز دو عملی منسوب کرنی پڑتی ہے جس کی کوئی معقول توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرف اتنے بڑے اقدام کی نسبت کسی صریح اور صحیح روایت کی بناء پر نہیں بلکہ بعض مجمل الفاظ کی قیاسی تشریح کے ذریعہ کی گئی ہے، جن روایات میں حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ انھوں نے چھ حروف کو ختم فرما دیا تھا بلکہ اس کے خلاف دلیلیں موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، اب کسی صحیح اور صریح روایت کے بغیر یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ صحابۂ کرام نے ان چھ حروف کو بالکل بے نشان کردینا گوارا کرلیا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار فرمائش پر بذریعۂ وحی نازل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کو جمع وترتیب قرآن کے نیک کام میں محض اس لیے تامل رہا ہو کہ یہ کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، جنھوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو محفوظ رکھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں، اور جنھوں نے منسوخ التلاوۃ آیات تک کو محفوظ کر کے امت تک پہنچایا ہو ان سے یہ بات بے انتہا بعید ہے کہ وہ سب کے سب چھ حروف کو ختم کرنے پر اس طرح متفق ہوجائیں کہ آج ان حروف کا کوئی نام ونشان تک باقی نہ رہے جن آیات کی تلاوت منسوخ ہوچکی تھی صحابہ کرامؓ نے انھیں بھی کم از کم تاریخی حیثیت میں باقی رکھ کر ہم تک پہنچایا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ ''حروف'' جن کے بارے میں حافظ ابن جریرؒ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے، بلکہ مصلحتاً ان کی قراءت وکتابت ختم کردی گئی، ان کی کوئی ایک مثال ایسی ضعیف روایت میں بھی محفوظ نہ رہ سکی، یہی وجہ ہے کہ بیشتر محقق علماء نے حافظ ابن جریر طبریؒ کے اس قول کی تردید فرمائی ہے جن سے اقوال کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

امام طحاوی کا قول:

دوسرا مسلک امام طحاویؒ نے اختیار فرمایا ہے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کریم نازل تو صرف ایک لغت قریش پر ہوا تھا، لیکن امت کی آسانی کے خیال سے یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ قرآن کی تلاوت میں سات کی حد تک دوسرے مرادفات استعمال کر سکتے ہیں یہ مرادفات بھی آں حضرت ﷺ نے متعین فرما دیے تھے، اسی اجازت کو حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں جب لوگ قرآنی لغت کے عادی ہو گئے تو خود آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی، اور جب آپ نے اپنی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل سے قرآن کریم کا آخری دور کیا تو اس وقت یہ مرادفات منسوخ کر دیئے گئے اور اب صرف وہی حرف باقی ہے جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا یعنی حرف قریش باقی چھ مرادفات منسوخ ہو چکے۔

یہ قول حافظ ابن جریرؒ کے قول کے مقابلہ میں اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں صحابہ کرام کی طرف یہ بات منسوب نہیں کی گئی کہ چھ حروف انھوں نے ترک کئے ناسخ کی نسبت خود عہد رسالت ﷺ کی طرف کی گئی ہے، لیکن اس پر ایک اشکال تو یہ آتا ہے کہ اس قول کے مطابق چھ حروف منزل من اللہ نہیں تھے، حالاں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کے درمیان جو اختلاف پیش آیا اس میں حضرت ہشامؓ نے حضور ﷺ کے سامنے سورۂ فرقان اپنے طریقہ سے تلاوت فرمائی تو اسے سن کر آپ نے فرمایا هٰكَذَا انزَلت (یہ صورت اسی طرح نازل ہوئی ہے) اور پھر حضرت عمرؓ نے اپنے انداز سے قرآن تلاوت فرمائی اسے سن کر بھی آپ ﷺ نے فرمایا هٰكَذَا انزَلت (یہ صورت اسی طرح نازل ہوئی ہے) ان الفاظ کا کھلا ہوا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صریح منزل من اللہ تھے۔

دوسرے جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا اس قول میں بھی قراءت کی حیثیت واضح نہیں ہوئی کہ وہ سات حروف میں داخل تھیں یا نہیں، اگر داخل تھیں تو چھ حروف کی طرح ان کے بارے میں بھی یہ کہنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) وہ منزل من اللہ نہیں ہیں، حالاں کہ یہ اجماع کے خلاف ہے اور اگر داخل نہیں تھیں تو ان کے علیحدہ وجود پر کوئی دلیل نہیں اس لیے اس قول پر بھی شرح صدر نہیں ہوتا۔

سب سے بہتر قول:

تیسرا قول جو سب سے زیادہ اطمینان بخش اور بے غبار ہے وہ یہی ہے کہ سات احرف سے مراد چوں کہ اختلاف قراءت ہی کی سات مختلف نوعیتیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آ چکا ہے، اس لیے یہ ساتوں حروف آج بھی پوری طرح محفوظ ہیں اور باقی ہیں اور

ان کی تلاوت کی جاتی ہے، البتہ اتنا فرق ضرور ہوا ہے کہ ابتدائے اسلام میں قراءتوں کے اختلاف کی تعداد بہت زیادہ تھی، اوران میں مرادف الفاظ کے اختلاف کی کثرت تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جولوگ لغتِ قرآن کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے انھیں زیادہ سے زیادہ سہولت دی جائے، بعد میں جب اہل عرب لغت قرآن کے عادی ہوگئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلافات ختم کردیئے گئے، چناں چہ آں حضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے جو آخری دور کیا (اور جسے اصطلاح میں عرضۂ اخیرہ کہا جاتا ہے) اس وقت بہت سی قراءتیں منسوخ کردی گئیں، جس کی دلیل آگے آرہی ہے، لیکن جتنی قراءتیں اس وقت باقی رہ گئیں وہ ساری کی ساری آج تواتر کے ساتھ چلی آتی ہیں، اوران کی تلاوت ہوتی ہے۔

''احرفِ سبعہ'' کی پیچیدہ بحث میں یہ وہ بے غبار راستہ ہے جس پر تمام روایات حدیث بھی اپنی اپنی جگہ صحیح بیٹھ جاتی ہیں اور نہ ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی رہتا ہے اور نہ کوئی اور معقول اشکال پیش آتا ہے، اس سلسلے میں ممکنہ شبہات کا جواب ہم آگے تفصیل کے ساتھ دیں گے، جس سے اس قول کی حقانیت اچھی طرح واضح ہو سکے گی، لیکن پہلے یہ سن لیجئے کہ اس قول کے قائل کون حضرات ہیں؟ یہاں ہم ان حضرات کے اسمائے گرامی اور حوالے پیش کرتے ہیں، جنھوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے یا حافظ ابن جریر طبریؒ کی تردید کی ہے۔

اس قول کے قائلین:

حافظ ابوالخیر محمد بن الجزریؒ (متوفی ۸۳۳ھ) جو قراءت کے امام اعظم مشہور ہیں اور حدیث وفقہ میں حافظ ابن کثیرؒ کے شاگرد اور حافظ ابن حجرؒ کے استاذ ہیں اپنی مشہور کتاب ''النشر فی القراءات العشر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وَأَمَّا كَوْنُ الْمَصَاحِفِ الْعُثْمَانِيَّةِ مُشْتَمِلَةً عَلَى جَمِيعِ الْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ، فَإِنَّ هَذِهِ مَسْأَلَةٌ كَبِيرَةٌ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيهَا: فَذَهَبَ جَمَاعَاتٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْقُرَّاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى أَنَّ الْمَصَاحِفَ الْعُثْمَانِيَّةَ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى جَمِيعِ الْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ، وَبَنَوْا ذَلِكَ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ عَلَى الْأُمَّةِ أَنْ تُهْمِلَ نَقْلَ شَيْءٍ مِنَ الْحُرُوفِ السَّبْعَةِ الَّتِي نَزَلَ الْقُرْآنُ بِهَا، وَقَدْ أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلَى نَقْلِ الْمَصَاحِفِ الْعُثْمَانِيَّةِ مِنَ الصُّحُفِ الَّتِي كَتَبَهَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَإِرْسَالِ كُلِّ مُصْحَفٍ مِنْهَا إِلَى مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ وَأَجْمَعُوا عَلَى تَرْكِ مَا سِوَى ذَلِكَ، قَالَ هَؤُلَاءِ: وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُنْهَى عَنِ الْقِرَاءَةِ بِبَعْضِ الْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ وَلَا أَنْ يُجْمِعُوا عَلَى تَرْكِ شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ، وَذَهَبَ جَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى أَنَّ هَذِهِ الْمَصَاحِفَ الْعُثْمَانِيَّةَ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى مَا يَحْتَمِلُهُ رَسْمُهَا مِنَ الْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ فَقَطْ جَامِعَةً لِلْعَرْضَةِ الْأَخِيرَةِ الَّتِي عَرَضَهَا النَّبِيُّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَلَى جِبْرَئِيلَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - مُتَضَمِّنَةً لَهَا لَمْ تَتْرُكْ حَرْفًا مِنْهَا. قُلْتُ: وَهَذَا الْقَوْلُ هُوَ الَّذِي يَظْهَرُ صَوَابُهُ؛ لِأَنَّ

الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ وَالْآثَارُ الْمَشْهُورَةُ الْمُسْتَفِيضَةُ تَدُلُّ عَلَيْهِ وَتَشْهَدُ لَهُ

''رہا یہ مسئلہ کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار فرمائے تھے وہ ساتوں حروف پر مشتمل ہیں یا نہیں؟ سو یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے، چناں چہ فقہاء قراء اور متکلمین کی جماعتوں کا مذہب یہ ہے کہ عثمانی مصاحف ساتوں حروف پر مشتمل ہیں اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان سات حروف میں سے کسی حرف کو نقل کرنا ترک کردے جن پر قرآن نازل ہوا اور صحابہ نے اجتماعی طور پر یہ عثمانی مصاحف ان صحیفوں سے نقل کئے تھے جو حضرت ابوبکر صدیق وعمرؓ نے لکھے تھے، اور ان میں ہر ایک مصحف عالم اسلام کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تھا اور ان کے ماسوا جتنے صحیفے تھے ان کو چھوڑنے پر متفق ہوگئے تھے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ نہ یہ بات جائز ہے کہ حروفِ سبعہ میں سے کسی حرف کی قراءت روک دی جائے اور نہ یہ کہ صحابہؓ قرآن کے کسی حصہ کے چھوڑنے پر متفق ہوجائیں، اور سلف وخلف کے علماء کی اکثریت کا قول یہی ہے، کہ یہ عثمانی مصاحف ان حروف پر مشتمل ہیں جو اس کے رسم الخط میں سما گئے، اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا جو آخری دور کیا تھا، ان کے تمام حروف ان مصاحف میں جمع ہیں، ان میں سے کوئی حرف ان مصاحف میں نہیں چھوٹا میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کی صحت ظاہر ہے کیوں کہ صحیح احادیث اور مشہور آثار اسی پر دلالت کرتے ہیں اور اسی کی شہادت دیتے ہیں''۔

اور علامہ بدرالدین عینیؒ نقل فرماتے ہیں:

وَاخْتلف الأصوليون هَل يقْرَأ الْيَوْم على سَبْعَة أحرف فَمَنعه الطَّبَرِيّ وَغَيره وَقَالَ إِنَّمَا يجوز بِحرف وَاحِد الْيَوْم وَهُوَ حرف زيد ونحى إِلَيْهِ القَاضِي أَبُو بكر وَقَالَ الشَّيْخ أَبُو الْحسن الْأَشْعَرِيّ أجمع الْمُسلمُونَ على أَنه لَا يجوز حظر مَا وَسعه الله تَعَالَى من القراءات بالأحرف الَّتِي أنزلهَا الله تَعَالَى وَلَا يسوغ للْأمة أَن تمنع مَا يُطلقهُ الله تَعَالَى بل هِيَ مَوْجُودَة فِي قراءتنا وَهِي مفرقة فِي الْقُرْآن غير مَعْلُومَة بِأَعْيَانِهَا فَيجوز على هَذَا وَبِه قَالَ القَاضِي أَن يقْرَأ بِكُل مَا نَقله أهل التَّوَاتُر من غير تَمْيِيز حرف من حرف فيحفظ حرف نَافِع بِحرف الْكسَائي وَحَمْزَة وَلَا حرج فِي ذَلِك (۱)۔

اور اس بارے میں اصولی علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کریم کو آج سات حروف پر پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ چناں چہ علامہ (ابن جریر) طبریؒ وغیرہ نے اس سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آج قرآن کی قراءت ایک ہی حرف پر جائز ہے اور وہ حضرت زید بن ثابتؓ کا حرف ہے اور قاضی ابوبکرؒ بھی اسی طرف مائل ہیں، لیکن امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حروف نازل کرکے امت کو سہولت عطا فرمائی تھی اسے روکنا کسی کے

(۱) عمدة القاري، كتاب الخصومات: ۱۲/ ۲۵۸۔

لیے جائز نہیں اور امت اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ جس چیز کی اجازت اللہ نے دی ہو اسے روک دے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں حروف ہماری موجودہ قراءت میں موجود ہیں، اور قرآن کریم میں متفرق طور سے شامل ہیں البتہ معین طور سے معلوم نہیں، اس لحاظ سے ان کی قراءت آج بھی جائز ہے اور یہی قول قاضی[۱] صاحب کا ہے، جتنے حروف تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سب کو پڑھنا جائز ہے اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے ممتاز کرنے کی بھی ضرورت نہیں، چناں چہ نافع کی قراءت کو کسائی اور حمزہؒ کی قراءت کے ساتھ (مخلوط کر کے) یاد کر لیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے[۲]۔

اور علامہ بدرالدین زرکشیؒ قاضی ابوبکر کا قول نقل کرتے ہیں:

والسابع اختاره القاضي ابوبكر وقال الصحيح ان هذه الاحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ وضبطها عنه الائمة واثبتها عثمان والصحابة في المصحف[۳]۔

ساتواں قول قاضی ابوبکر[۴] نے اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف رسول اللہ ﷺ سے شہرت کے ساتھ منقول ہیں ائمہ نے انھیں محفوظ رکھا ہے اور حضرت عثمانؓ اور صحابہ نے انھیں مصحف میں باقی رکھا ہے۔

اور علامہ ابن حزمؒ نے بھی حافظ ابن جریرؒ کے قول کی بڑے سخت الفاظ میں تردید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ چھ حروف کو ختم کرنے کا قول بالکل غلط ہے اور اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرنا بھی چاہتے تو نہ کر سکتے کیوں کہ عالم اسلام کا چپہ چپہ ان حروف سبعہ کے حافظوں سے بھرا ہوا تھا وہ لکھتے ہیں:

واما قول من قال ابطل الاحرف الستة فقد كذب من قال ذلك ولو فعل عثمان ذلك او اراده لخرج عن الاسلام ولما مطل ساعة بل الاحرف السبعة كلها موجودة عندنا قائمة كما كانت مثبوتة في القراءات المشهورة الماثورة[۵]۔

"رہا یہ قول کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی ہے اس نے بالکل غلط کہا ہے اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرتے یا اس کا ارادہ کرتے تو ایک ساعت کے توقف کے بغیر اسلام سے خارج ہو جاتے[۶]، بلکہ واقعہ

(۱) غالباً قاضی عیاض مراد ہیں۔
(۲) اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو النشر في القراءات العشر: ۱/ ۱۸، ۱۹۔
(۳) البرهان في علوم القرآن: ۱/ ۲۲۳۔
(۴) غالباً قاضی ابوبکر باقلانیؒ مراد ہیں کیوں کہ یہی عبارت علامہ نوویؒ نے قاضی باقلانیؒ کے نام سے روایت کی ہے (نووی شرح مسلم: ۱/ ۲۷۲)
(۵) ابن حزم الفصل في الملل والاهواء والنحل: ۲/ ۷۷، ۷۸، مكتبة المثنى بغداد۔
(۶) علامہ ابن حزم کا یہ قول اس صورت میں ہے جب کہ یوں کہا جائے کہ حضرت عثمان نے (معاذ اللہ) چھ حروف کو منسوخ کر دیا لیکن واضح رہے کہ حافظ ابن جریرؒ کے قول کے مطابق انھوں نے چھ حروف کو منسوخ نہیں کیا بلکہ ان کی قراءت ترک فرمائی تھی، اس لیے اگر چہ حافظ ابن جریر طبریؒ کا قول درست ہو لیکن یہ وہ اتنے سخت الفاظ کے مستحق نہیں ہیں۔

یہ ہے کہ ساتوں کے ساتوں حروف ہمارے پاس بعینہ موجود اور مشہور اور قراءتوں میں محفوظ ہیں۔

اور مشہور شارح موطا علامہ ابوالولید باجی مالکی متوفی ۴۹۴ھ ''سبعۃ احرف'' کی تشریح سات وجوہ قراءت سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَإِنْ قِيلَ هَلْ تَقُولُونَ إِنَّ جَمِيعَ هَذِهِ السَّبْعَةِ الْأَحْرُفِ ثَابِتَةٌ فِي الْمُصْحَفِ فَإِنَّ الْقِرَاءَةَ بِجَمِيعِهَا جَائِزَةٌ قِيلَ لَهُمْ كَذَلِكَ نَقُولُ وَالدَّلِيلُ عَلَى صِحَّةِ ذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} وَلَا يَصِحُّ انْفِصَالُ الذِّكْرِ الْمُنَزَّلِ مِنْ قِرَاءَتِهِ فَيُمْكِنُ حِفْظُهُ دُونَهَا وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ مَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ أَنَّ ظَاهِرَ قَوْلِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ تَيْسِيرًا عَلَى مَنْ أَرَادَ قِرَاءَتَهُ لِيَقْرَأَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ بِمَا تَيَسَّرَ عَلَيْهِ وَبِمَا هُوَ أَخَفُّ عَلَى طَبْعِهِ وَأَقْرَبُ إِلَى لُغَتِهِ لِمَا يَلْحَقُ مِنَ الْمَشَقَّةِ بِذَلِكَ الْمَأْلُوفِ مِنَ الْعَادَةِ فِي النُّطْقِ وَنَحْنُ الْيَوْمَ مَعَ عُجْمَةِ أَلْسِنَتِنَا وَبُعْدِنَا عَنْ فَصَاحَةِ الْعَرَبِ أَحْوَجُ۔ (۱)

اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا آپ کا قول یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف مصحف میں (آج بھی) موجود ہیں، اس لیے کہ ان سب کی قراءت آپ کے نزدیک، جائز ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ جی ہاں ہمارا قول یہی ہے اور اس کی صحت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور قرآن کریم کو اس کی قراءت سے الگ نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن تو محفوظ رہے اور اس کی قراءت ختم ہو جائیں اور ہمارے قول کی صحت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کھلے طور پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کو سات حروف پر اسلیے نازل کیا گیا تا کہ اس کی قراءت کرنے والے کو آسانی ہو تا کہ ہر شخص اس طریقہ سے تلاوت کر سکے جو اس کے لیے آسان ہو اس کی طبیعت کے لحاظ سے زیادہ سہل اور اس کی لغت سے زیادہ قریب ہو، کیوں کہ گفتگو میں جو عادت پڑ جاتی ہے اسے ترک کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور آج ہم لوگ اپنی زبان کی عجمیت اور عربی فصاحت سے دور ہونے کی بناء پر اس سہولت کے زیادہ محتاج ہیں۔

اور حضرت امام غزالیؒ اصول فقہ پر اپنی مشہور کتاب ''المستصفی'' میں قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

ما نقل الینا بین دفتي المصحف علی الاحرف السبعة المشهورة نقلاً متواتراً (۲)۔

وہ کلام جو مصحف کی دو دفتیوں میں مشہور سات حروف کے مطابق متواتر طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام غزالیؒ بھی حروف سبعہ کے آج تک باقی رہنے کے قائل ہیں اور ملا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

(۱) ابو الولید الباجي المنتقي شرح الموطا: ۱/۳۴۷، مطبعة السعادة مصر ۱۳۳۱ھ۔

(۲) المستصفی: ۱/۶۵، المکتبة التجارية الکبری، مصر ۱۳۵۶ھ۔

و کانه علیه الصلوٰة و السلام کشف له ان القراءة المتواترة تستقر في امته علي سبع و هي الموجودة الأن المتفق علٰی تواترها و الجمهور علی ان ما فوقها شاذ لا یحل القراءة به(۱)۔

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ پر یہ منکشف ہوگیا تھا کہ متواتر قراءتیں آپ ﷺ کی امت میں آخر کار سات رہ جائیں گی، چناں چہ وہی آج موجود ہیں اور ان کے تواتر پر اتفاق ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اسکے علاوہ جو قراءتیں ہیں وہ شاذ ہیں اور ان کی تلاوت جائز نہیں۔

اس میں ملا علی قاریؒ کا یہ فرمانا تو درست نہیں ہے کہ سات قراءتوں کے ماسوا جتنی قراءتیں ہیں وہ سب شاذ ہیں کیوں کہ علماء قراءات نے اس کی سخت تردید کی ہے(۲)۔ لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک احرف سبعہ آج بھی باقی ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا قول پیچھے گذر چکا ہے کہ وہ ''سبعۃ احرف'' میں سات کے عدد کو کثرت کے معنی پر محمول کرتے ہیں، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''ودلیل برآں کہ ذکر سبعہ بجہت تکثیر است نہ برائے تحدید اتفاق ائمہ است بر قراءات عشر و ہر قراءتے را از عشرہ دو راوی ست و ہر یکے با دیگرے مختلف ست پس مرتقی شد عدد قراءۃ تا بیست''(۳)۔

اور اس بات کی دلیل کہ سات کا عدد حدیث میں تکثیر کے لیے ہے نہ کہ تحدید کے لیے دس قراءتوں پر ائمہ کا اتفاق ہے، اور ان دس قراءتوں میں سے ہر ایک کے دو راوی ہیں، اور ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے، پس قراءات کی تعداد بیس تک پہنچ گئی ہے''۔

اس عبارت میں اگر چہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے لفظ ''سبعہ'' کو جمہور کے خلاف تکثیر کے لیے قرار دیا ہے (کیوں کہ شاید بیس قراءتوں کو سات وجوہِ اختلاف میں منحصر قرار دینا ان پر واضح نہیں ہوسکا) لیکن اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جن حروف کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک قراءتیں ہی ہیں اور وہ منسوخ یا متروک نہیں ہوئے، بلکہ آج بھی باقی ہیں۔

آخری دور میں دینی علوم کے امام، محقق عصر اور حافظ حدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے مسئلہ کی حقیقت مختصر الفاظ میں اس طرح واضح فرمادی ہے کہ اسے حرف آخر کہنا چاہیے یہاں ہم ان کی پوری تحقیق نقل کرتے ہیں:

واعلم انهم اتفقوا علي انه لیس المراد من سبعة احرف القراءة السبعة المشهورة بان یکون کل

(۱) مرقاة المفاتیح: ۵/ ۴، مکتبة امدادیه ملتان، ۱۳۸۷ھ۔

(۲) ملاحظه هو النشر في القراءات العشر: ص/ ۳۳، ومابعد: جلد: ۱۔

(۳) المصفي: ص/ ۱۸۷۔ مطبوعه فاروقي دهلي۔

حرف منها قراءة من تلك القراءات اعني انه لا الطباق بين القراءات السبع والاحرف السبعة ما يذهب اليه الوهم بالنظر الي لفظ السبعة في الموضعين بل بين تلك الاحرف والقراءة عموم وخصوص وجهي كيف وان القراءات لا تنحصر في السبعة كما صرح ابن الجزري في رسالة النشر في قراءة العشر وانما اشتهرت السبعة على الالسنة لانها التي جمعها الشاطبي رحمه الله ثم اعلم ان بعضهم فهم ان بين تلك الاحرف تغاير امن كل وجه، بحيث لا ربط بينها وليس كذلك، بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزيد واخرى بالابواب، ومرة باعتبار الصيغ من الغائب والحاضر وطورا بتحقيق الهمزة وتسهيلها فكل هٰذه التغيرات يسيرة او كانت وكثيرة حرف برأسه وغلط من فهم ان هٰذه الاحرف متغايرة كلها بحيث يتعذر اجتماعها اما انه كيف عدد السبعة فتوجه اليه ابن الجزري وحقق ان التصرفات كلها ترجع الى السبعة وراجع القسطلاني والزرقاني بقي الكلام في ان تلك الاحرف كلها موجودة اور فع بعضها وبقي البعض فاعلم ان ما قرأه جبرئيل عليه السلام في العرضة الاخيرة على النبي ﷺ كله ثابت في مصحف عثماني ولما يتعين معنى الاحرف عند ابن جرير ذهب أي رفع الاحرف الست منها وبقي واحد فقط[1]۔

یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قراءتیں نہیں اور یہ بات نہیں کہ ہر حرف ان سات قراءتوں میں سے ایک قراءت ہو مطلب یہ ہے کہ سات قراءتیں اور سات حروف ایک جز نہیں جیسے کہ سات کے لفظ سے پہلی نظر میں وہم ہوتا ہے، بلکہ ان حروف اور سات قراءتوں میں عموم وخصوص من وجہ[2] کی نسبت ہے، اور یہ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ قراءتیں سات میں منحصر نہیں جیسا کہ علامہ ابن الجزریؒ نے النشر فی القراءات العشر میں تصریح کی ہے البتہ سات قراءتوں کا لفظ زبان پر اس لیے مشہور ہو گیا ہے کہ علامہ شاطبیؒ نے انہی سات قراءتوں کو جمع کیا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سات حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور ان کا (ایک کلمہ میں) جمع ہونا ناممکن ہے ان سے غلطی ہوئی ہے رہی یہ بات کہ حدیث میں سات کے عدد کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا جواب علامہ ابن الجزریؒ نے دیا ہے، اور تحقیق یہ بیان کی ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں، اور اس مسئلہ میں قسطلانیؒ اور زرقانیؒ کی مراجعت بھی کر لیجئے۔

---

(۱) فيض الباري: ۳/ ۳۲۱، ۳۲۲۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ سات قراءتوں میں سے بعض قراءتیں احرف سبعہ میں سے ہیں جیسے کہ تمام متواتر قراءات اور بعض قراءتیں ایسی ہیں جو احرف سبعہ میں داخل نہیں مثلاً قراء سبعہ کی شاذ قراءتیں یا وہ قراءتیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور احرف سبعہ کے بعض اختلافات ایسے ہیں جو قراءات سبعہ میں شامل نہیں، مثلاً امام یعقوب، امام ابوجعفر اور خلف کی متواتر قراءتیں کہ یہ احرف سبعہ میں سے ہیں، مگر معروف قراءت سبعہ میں سے نہیں ۱۲ محمد تقی۔

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں یا ان میں سے بعض ختم کر دیئے گئے اور بعض باقی ہیں پس یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جتنے حروف حضور ﷺ کے ساتھ قرآن کے دور میں پڑھے تھے وہ سب حضرت عثمانؓ کے مصحف میں موجود ہیں، اور چوں کہ علامہ ابن جریرؒ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے، اس لیے انھوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا کہ چھ حروف ختم ہو گئے اور صرف ایک باقی رہ گیا۔

اسی طرح مصر کے علماء متاخرین میں سے مشہور محقق علامہ زاہد الکوثریؒ (متوفی ۱۳۷۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

والاوّل رأى القائلين بان الاحرف السبعة كانت في مبدء الامر ثم نسخت بالعرضة الاخيرة في عهد النبي ﷺ فلم يبق الاحرف واحد ورأى القائلين بان عثمان رضي الله عنه، جمع الناس على حرف واجد ومنع من الستة الباقية لمصلحة، واليه فحا ابن جرير وتهيبة ناس فتابعوه لكن هٰذا رأى خطير قام ابن حزم باشدّ النكير عليه في الفصل وفي الاحكام وله الحق في ذٰلك. والثاني رأى القائلين بانها هي الاحرف السبعة المحفوظة كما هي في العرضة الاخيرة الخ (۱)۔

پہلی رائے کہ موجودہ قراءت ایک ہی حرف کی مختلف شکلیں ہیں، ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سات حروف ابتداء اسلام میں تھے، پھر عرضۂ اخیرہ حضرت جبرئیل نے حضور ﷺ کے آخری دور سے حضور ﷺ ہی کے زمانہ میں منسوخ ہو گئے اور اب صرف ایک باقی رہ گیا نیز یہی رائے ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا اور ایک مصلحت کی وجہ سے باقی چھ حروف کی قراءت روک دی تھی، حافظ ابن جریرؒ کا یہی مسلک ہے اور بہت سے لوگ اس معاملہ میں ان سے مرعوب ہو کر ان کے پیچھے لگ گئے، لیکن درحقیقت یہ بڑی سنگین اور خطرناک رائے ہے اور علامہ ابن حزمؒ نے "الفصل" اور "الکلام" میں اس پر سخت ترین نکیر کی ہے، جس کا انھیں حق تھا اور دوسری رائے (کہ موجودہ قراءت ہی) احرف سبعہ ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہی وہ حروف ہیں جو عرضۂ اخیرہ کے مطابق محفوظ چلے آتے ہیں۔

ہم نے یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ اس لیے پیش کئے ہیں کہ آج کل علامہ ابن جریر طبریؒ کا قول ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے اور علامہ ابن جریرؒ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر اسے عموماً ہر شک وشبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے، اس کی بنا پر ابن الجزریؒ کا یہ بے غبار قول یا تو لوگوں کو معلوم نہیں ہے یا اگر معلوم ہے تو اسے ایک ضعیف قول سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ گذشتہ بحث کی روشنی میں یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالکؒ، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر ابن الطیب، امام ابوالحسن اشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ ابوالوید باجی، امام غزالی اور ملا علی قاریؒ جیسے علماء اس

(۱) الكوثري: مقالات الكوثري: ص/ ۲۰، و ۲۱۔ مطبعة الانوار قاهره ۱۳۷۲ھ۔

بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں، آں حضرت ﷺ کے عرضۂ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا نہ اسے ترک کیا گیا، بلکہ محقق ابن الجزریؒ نے اپنے اس قول کو اپنے سے پہلے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ زاہد الکوثریؒ کا بھی یہی قول ہے نیز مصر کے مشہور علماء علامہ محمد نجیت مطیعی، علامہ خضری دمیاطی اور شیخ عبدالعظیم زرقانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[1]۔ لہٰذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات کے لحاظ سے بھی یہ قول بڑا وزنی قول ہے۔

اس قول کے دلائل:

اب وہ دلائل ذیل میں پیش خدمت ہیں جن سے اس قول کی تائید ہوتی ہے، اس کے کچھ دلائل تو مذکورہ بالا اقوال میں آچکے ہیں مزید مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم کی آیت: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ جو آیاتِ قرآنی خود اللہ تعالیٰ نے منسوخ نہ فرمائی ہوں وہ قیامت تک باقی رہیں گی، دوسری طرف پیچھے وہ احادیث گزر چکی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ قرآن کے ساتوں حروف منزل من اللہ تھے، اس مذکورہ آیت کا واضح تقاضا یہی ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

(۲) اگر حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو ختم کر کے صرف ایک حرف پر مصحف تیار کیا ہوتا تو اس کی کہیں کوئی صراحت تو ملنی چاہیے تھی، حالاں کہ نہ صرف اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحف عثمانی میں ساتوں حروف موجود تھے، مثلاً روایات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنا مصحف حضرت ابوبکرؓ کے جمع فرمودہ صحیفوں کے مطابق لکھوایا تھا اور لکھنے کے بعد دونوں کا مقابلہ بھی کیا گیا جس کے بارے میں خود حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

فعرضت المصحف عليه فلم يختلفا في شيء[2]

''میں نے مصحف کا مقابلہ ان صحیفوں سے کیا تو دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا''۔

اور ظاہر ہے کہ حافظ ابن جریر طبریؒ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ساتوں حروف موجود تھے، اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں میں قرآن کریم کو یقیناً ان ساتوں حروف پر رکھا گیا ہوگا لہٰذا اگر حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو ختم کر دیا ہوتا تو حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ ارشاد کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ''دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا''۔

(۳) علامہ ابن الانباریؒ نے کتاب المصاحف میں حضرت عبیدہ سلمانیؒ کا جو مشہور تابعی ہیں یہ قول نقل فرمایا ہے:

(۱) مناهل العرفان: ۱/۱۵۱۔ (۲) مشکل الآثار: ۲/۱۹۳۔

قراءتنا التي جمع الناس عثمان عليها هي العرضة الاخري[1]۔

''ہماری وہ قراءت جس پر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع فرمایا وہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت تھی''۔

حضرت عبیدہ کا یہ قول اس بات پر بالکل صریح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان حروف میں سے کوئی نہیں چھوڑا، جو عرضۂ اخیرہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ حضور ﷺ کے آخری قرآنی دور) کے وقت باقی تھے، اس پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ کا آخری دور صرف ایک حرف قریش پر ہوا تھا اور اسی پر حضرت عثمانؓ نے سب کو جمع کردیا، لیکن یہ بات بہت بعید ہے کہ جو حروف منسوخ نہیں ہوئے تھے وہ اس دور سے خارج رہے ہوں۔

(۵) حضرت محمد بن سیرینؒ بھی مشہور تابعی ہیں، علامہ ابن سعدؒ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

كان جبرئيل يعرض القرآن على النبي ﷺ كل عام مرة في رمضان فلما كان العام الذي توفي فيه عرضه عليه مرتين، قال محمد، فأنا ارجوان تكون قراءتنا العرضة الاخيرة[2]۔

''حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ رمضان میں حضور ﷺ کے سامنے قرآن پیش کیا کرتے تھے، چناں چہ جب وہ سال آیا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو مرتبہ قرآن پیش کیا، پس مجھے امید ہے کہ ہماری موجودہ قراءت اس عرضہ اخیرہ کے مطابق ہے''۔

(۶) حضرت عامر شعبیؒ بھی مشہور تابعی ہیں اور انھوں نے سات سو صحابہ سے استفادہ کیا ہے علامہ ابن الجزریؒ نے ان سے بھی اسی قسم کا قول نقل کیا ہے۔

یہ تینوں حضرات تابعی ہیں اور حضرت عثمانؓ کے عہد سے نہایت قریب ہیں اس لیے ان کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۷) پورے ذخیرۂ احادیث میں ہمیں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک سات حروف کا اختلاف اور دوسرے قراءتوں کا اختلاف، اس کے بجائے بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک چیز ہیں کیوں کہ ایک ہی قسم کے اختلاف پر بیک وقت اختلافِ قراءت اور اختلافِ احرف دونوں الفاظ کا اطلاق کیا گیا ہے، مثال کے طور پر حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں۔

كُنْتُ بِالْمَسْجِدِ، فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي، فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا قَرَأَ قِرَاءَةً

(۱) کنز العمال، جلد: ۱، حدیث نمبر ۴۸۴۴، دائرۃ المعارف دکن ۱۳۱۲ھ یہی روایت حافظ ابن حجر نے بھی مسند احمد، ابن ابی داؤد اور طبری کے حوالہ سے نقل کی ہے (فتح الباری: ۹/۳۶)

(۲) ابن سعد ﷺ: الطبقات الكبري: ۲/۱۹۵، جزو ۲، دار صادر بيروت ۱۳۷۶هـ۔

أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَرَآ، فَحَسَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَأْنَهُمَا، فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ، وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي، ضَرَبَ فِي صَدْرِي، فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرَقًا، فَقَالَ لِي: "يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ[1]۔

میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک اور قراءت پڑھی، پس جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی، اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے، پس جب رسول اللہ ﷺ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اُبی! میرے پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حرفوں پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے، تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔

اس روایت میں حضرت ابی بن کعبؓ دونوں اشخاص کے اختلاف تلاوت کو بار بار اختلافِ قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسی کو آں حضرت ﷺ نے سات حروف کے اختلاف سے تعبیر فرمایا ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ قراءت کے اختلاف اور حروف کے اختلاف کو عہد رسالت میں ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا، اور اس کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو دونوں کی جداگانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور جب قراءت کا محفوظ ہونا تواتر اور اجماع سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ احرفِ سبعہ آج بھی محفوظ ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حروف سبعہ کا جتنا حصہ عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی رہ گیا تھا وہ سارا کا سارا عثمانی مصاحف میں محفوظ کر لیا گیا تھا اور وہ آج تک محفوظ چلا آتا ہے، نہ اسے کسی نے منسوخ کیا اور

[1] صحیح مسلم: ۱/۲۷۳، اصح المطابع، دھلی ۱۳۴۹ھ

نہ اس کی قراءت ممنوع قرار دی گئی لیکن ضروری ہے کہ مکمل وضاحت کے لیے ان ممکنہ سوالات کا جواب بھی دیا جائے جو اس قول پر وارد ہو سکتے ہیں۔

اس قول پر وارد ہونے والے سوالات اور ان کا جواب:

(۱) اس قول پر سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساتوں حروف کو باقی رکھا ہے تو پھر ان کا وہ امتیازی کارنامہ کیا تھا جس کی وجہ سے ان کو ''جامع قرآن'' کہا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ قرآن کریم بے شمار صحابہ کو پورا یاد تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک قرآن کا معیاری نسخہ صرف ایک تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتب فرمایا تھا یہ نسخہ بھی مصحف کی شکل میں نہیں تھا بلکہ ایک ایک سورت علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی، لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے اپنے مصاحف الگ الگ تیار کر رکھے تھے ان میں نہ رسم الخط متحد تھا نہ سورتوں کی ترتیب یکساں تھی اور نہ ساتوں حروف جمع تھے، بلکہ ہر شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس حرف کے مطابق قرآن سیکھا تھا اسی کو اپنے طور پر لکھ لیا تھا، اس لیے کہ مصحف میں کوئی آیت کسی حرف کے مطابق لکھی ہوئی تھی اور دوسرے مصحف میں کسی اور حرف کے مطابق، جب تک عہد رسالت قریب تھا اور مسلمانوں کا تعلق مرکز اسلام یعنی مدینہ طیبہ سے مضبوط اور مستحکم تھا مصاحف کے اس اختلاف سے کوئی قابلِ ذکر خرابی اس لیے پیدا نہ ہو سکی کہ قرآن کریم کی حفاظت میں اصل مدار مصاحف کے بجائے حافظہ پر تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت اس بات سے باخبر تھی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ لیکن جب اسلام دور دراز ممالک تک پھیلا اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوئے تو انھوں نے صرف ایک ایک طریقے سے قرآن سیکھا، اور یہ بات ان میں عام نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے ان میں اختلاف پیش آنے لگا بعض لوگ اپنی قراءت کو حق اور دوسرے کی قراءت کو باطل سمجھنے لگے ادھر چوں کہ انفرادی طور پر تیار کئے ہوئے مصاحف بھی حرف اور رسم الخط کے اعتبار سے مختلف تھے، اور ان میں حروف سبعہ یکجا کرنے کا اہتمام نہیں تھا، اس لیے کوئی ایسا معیاری نسخہ ان کے پاس موجود نہیں تھا جس کی طرف رجوع کر کے اختلاف رفع کیا جا سکے۔

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ صورت حال برقرار رہی اور انفرادی مصاحف کو ختم کر کے قرآن کریم کے معیاری نسخ عالم اسلام میں نہ پھیلائے تو زبردست فتنہ رونما ہو جائے گا اس لیے انھوں نے مندرجہ ذیل کام کئے:

(۱) قرآن کریم کے سات معیاری نسخے تیار کرائے اور انھیں مختلف اطراف میں روانہ کر دیا۔

(۲) ان مصاحف کا رسم الخط ایسا رکھا کہ اسمیں ساتوں حروف سما جائیں چناں چہ یہ مصاحف نقطوں اور حرکات

سے خالی تھے، اور انھیں ہر حرف کے مطابق پڑھا جا سکتا تھا جتنے انفرادی مصاحف لوگوں نے تیار کر رکھے تھے ان سب کو نذرِ آتش کر کے دفن کر دیا۔

(۳) یہ پابندی عائد کر دی کہ آئندہ جتنے مصاحف لکھے جائیں وہ سب ان سات مصاحف کے مطابق ہونے چاہیے۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ کے صحیفے الگ الگ سورتوں کی شکل میں تھے، حضرت عثمانؓ نے ان سورتوں کو مرتب کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی۔

ان اقدامات سے حضرت عثمانؓ کا مقصد یہ تھا کہ پورے عالم اسلام میں رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں حروفِ سبعہ اس طرح جمع ہو جائیں کہ بعد میں کسی شخص کو کسی صحیح قراءت سے انکار کرنے یا غلط قراءت پر اصرار کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے اور اگر کبھی قراءت میں کوئی اختلاف رونما ہو تو مصحف کی طرف رجوع کر کے اسے بآسانی رفع کیا جا سکے۔

یہ بات حضرت علیؓ کے ایک ارشاد سے واضح ہے جو امام ابوداؤد نے کتاب المصاحف میں صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے:

قال علي لا تقولوا في عثمان الا خيرا فوالله مافعل الذي فعل في المصاحف الا عن ملإمنا قال ماتقولون في هٰذه القراءة فقد بلغني ان بعضهم يقول ان قراءتي خير من قراءتك وهٰذا يكاد ان يكون كفرا قلنا فما تري؟ قال أري أن نجمع الناس على مصحف واحد فلاتكون فرقة ولا اختلاف، قلنا فنعم مارأيت. (۱)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیوں کہ اللہ کی قسم انھوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا، انھوں نے ہم سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ان قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کیوں کہ مجھے یہ اطلاع مل رہی ہیں کہ بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے، حالاں یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب تک پہنچتی ہے، اس پر ہم نے حضرت عثمان سے کہا: ''پھر آپ کی کیا رائے ہے؟'' انھوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں، تا کہ پھر کوئی افتراق واختلاف باقی نہ رہے، ہم سب نے کہا آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی ہے۔

یہ حدیث حضرت عثمانؓ کے کام کے بارے میں واضح ترین حدیث ہے، اس میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے نجمع الناس علی مصحف واحد فرما کر یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم ایک ایسا مصحف تیار کرنا چاہتے ہیں جو پورے عالم اسلام کے لیے یکساں ہو اور اس کے ذریعہ باہمی اختلافات کو ختم کیا جا سکے اور اس کے بعد کسی صحیح قراءت کے انکار اور منسوخ یا شاذ قراءت پر اصرار کی گنجائش باقی نہ رہے (۲)۔

(۱) کتاب المصاحف لابن ابي داؤد: ص/۲۲، مطبعہ رحمانیہ مصر ۱۳۵۵ھ۔ وفتح الباری: ۹/ ۱۵۔ (۲) الاتقان: ۱/ ۶۱۔

نیز ابن اشعۃ نے حضرت انس سے نقل کیا ہے:

اختلفوا في القرآن على عهد عثمان حتى اقتتل الغلامان والمعلمون فبلغ ذلك عثمان بن عفان فقال عندي تكذبون وتلحنون فيه فمن نأى عني كان اشد تكذيبا. واكثر لحنا، يااصحاب محمد اجتمعوا فاكتبوا للناس اماماً.

حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا یہاں تک کہ بچے اور معلمین لڑنے لگے یہ اطلاع حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ تم میرے قریب رہتے ہوئے صحیح قراءتوں کی تکذیب کرتے ہو اور پس کیا غلطیاں کرتے ہو لہٰذا جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور غلطیاں کرتے ہوں گے پس اے اصحاب محمد جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک ایسا نسخہ تیار کرو جس کی اقتداء کی جائے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ کا مقصد قرآن کے کسی حرف کا ختم نہیں تھا بلکہ انھیں تو اس بات کا افسوس تھا کہ بعض لوگ صحیح حروف کا انکار کر رہے ہیں اور بعض لوگ غلط طریقے سے تلاوت پر اصرار کر رہے ہیں اس لیے وہ ایک معیاری نسخہ تیار کرنا چاہتے تھے جو پوری دنیائے اسلام کے لیے یکساں ہو[1]۔

لغت قریش پر لکھنے کا مطلب:

(۲) یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جس وقت حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابت کی قیادت میں مصحف قرآنی مرتب کرنے کے لیے صحابہ کی ایک جماعت بنائی تو ان سے فرمایا تھا:

اذا اختلفتم انتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فانما نزل بلسانهم[2]۔

جب تمہارے اور حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان پر لکھنا کیوں کہ قرآن انہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اگر حضرت عثمان نے ساتوں حروف باقی رکھے تھے تو اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت عثمانؓ کا یہی وہ جملہ ہے جس سے حافظ ابن جریر اور بعض دوسرے علماء نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف ختم کر کے صرف ایک حرف قریش کو مصحف میں باقی رکھا تھا لیکن درحقیقت

(۱) بہت سے علماء نے حضرت عثمانؓ کے عمل کی یہی تشریح فرمائی ہے ملاحظہ ہو الفصل في الملل والاهواء والنحل ابن حزم: ۷/ ۷۷، مكتبة المثنى بغداد، اور البيان في علوم القرآن مولانا عبدالحق حقاني باب نمبر ۲ فصل نمبر ۲، ص/ ۶۲، مطبوعه نعیمیه دیوبند ومناهل العرفان للزرقاني: ۱/ ۲۴۸ تا ۲۵۶۔

(۲) صحيح بخاري باب جمع القرآن مع فتح الباري: ۹/ ۱۶۔

اگر حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد پر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے کہ انھوں نے حرف قریش کے علاوہ باقی چھ حروف کو ختم فرمادیا تھا بلکہ مجموعی روایات دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے حضرت عثمانؓ کا یہ مطلب تھا کہ اگر قرآن کریم کی کتابت کے دوران رسم الخط کے طریقے میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اس ہدایت کے بعد صحابہؓ کی جماعت نے جب کتابت قرآن کا کام شروع کیا تو پورے قرآن کریم میں ان کے درمیان صرف ایک اختلاف پیش کیا جس کا ذکر امام زہریؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

فاختلفوا يومئذ في التابوت والتابوه فقال النفر القرشيون التابوت وقال زيد بن ثابت التابوه فرفع اختلافهم الى عثمان فقال اكتبوه التابوت فانه بلسان قريش نزل [1]۔

چناں چہ اس موقع پر ان کے درمیان ''تابوت'' اور تابوۃ میں اختلاف ہوا، قریشی صحابہ کہتے تھے کہ تابوت (بڑی تا سے لکھا جائے) اور حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے تھے کہ تابوۃ (گول تا سے لکھا جائے) پس اس اختلاف کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا جس پر انھوں نے فرمایا کہ التابوت لکھو، کیوں قرآن قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید اور قریشی صحابہ کے درمیان جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے مراد رسم الخط کا اختلاف تھا نہ کہ لغات کا۔

مرادف الفاظ سے تلاوت کا مسئلہ:

(۳) تیسرا سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے سبعہ احرف کے اختلاف کی جو تشریح فرمائی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات حروف مصاحف عثمانی میں شامل نہیں ہوسکے کیوں کہ وہ فرماتے ہیں:

ان جبرئيل ؑقال يا محمد اقرأ القرآن على حرف قال ميكائيل استزده حتي بلغ سبعة احرف، قال كلٌ شافٍ كافٍ مالم تخلط اية عذاب برحمة اورحمة بعذاب نحو قولك تَعَالِ وَاَقبِلْ وَهَلُمَّ واذهَب وَاَسرِعْ وعَجِلْ [2]۔

''جبرئیل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا کہ اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا اس میں اضافہ کروائیے، یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپ ﷺ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ

(۱) کنز العمال: ۱/ ۲۸۲، حدیث نمبر ۴۷۸۳، بحوالہ ابن سعد وغیرہ وفتح الباری: ۹/ ۱۶، بحوالہ ترمذی۔
(۲) یہ الفاظ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔ اوجز المسالک: ۲/ ۳۵۷۔

کردیں، یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے آپ تعالیٰ (آؤ) کے معنی کو اقبل، ھلم، اذھب، اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبعۃ احرف کا اختلاف درحقیقت مرادف الفاظ کا اختلاف تھا یعنی ایک حرف میں کوئی ایک لفظ اختیار کیا گیا تھا اور دوسرے حرف میں اسی کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ حالاں کہ عثمانی مصاحف میں جو قراءتیں جمع ہیں ان کے درمیان مرادفات کا یہ اختلاف بہت کم ہے ان قراءتوں میں جو اختلاف ہے وہ زیادہ تر حرکات، صیغوں، تذکیر و تانیث اور لہجوں کا اختلاف ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم نے سات حروف کی جس تشریح کو اختیار کیا ہے اس میں قراءتوں کے درمیان سات قسم کے اختلافات بیان کئے گئے ہیں ان سات اقسام میں سے ایک قسم بدلیت مرادفہ کا اختلاف ہے، حضرت ابوبکرہؓ نے یہاں سات حروف کے مکمل تشریح نہیں فرمائی بلکہ ان کی صرف ایک مثال دی ہے اس لیے اختلاف کی صرف ایک قسم یعنی اختلاف الفاظ بدلیت کا ذکر فرمایا ہے۔

اب اختلافِ قراءات کی یہ قسم یعنی اختلاف الفاظ ابتدائے اسلام میں بہت زیادہ تھی، چوں کہ تمام اہل عرب لغتِ قریش کے پوری طرح عادی نہ تھے، اس لیے شروع میں انھیں یہ سہولت زیادہ سے زیادہ دی گئی تھی، کہ وہ آں حضرت ﷺ سے سنے ہوئے متبادل الفاظ میں سے جس لفظ کے ساتھ چاہیں تلاوت کرلیا کریں چناں چہ شروع میں ایسا بکثرت تھا کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہو اور دوسری قراءت میں اس کا ہم معنی دوسرا لفظ، لیکن جب لوگ لغتِ قرآن سے پوری طرح مانوس ہوگئے تو اختلاف قراءت کی یہ قسم رفتہ رفتہ کم کردی گئی یہاں تک کہ آں حضرت ﷺ کی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے قرآن کریم دو مرتبہ دور فرمایا، اس وقت بہت سے الفاظ منسوخ کردیئے گئے اور اس طرح الفاظ مرادفہ کا اختلاف بہت کم رہ گیا۔

اب حضرت عثمانؓ نے وہ الفاظ مرادفہ اپنے مصاحف میں جمع نہیں فرمائے جو اس آخری دور میں منسوخ ہو چکے تھے کیوں کہ ان کی حیثیت سے اب منسوخ التلاوۃ آیات کی سی تھی، البتہ قراءتوں کا جو اختلاف آخری دور میں بھی باقی رکھا گیا تھا اسے حضرت عثمانؓ نے جوں کا توں باقی رکھا، لہٰذا حضرت ابوبکرہؓ نے حروف کے اختلاف کی جو قسم مذکورہ حدیث میں بطور مثال مذکور فرمائی ہے وہ قسم ہے جس کی بیشتر جزئیات عرضۂ اخیر کے وقت منسوخ ہو چکی تھیں، چناں چہ وہ مصاحف عثمانی میں شامل نہیں ہوسکیں اور نہ موجودہ قراءت ان پر مشتمل ہیں۔

مذکورہ بالا نتائج تین مقدمات سے مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) عرضۂ اخیرہ (حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ حضور ﷺ کے آخری قرآنی دور کے وقت قرآن کریم کی متعدد قراءتیں منسوخ کی گئی تھیں۔

(۲) حضرت عثمانؓ نے مصاحف عثمانی کو عرضۂ اخیرہ کے مطابق ترتیب دیا۔

(۳) حضرت عثمانؓ کے مصحف میں مرادف الفاظ کا وہ اختلاف موجود نہیں ہے جو حضرت ابوبکرہؓ نے بیان فرمایا ہے

جہاں تک تیسرے مقدمہ کا تعلق ہے وہ تو بالکل ظاہر ہے اور دوسرے مقدمہ کے دلائل ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں جن میں سے صریح ترین دلیل حضرت عبیدہ سلمانیؒ کا یہ ارشاد ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ہمیں جس قراءت پر جمع کیا وہ عرضۂ اخیرہ کے مطابق تھی[1]۔

اب پہلا مقدمہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت متعدد قراءتیں منسوخ ہوگئی تھیں، اس کی دلیل محقق ابن الجزریؒ کا یہ راشاد ہے:

وَلَا شَكَّ أَنَّ الْقُرْآنَ نُسِخَ مِنْهُ وَغُيِّرَ فِيهِ فِي الْعَرْضَةِ الْأَخِيرَةِ فَقَدْ صَحَّ النَّصُّ بِذٰلِكَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَرَوَيْنَا بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَيُّ الْقِرَاءَتَيْنِ تَقْرَأُ؟ قُلْتُ: الْأَخِيرَةَ قَالَ: فَإِنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كَانَ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى جِبْرِيلَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً قَالَ: فَعَرَضَ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ النَّبِيُّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مَرَّتَيْنِ، فَشَهِدَ عَبْدُ اللّٰهِ - يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ - مَا نُسِخَ مِنْهُ وَمَا بُدِّلَ[2]۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضۂ اخیرہ کے موقع پر قرآن کریم میں بہت کچھ منسوخ کیا گیا اور بدلا گیا ہے کیوں کہ اس کی تصریح متعدد صحابہؓ سے منقول ہے، ہم تک صحیح سند کے ساتھ حضرت زربن حبیشؒ کا یہ قول پہنچا ہے کہ مجھ سے ابن عباسؓ نے پوچھا تم کونسی قراءت پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کہ آخری قراءت، انھوں نے فرمایا کہ آں حضرت ﷺ ہر سال ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، پس جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا اس موقع پر جو کچھ منسوخ ہوا اور جس قدر تبدیلی کی گئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے شاہد تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے منسوخ قرار دے دی گئی تھیں، حضرت ابوبکرہؓ نے مرادف الفاظ کے جس اختلاف کا ذکر فرمایا ہے اس کی بہت سی جزئیات بھی یقیناً اسی وقت منسوخ ہوگئی ہوں گی، کیوں کہ حضرت عثمانؓ نے عرضۂ اخیرہ کے مطابق مصحف تیار کرائے ہیں ان میں الفاظ مرادفہ کا اختلاف بہت شاذ و نادر ہے۔

نتائج بحث:

"حرف سبعہ" کی یہ بحث اندازے سے زیادہ طویل ہوگئی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حاصل

(۱) کنز العمال، ۱/ ۲۸۶۔ حدیث نمبر: ۴۸۳۲

(۲) النشر في القراءات العشر: ۱/ ۳۲۔

ہونے والے نتائج کا خلاصہ آخر میں پیش کر دیا جائے، تا کہ اسے یاد رکھنا آسان ہو۔

(۱) امت کی آسانی کی خاطر آں حضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ فرمائش کی کہ قرآن کریم کی تلاوت کو صرف ایک ہی طریقے میں منحصر نہ رکھا جائے بلکہ اپنے مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی جائے چناں چہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کر دیا گیا۔

(۲) سات حروف پر نازل کرنے کا راجح ترین مطلب یہ ہے کہ اس کی قراءت میں سات نوعیتوں کے اختلاف رکھے گئے جن کے تحت بہت سی قراءتیں وجود میں آگئیں۔

(۳) شروع شروع میں ان سات وجوہ اختلاف میں سے اختلاف الفاظ و مرادفات کی قسم بہت عام تھی، یعنی ایسا بکثرت تھا کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہوتا تھا اور دوسری قراءت میں اس کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ، لیکن رفتہ رفتہ جب اہل عرب قرآنی زبان سے پوری طرح مانوس ہو گئے تو یہ قسم کم ہوتی گئی یہاں تک کہ جب آں حضرت ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا آخری دور کیا جسے اصطلاح میں عرضۂ اخیرہ کہتے ہیں، تو اس میں اس قسم کے اختلافات بہت کم کر دیئے گئے، اور زیادہ ترصیغوں کی بناوٹ، تذکیر و تانیث اور افراد و جمع معروف مجہول اور لہجوں کے اختلافات باقی رہے۔

(۴) جتنے اختلافات عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی رہ گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ان سب کو اپنے مصاحف میں اس طرح جمع فرما دیا کہ ان کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا، لہٰذا قراءتوں کے بیشتر اختلافات اس میں سما گئے اور جو قراءتیں اس طرح ایک مصحف میں نہیں سما سکیں انھیں دوسرے مصاحف میں ظاہر کر دیا اسی بناء پر عثمانی مصاحف میں نہیں کہیں ایک ایک دو دو لفظ کا اختلاف پیدا ہوا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے اس طرح سات مصاحف لکھوائے اور ان میں سورتیں بھی مرتب کروا دیں جب کہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں میں سورتیں غیر مرتب تھیں، نیز قرآن کریم کے لیے ایک رسم الخط متعین کر دیا اور جو مصاحف اس ترتیب اور اس رسم الخط کے خلاف تھے انھیں نذر آتش کر دیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کی ترتیب عثمانی مصاحف سے مختلف تھی اور وہ اس ترتیب کو باقی رکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے اپنا مصحف نذر آتش کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کے حوالے نہیں کیا۔

سات حروف کے بارے میں اختلاف آراء کی حقیقت ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آخر میں ایک اور بنیادی غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ''سبعۃ احرف'' کی مذکورہ بحث کو پڑھنے

والا سرسری طور پر اس شبہ میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم جیسی بنیادی کتاب کے بارے میں جو حفاظت خداوندی کے تحت آج تک بغیر کسی ادنی تغیر کے محفوظ چلی آرہی ہے مسلمانوں میں اتنا زبردست اختلاف آراء کیسے پیدا ہوگیا؟

لیکن ''سبعۃ احرف'' کی بحث میں جو اقوال ہم نے پیچھے نقل کئے ہیں اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس شبہ کا جواب بآسانی معلوم ہوجاتا ہے جو شخص بھی اس اختلاف آرا کی حقیقت پر غور کرے گا اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ سارا اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے، اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور اس کے بعینہٖ محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی ادنی اثر بھی مرتب نہیں ہوتا چوں کہ اس بات پر سب کا بلا استثناء اتفاق ہے کہ قرآن کریم جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے، اس میں کوئی ادنیٰ تغیر نہیں ہوا اس بات پر بھی تمام اہل علم متفق ہیں کہ قرآن کریم کی جتنی قراءتیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت ان میں سے ہر ایک کے مطابق کی جاسکتی ہے، اس بات پر بھی پوری امت کا اجماع ہے کہ متواتر قراءتوں کے علاوہ جو شاذ قراءتیں مروی ہیں انھیں قرآن کریم کا جزء قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ ''عرضۂ اخیرہ'' یا اس سے پہلے جو قراءتیں منسوخ کردی گئیں، وہ خود آں حضرت ﷺ کے ارشاد کے بموجب قرآن کا جز نہیں رہیں، یہ بات بھی سب کے نزدیک ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن کے سات حروف میں جو اختلاف تھا وہ صرف لفظی تھا، مفہوم کے اعتبار سے تمام حروف بالکل متحد تھے، لہٰذا اگر کسی شخص نے قرآن کریم صرف ایک قراءت یا حرف کے مطابق پڑھا ہو تو اسے قرآنی مضامین حاصل ہوجائیں گے اور قرآن کی ہدایات حاصل کرنے کے لیے اسے کسی دوسرے حرف کو معلوم کرنے کی احتیاج نہیں ہوگی، اس میں بھی کوئی ادنیٰ اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار کرائے وہ کامل احتیاط سینکڑوں صحابۂ کرامؓ کی گواہی اور پوری امتِ مسلمہ کی تصدیق کے ساتھ تیار ہوئے تھے، اور ان میں قرآن کریم ٹھیک اس طرح لکھ دیا گیا تھا جس طرح وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس میں کسی ایک متنفس کو بھی اختلاف نہیں ہوا (۱)۔

لہٰذا جس اختلاف کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے وہ صرف اتنی بات میں ہے کہ حدیث میں ''سات حروف'' سے کیا مراد تھی؟ اب جتنی متواتر قراءتیں موجود ہیں وہ سات حروف پر مشتمل ہیں یا صرف ایک حرف پر؟ یہ محض ایک علمی نظریاتی اختلاف ہے، جس سے کوئی علمی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ ان اختلافات کی بناء پر قرآن کریم معاذ اللہ مختلف فیہ ہوگیا ہے، اس کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے ایک کتاب کے بارے میں ساری دنیا اس بات پر متفق ہو کہ یہ فلاں مصنف کی لکھی ہوئی ہے اس مصنف کی طرف اس کی نسبت قابل اعتماد ہے اور خود اسے اس نے چھاپ کر تصدیق کردی کہ یہ میری لکھی ہوئی کتاب ہے اور اس نسخے کے مطابق قیامت تک اسے شائع کیا جاسکتا ہے، لیکن

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مصحف کو باقی رکھنے پر تو مصر رہے، لیکن مصاحف عثمانیؓ کی کسی بات پر انھوں نے ادنیٰ اختلاف نہیں فرمایا۔

بعد میں لوگوں کے درمیان یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ مصنفؒ نے اپنے مسودے میں طباعت سے قبل کوئی لفظی ترمیم کی تھی یا جیسا شروع میں لکھا تھا ویسا ہی شائع کر دیا، ظاہر ہے کہ محض اتنے سے نظری اختلاف کی بنا پر وہ روشن حقیقت مختلف فیہ نہیں بن جاتی جس پر سب کا اتفاق ہے، یعنی یہ کہ وہ کتاب اسی مصنف نے اپنی ذمہ داری پر طبع کی ہے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور قیامت تک اپنی طرف منسوب کر کے شائع کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح جب پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن کریم کو مصاحفِ عثمانی میں ٹھیک اسی طرح لکھا گیا ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور اس کی تمام متواتر قراءتیں صحیح اور منزل من اللہ ہیں، تو یہ حقائق ان نظری اختلافات کی بناء پر مختلف فیہ نہیں بن سکتے، جو حروف سبعہ کی تشریح میں پیش آئے ہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴۷۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، قَالَ: قَالَ الزُّهْرِيُّ:
«إِنَّمَا هَذِهِ الْأَحْرُفُ فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ، لَيْسَ تَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ»

ترجمه: حضرت معمر کہتے ہیں کہ زہری کا قول ہے کہ یہ قراءتوں کا اختلاف لفظی ہے، حلال وحرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تشریح اثر: یہ راوی حدیث ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ قراءت کے یہ سات طریقے دینی احکام وامور میں متفق ومتحد ہیں، حلال وحرام میں ان سے کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ قرآن کی اگر کوئی آیت کسی ایک قراءت سے پڑھی جائے اور اس آیت میں کسی چیز کے حلال ہونے کا ذکر موجود ہو اور پھر جب وہی آیت دوسری قراءت سے پڑھی جائے تو اس اختلافِ قراءت سے حکم میں تغیر ہو جائے اور وہی چیز جو پہلی قراءت سے حلال ثابت ہو رہی تھی اب دوسری قراءت کی بناء پر حرام ہو جائے ایسا نہیں ہے بلکہ ایک قراءت سے کسی چیز کے حلال ہونے کا حکم ثابت ہوتا ہے تو دوسری قراءت سے بھی اس چیز کے حلال ہونے کا ہی حکم ثابت ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ اختلافِ قراءت کا تعلق صرف الفاظ، لہجہ اور صورت سے ہے، احکام ومعانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مظاہر حق: ۳/ ۷۰)

۱۴۷۷- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

۱۴۷۶- أخرجه احمد (۱/ ۲۶۳) (۲۳۷۵)، (۱/ ۲۹۹) (۲۷۱۷) ومسلم رقم (۸۱۹) في الصلاة، باب بيان ان القرآن أنزل على سبعة أحرف.

۱۴۷۷- أخرجه مسلم رقم (۸۲۰) في الصلاة، باب بيان أن القرآن انزل على سبعة أحرف، والترمذي رقم (۲۹۴۵) في القراءات، باب ما جاء ان القرآن انزل على سبعة احرف، وإسناده حسن. وأخرجه النسائي: ۲/ ۱۵۲، و ۱۵۴، في الصلاة، باب جامع ما جاء في القرآن، والرواية الثانية: سندها حسن.

يَعْمَرَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا أُبَيُّ، إِنِّي أُقْرِئْتُ الْقُرْآنَ فَقِيلَ لِي: عَلَى حَرْفٍ، أَوْ حَرْفَيْنِ؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِي: قُلْ: عَلَى حَرْفَيْنِ، قُلْتُ: عَلَى حَرْفَيْنِ، فَقِيلَ لِي: عَلَى حَرْفَيْنِ، أَوْ ثَلَاثَةٍ؟ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِي: قُلْ: عَلَى ثَلَاثَةٍ، قُلْتُ: عَلَى ثَلَاثَةٍ، حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ "، ثُمَّ قَالَ: " لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ، إِنْ قُلْتَ: سَمِيعًا عَلِيمًا عَزِيزًا حَكِيمًا، مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ، أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ "

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اُبی! مجھے قرآن پڑھایا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا قرآن ایک حرف (لہجہ) پر پڑھنا چاہتے ہو یا دو حرفوں پر؟ تو اس وقت جو فرشتہ قرآن پڑھانے کے لیے میرے پاس تھا، اس نے کہا: اے محمد ﷺ! کہہ دیجیے کہ دو حرفوں پر، میں نے عرض کیا کہ: دو حرفوں پر، اس کے بعد مجھ سے پوچھا گیا کہ دو حرفوں پر قرآن پڑھنا پسند ہے یا تین حرفوں پر؟ پھر اسی فرشتہ نے جو میرے پاس تھا کہا: کہہ دیجیے تین حرفوں پر، پس میں نے عرض کیا: تین حرفوں پر اور پھر یہ سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے اور اس کی اجازت پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ہر حرف (یعنی ہر لہجہ اور طریقہ) شافی اور کافی ہے؛ لہٰذا تو چاہے تو سمیعاً علیماً پڑھ اور چاہے تو عزیزاً حکیماً (اس حد تک تو درست ہے مگر یہ درست نہیں کہ تو) عذاب کی آیت کو رحمت پر ختم کرے اور رحمت کی آیت کو عذاب کی آیت پر۔

تشریح حدیث: قولہ: "أقرئت القرآن" صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے، اور پڑھانے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

قولہ: "فقيل لي على حرف" اس میں قائل یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں اور مطلب ہے کہ اے محمد! کیا آپ ایک لغت کے مطابق پڑھنا چاہتے ہیں یا زیادہ؟ یا قائل کوئی فرشتہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا آپ ایک لغت پر پڑھنا پسند کریں گے یا دو لغتوں کے مطابق؟ اور یہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تخییر ہے، دوسری روایات کو سامنے رکھ کر یہ لکھنا قرین قیاس ہے کہ اولاً تو پیغمبر علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے بطورِ شفقت کے اللہ تعالیٰ سے ایک سے زائد لغتوں پر پڑھنے کی اجازت مانگی اسی اجازت طلبی کی بناء پر آپ ﷺ کو یہ تخییر دی گئی تھی۔

قولہ: فقال الملك الذى مَعِي: نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اس فرشتہ کا نام میکائیل ہے، کیوں کہ تفصیلی روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل اور میکائیل دونوں میرے پاس آئے، جبرئیل تو میری دائیں جانب بیٹھے اور میکائیل میری بائیں جانب بیٹھے، حضرت جبرئیل نے مجھ سے ایک لغت پر پڑھنے کے لیے کہا تو حضرت میکائیل

نے ایک سے زیادہ لغتوں پر پڑھنے کی اجازت لینے کا مشورہ دیا یہاں تک کہ سات لغتوں پر پڑھنے کی اجازت مل گئی۔

قوله: ليس منها إلا شاف كاف: یعنی ان سات قراءتوں میں سے ہر قراءت کفر وشرک اور ظلم وجہل کے روگ کو دفع کرتی ہے، اور کافی ہے یعنی نبی کی صداقت، دین اسلام کی حقانیت اور منکرین دین کے رد کے لیے کافی ہے، یا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کی معرفت کے سلسلہ میں مؤمنین کے دلوں کی شفاء ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی حجت کے لیے کافی ہے۔

قوله: إن قُلتَ سميعًا عليمًا: یعنی ''عزیز حکیم'' کی جگہ ''سمیعا علیما'' یا اس کے برعکس کہہ دیا تو جائز ہے، مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ایک صفت کو دوسری صفت سے بدل دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ کسی آیت رحمت کو آیتِ عذاب پر یا آیتِ عذاب کو آیتِ رحمت پر ختم نہ کیا جائے، مثلاً کوئی آیت رحمت چل رہی ہو اور اس کو ''شدید العقاب'' کے ذریعہ ختم کر دیا جائے یا آیت عذاب چل رہی ہو اور اس کو ''غفور رحیم'' پر ختم کیا جائے، تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ نظم قرآن کے لیے مخل اور معنی کو بدل دیتا ہے۔

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح ایک صفت کی جگہ دوسری صفت پڑھنا اس وقت تک جائز تھا جب تک مصحف عثمانی کی ترتیب پر اجماع منعقد نہیں ہوا تھا اور جب اس پر اجماع منعقد ہو گیا تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ''سمیع علیم'' کی جگہ ''عزیز حکیم'' پڑھے، البتہ اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (المنہل العذب المورود: ۸/ ۱۴۲)

یہاں پر یہ سوال کہ مختلف لغات میں تلاوت کی اجازت امت کی آسانی کے لیے تھی اور منصوص من الشارع تھی تو بعد میں اس کے خلاف اجماع کیسے منعقد ہو گیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تو اس سے امت کے لیے آسانی تھی لیکن بعد میں یہ چیز اختلاف کا سبب بن گئی اس لیے رفع نزاع کی وجہ سے ایک لغت پر استقرار ہوا اور اب رفع اختلاف کی وجہ سے اسی کو تیسیر پر محمول کر لیا گیا۔ واللہ اعلم

۱۴۷۸- حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَ أَضَاةِ بَنِي غِفَارٍ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: عَزَّ وَجَلَّ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ عَلَى حَرْفٍ، قَالَ: «أَسْأَلُ اللَّهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ، أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذَلِكَ»، ثُمَّ أَتَاهُ ثَانِيَةً فَذَكَرَ نَحْوَ هَذَا حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ، قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُقْرِئَ أُمَّتَكَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوا عَلَيْهِ، فَقَدْ أَصَابُوا»

ترجمه: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنی غفار کے ایک تالاب کے پاس

۱۴۷۸- أخرجه مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: القرآن نزل على سبعة أحرف (۸۲۱)، النسائي: كتاب الافتتاح الصلاة (۹۳۰)

تھے تبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تم کو حکم کرتا ہے کہ اپنی امت کو قرآن ایک حرف پر پڑھاؤ، آپ ﷺ نے فرمایا: اس معاملہ میں میں اللہ سے معافی اور مغفرت کا خواست گار ہوں؛ کیونکہ میری امت اس سختی کی متحمل نہیں ہوسکتی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تیسری مرتبہ تشریف لائے (اور دو حرفوں پر پڑھانے کا حکم لائے مگر آپ ﷺ نے پھر اپنی امت کی کمزوری کو پیش کیا) یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت ملی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم اپنی امت کو سات حرفوں تک قرآن سکھاؤ، پس وہ جس حرف اور جس لہجہ پر بھی پڑھیں گے وہ صحیح ہوگا۔

تشریح حدیث: قوله: أضاة بني غفار: أَضَاةَ بروزن "حَصَاةَ" بمعنی تالاب، اس کی جمع أَضَى آتی ہے، جیسا کہ "حَصَاة" کی جمع حَصَى آتی ہے، یہ مدینہ منورہ میں ایک تالاب تھا جو قبیلۂ بنو غفار کی جانب منسوب تھا۔

قوله: أَسْأَلُ مَعَافَاتَه الخ: أَسْأَلُ صیغۂ متکلم پیغمبر علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عفوو درگزر اور معافی کا طلب گار ہوں میری امت ایک قراءت پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، اس لیے کہ سب کو لغت قریش کی ممارست اور مشق نہیں ہے، ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میری امت میں بوڑھے، جوان اور بچے ہر قسم کے افراد ہیں، اس پر اللہ کی طرف سے اجازت ملی کہ دو قراءتوں پر پڑھ سکتے ہیں۔

دوسرا احتمال یہاں یہ ہے کہ "اسأَلْ" صیغہ امر ہے رسول اللہ ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ایک سے زیادہ قراءتوں پر پڑھنے کی جازت لیجئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کی خدمت میں بار بار گئے اور ایک سے زیادہ قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت طلب کی یہاں تک کہ سات قراءتوں میں پڑھنے کی جازت مل گئی، ان سات قراءتوں میں سے جس کے مطابق بھی پڑھا جائے درست ہی ہوگا، فقہی لحاظ سے بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ

دعاء کا بیان

کتاب الصلوٰۃ کا اختتام قریب ہے، اخیر میں مصنفؒ نماز جیسی اہم ترین عبادت کے مسائل سے مربوط دعا کی اہمیت، فضیلت اور آداب کو بیان فرمارہے ہیں، اور اس مقصد کے لیے مصنفؒ نے اس باب میں کل چودہ صحابۂ کرامؓ کی اکیس روایات کو نقل فرمایا ہے، ہم ان روایات کی تشریح سے قبل دعا سے متعلق چند اہم مسائل کو قدرے تفصیل سے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں یہ چند مسائل حسب ذیل ہیں:

دعا کے معنی

دعا کی فضیلت

دعا کا حکم　　　　　　　　　　　　دعا کے آداب
فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت

دعا کے معنیٰ:

"دُعَاءٌ" مصدر ہے، دَعَوْتُ اللهَ أَدْعُوْهُ دُعَاءً جس کے معنی ہیں مانگنا، پکارنا، اور شریعت کی اصطلاح میں انسان کا اپنے خالق ومالک سے مانگنا دعا ہے، دعا کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

حَقِيقَةُ الدُّعَاءِ اسْتِدْعَاءُ الْعَبْدِ مِنْ رَبِّهِ الْعِنَايَةَ وَاسْتِمْدَادُهُ إِيَّاهُ الْمَعُونَةَ، وَحَقِيقَتُهُ إِظْهَارُ الافْتِقَارِ إِلَيْهِ، وَالْبَرَاءَةُ مِنَ الْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ الَّتِي لَهُ، وَهُوَ سِمَةُ الْعُبُوْدِيَّةِ وَإِظْهَارُ الذِّلَّةِ الْبَشَرِيَّةِ، وَفِيهِ مَعْنَى الثَّنَاءِ عَلَى اللهِ، وَإِضَافَةُ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ إِلَيْهِ. (إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: ۵/۲۷-۲۸، دار الفكر)

دعا کی فضیلت:

دعا کی فضیلت کے سلسلے میں بہت سی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند کا ہم ذکر کرتے ہیں:
قرآن حکیم میں ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ۔ (سورۂ بقرہ آیت/ ۱۸۶)

ترجمہ: اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں پس بیشک میں قریب ہوں، دعا کرنے والوں کی دعا میں قبول کرتا ہوں جب کہ وہ مجھ سے دعا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝۶۰ (سورۂ مومن: آیت/ ۶۰)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت (دعا) سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اسی طرح احادیث شریفہ میں بھی دعا کی بہت فضیلت آئی ہے:

عن أنسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: "الدعاء مخ العبادة" (سنن ترمذي، كتاب الدعوات، حديث/ ۳۳۶۸)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ: "ليس شيء أكرم على الله من الدعاء" (سنن ترمذي،

كتاب الدعوات، حديث/٣٣٦٧)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی معزز اور مکرم چیز نہیں ہے۔

جب بندہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حیاء آتی ہے کہ اس کا ہاتھ خالی لوٹائے، حدیث میں ہے:

عن سلمان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: إن ربكم حيي كريم يستحي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا. (سنن ترمذي: كتاب الدعوات، حديث/ ٣٥٥١، وابوداؤد، حديث/١٤٨٨)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا رب شرم والا ہے اور کریم ہے اپنے بندے سے شرم کرتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے اٹھاتا ہے کہ ان کو خالی ہاتھ واپس لوٹائے۔

نیز جس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له أبواب الرحمة. (سنن ترمذي، حديث/ ٣٥٤٢)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا تو اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھل گیا۔

ایک حدیث میں بندوں کو دعا کا حکم بھی دیا گیا ہے:

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: فعليكم عباد الله بالدعا. (سنن ترمذي، حديث/ ٣٥٤٢)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندوں دعا کو لازم کرلو۔

دعا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے اور فارغ ہو کر ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے حدیث میں ہے:

عن مالك بن يسار قال: قال رسول الله ﷺ: إذا سألتم الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسئلوه بظهورها، فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم. (مشكوة شريف: ص/١٩٥، بحواله سنن ابوداؤد)

حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اللہ سے دعا کرو تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو، اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لو۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔

عن يزيد بن السائب عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا دعا فرفع يديه مسح وجهه بيديه (مشکوۃ: ص/١٩٦)

حضرت سائب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر فارغ ہوتے تو ان کو اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کی بہت اہمیت ہے اور اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم بھی فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا کو عبادت کا مغز فرمایا ہے، عبادت کی حقیقت خضوع اور تذلل ہے جو دعا میں کامل طور پر موجود ہے، ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے میں اپنی عبدیت اور احتیاج کا ایسا مظاہرہ ہے جو کسی اور طریقہ میں نظر نہیں آتا، دعا میں اللہ رب العزت کی معبودیت اور حمدیت اور قادر مطلق و معطی ہونے کا اقرار ہے اس لیے دعا کو مخ العبادۃ فرمایا گیا ہے اور اس کی اہمیت وفضائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے کچھ ہم نے نقل کر دیئے ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا:

نماز کے بعد دعا کی خاص اہمیت ہے، یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے دعا نہ کرنے پر وعید ہے خود نبی کریم ﷺ کا عمل بھی یہی ہے قدرے تفصیل ملاحظہ ہو:

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال له: أوصيك يا معاذ! لا تدعن دبر كلِّ صلاة أن تقول: أللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (بلوغ المراغ: ص/۲۷)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑو، دعا یہ ہے: **أللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك.**

عن أبي أمامة قال: قيل يارسول الله! أى الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (رواه الترمذي)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہ کہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

کتاب ''دلیل الطالب علي ارجح المطالب'' میں نواب صدیق حسن صاحب نے لکھا ہے: واین ہر دو حدیث دلالت دارد برآں کہ دعا بعد فریضہ می باید'' کہ یہ دونوں حدیثیں نمازِ فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (ص/۳۲۳)

حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی نے اپنی کتاب ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں حدیث نقل کی ہے:

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ أَدِيبَوَيْه، ثنا أَبُو يَعْقُوبَ إِسْحَاقُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ الْبَالِسِيُّ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْبَالِسِيُّ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ

قَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِلٰهِي وَإِلٰهَ إِبْرَاهِيمَ، وَإِسْحَاقَ، وَيَعْقُوبَ، وَإِلٰهَ جِبْرَائِيلَ، وَمِيكَائِيلَ، وَإِسْرَافِيلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، أَسْأَلُكَ أَنْ تَسْتَجِيبَ دَعْوَتِي، فَإِنِّي مُضْطَرٌّ، وَتَعْصِمَنِي فِي دِينِي فَإِنِّي مُبْتَلًى، وَتَنَالَنِي بِرَحْمَتِكَ فَإِنِّي مُذْنِبٌ، وَتَنْفِيَ عَنِّي الْفَقْرَ فَإِنِّي مُتَمَسْكِنٌ، إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَا يَرُدَّ يَدَيْهِ خَائِبَتَيْنِ"

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے پھر یوں دعا کرتا ہے "اللهم إلهي..." تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کے دونوں ہاتھوں کو ناکام اور خالی واپس نہ کرے۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ۱/۳۸/۱۳۸)

اس حدیث کو مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ نے بھی اسی طرح کے ایک استفتاء کے جواب میں نقل فرمایا ہے اور حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے، اگر یوں کہا جائے کہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن متکلم فیہ راوی ہیں تو کہا جائے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لیے کافی ہے، چناں چہ ابن ہمامؒ فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں: **والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع.** (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۱۳۱)

یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث کو اور اس جیسی دوسری احادیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور خود غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں: بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے۔ (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۱۷ء)

اس کے علاوہ نماز کے بعد دعا نہ کرنے پر وعید بھی آئی ہے، چناں چہ سنن ترمذی میں ایک روایت حضرت فضل ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں تشہد ہے اور خشوع، عاجزی اور مسکینی ہے اور دونوں ہاتھوں کا اپنے رب کی طرف اٹھانا ہے اس حالت میں کہ تم کہو یا رب یا رب اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ ایسا ویسا ہے۔

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى، تَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَتَخَشَّعُ، وَتَضَرَّعُ، وَتَمَسْكَنُ، وَتُقْنِعُ يَدَيْكَ، يَقُولُ: تَرْفَعُهُمَا إِلَى رَبِّكَ، مُسْتَقْبِلاً بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ، وَتَقُولُ: يَارَبِّ يَارَبِّ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا.

اس حدیث کے بعد ترمذی کی شرح الکوکب الدری میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں لفظ مستقبلاً سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے یہی معمول ہے۔ (الکوکب الدری: ۱/۱۷۱)

حضور اکرم ﷺ کا بہ نفس نفیس نماز کے بعد دعا کرنا اور مختلف دعاؤں کا آپ ﷺ سے منقول ہونا مختلف احادیث میں وارد

ہوا ہے، ہم چند احادیث کو مع ترجمہ کے یہاں نقل کرتے ہیں اور یہ روایتیں اپنی سندی حیثیت سے مقبول اور صحیح درجہ کی ہیں۔

(۱) عَنْ وَرَّادٍ، كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ: «لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ، وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ»

وراد مغیرہؓ کے منشی روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے مجھ سے ایک خط میں معاویہؓ کو یہ لکھوایا کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی ہے بادشاہت، اور اسی کے لیے ہے تعریف، اور وہ ہر بات پر قادر ہے، اے اللہ جو کچھ تو دے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کوشش والے کی کوشش تیرے سامنے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

(۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ يُسَلِّمُ «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا»

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز صبح سے سلام پھیر کر پڑھتے تھے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا» اے اللہ! میں آپ سے علم نافع پاکیزہ روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔

(۳) كَانَ سَعْدٌ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هَؤُلاَءِ الكَلِمَاتِ كَمَا يُعَلِّمُ المُعَلِّمُ الغِلْمَانَ الكِتَابَةَ وَيَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُنَّ دُبُرَ الصَّلاَةِ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ»

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے، جس طرح معلم لوگوں کو کتابت سکھاتے ہیں اور کہتے جاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کو پڑھا کرتے تھے، وہ کلمات یہ ہیں: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ۔

(۴) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ، قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ»

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تو فرماتے: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ۔

(۵) عن الأسود العامري عن أبيه قال: "صليت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه

ودعا". (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۴۸/۷، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبۃ)

حضرت اسود العامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ مڑ گئے اور آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی۔

مذکورہ بالا احادیث سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے اس میں کسی طالب حق کو شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونی چاہیے، اور انھیں احادیث سے بطریق اشارۃ النص یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے تو صحابہ کرامؓ یقیناً اس دعا میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت فرماتے تھے اس لیے مقام غور ہے کہ اگر کوئی مرشد کامل کسی مجلس میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائے تو کیا مریدین اپنے مرشد کی موافقت نہیں کریں گے؟ اگر استاذ درس میں اتفاقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو کیا درس میں حاضر باش طلبہ استاذ کا منہ تکتے رہیں گے، اور دعا میں شرکت نہیں کریں گے؟ کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ تو جب یہ مسلم ہے کہ یقیناً مریدین اور طلبہ یقیناً استاذ اور مرشد کی اتباع میں ہاتھ اٹھا کر دعا میں شرکت کریں گے تو رسول مقبول ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائیں اور حضرات صحابہ جو مجسم اطاعت اور جذبہ اتباع سے سرشار تھے، وہ حضور اکرم ﷺ کا منہ دیکھتے رہے ہوں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں حضور ﷺ کی موافقت نہ کی ہو، نہ یہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ تسلیم کیا جاسکتا ہے، یقیناً ضرور بالضرور صحابہ کرام نے موافقت کی ہوگی، اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی تو حاضر باش صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا میں شرکت فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں تفصیل ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے ہیں، عیال ہلاک ہوگئے، لوگ ہلاک ہوگئے، پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو اٹھا کر دعا فرمائی اور تمام لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعا مانگی۔

ملاحظہ فرمائیں اس حدیث میں صراحتاً ذکر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی حضور ﷺ کے ساتھ دعا میں شرکت فرمائی، لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جب نماز کے بعد حضور ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے تھے، تو صحابہ بھی ضرور شرکت فرماتے تھے، یہی اجتماعی دعا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین پھر ان کے بعد تبع تابعین پھر ان کے بعد اسلافِ عظیم اور علماء وصلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے سوائے شرذمہ قلیلہ کے اس کا کوئی منکر نہیں، امت کا یہ توارث اور تعامل بھی اس کے ثبوت کے لیے مضبوط دلیل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ توارث کی اہمیت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اتفاق سلف وتوارث ایشاں

اصل عظیم است در فقہ"۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی: ص/۸۵)

حضرات محدثین اور فقہاء کرام نے بھی یہی لکھا ہے جو کہ اعلم بمعانی الحدیث ہوتے ہیں، اللہ نے ان کو تفقہ فی الدین سے نوازا ہے، جب فقہاء اور محدثین یہی بات لکھ رہے ہیں تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے بلا ثبوت ہی لکھ دیا ہوگا؟ یقیناً ثبوت ہے جب ہی لکھا ہے۔

اسلاف میں یہ طریقہ رائج تھا کہ نماز کے بعد دعا کیا کرتے تھے، جس سے اجتماعی صورت خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا مقبول ہوتی ہے، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ اعلاء السنن میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

کہ حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث سے نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے؛ لہٰذا جو بات ابن القیم جوزیہ نے کہی ہے کہ "سلام کے بعد قبلہ رخ ہو کر یا مقتدیوں کی طرف کو رخ کر کے دعا کرنا یہ حضور ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نہیں ہے، یہ چیز حضور سے نہ سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور نہ سند صحیح کے ساتھ اس حدیث سے ابن القیم کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔

دعا کے آداب:

رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اہمیت کے پیش نظر مختلف احادیث میں اس کے آداب بتائے ہیں۔

(۱) دعا کرتے ہوئے خوب رغبت کا اظہار کرنا چاہیے یوں نہ کہے کہ تو چاہے تو معاف کر دے تو چاہے تو روزی دے دے یا چاہے تو رحم فرما۔

(۲) دعا کے وقت پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ رہے، قلب میں غفلت کی کیفیت نہ ہو۔

(۳) دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور ہتھیلیوں کا رخ چہرہ کی طرف رکھا جائے، ہاتھ سینہ کے مقابل رکھے جائیں بازو پہلو سے الگ ہوں۔

(۴) دعا میں عاجزی اور فروتنی کی کیفیت ہو۔

(۵) اپنے گناہوں پر ندامت ہو۔

(۶) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔

(۷) اپنے کسی نیک عمل کے واسطے سے دعا کرلے۔

(۸) دعا میں عام کلمات کو استعمال کرے، صرف اپنے لیے ہی دعا نہ کرے، بلکہ سب کو شامل کرے۔

(۹) ماثورہ ادعیہ کے پڑھنے کا بھی اہتمام کرے۔

(۱۰) اپنے غائب مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲/ ۲۶۶)

دعا کا حکم:

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرات فقہاء و محدثین کا مختار مذہب یہ ہے کہ بندے کے لیے دعا کرنا عمل مستحب ہے، البتہ کبھی کبھی یہ دعا واجب بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ نماز جنازہ کی دعا یا بعض فقہاء کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران کی دعا۔ (کتاب الاذکار للنووی: ۱/ ۶۰۸)

البتہ اس میں بحث ہے کہ افضل دعا کرنا ہے یا تقدیر پر راضی ہوتے ہوئے سکوت اختیار کرنا ہے، اس میں علماء کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ دعا کرنا ہی افضل ہے کیوں کہ دعا عبادت بھی ہے اور بندے کا اللہ کی طرف محتاجگی کا اظہار بھی ہے۔

جب کہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بھی فیصلہ مقدر ہے اس پر خوشی سے راضی رہنا چاہیے دعا کرنا باری تعالیٰ کے فیصلہ پر کامل رضا نہیں ہے؛ لیکن دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پہلی رائے ہی اس معاملہ میں زیادہ درست ہے۔

ان چند بنیادی مباحث کے بعد اب ہم باب کی احادیث کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

۱۴۷۹- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ يُسَيْعٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ، {قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ}"

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعا عبادت ہے اور تمھارے رب کا فرمان ہے: تم مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔

تشریح حدیث: آپ ﷺ نے بطورِ مبالغہ فرمایا کہ دعا عبادت ہی ہے، کیوں کہ خبر کی تعریف حصر اور مبالغہ کا فائدہ دیتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دعا ایسی عبادت ہے جس میں بندہ حق تعالیٰ کی طرف غایت تذلل کے ساتھ متوجہ ہو کر اللہ کی ذات کے علاوہ ہر ایک ذات سے استغنا برتا ہے اور یہی اصل عبادت اور بندگی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے ارشاد کی توثیق کے سلسلہ میں بطورِ دلیل قرآن کریم اس لیے پڑھی کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ دعا مامور بہ ہے، اور اس حکم کی تعمیل یعنی دعا مانگنے پر ثواب دیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو چیز اس درجہ کی ہو وہ عبادت ہی ہوگی، نیز اللہ تعالیٰ نے دعا پر عبادت کا اطلاق فرمایا ہے اس سے بھی پیغمبر علیہ السلام کی بات کی تائید ہوئی۔

۱۴۷۹- أخرجه الترمذي: كتاب تفسير القرآن، باب: "ومن سورة البقرة" (۲۹۶۹)، وكتاب الدعوات، باب: ما جاء في فضل الدعاء (۳۳۷۲)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: فضل الدعاء (۳۸۲۸).

آگے صاحبِ بذلؒ نے ایک سوال نقل فرمایا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''اُدْعُوْنِیْ'' بصیغہ امر ہے اور صیغۂ امر وجوب کی دلیل ہوتا ہے، نیز دعا نہ کرنے پر جہنم میں داخل ہونے کی سخت وعید ہے جو کہ کسی فرض یا واجب کے ترک ہی پر ہوا کرتی ہے، تو پھر آیت شریفہ کا حاصل تو یہ نکلا کہ دعا فرض یا واجب ہے، حالاں کہ امت کا اتفاق ہے کہ نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے۔

اس اشکال کا بہترین جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں صیغۂ امر تو استحباب کے لیے ہے، اور وعید محض ترکِ دعا پر نہیں ہے، بلکہ استکباراً ترک کرنے پر وعید سنائی گئی ہے کہ جو لوگ تکبر کی وجہ سے دعا نہیں کرتے وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ (بذل المجہود: ۶/۲۰۱)

فقه الحديث: حدیث شریف سے دعا کی انتہائی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی اور نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا پتہ چلا۔

۱۴۸۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ، عَنْ أَبِي نَعَامَةَ، عَنِ ابْنٍ لِسَعْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعَنِي أَبِي، وَأَنَا أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَنَعِيمَهَا، وَبَهْجَتَهَا، وَكَذَا، وَكَذَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، وَسَلَاسِلِهَا، وَأَغْلَالِهَا، وَكَذَا، وَكَذَا، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «سَيَكُونُ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الدُّعَاءِ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ، إِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَ الْجَنَّةَ أُعْطِيتَهَا وَمَا فِيهَا مِنَ الْخَيْرِ، وَإِنْ أُعِذْتَ مِنَ النَّارِ أُعِذْتَ مِنْهَا، وَمَا فِيهَا مِنَ الشَّرِّ»

ترجمه: حضرت ابن سعد سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں یوں دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں تجھ سے جنت طلب کرتا ہوں اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا خواست گار ہوں جو ایسی اور ویسی ہوگی اور پناہ چاہتا ہوں جہنم سے، اس کی زنجیروں سے اور اس کے طوقوں سے اور ایسی اور ویسی بلاؤں سے،، فرمایا: بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دعاؤں میں مبالغہ سے کام لیا کریں گے،، پس تم ان لوگوں میں سے نہ ہو۔ جب تجھے جنت مل جائے گی تو اس کی تمام نعمتیں اور لذتیں از خود حاصل ہو جائیں گی اور جب جہنم سے نجات مل جائے گی تو اس کی تمام تکلیفوں سے خود بخود چھٹکارہ مل جائے گا (لہذا اس تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ مطلق جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ کافی ہے)

تشريح حديث: یہ حدیث الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ کتاب الطہارۃ، باب الاسراف فی الوضوء کے تحت بھی گزری ہے۔ مصنفؒ کا مقصد اس حدیث کو یہاں پر لانے کا دعا کے ادب کو بیان کرنا ہے کہ آدمی دعاء میں کوئی محال چیز یا قیودات سے گھری ہوئی چیز کو نہ مانگا جائے، کیوں کہ اس سے اعتداء فی الدعاء لازم آتا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

۱۴۸۰- أخرجه أحمد (۱/ ۱۸۳/ ۱۵۸۴) والبيهقي في شعب الإيمان (۲/ ۲۳۱/ ۲۰۸۷)

نے اپنے بیٹے کو اسی ادب کی طرف متوجہ فرمایا تھا، کہ جنت کا سوال طرح طرح کی قیودات کے ساتھ یا جہنم سے پناہ طرح طرح کی قیودات کے ساتھ صحیح نہیں ہے بلکہ مطلقاً جنت کا سوال کرو اور مطلقاً جہنم سے پناہ مانگوں کیوں کہ جب انسان جنت میں داخل ہوگیا اور جہنم سے بچ گیا تو کامیاب ہوگیا اور جنت میں حسب منشاء ہر چیز اس کو مہیا ہو ہی جائے گی لہٰذا اس طرح قیودات کے ساتھ دعا کر کے اعتداء فی الدعاء کا عمل نہ کرو۔

فقه الحديث: حضرات فقہاء نے اس جگہ لکھا ہے کہ انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس طرح کی دعا مانگے جو شرعاً یا عادۃً محال ہو مثلاً نبوت ملنے کی دعا یا آسمان پر چڑھنے کی دعا، یا پہاڑ کے سونا بن جانے کی دعا وغیرہ۔

ایسی دعا سے بھی بچنا چاہیے جو انتہائی مسجع اور مقفع ہو اور جس چیز کی حقیقت کا شرعاً یا عرفاً پتہ ہی نہ ہو اس کی بھی دعا نہ کرے۔ (بذل:٦/٢٠٢)

۱۴۸۱- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، أَخْبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ حُمَيْدُ بْنُ هَانِئٍ، أَنَّ أَبَا عَلِيٍّ عَمْرَو بْنَ مَالِكٍ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ، صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ لَمْ يُمَجِّدِ اللَّهَ تَعَالَى، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَجِلَ هَذَا»، ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: - أَوْ لِغَيْرِهِ - «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَلْيَبْدَأْ بِتَمْجِيدِ رَبِّهِ جَلَّ وَعَزَّ، وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ»

ترجمه: صحابی رسول حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ اس نے نہ تو اللہ کی حمد و ثنا کی تھی اور نہ نبی پر درود بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جلد بازی سے کام لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا (یا کسی اور سے کہا کہ) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے رب کی حمد و ثنا سے آغاز کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔

تشريح حديث: اس حدیث شریف میں دعا کا ایک بہت اہم ادب بتایا گیا ہے کہ جب آدمی دعا کرے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر جو حاجت اور ضرورت ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھے اور دعا کرے۔

حدیث میں جن صحابی کے نماز پڑھنے اور بغیر حمد و ثنا و درود کے دعا کرنے کا ذکر ہے ترمذی کی روایت سے یہ معلوم

۱۴۸۱- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ادع تجب (۳۴۷۵)، النسائي: كتاب افتتاح الصلاة، باب: التمجيد والصلاة على النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۲۸۵).

ہوتا ہے کہ انھوں نے اولاً نماز پڑھی اور نماز سے فراغت کے بعد یہ دعا مانگی تھی، اس سے دعا بعد الصلوٰۃ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

پھر حضور ﷺ نے یا تو خود انھیں سے مذکورہ ارشاد فرمایا تھا یا دوسرے کسی صحابی سے فرمایا تھا تاکہ مصلی بھی سن لے اور اس کے علاوہ بھی اس پر عمل کریں۔

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ''إذا صلى أحدكم'' اس وقت کے لیے ہے جب آدمی نماز کی رکعات پوری کر کے سلام کے لیے بیٹھے تو تشہد میں تحیات اور سلام و درود سے فارغ ہو کر خروج عن الصلوٰۃ سے پہلے دعا کرے اور پھر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائے، یا پھر آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر دعا کے لیے مستقلاً بیٹھے اور حمد و ثنا و درود پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، یہ دعا کا ادب ہے دوسرے مطلب کی تائید ترمذی کی حدیث سے ہوتی ہے۔ (المنہل: ۸/ ۱۴۸)

۱۴۸۲- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ شَيْبَانَ، عَنْ أَبِي نَوْفَلٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ، وَيَدَعُ مَا سِوَى ذَلِكَ»

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور جو دعا جامع نہ ہوتی اس کو اختیار نہ فرماتے۔

تشریح حدیث: جامع دعا اس کو کہتے ہیں جس میں الفاظ تو کم ہوں مگر وہ دنیاوی اور اخروی کے بہت زیادہ معنی و مقصد پر حاوی ہوں جیسا کہ یہ دعائیں۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور **اللهم اني اسألك العفو و العافية في الدين و الدنيا و الآخرة.**

اس قسم کی اور بھی بہت سی جامع دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں۔

قوله: ويدع ماسوي ذلك: یعنی جو دعائیں جامع نہیں ان کو آپ ﷺ ترک کر دیتے تھے الا یہ کہ کبھی کسی خاص مقصد کے لیے غیر جامع دعا بھی کر لی۔ واللہ اعلم

۱۴۸۳- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ

۱۴۸۲- أخرجه أحمد (۶/ ۱۴۸/ ۱۸۸) وقال الحافظ السخاوي: هذا حديث حسن أخرجه أحمد و أبو داود.

۱۴۸۳- أخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب ليعزم المسألة (۶۳۳۹)، الترمذي: كتاب الدعاء، باب: العزم بالمسالة (۳۴۹۲)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: لا يقول الرجل اغفر لي إن شئت (۳۸۵۴)، وأخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء، باب: العزم بالدعاء (۲۶۷۹)، والنسائي في "عمل اليوم والليلة" من طرق عن أبي هريرة.

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ "

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ سے یوں دعا نہ کیا کرو کہ اگر تو چاہے تو بخش دے، اگر تو چاہے تو رحم کر؛ بلکہ دعا میں طلب پر عزم ہونا چاہیے؛ کیونکہ اللہ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

تشریح حدیث: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگو تو جزم ویقین کے ساتھ مانگو یعنی یہی کہو: اے اللہ! ہمارا فلاں مطلب پورا کر دے، یہ نہ کہو کہ اگر تو چاہے تو فلاں مطلب پورا کر دے، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور اس طرح کہنے ''ان شئت'' میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا میں شک پیدا کرنا ہے حالاں کہ قبولیت دعا میں یقین ہونا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کیا کرتا، اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات چوں کہ بے پروا اور مستغنی ہے، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اس پر کسی کا کوئی زور نہیں ہے، بلکہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے؛ اس لیے کسی کا اپنی دعا میں یہ کہنا ''إن شئت'' اگر تو چاہے، بالکل بے فائدہ اور لا حاصل ہے۔

فقہ الحدیث: حدیث شریف سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ دعا میں جزم ویقین ہونا چاہیے، اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغنی معلوم ہوتا ہے حالاں کہ بندہ مستغنی نہیں ہے بلکہ وہ تو محتاج ہی محتاج ہے۔

صاحبِ منہلؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ''إن شئت'' کہنے کی ممانعت بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریمی ہے، علامہ ابن عبد البرؒ کی رائے بھی یہی ہے جب کہ امام نوویؒ نے اس نہی کو کراہت پر محمول کیا ہے، کیوں کہ اس کا مقصد دعا کے آداب بیان کرنا ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۸/ ۱۴۸)

۱۴۸۴- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، فَيَقُولُ: قَدْ دَعَوْتُ، فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي "

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری دعائیں اس وقت تک قبول ہوتی ہیں جب تک اس میں جلد بازی نہ کی جائے اور یوں نہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہیں ہوئی۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دعا کے لیے جہاں جزم ویقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا

۱۴۸۴- أخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب: يستجاب للعبد ما لم يعجل (۶۳۴۰)، مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب: بيان انه يستجاب للداعي ما لم يعجل فيقول دعوت فلم يستجب لي (۹۰/ ۲۷۳۵)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ما جاء فيمن يستعجل في دعائه (۳۳۸۷)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: يستجاب لأحدكم ما لم يعجل (۳۸۵۳).

بھروسہ شرط ہے وہیں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اگر بظاہر قبولیت دعا میں تاخیر محسوس ہو تو تھک کر نہ بیٹھے، اور دعا مانگنا نہ چھوڑے، کیوں کہ دعا عبادت ہے اور عبادت سے اس طرح اکتانا مؤمن کے لیے کسی حال میں بھی مناسب نہیں ہے، پھر بندہ نہیں جانتا کہ قبولیت دعا میں یہ ظاہری تاخیر کیوں ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس لیے ہو کہ اس کا ابھی وقت ہی نہیں آیا کیوں کہ ازل ہی میں ہر چیز کے وقوع اور تکمیل کا ایک وقت مقرر ہے، جب تک وہ وقت نہیں آتا وہ چیز بھی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔

یا یہ کہ دعا مانگنے والا جو دعا مانگتا ہے اس کی تقدیر میں اس کی اس دعا کا قبول ہونا نہیں لکھا ہوتا بلکہ آخرت کا ثواب عطا ہوتا ہے۔

یا پھر اس لیے تاخیر ہوئی ہے کہ دعا مانگنے میں پوری عاجزی وانکساری، سچی لگن، اور تڑپ وکمال عبودیت کا اظہار نہیں ہوا ہے۔

جو بھی ہو ایک غلام کو اپنے رب سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ میرا رب جلدی یا دیر سے میری دعا کو قبول کرے گا دعا مانگنا بند ہرگز نہ کرے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے جو گناہ اور قطع کی دعا نہ کرے۔

یہاں پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہر دعا کو قبول کرتا ہے خواہ وہ مستعجل کی دعا ہی کیوں نہ ہو؟ کیوں کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس حدیث کے ساتھ مقید ہے۔ (المنہل: ۸/۱۴۹، وبذل: ۶/۳۵۹)

۱۴۸۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَيْمَنَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَسْتُرُوا الْجُدُرَ مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ أَخِيهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، فَإِنَّمَا يَنْظُرُ فِي النَّارِ، سَلُوا اللَّهَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا، فَإِذَا فَرَغْتُمْ، فَامْسَحُوا بِهَا وُجُوهَكُمْ»،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ كُلُّهَا وَاهِيَةٌ، وَهَذَا الطَّرِيقُ أَمْثَلُهَا وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (الف) دیواروں پر

۱۴۸۵- أخرجه ابن "ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: من رفع يديه في الدعاء ومسح بهما وجهه (۱۱۸۱)، وكتاب الدعاء، باب: رفع اليدين في الدعاء (۳۸۶۶).

پردے یا غلاف مت ڈالو (ب) جس نے اپنے کسی بھائی کا خط اس کی اجازت کے بغیر دیکھا (یعنی پڑھا) تو گویا وہ جہنم کو دیکھ رہا ہے (ج) جب اللہ سے دعا مانگوں تو ہتھیلیوں کو اوپر کی طرف رکھوں نہ کہ ان کی پشت کو اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لو۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہ حدیث محمد بن کعب سے کئی طریقوں سے مروی ہے مگر تمام طریقے ضعیف ہیں اور یہ طریقہ جس سے میں نے روایت کیا ہے سب طریقوں سے بہتر ہے؛ مگر اس کے باوجود یہ بھی ضعیف ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کو یہاں لانے کا اصل مقصد تو دعا کے ایک ادب کو بیان کرنا ہے کہ جب دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھاؤ تو ان کو اس طرح رکھو کہ ہاتھوں کے اندر کا رخ یعنی ہتھیلیاں منھ کے سامنے رہیں، ہاتھوں کو الٹ کر دعا نہ کی جائے اس لیے کہ اس سے اعراض کی کیفیت ہے، پھر جب دعا سے فراغت ہو جائے تو ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لیا جائے، اس لیے کہ دعا کے وقت ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے اس رحمت کی قدر کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی ان ہاتھوں کو اپنے اشرف ترین حصہ یعنی چہرہ پر پھیر لے۔

حدیث کا یہ ٹکڑا تو ترجمۃ الباب سے تعلق تھا، اس سے پہلے جو حصہ حدیث کا ہے اس میں دو ادب اور مذکور ہیں جن کا تعلق معاشرت سے ہے ان میں پہلا ٹکڑا ہے۔

لَاتَستُرُوا الجُدُرَ: "الجدر" جمع ہے الجدار کی، بمعنی دیوار، دیواروں پر پردے یا کپڑے کے غلاف نہ ڈالو، کیوں کہ اس میں اسراف ہے، نیز فخر وریاء بھی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ ریشم کے پردے ڈالے جائیں لیکن صاحبِ منہل لکھتے ہیں کہ بے ضرورت کسی بھی قسم کے پردے ڈالنا ممنوع ہے لیکن اگر سردی یا گرمی سے بچنے کے لیے پردے ڈالے جائیں تو ممانعت نہ ہوگی؛ لیکن صاحب الدرالمنضود نے لکھا ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک ستر جدار کسی دیوار یا چھت کو آراستہ کرنے کی غرض سے اس پر پردہ آویزاں کرنا وہ تو ظاہر ہے کہ تفاخر اور زینت کی غرض سے ہوتا ہے جو کہ ممنوع ہے، اور دوسری چیز ہے تعلیق استر علی الباب، یہ عامۃً حجاب کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسکا ثبوت بہت سی احادیث سے ہوتا ہے لہٰذا اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

قوله: "من نظر في كتاب أخيه" یہاں کتاب سے مراد یا تو خط اور آدمی کی راز کی تحریر ہے یا پھر یہ عام ہے اور تمام کتابوں کو شامل ہے خواہ دینی ہی کیوں نہ ہوں اور آگ میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکا یہ عمل آگ میں جانے کا سبب ہے یا پھر اس کو اس عمل سے اس طرح بچنا چاہیے جس طرح آگ کی طرف مسلسل دیکھنے سے بچا جاتا ہے کیوں کہ آگ کی طرف مسلسل دیکھنا بھی آنکھوں کے لیے نقصان دہ اور مضر ہے۔

صاحبِ منہل لکھتے ہیں کہ علمی کتابوں کو بغیر مالک کی اجازت کے دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہاں کتمانِ علم

لازم نہیں آتا کتمان علم تو وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی سوال کیا جائے اور پھر اس کو نہ بتایا جائے کتب تو از قبیل مال ہیں جن کی حفاظت ضروری ہے۔ واللہ اعلم

قولہ: "سلوا الله ببطون أكفكم" دعا کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگو کہ ہاتھ پھیلے ہوں، ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہو اس لیے کہ اس طرح سوال کرنے میں تذلل، خضوع اور احتیاج کا اظہار ہے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہے، اس کے بالمقابل ہاتھوں کو الٹا کر کے سوال کرنا بے رغبتی اور عدم دلچسپی کی علامت ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

قولہ: قال ابو داؤد: "روي هذا الحديث من غير وجه" مصنفؒ کا مقصد اس کلام سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ یہ حدیث اگر چہ متعدد سندوں سے مروی ہے لیکن سب ہی متکلم فیہ ہیں، یہ سند بھی متکلم فیہ ہے اس لیے کہ اس میں ابو المقدام راوی مجہول درجہ کے ہیں، لیکن مصنفؒ پھر بھی فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث ہماری اس سند سے اور سندوں کے مقابلہ میں بہتر ہے، یعنی قابل عمل ہے کیوں کہ اس کا تعلق فضائل سے ہے اور فضائل کے باب میں اس طرح کی روایات مقبول ہوا کرتی ہیں، صاحب منہل نے اس کے اور بھی متعدد شواہد پیش کئے ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت کم از کم حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حدیث سے متعلق مزید مباحث آگے آئیں گے۔

۱۴۸۶- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِالْحَمِيدِ الْبَهْرَانِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُهُ فِي أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ، حَدَّثَنِي ضَمْضَمٌ، عَنْ شُرَيْحٍ، حَدَّثَنَا أَبُو ظَبْيَةَ، أَنَّ أَبَا بَحْرِيَّةَ السَّكُونِيَّ، حَدَّثَهُ عَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ السَّكُونِيِّ ثُمَّ الْعَوْفِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا»،

قَالَ أَبُودَاوُدَ: وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِالْحَمِيدِ: «لَهُ عِنْدَنَا صُحْبَةٌ -يَعْنِي مَالِكَ بْنَ يَسَارٍ»

ترجمه: حضرت مالک بن یسار سکونی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ہتھیلیاں اوپر کر کے مانگو۔ ہتھیلیوں کی پشت اوپر کر کے نہ مانگو۔

ابو داود کہتے ہیں کہ: سلیمان بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ ہمارے نزدیک مالک بن یسار کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے (یعنی وہ صحابی رسول ﷺ ہیں)

رجال حديث: البَهْرَانيُّ: یہ قضاعہ کے ایک قبیلہ بہران کی طرف نسبت ہے، انھوں نے اسماعیل بن عیاش سے

۱۴۸۶- تفرد به ابو داؤد.

حدیث کو سنا نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب سے روایت کی ہے۔ اسی کو "قراته فی أصل اسماعیل" سے بیان کیا ہے۔

"أبو ظَبْيَة": بفتح الظاء المعجمہ وسکون الباء اور بعض نے "أبو طَيبة" بالطاء ضبط کیا ہے، ان کا نام معلوم نہیں ہے۔ لیکن اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

أبو بحرية: یہ عبداللہ بن قیس کندی ہیں اور ثقہ راوی ہیں، سنن اربعہ کے رواۃ میں سے ہیں، اور یمن کے ایک قبیلہ "سکون" کی طرف نسبت کرتے ہوئے سکونی کہلاتے ہیں۔

تشریح حدیث: حدیث شریف میں کوئی ایسی نئی چیز نہیں ہے جو محتاج تشریح ہو۔

قوله: قال أبو داؤد: حضرت مالک بن یسارؓ اگر صحابی ہیں تو یہ حدیث متصل ہوگی، جیسا کہ سلیمان بن عبدالحمید کہہ رہے ہیں اور اگر صحابی نہیں ہیں تو حدیث مرسل ہوگی، جیسا کہ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ عبارت اس طرح ہے: "مَا لِمَالِكٍ عِنْدَنَا صُحْبَة" کہ ہماری نظر میں مالک بن یسار کے لیے صحبت ثابت نہیں ہے، اس حدیث کے بارے میں امام بغویؒ فرماتے ہیں: لا أعلم بهذا الإسناد غير هذا الحديث و لا أدري له صحبة أم لا؟ (المنهل العذب المورود: ۸/ ۱۵۴)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ صحابی ہیں، البتہ قلیل الحدیث ہیں۔

حدیث مرسل ہو یا متصل ہر صورت میں قابل استدلال ہے کیوں کہ متعدد احادیث سے مؤید ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۸۷- حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ، حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ نَبْهَانَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو هَكَذَا بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ، وَظَاهِرِهِمَا»

ترجمه: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ دعا مانگتے تھے ہتھیلیاں اوپر کر کے (عام طور پر) اور ہتھیلیوں کی پشت اوپر کر کے (استسقاء میں)۔

رجال حديث: سلم بن قتيبه: بفتح السین وسکون اللام، یہ خراسان کے رہنے والے تھے لیکن بصرہ میں آ کر مقیم

۱۴۸۷- تفرد به أبو داؤد، والذي في صحيح مسلم رقم (۸۹۶) في الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء من حديث أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم استسقى فأشار بظهر كفيه إلى السماء، وروى أبو داود رقم (۱۱۷۱) من حديث أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يستسقي هكذا، ومد يديه وجعل بطونهما مما يلي الأرض. قال النووي في "شرح مسلم": قال جماعة من أصحابنا وغيرهم: السنة في كل دعاء لرفع بلاء كالقحط ونحوه: أن يرفع يديه ويجعل ظهر كفيه إلى السماء، وإذا دعا لسؤال شيء وتحصيله جعل بطن كفيه إلى السماء، واحتجوا بهذا الحديث، وقال الحافظ في "الفتح": وقال غيره: الحكمة في الإشارة بظهور الكفين في الاستسقاء دون غيره للتفاؤل بتقلب الحال ظهر البطن، كما قيل في تحويل الرداء، أو هو إشارة إلى صفة المسؤول، وهو نزول السحاب إلى الأرض.

ہو گئے تھے، ابوداؤد، ابوزرعہ، دارقطنی اور حاکم نے ان کی توثیق کی ہے البتہ ابوحاتم نے ان کو کثیر الوہم قرار دیا ہے، حافظ نے تقریب میں صدوق لکھا ہے۔

عمر بن نبہان: ابوحاتم، یحییٰ بن معین اور یعقوب بن سفیان نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **لَا يتابع في حديثه:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: "ضعيف من السابعة"۔

تشریح حدیث: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تو دعا کے وقت ہاتھوں کو اس طرح اٹھاتے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوتی تھیں، البتہ کبھی جیسا کہ استسقاء کے وقت یا دفع بلاء کے وقت۔ ہاتھوں کی پشت کو بھی آسمان کی طرف کرلیا کرتے تھے، حضرت انس بن مالکؓ نے اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں دونوں طرح کے عمل کو نقل فرمایا ہے۔

۱۴۸۸- حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ يَعْنِي ابْنَ مَيْمُونٍ، صَاحِبَ الْأَنْمَاطِ، حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ، عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا»

ترجمه: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارا رب بڑی شرم والا اور بڑے کرم والا ہے، اس کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کا کوئی بندہ اس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور وہ ان کو خالی لوٹا دے۔

رجال حدیث: صاحب الأنماط: نَمَط کی جمع ہے، جو اون کی ایک خاص قسم کی چادر ہوتی ہے، جعفر بن میمون چوں کہ چادر فروخت کرتے تھے اس لیے ان کو صاحب الانماط کہتے ہیں۔

تشریح حدیث: قوله: "إن ربكم حي كريم" حَيِيٌّ بکسر الیاء الاولیٰ وتشدید الثانیہ، بروزن عَلِيٌّ یہ ماخوذ ہے حیاء سے نہ کہ حیاۃ سے، یعنی اللہ تعالیٰ بڑی شرم والا ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ پر حیاء کا اطلاق علی سبیل المجاز ہے، مراد حیاء کے لازمی معنی یعنی احسان وانعام ہے۔

قوله: أن یردهما صفرا: بکسر الصاد المہملہ بمعنی خالی، بولا جاتا ہے، "بیت صفر" کہ یہ گھر سامان سے خالی ہے، اب حدیث شریف کا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑے کریم اور شرمیلے ہیں جب کوئی بندہ ان کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس بات سے شرماتے ہیں کہ ان کو خالی ہاتھ واپس کریں۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کہ اللہ رب العزت سے جو سوال کرتا ہے اللہ اس کو خالی ہاتھ واپس کرنا ہی نہیں چاہتے۔

۱۴۸۸-أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: حدثنا محمد بن بشار (۳۵۵۶)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: رفع اليدين في الدعاء (۳۸۶۵).

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ کو دعا میں اٹھانا چاہیے، یہ تواضع کے عین مطابق ہے، اور قبولیت دعا کے زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ، بیہقی، ترمذی اور حاکم نے بھی بسند جید نقل فرمایا ہے۔ (المنہل: ۸/۱۵۵)

۱۴۸۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ، حَدَّثَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «الْمَسْأَلَةُ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ، أَوْ نَحْوَهُمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيرَ بِأُصْبُعٍ وَاحِدَةٍ، وَالِابْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيعًا»،

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ دعا (کا ادب) یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک یا ان کے قریب تک اٹھائے اور استغفار (کا ادب) یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرے اور ابتہال (عاجزی وانکساری سے دعا مانگنے، کا ادب) یہ ہے کہ ایک ساتھ دونوں ہاتھوں کو پھیلا دے۔

تشریح حدیث: قوله: أن تشير باصبع واحدة، انگلی سے مراد سبابہ ہے جسے شہادت کی انگلی کہتے ہیں اور مقصود اس سے نفس امارہ اور شیطان ملعون کی ملامت کرنا ہے اور اس موقع پر ایک کی قید اس لیے لگائی گئی کہ دو انگلیوں سے اشارہ کرنا ممنوع ہے، چناں چہ منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا تو اس سے فرمایا: ایک انگلی سے اشارہ کرو۔

قوله: والابتهال أن تمديديك جميعًا: دفع بلاء میں اللہ کی طرف تضرع یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مبالغہ سے اٹھاؤ۔

۱۴۹۰- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ، بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فِيهِ: وَالِابْتِهَالُ هَكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُورَهُمَا مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے یہی حدیث یوں بھی مروی ہے کہ ابتہال اس طرح ہے اور دونوں ہاتھ اس قدر بلندی تک اٹھائے کہ ہتھیلیوں کی پشت چہرہ کے قریب تک آ گئی۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عباس ؓ نے مذکورہ حدیث کو بیان کرنے کے بعد عملی طور پر اس کی وضاحت یہ فرمائی کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا زیادہ اٹھایا کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگی اور ہاتھ سر کے برابر پہنچ گئے۔

مصنف ؒ نے اسی حدیث کو ایک سند سے اور نقل فرمایا ہے جس میں اس استغفار اور ابتہال کو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد

۱۴۸۹ - أخرجه الحاكم في المستدرك على الصحيحين (۴/۳۵۶/۷۹۰۳) وقال: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. و البيهقي في السنن الكبرى (۲/۱۹۱/۲۷۹۶)

۱۴۹۰ - تفرد به أبو داؤد

قرار دیا گیا ہے۔

۱۴۹۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَخِيهِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے یہی حدیث ایک دوسری سند کے ساتھ بھی مذکور ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا طریق ثالث ہے اور اس کو نقل کرنے کا مقصد حدیث سابق ہی کی تائید ہے، اس لیے کہ اس میں دعا کے طریقہ کی تعلیم قولی ہے۔

صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے دو طریق سے تو موقوفاً مروی ہے اور ایک طریق سے مرفوعاً مروی ہے، مصنفؒ نے یہاں تینوں طرق کو جمع فرما دیا ہے اور حاصل یہی ہے کہ عام دعا میں تو ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا چاہیے اور خاص خاص مواقع پر ہاتھوں کو چہرے کے مقابل یا اس سے بھی اوپر اٹھا لینا درست ہے۔

۱۴۹۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ حَفْصِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ، مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ»

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے والد (یزید بن سعید) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیتے تھے۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ جب دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تو چہرے پر بھی نہ پھیرتے تھے اور جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو دعا سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرا کرتے تھے اور عامۃً جو دعائیں اذکار موقتہ کی قبیل سے ہیں آپ ﷺ ان میں ہاتھوں کو نہ اٹھاتے تھے جیسا کہ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا یا کھانا کھانے یا بیت الخلاء جانے آنے کی ادعیہ وغیرہ اور جو دعائیں اذکار موقتہ کی قبیل سے نہیں ہیں ان میں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

حدیث کی سند پر جو کلام ہے ہم نے اس کو تخریج حدیث کے ذیل میں نقل کر دیا ہے۔

۱۴۹۱ -تفرد به أبو داود.

۱۴۹۲ -تفرد به أبو داود، وفي سنده عبد الله بن لهيعة وهو صدوق خلط بعد احتراق كتبه، وفيه أيضاً حفص بن هاشم بن عتبة بن أبي وقاص، وهو مجهول، ولكن يشهد لهذا الحديث حديث عمر عند الترمذي الذي تقدم رقم (۱۱۱۲)، والفقرة الثالثة من حديث ابن عباس عند أبي داود الذي تقدم رقم (۲۱۰۷) فهو بمجموعه حسن كما قال الحافظ ابن حجر في "بلوغ المرام".

۱۴۹۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، فَقَالَ: «لَقَدْ سَأَلْتَ اللَّهَ بِالِاسْمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى، وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ».

ترجمه: حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: " اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّکَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اللہ کو ایک ایسے نام سے پکارا ہے کہ جب کوئی اس نام سے اس سے مانگتا ہے تو دیتا ہے اور جب اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو قبول کی جاتی ہے۔

تشریح حدیث: یہاں سے مصنفؒ نے چار حدیثیں ایسی نقل فرمائی ہیں جن میں اللہ کے اسم اعظم کا ذکر ہے اور اسم اعظم کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جاتی ہے اللہ اس کو ضرور قبول کرتا ہے۔

قوله: ''رجلاً'' مراد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں

اسم اعظم کی تحقیق:

اسم اعظم کے بارے میں حضرات علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) کلمہ ''الله'' اسم اعظم ہے۔

(۲) ''بسم الله الرحمن الرحيم'' اسم اعظم ہے۔

(۳) ''هوَ'' اسم اعظم ہے۔

(۴) ''الحيّ القيوم'' اسم اعظم ہے۔

(۵) ''مالك الملك'' اسم اعظم ہے۔

(۶) ''الله الذي لا اله إلا هو رب العرش العظيم'' اسم اعظم ہے۔

(۷) ''لا اله الا الله'' اسم اعظم ہے۔

(۸) ''اللهم'' اسم اعظم ہے۔

۱۴۹۳- اخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: جامع الدعوات عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۴۷۵)، النسائي في الكبرى، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: اسم الله الأعظم (۳۸۵۷).

(۹) ''الٓمٓ'' اسم اعظم ہے۔

(۱۰) اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں مخفی ہے۔

(۱۱) جو شخص اسماء الٰہی میں سے کسی بھی نام کے ساتھ اللہ کو حضور و استغراق کے ساتھ یاد کرے کہ اس وقت اسی کے باطن میں اس اسم کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہی اسم اعظم ہے۔

یہ ہیں مختلف اقوال اسم اعظم کے بارے میں۔

قوله: ''اذا سئل به أعطي و إذا دُعي به أجاب'' یہاں دو چیزیں ہیں ایک سوال اور دوسرے دعا، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سوال کے معنی ہیں طلب کرنا جیسے کہا جائے ''اللهم اعطني'' اے اللہ! مجھے فلاں چیز عطا کر اور اس کے جواب میں اللہ کی عطا یعنی اس کا دینا ہے اور دعا کے معنی ہیں پکارنا جیسے کہا جائے، یا اللہ، اور اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے اجابت یعنی قبول کرنا ہے۔

صاحبِ منہل فرماتے ہیں کہ یہ عطف العام علی الخاص کی قبیل سے ہے، کیوں کہ سوال خاص ہے اور دعا عام ہے۔

۱۴۹۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ الرَّقِّيُّ، حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ فِيهِ: «لَقَدْ سَأَلْتَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ»

ترجمه: حضرت مالک بن مغول سے یہی حدیث مروی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تو نے اللہ سے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں مالک بن مغول کے شاگرد یحییٰ تھے اور اس میں زید بن الحطاب ہیں۔

۱۴۹۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْحَلَبِيُّ، حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ حَفْصٍ يَعْنِي ابْنَ أَخِي أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسًا وَرَجُلٌ يُصَلِّي، ثُمَّ دَعَا: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَقَدْ دَعَا اللَّهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيمِ، الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى»

۱۴۹۴- انظر الحديث السابق.

۱۴۹۵- أخرجه النسائي: كتاب: السهو، باب: الدعاء بعد الذكر (۵۲/۳). (۲) ولا تصح رؤيته لعمرو بن حريث، وانظر: تهذيب الكمال (۲۸۷/۸).

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو اس نے یوں دعا کی۔ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ"۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اس نے اللہ کو اس عظیم نام سے پکارا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی گئی اللہ نے قبول فرمائی اور جب بھی اس کے ذریعہ کچھ مانگا گیا اللہ نے عنایت فرمایا۔

تشریح حدیث: قوله: رجل يصلي: یہ ابو عیاش زرقی ہیں، جیسا کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

قوله: ثم دعا: یعنی تشہد کے بعد نماز کے آخر میں دعا کی، جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے۔

انھوں نے جن دعائیہ کلمات کو پڑھا ہے وہ نہایت ہی جامع کلمات تھے؛ اور انھیں میں سے کوئی لفظ اسم اعظم ہو سکتا ہے۔

۱۴۹۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " اسْمُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ فِي هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ {وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ}، وَفَاتِحَةِ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ: {الم اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ}

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے یعنی "وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۔اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیت" الم اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ میں۔

تشریح حدیث: اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے سلسلہ میں کل یہ چار روایتیں ہوئیں، ان سے اللہ کے اسم اعظم کی تعیین تو نہیں ہوتی البتہ کچھ نہ کچھ رہنمائی ضرور ملتی ہے، لہٰذا ان تمام اسماء کے ذریعہ دعا کرنی چاہیے؟ جو ان روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسماء الٰہیہ میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے اگرچہ اس کی علت ہمیں معلوم نہیں۔ واللہ اعلم

۱۴۹۷- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُرِقَتْ مِلْحَفَةٌ لَهَا، فَجَعَلَتْ تَدْعُو عَلَى مَنْ سَرَقَهَا، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «لَا تُسَبِّخِي عَنْهُ»،

۱۴۹۶- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: حدثنا عتيبة حدثنا رشدان بن سعد (۳۴۷۸)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: اسم الله الأعظم (۳۸۵۵).

۱۴۹۷- أخرجه النسائي في السنن الكبرى كتاب قطع السارق، باب الدعاء على السارق (۷/ ۶/ ۷۳۱۸) وأحمد في مسنده (۲۵۰۵۱).

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "لَا تُسَبِّخِي: أَيْ لَا تُخَفِّفِي"

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کا لحاف چوری ہو گیا تو وہ چور کے لیے بددعا کرنے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے گناہ میں کمی مت کر۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ: لا تسبخی کا مطلب ہے اس کے گناہ میں تخفیف مت کر۔

تشریح حدیث: سُرِقَت: صیغۂ مجہول ہے، بمعنی چوری کر لی گئی، لَا تُسَبِّخِي: صیغۂ نہی ہے، سَبَّخَ عَنْهُ بمعنی ہلکا کرنا، یہاں مطلب ہے کہ چور کو برا بھلا کہہ کر اس سے گناہ کے بوجھ کو ہلکا مت کرو۔

قیامت کے دن سرقہ (چوری) اور سبّ وشتم (برا کہنا) کو وزن کیا جائے پس اگر سب وشتم سرقہ سے کم رہا تو صاحب حق کو اس کا حق ملے گا اور اگر سرقہ سبّ وشتم سے کم رہ گیا، صاحب حق نے دنیا ہی میں اس چور کو برا کہہ دیا تو پھر یہ چور مظلوم بن جائے گا اور اپنا حق قیامت میں وصول کرے گا اور اگر سرقہ وسب وشتم دونوں برابر رہے تو ایک کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہے گا؛ اس لیے حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو چور کے لیے بددعا کرنے سے منع فرمایا کیوں کہ یہ بددعا کرنا انتقام کی قبیل سے ہے انتقام اگر اپنے حق سے کم لیا ہے تب تو سارق سے صرف عذاب میں تخفیف ہوگی اور اگر انتقام پورا لے لیا تو معاملہ برابر سرابر ہو گیا اور آخرت میں کوئی اجر باقی نہ رہا، اور اگر خدانخواستہ انتقام زیادہ ہو گیا تو آخرت کی گرفت ہو جائے گی۔

درحقیقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد عفو و درگذر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ عفو و درگذر کر و اس میں اجر و ثواب ہے۔

فقہ الحدیث: باب کی دیگر روایات سے تو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ بندے کو دعا جیسے مقبول ومحبوب عمل کو اختیار کرنا چاہیے اور اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ بددعا سے اجتناب کرنا چاہیے بلکہ اس کی جگہ پر عفو و درگزر کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۹۸- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ، فَأَذِنَ لِي، وَقَالَ: «لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ»، فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا، قَالَ شُعْبَةُ، ثُمَّ لَقِيتُ عَاصِمًا بَعْدُ بِالْمَدِينَةِ، فَحَدَّثَنِيهِ، وَقَالَ: «أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ»

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: اے میرے چھوٹے بھائی! اپنی دعا میں مجھے نہ بھولنا، آپ ﷺ کے اس (محبت و

۱۴۹۸- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: حدثنا سفيان بن وكيع (۳۵۶۲)، ابن ماجه: كتاب المناسك، باب فضل دعاء الحاج (۲۸۹۴).

شفقت بھرے) قول سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جاتی تب بھی اتنی خوشی نہ ہوتی، شعبہ کہتے ہیں کہ عاصم بن عبید اللہ سے یہ حدیث سننے کے بعد میری مدینہ میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے یہی حدیث بیان کی اور (بجائے اے میرے بھائی مجھے اپنی دعا میں نہ بھولنا، کے) کہا: اے میرے بھائی مجھے اپنی دعا میں شریک رکھنا۔

تشریح حدیث: حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ سے عمرہ پر جانے کی اجازت مانگی، یہ اجازت کب طلب کی تھی روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے صاحب منہلؒ نے لکھا ہے کہ یہ اجازت اس عمرہ کے لیے مانگی تھی جس کی انھوں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی، حضور ﷺ نے اجازت بھی دے دی اور ساتھ حضرت عمرؓ سے دعا کی طلب بھی فرمائی، اور حضور ﷺ کا حضرت عمرؓ سے دعا کے لیے کہنا بھی بڑے شفقت بھرے الفاظ میں تھا، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرنا۔

قوله: فقال كلمة مايسرني الخ: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد فرمودہ وہ کلمہ جس کے بدلہ میں پوری دنیا حاصل کرنا بھی حضرت عمرؓ کے لیے باعثِ خوشی نہ ہوتا تھا اس سلسلہ میں صاحبِ منہلؒ نے دو احتمال لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کلمہ سے مراد حضور ﷺ کا یہی ارشاد ہو جو عمرہ کے لیے روانگی کے وقت فرمایا تھا، یعنی دعا میں شریک کرنا اور دعا کے وقت نہ بھولنا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسی موقع پر کوئی اور بات ارشاد فرمائی ہو جو حضرت عمرؓ کے نزدیک تمام دنیا سے بھی زیادہ قیمتی ہو اس کو حضرت عمرؓ نے تفاخر سے بچنے کے لیے یہاں نقل نہیں فرمایا۔

فقه الحديث: حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے دعا کے لیے جو درخواست کی ذاتِ نبوت کی طرف سے مرتبہ عبودیت اور مقام بندگی میں اپنے عجز کا اظہار ہے بلکہ اس طرح امت کے لیے بھی اس بات کی ترغیب ہے کہ خدا کے نیک اور عابد بندوں سے دعا کی درخواست کی جائے اگر چہ وہ مرتبہ کے لحاظ سے کم تر ہی کیوں نہ ہوں۔

حدیث سے حضرت عمرؓ کی عظمت اور بزرگی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے دعا کی درخواست کی، گویا اس کے ذریعہ آپ نے ان کی عظمت اور بزرگی کی تصدیق فرمادی۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مقامات مقدسہ پر جانے والوں سے دعا کی درخواست کرنا چاہیے، کیوں کہ مقامات مقدسہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

قوله: ثُمَّ لَقِيتُ عَاصِمًا: اس حدیث کو عاصم سے نقل کرنے والے شعبہ ہیں، عاصم نے شعبہ سے یہ حدیث دو مرتبہ بیان کی ہے، پہلی مرتبہ بیان کی تو مرفوع ٹکڑا یہ بیان کیا: لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ اور جب دوبارہ یہ حدیث بیان کی تو نقل کیا: أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ۔

صاحب منہلؒ نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں ہی جملہ ادا کئے ہوں اب عاصم نے ایک مرتبہ میں

ایک جملہ نقل کر دیا اور دوسری مرتبہ میں دوسرا جملہ نقل کر دیا، چناں چہ سنن ابن ماجہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے سنن ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: "يا أخي أشر كنا في شيء من دعائك ولا تنسنا" (المنہل: ۸/ ۱۶۲)

۱۴۹۹- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: مَرَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَدْعُو بِأُصْبُعَيَّ، فَقَالَ: «أَحِّدْ أَحِّدْ»، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے، اس وقت میں دعا میں اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے، اور اشارہ کیا انگشت شہادت سے۔

تشریح حدیث: یہاں دعا سے مراد تشہد ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے تھے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تشہد والی انگلی سے اشارہ کر رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی ہاتھ کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کر رہے ہوں، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو کیوں کہ توحید باری کی طرف ایک ہی سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

لیکن احقر کی رائے میں حدیث کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے جو ترجمۃ الباب کے مطابق بھی ہے کہ دعا سے مراد تشہد نہ ہو بلکہ دعا ہی ہو اور دعا بھی وہ جس کا ذکر ماقبل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ اگر دعا میں طلب مغفرت مقصود ہو تو اپنی ایک انگلی سے نفس امارہ کی طرف اشارہ کرے، تو بہت ممکن ہے کہ یہ صحابی دعا میں استغفار کے دوران اپنے دل کی طرف دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے ہوں آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو، اس صورت میں حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ہو جائے گی۔

خلاصۃ الباب: اس باب میں مصنفؒ نے کل اکیس روایات کو نقل فرمایا ہے جن میں سے بعض میں دعا کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے، بعض میں آداب دعا کا، اور بعض میں اس بات کا کہ اللہ کے خاص بندوں سے دعا کی طلب اور درخواست کرنی چاہیے، اور بعض میں اس بات کا کہ دوسروں کے لیے دعا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور بددعا سے اجتناب کیا جائے وغیرہ وغیرہ، ہم احادیث کی روشنی میں ان آداب کو باب کے شروع میں نقل کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

☆☆☆

۱۴۹۹- أخرجه النسائي: كتاب السهو، باب: النهي عن الإشارة بإصبعين وبأي إصبع يشير (۳/ ۳۸).

بَابُ التَّسْبِيحِ بِالْحَصَى

کنکریوں سے تسبیح کو شمار کرنا

۱۵۰۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي هِلَالٍ، حَدَّثَهُ، عَنْ خُزَيْمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهَا، أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى - أَوْ حَصًى - تُسَبِّحُ بِهِ، فَقَالَ: «أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هَذَا - أَوْ أَفْضَلُ -»، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ بَيْنَ ذَلِكَ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ مِثْلُ ذَلِكَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مِثْلُ ذَلِكَ»

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے جس کے سامنے گھٹلیاں (کنکریاں) پڑھی ہوئی تھیں، جن کے ذریعہ وہ تسبیح پڑھ رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ آسان (یا یہ کہ اس سے زیادہ بہتر) طریقہ نہ بتاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ" اور اسی طرح اللہ اکبر اور اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اسی طرح "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اور اسی طرح "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ"۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداؤدؒ کا مقصد اس باب کو قائم کرنے سے تسبیحات کا کنکریوں یا گھٹلیوں پر شمار کرنے کے جواز کو ثابت کرنا ہے اور مصنفؒ اس مقصد کے لیے باب میں پانچ حدیثیں لائے ہیں، ان میں سے پہلی ہی حدیث سے آپ ﷺ کی تقریر کے ذریعہ کنکریوں یا گھٹلیوں پر تسبیح پڑھنے کا جواز ثابت ہوگیا، حضرات علماء نے مروّجہ تسبیح کو اسی پر قیاس کیا ہے کیوں کہ ان دونوں میں فرق منظوم اور غیر منظوم کا ہے، بلکہ اگر دیکھا جائے تو منظوم تسبیح میں اور زیادہ سہولت ہے، لہٰذا بعض غیر مقلدین کا منظوم تسبیح کو بدعت کہنا بے بنیاد ہے۔

مسند الفردوس للدیلمی میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "نعم المذکر السبحة" علامہ سیوطیؒ نے اس

۱۵۰۰-أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: في دعاء النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وتعوذه دبر كل صلاة (۳۵۶۸)، النسائي في "عمل اليوم والليلة".

بارے میں ایک رسالہ ''المنحة في السبحة'' تصنیف فرمایا ہے اور انھوں نے اس کے ثبوت میں بہت سے آثار کو نقل کیا ہے، بلکہ صوفیاء نے تو اس تسبیح کو سوط الشیطان کہا ہے۔

رجال حدیث: ''خزیمة'' ان کا نسب معلوم نہیں ہے، تقریب التہذیب میں ان کے بارے میں ''لا یعرف'' لکھا ہے، البتہ ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''دخل مع رسول الله ﷺ علی امرأة'': یہ خاتون یا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے محارم میں سے تھیں یا حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ، حضرت جویریہؓ تھیں، یا پھر کوئی خاتون تھیں اور یہ ان کے پاس آنے کا واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہے، نیز ان حضرات کا ان خاتون کے پاس داخل ہونا رؤیت یعنی بے پردگی کو مستلزم نہیں کہ کوئی اشکال وارد ہو۔

قوله: ''نوي أو حصي'' کلمہ ''او'' یا تو شک کے لیے ہے یا واؤ کے معنی میں ہے کہ ہوسکتا ہے انھوں نے کنکری اور گٹھلی دونوں ہی کو جمع کر رکھا ہو۔

قوله: ''أَيسَرُ عَلَيكَ'': یعنی میں جو عمل تم کو بتانے جا رہا ہوں وہ مشقت اور کلفت کے اعتبار سے کم اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑا ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ کا بتایا ہوا عمل صفت خالقیت کے بیان پر مشتمل ہے۔

قوله: عدد ما خلق في السماء: یعنی اس مخلوق کی بقدر جو آسمان میں ہے پس اس میں کلمۂ ''ما'' موصولہ ہے۔

قوله: عدد ما هو خالق: یعنی اس مخلوق کی تعداد کی بقدر جو اس کے بعد یا ازل سے ابد تک پیدا کی جانے والی ہے، یہ تفصیل کے بعد اجمال ہے اور ''خالق'' اسم فاعل اگر چہ حال کے معنی میں حقیقت ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دوام اور استمرار کے معنی میں ہے۔

قوله: الله اكبر مِثلُ ذٰلك: اس جملہ کے بارے میں دو احتمال ہیں یا تو یہ راوی کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح تسبیح یعنی ''سبحان الله عدد ما خلق'' پوری طرح بیان کی اسی طرح آپ ﷺ نے تکبیر کو پوری طرح اس طریقہ سے بیان فرمایا: ''الله اكبر عدد ما خلق...'' مگر راوی نے اختصار کے پیش نظر ''الله اكبر مثل ذٰلك'' کہہ کر بتا دیا کہ آپ ﷺ نے بعد کے کلمات کی تعلیم بھی اسی طرح فرمائی، یا پھر یہ کہ یہ الفاظ راوی کے نہیں ہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ ہی نے اختصار کے پیش نظر عدد ما خلق في السماء کہنے کے بجائے ''مثل ذٰلك'' پر اکتفاء فرمایا، اسی طرح بعد کے جملوں میں بھی یہی احتمال ہے۔

فقه الحديث: یہ حدیث جس طرح گٹھلیوں اور سنگ ریزوں پر تسبیح پڑھنے کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح مروّجہ تسبیح کے جواز کی بھی اصل اور بنیاد ہے کیوں کہ شمار کے سلسلہ میں پروئے ہوئے اور بغیر پروئے ہوئے میں کوئی فرق نہیں

ہے، مقصد پڑھی جانے والی چیز کا شمار کرنا ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۸/ ۱۶۴)

۱۵۰۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ هَانِئِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ حُمَيْضَةَ بِنْتِ يَاسِرٍ، عَنْ يُسَيْرَةَ، أَخْبَرَتْهَا، «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُنَّ أَنْ يُرَاعِينَ بِالتَّكْبِيرِ، وَالتَّقْدِيسِ، وَالتَّهْلِيلِ، وَأَنْ يَعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ، فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ، مُسْتَنْطَقَاتٌ»

ترجمہ: حضرت یسیرہؓ جو مہاجرات میں سے ہیں سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ تکبیر، تقدیس، اور تہلیل الله اکبر، سبحان الملك القدوس لا اله إلا الله کی محافظت کریں اور ان تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کریں کیوں کہ ان انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور ان کو قوت گویائی دی جائے گی۔

لغات حدیث: يُرَاعِينَ: یہ مُرَاعاۃ سے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں حفاظت کرنا، خیال کرنا، پابندی کرنا۔

يَعْقِدْنَ: عَقَدَ کے معنی تو گرہ لگانے کے آتے ہیں لیکن یہاں شمار کرنا مراد ہے۔

قوله: الأنامل: یہ "أنمُلَة" کی جمع ہے، بمعنی سرانگشت، انگلی کا اوپر کا پورا، لیکن کبھی کبھی پوری انگلی کو ہی "أنمُلَة" کہہ دیا جاتا ہے، اور غالباً یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

قوله: "مسئولات" صیغہ اسم مفعول ہے بمعنی جس سے سوال کیا جائے۔

قوله: مُسْتَنطَقَات: یہ بھی صیغہ اسم مفعول ہے، استنطقهٗ: بولنے کو کہنا، مُسْتَنطق جس کو بولنے کو کہا جائے، چناں چہ بروزِ قیامت انگلیوں کو قوت گویائی عطا کی جائے گی اور ان سے شہادت لی جائے گی۔

تشریح حدیث: قیامت کے دن جسم انسانی کا ایک ایک عضو اپنے مالک کے اعمال کا گواہ اور شاہد بنے گا جیسا کہ ارشاد ہے: تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

حدیث شریف میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان انگلیوں سے پوچھے گا کہ بتاؤ تم نے دنیا میں کیا کیا ہے؟ اور پھر جواب دینے کے لیے ان کو قوت گویائی عطا فرمائے گا، چناں چہ وہ انگلیاں اپنے مالک کے ان اچھے برے اعمال کی گواہی دیں گی جو ان انگلیوں کے ذریعہ سرزد ہوئے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تسبیحات کو اپنی انگلیوں پر شمار کرو تا کہ وہ قیامت کے دن تمہارے اسی نیک عمل کی گواہی دیں۔

انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کا طریقہ:

حدیث شریف میں انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کی کوئی خاص کیفیت منقول نہیں ہے، جس کو جس طرح آسان ہو اس طرح

۱۵۰۱- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب ما جاء في عقد التسبيح باليد حديث (۳۴۸۶)

پڑھ لیا کرے کیوں کہ اصل مقصود گنتی کا محفوظ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں انگلیوں کو استعمال کرنا ہے تا کہ بروز قیامت یہ انگلیاں اپنے مالک کے حق میں شہادت دے سکیں۔

لیکن پھر حضرات علماء نے انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کے کچھ طریقے بیان فرمائے ہیں ان کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

(۱) ابہام کے سرے کو ہر انگلی کے جوڑ پر رکھ کر تسبیح پڑھے اور ہر انگلی میں تین جوڑ ہوتے ہیں، لہٰذا ایک ہاتھ کی انگلیوں پر کل پندرہ مرتبہ تسبیح ہوگئی، اس طرح سے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ایک مرتبہ میں کل تیس تسبیحات ہوگئیں، اخیر میں ایک انگلی پر اور پڑھ لی جائیں تو کل ۳۳/ بار کا عدد پورا ہوجائے گا۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھ کر ایک انگلی کو موڑ لیا جائے اور دوسری مرتبہ پر دوسری انگلی کو موڑ لیا جائے یعنی ہر تسبیح پر ایک انگلی کو موڑا جائے۔

فقه الحدیث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوراد واذکار اور تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے، اگرچہ تسبیح پر پڑھنا بھی جائز ہے نیز اس میں اس بات کی بھی ترغیب ہے کہ بندہ کی عقل وشعور کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اعضاء جسمانی کو انھیں کاموں میں مشغول رکھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوں، اور اپنے ایک ایک عضو کو گناہ سے بچائے تا کہ قیامت کے دن کوئی بھی عضو گناہ کی گواہی دے کر عذاب خداوندی میں مبتلا نہ کرادے۔

۱۵۰۲- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ، فِي آخَرِينَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَثَّامٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ التَّسْبِيحَ»، قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ: بِيَمِينِهِ

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح کو شمار کرتے تھے، ابن قدامہ نے کہا: اپنے داہنے ہاتھ سے۔

رجال حدیث: عَثَّام بفتح العین المہملہ وتشدید الثاء المثلثہ، ابن علی بن ہجیر ابوعلی کوفی ہیں، ابوزرعہ، ابن حبان، ابن سعد اور حاکم وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے صدوق اور نسائی نے "لیس باس" کہا ہے ۱۹۵ھ میں وفات ہوئی ہے۔

۱۵۰۲- أخرجه الترمذي في كتاب الدعوات، باب منه (۳۴۴۰) وقال هذا حديث حسن غريب۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے تسبیح شمار کرتے تھے، داہنے کا ذکر سب راویوں نے نہیں کیا بلکہ صرف ابن قدامہ نے کیا ہے۔

اس جگہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب سب انگلیوں سے ہی سوال کیا جائے تو تسبیح بھی سبھی انگلیوں پر شمار کرنی چاہیے، رہا ابن قدامہ کا دائیں ہاتھ کا ذکر کرنا تو ہوسکتا ہے کہ دائیں سے شروع کرنا مراد ہو، یا یہ کہ دیگر رواۃ اس زیادتی (بیمینہ) کو ذکر نہیں کرتے صرف ابن قدامہ ذکر کرتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ یہ زیادتی شاذ ہو۔ واللہ اعلم

۱۵۰۳- حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أُمَيَّةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عِنْدِ جُوَيْرِيَةَ، وَكَانَ اسْمُهَا بُرَّةَ، فَحَوَّلَ اسْمَهَا، فَخَرَجَ وَهِيَ فِي مُصَلَّاهَا وَرَجَعَ وَهِيَ فِي مُصَلَّاهَا، فَقَالَ: «لَمْ تَزَالِي فِي مُصَلَّاكِ هَذَا؟»، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: «قَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ لَوَزَنَتْهُنَّ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ»

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ''جس کا نام برہ تھا اور حضور ﷺ نے ان کا نام بدل دیا تھا'' کے پاس سے نکلے جب کہ وہ اپنے جائے نماز پر (بیٹھی) تھیں، پھر (دوپہر کے وقت) آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو بھی وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھی تھیں، آپ ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ کیا تم مسلسل اپنی اسی جگہ میں بیٹھی ہو، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے ہیں وہ چار کلمے ایسے ہیں کہ اگر ان کو اس چیز سے تولا جائے جس کے کہنے میں تو اب تک مشغول ہو تو یقینا چار کلمے اس چیز پر بھاری رہیں گے اور وہ چار کلمے یہ ہیں: سبحان الله وبحمده الخ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی مخلوقات کی تعداد کی بقدر اور اس کی ذات کی مرضی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مانند۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون تو واضح ہے۔ البتہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ ذکر میں کیفیت کا اعتبار ہوتا ہے کمیت کا نہیں، یعنی وہ تسبیحات وغیرہ جن کے مضامین اعلیٰ ہوں اور ان کو حضور قلب کے ساتھ پڑھا جائے اگرچہ وہ کم ہوں ان تسبیحات کے مضامین سے افضل ہیں جو ایسی نہ ہو اگرچہ وہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

۱۵۰۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ،

۱۵۰۳- أخرجه مسلم: حديث (۷۰۸۹) والترمذي حديث (۳۹۰۳) والنسائي حديث (۱۳۶۰)

۱۵۰۴- أخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب الدعا بعد الصلاة، حديث ۶۳۰۳، ومسلم حديث (۱۳۷۵)

حَدَّثَنِي حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو ذَرٍّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ذَهَبَ أَصْحَابُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فُضُولُ أَمْوَالٍ يَتَصَدَّقُونَ بِهَا، وَلَيْسَ لَنَا مَالٌ نَتَصَدَّقُ بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ، أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ تُدْرِكُ بِهِنَّ مَنْ سَبَقَكَ، وَلَا يَلْحَقُكَ مَنْ خَلْفَكَ إِلَّا مَنْ أَخَذَ بِمِثْلِ عَمَلِكَ؟» قَالَ: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «تُكَبِّرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ، ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتَحْمَدُهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتُسَبِّحُهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتَخْتِمُهَا بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ، وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ»

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جولوگ مال دار ہیں وہی ثواب کما لے گئے؛ کیونکہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں اور جو مال ان کے پاس ضرورت سے زائد ہے وہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے ہیں؛ لیکن ہمارے پاس مال نہیں جسکو ہم صدقہ کریں (اور اجر کے مستحق ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا میں تجھ کو چند ایسے کلمات نہ بتاؤں جن کے سبب سے تو اگلے لوگوں کے برابر ہو جائے اور تیرے برابر کوئی نہ ہو سکے بجز اسکے جو ایسا ہی کرے، ابوذر نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبحَانَ الله، ۳۳ مرتبہ اَلحَمدُ لِله، ۳۳ مرتبہ الله اکبر" کہے اور آخر میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ المُلكُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ کہہ کر مہر لگا دے تو اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

تشریح حدیث: قوله: "ذهب أصحاب الدثور بالأجور": دُثُور جمع ہے دَثر کی بمعنی مالِ کثیر، اور أُجُور جمع ہے أَجر کی بمعنی ثواب اور بدلہ، مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ مالدار لوگوں نے اپنے زائد اموال کا صدقہ کر کے سارا اجر وثواب حاصل کر لیا۔

قوله: "فضول أموالٍ" یہ فاضل کی جمع ہے بمعنی زائد از ضرورت،

قوله: "غفرت له ذنوبه" یہ شرط محذوف کا جواب ہے اور شرط ہے "مَن قَالَ ذٰلِكَ"۔

قَوله: "مثل زَبَدِ البَحرِ" یہ کثرت کو بتلانے کے لیے ہے، چوں کہ سمندر کے جھاگ بہت ہی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔

فقه الحديث: اس حدیث میں فرض نمازوں کے بعد عدد مذکور کے ساتھ ذکر کرنے کی فضیلت اور اہمیت معلوم

ہوئی، ہر فرض نماز کے بعد ان کلمات کو اہتمام سے پڑھنا چاہیے سرسری طور سے نہیں، بلکہ معنی کی طرف دھیان رکھتے ہوئے پڑھنا چاہیے۔

البتہ ان ادعیہ کے بارے میں حضرات علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دعاؤں کے بارے میں اختیار ہے کہ فرض نمازوں کے فوراً بعد پڑھ لے یا سنتوں کے بعد پڑھے۔

یہاں تو اس کا ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت میں سے بھی کسی کو اس کی تاکید فرمائی تھی، لیکن دوسری روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو ان کے پڑھنے کی خصوصی تاکید فرمائی تھی۔

یہ بحث ہم ماقبل میں تحریر کر ہی چکے ہیں کہ ان تسبیحات کا ہاتھوں کی انگلیوں پر پڑھنا افضل ہے اگرچہ مروّجہ تسبیح کے دانوں پر پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بلکہ سہولت کے لیے پڑھ لیا جائے تاکہ عدد مذکور یاد رہے تو بہتر ہوگا، مروّجہ تسبیح پر پڑھنے کے تعلق سے ماقبل کی روایات بھی دلالت النص کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا سَلَّمَ

نماز کے بعد کی دعائیں

۱۵۰۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ وَرَّادٍ، مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَيُّ شَيْءٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ؟ فَأَمْلَاهَا الْمُغِيرَةُ عَلَيْهِ، وَكَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

ترجمه: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان سے خط لکھ کر دریافت کیا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر سلام پھیر چکتے تو کیا پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب میں لکھا کہ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ یہ پڑھتے تھے: " لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا

۱۵۰۵- أخرجه البخاري: كتاب الأذان، باب: الذكر بعد الصلاة (۸۴۴)، مسلم: كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة (۵۹۳)، النسائي: كتاب السهو، باب: نوع آخر من القول عند انقضاء الصلاة (۳/ ۷۰).

أَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ "ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں، اسکے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، سلطنت بھی اسی کی ہے اور شکر تعریف کا مستحق بھی وہی ہے اور ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اے اللہ! تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور تو نہ دینا چاہے تو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی مالدار کی مالداری اسکو تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداوُدؒ کا مقصد نماز کے بعد ذکر کی مشروعیت کو بیان کرنا ہے، خواہ یہ ذکر ہمیشہ ہو یا کبھی کبھی، سراً ہو یا جہراً، اس لیے کہ جب یہ بات طے ہے کہ ذکر ہمیشہ ہوتا تھا تو جہر کا معاملہ تو بعد کا ہے اگر چہ حضرات فقہاء کرامؒ ذکر خفی کو ذکر جہری پر ترجیح دیتے ہیں۔

مصنفؒ نے اس مقصد کے لیے کل نو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جن میں دو حدیثیں حضرت ابن عباسؓ سے، دو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اور ایک ایک حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، اور ثوبانؓ سے مروی ہیں، ان سب کی تشریح حسب ذیل ہے۔

تشریح حدیث: حضرت مغیرہؓ جس زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے، اس وقت امیر معاویہؓ نے ان کے نام تحریر فرمایا کہ آپ مجھے وہ حدیث لکھ کر بھیجیں جو آپ نے رسول پاک ﷺ سے نماز کے بعد دعا کے سلسلہ میں سنی ہیں، تو انھوں نے اپنے کاتب ورّاد سے یہ روایت لکھوا کر ارسال فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له" الخ، کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، ہر طرح کی بادشاہت صرف اسی کی ہے، جو کچھ موجود ہے اور جس کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب اسی کے محکوم ہیں۔

قولہ: "لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ" عطا کرنا یا عطا نہ کرنا اسی کا کام ہے، جو وہ عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو وہ روک لے اس کو کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

قولہ: "ولا ينفع ذا الجد منك الجد" مالدار کی مالداری تیری نگاہ میں نفع بخش نہیں، یعنی تیری نگاہ میں تو صرف عمل صالح نفع بخش ہوتا ہے، "الجد" کو عام روایات میں بفتح الجیم نقل کیا گیا ہے، جس کے کئی معنی ہیں، حضرت امام بخاریؒ نے حسن بصریؒ سے اس کا ترجمہ غنیٰ نقل کیا ہے، دوسرا ترجمہ حظ اور نصیب ہے اور تیسرا ترجمہ ابوالاب ہے یعنی دادا اور مفہوم یہ ہے کہ اے پروردگار! کسی کی مالداری، یا کسی کا نصیب، یا کسی کا شفیق دادا، تیرے یہاں کسی کو نفع پہنچانے والا نہیں ہے، تیرے یہاں نفع پہنچانے والی چیز اعمال صالحہ ہیں۔

امام قرطبیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے "الجد" بالکسر نقل کیا ہے، جد کے معنی کوشش کے ہیں، اس صورت میں مفہوم ہوگا کہ اے پروردگار! تیری بارگاہ میں حسن قبول میسر نہ ہو تو کسی کی کوئی کوشش نفع بخش نہیں، گویا اللہ کوششوں کو اور عبادت میں کی جانے والی محنتوں کو اپنے فضل و کرم سے قبول کی شان عطا فرمادے تو اس کا احسان ہے، ورنہ محض انسان کی جد وجہد پر کامیابی کا انحصار

نہیں ہے، یہ وہی مضمون ہے جو "لایدخل أحدًا منكم الجنة عمله" میں فرمایا گیا ہے۔ (ایضاح البخاری: ۵/۸۶)

۱۵۰۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الصَّلَاةِ، يَقُولُ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ، أَهْلُ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ»،

ترجمه: حضرت ابوالزبیرؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر منبر پر کہتے تھے کہ رسول ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ، أَهْلُ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ کلمات مذکورہ کو امت کی تعلیم کی غرض سے کبھی کبھی بلند آواز سے پڑھ لیا کرتے تھے، چناں چہ امام نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں مذکور دعا اور اس کے علاوہ دیگر اذکار کو آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے، خواہ امام ہو یا منفرد ہاں اگر اس بات کی ضرورت ہو کہ کوئی دعا کسی کو سکھانی ہے تو بلند آواز سے پڑھ لینا چاہیے، چناں چہ اس دعا کو حضور ﷺ کے بلند آواز سے پڑھنے کو اسی پر محمول کیا گیا ہے، واللہ اعلم

قوله: "أهل النعمة": یہ یا تو نداء کی وجہ سے منصوب ہے، یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، أی أنت أهل النعمة، اور نعمت سے مراد مال ہے، اور ثناء حسن سے مراد ذکر جمیل ہے۔ (المنهل: ۸/۱۷۲)

۱۵۰۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يُهَلِّلُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ فَذَكَرَ نَحْوَ هَذَا الدُّعَاءِ، زَادَ فِيهِ: «وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ» وَسَاقَ بَقِيَّةَ الْحَدِيثِ

۱۵۰۶- أخرجه مسلم: كتاب الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته (۵۹۴)، النسائي: كتاب افتتاح الصلاة، باب: التهليل بعد التسليم (۳/۶۹).

۱۵۰۷- أخرجه مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته (۵۹۴)، النسائي: كتاب السهو، باب: عدد التهليل والذكر بعد التسليم (۳/۷۰).

ترجمہ: حضرت ابوالزبیرؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے (جو اوپر مذکور ہوئی) البتہ اسمیں یہ زائد ہے: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ (اسکے بعد باقی حدیث ذکر کی)۔

تشریح حدیث: یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں ابوالزبیر سے نقل کرنے والے حجاج تھے اور اس میں ہشام بن عروہ ہیں، ان کی نقل کردہ روایت میں مذکورہ دعا میں "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کا بھی اضافہ ہے، ہشام بن عروہؒ والی روایت تفصیل کے ساتھ مسلم شریف میں ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی مسلم کے الفاظ ہی نقل کیے ہیں۔

۱۵۰۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، قَالَ: سَمِعْتُ دَاوُدَ الطُّفَاوِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو مُسْلِمٍ الْبَجَلِيُّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: سَمِعْتُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: - وَقَالَ سُلَيْمَانُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي دُبُرِ صَلَاتِهِ: - «اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، أَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ أَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، اجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَأَهْلِي فِي كُلِّ سَاعَةٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اسْمَعْ وَاسْتَجِبْ، اللَّهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ، اللَّهُمَّ نُورَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ»، قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: «رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، اللَّهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ، حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، اللَّهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ»

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ أَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَأَهْلِي فِي كُلِّ سَاعَةٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اللهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ اللّٰهُمَّ نُورَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سلیمان کی روایت میں یوں ہے: رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اللهُ أَكْبَرُ الْأَكْبَرُ۔

تشریح حدیث: قولہ: "أنا شهيد" یعنی میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تنہا آپ ہی ہر چیز کی ہر حال میں

۱۵۰۸- أخرجه أحمد في مسنده (۳۶۹/۴/۱۹۲۹۳) والنسائي في السنن الكبرى (۹/۴۴/۹۸۴۹)

پرورش کرنے والے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

قوله: "إن العباد كلهم إخوة" سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں کیوں کہ سب ہی آدم اور حواء کی اولاد ہیں۔

قوله: "واهلي" یہ "اجعلني" میں یاءِ متکلم پر عطف ہے، "اى اجعلني وأهلي مخلصين لك"۔

قوله: "اسمع واستجب" یعنی آپ قبولیت کا سنا سن لیجئے اور محروم نہ کیجئے۔

قوله: أللهم نور السموات والأرض" "نور" منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے:

کہ آپ ہی آسمان وزمین کو چاند سورج اور ستاروں کے ذریعہ روشن کرنے والے ہیں۔

قوله: "قال سليمان بن داؤد: رَبَّ السموات" یعنی سلیمان بن داؤد نے نور السموات والارض کی جگہ "رب السموات والارض" نقل کیا ہے۔

قوله: حسبي الله ونعم الوكيل: یعنی جس چیز کا میں محتاج ہوں اللہ تعالیٰ اس میں میرے لیے کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے، جس کے حوالہ سارے امور ہیں۔

نوٹ: یہ حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے کیوں کہ اس کی سند میں داؤد طفاوی موجود ہیں، اور وہ ضعیف راوی ہیں، یحییٰ بن معین نے "ليس بشيء" لکھا ہے۔ (المنہل: ۸/ ۱۷۳)

۱۵۰۹- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمِّهِ الْمَاجِشُونِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ، قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ»

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تو فرماتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"۔

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ فرض نماز سے فراغت کے بعد یہ مذکورہ دعا پڑھا کرتے تے، اور ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ذکر جہراً ہوتا ہوگا، نیز آپ ﷺ کا یہ ذکر دعائیہ کلمات پر مشتمل ہے اس لیے فرض نمازوں کے بعد دعا کا بھی ثبوت ہوا، چناں چہ صاحبِ منہل لکھتے ہیں: الحديث يدل على مشروعية الدعاء بعد السلام من

۱۵۰۹- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ماجاء في الدعاء عند افتتاح الصلاة بالليل (۳۴۲۱).

الصلاۃ بھذا الدعاء. (المنہل العذب المورود: ۸/ ۱۷۴)

۱۵۱۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ طُلَيْقِ بْنِ قَيْسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو: «رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرْ هُدَايَ إِلَيَّ، وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ شَاكِرًا، لَكَ ذَاكِرًا، لَكَ رَاهِبًا، لَكَ مِطْوَاعًا إِلَيْكَ، مُخْبِتًا، أَوْ مُنِيبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي، وَاغْسِلْ حَوْبَتِي، وَأَجِبْ دَعْوَتِي، وَثَبِّتْ حُجَّتِي، وَاهْدِ قَلْبِي، وَسَدِّدْ لِسَانِي، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ (نماز سے فراغت کے بعد) یہ دعا پڑھتے تھے: رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَيَسِّرْ هُدَايَ إِلَيَّ وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ شَاكِرًا لَكَ ذَاكِرًا لَكَ رَاهِبًا لَكَ مِطْوَاعًا إِلَيْكَ مُخْبِتًا أَوْ مُنِيبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دَعْوَتِي وَثَبِّتْ حُجَّتِي وَاهْدِ قَلْبِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي۔

تشریح حدیث: یہ دعا عام ہے خواہ نماز کے بعد پڑھی جائے یا دیگر اوقات میں اور یہ دعا انتہائی جامع ہے، ترجمہ اس دعا کا یہ ہے: اے پروردگار میری مدد کر یعنی اپنے ذکر وشکر اور اپنی عبادت کے حسن کی مجھے توفیق دے، میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر یعنی جو طاقتیں مجھے تیری اطاعت وعبادت سے باز رکھیں خواہ شیطان ہو یا خواہ نفس خواہ کفار ان کو مجھ پر غالب نہ کر، مجھ کو فتح دے، مجھ پر کسی کو فتح یاب نہ کر یعنی مجھے کفار پر غالب کر اور کفار کو مجھ پر غالب نہ کر اور میری مدد کر کے دشمنوں کے حق میں میرے لیے مکر کر، میرے ضرر کے لیے مکر نہ کر، مجھے سیدھی راہ دکھا، سیدھی راہ پر چلنا میرے لیے آسان کر، اور جو مجھ پر زیادتی کرے اس کے خلاف میری مدد کر، اے میرے رب! مجھے ہر وقت اپنا شکر گزار، ہر حال میں تیرا ذکر کرنے والا، تجھ سے ڈرنے والا، تیری بہت فرماں برداری کرنے والا، تیرے سامنے عاجزی کرنے والا، تیری بارگاہ میں زاری کرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا، اے اللہ میری توبہ قبول کر دینا اور آخرت میں اپنے دشمنوں کے سامنے میری دلیل اور حجت کو ثابت کر، میری زبان کو سچی اور درست رکھ یعنی اس سے سچ وحق بات کے علاوہ کچھ نہ نکلے، میرے دل کو ہدایت بخش میرے سینے کی سیاہی دور کر۔

۱۵۱۰- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: في دعاء النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۵۵۱)، النسائي في "عمل اليوم والليلة"، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: دعاء رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۸۳۰).

راهبا: صیغہ اسم فاعل ہے بمعنی ڈرنے والا۔

مِطْوَاعًا: بمعنی بہت فرماں برداری کرنے والا، مبالغہ کی تاء کے ساتھ مِطْوَاعَةٌ بھی کہا جاتا ہے، جمع ''مَطَاوِيع'' آتی ہے۔

مُخْبِتًا: یہ باب افعال سے صیغہ اسم فاعل ہے، عاجزی کرنے والا۔

حوبتي: حَوْبَةٌ بمعنی گناہ۔

سَخِيمَة: بفتح السین بمعنی حسد، کینہ۔

اسْلُلْ: صیغہ امر ہے بمعنی نکالنا۔

امام ترمذیؒ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

۱۵۱۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مُرَّةَ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: «وَيَسِّرِ الْهُدَى إِلَيَّ»، وَلَمْ يَقُلْ: هُدَايَ

ترجمه: حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ سے سنا اسی سند و معنی کے ساتھ اس میں «وَيَسِّرِ الْهُدَى إِلَيَّ» ہے "هُدَايَ" نہیں ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: سفیان ثوری نے عمرو بن مرہ سے اٹھارہ حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث اوّل ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں سفیان سے نقل کرنے والے محمد بن کثیر تھے اور اس میں یحییٰ بن سعید القطان ہیں، دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ محمد بن کثیر کی دعا میں ''وَيَسِّرْ هُدَايَ'' تھا اور یحییٰ کی روایت میں ''وَيَسِّرِ الْهُدَى'' ہے۔

قوله: قال ابو داؤد: سمع سفيان الخ سفیان نے عمرو بن مرہ سے اٹھارہ حدیثیں سنی ہیں اور یہ حدیث بھی انھیں میں سے ہے، لہٰذا روایت سابق میں عنعنہ مضر نہیں ہے۔

۱۵۱۲- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، وَخَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عَبْدِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا

۱۵۱۱- انظر التخريج المتقدم.

۱۵۱۲- أخرجه مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته (۱۳۶/ ۵۹۲)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: مايقول إذا سلم من الصلاة (۲۹۸)، النسائي (۳/ ۶۹)، كتاب السهو، باب: الذكر بعد الاستغفار (۱۳۳۸)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: مايقال بعد التسليم (۹۲۴).

سَلَّمَ، قَالَ: «اللَّهُمَّ أَنتَ السَّلَامُ، وَمِنكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»،
قَالَ أَبُو دَاوُدَ: " سَمِعَ سُفْيَانُ مِنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالُوا: ثَمَانِيَةَ عَشَرَ حَدِيثًا "

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو یوں فرماتے۔ "اللّٰھُمَّ أَنتَ السَّلَامُ وَمِنکَ السَّلَامُ تَبَارَکتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْإِکْرَامِ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ: سفیان ثوری نے عمرو بن مرہ سے اٹھارہ حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

تشریح حدیث: مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلاَّ مِقْدَارَ مَا يَقُولُ... "یعنی آپ ﷺ فرض نمازوں کے بعد صرف اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ ألّلهم أنت السلام ومنك السلام تبارکت یاذالجلال والإکرام۔ اے اللہ! تو سالم ہے یعنی تمام عیوب سے پاک ہے اور تجھ ہی سے بندوں کو تمام آفات سے سلامتی ملتی ہے، اے بزرگی و بخشش والے تو برتر ہے۔

مسلم شریف کے یہ الفاظ: لم يقعد إلا مقدار مايقول کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ بہ ہیئت صلاۃ بس اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے، یہ توجیہ اس لیے کی جارہی ہے کہ نماز کے بعد اس سے زیادہ دیر بیٹھنا اور اذکار کرنا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔

۱۵۱۳- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ أَبِي عَمَّارٍ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ فَذَكَرَ مَعْنَى حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا .

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر اٹھنا چاہتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے (یعنی تین مرتبہ أستغفِرُ الله کہتے) اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہؓ والی حدیث کا مضمون ذکر کیا۔

ترجمہ حدیث: یہ بھی حدیث اوّل ہی کا طریق ثانی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ "اللهم أنت السلام ومنك السلام..." سے پہلے تین مرتبہ "استغفر الله" بھی کہا کرتے تھے، اور اس طریق میں جو یہ جملہ "إذا أراد أن ينصرف من صلاته" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز سے فراغت کے بعد دعا کا ارادہ فرماتے تو اپنی جگہ

۱۵۱۳-أخرجه مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته (۱۳۵/ ۵۹۱)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما يقول إذا سلم من الصلاة (۳۰۰)، النسائي: (۳/ ۶۸) كتاب السهو، باب: الاستغفار بعد التسليم (۱۳۳۶)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: مايقال بعد التسليم (۹۲۸).

سے الگ ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے، چناں چہ صاحب منہل ؒ فرماتے ہیں: والمراد أنه إذا أراد الدعاء بعد الانصراف من موضع صلاته۔ اور یہ معنی اس لیے کیے جارہے ہیں کہ دوسری روایات میں ''إذا سلّم'' کے الفاظ بھی ہیں، معلوم یہ ہوا کہ یہ دعا بعد السلام ہی پڑھا کرتے تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز کے فوراً بعد ''استغفر الله'' کیوں پڑھا کرتے تھے؟ شراح حدیث نے اس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ طاعات کی انجام دہی پر مغرور نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنے آپ کو کوتاہ تصور کر کے استغفار کرنا چاہیے، یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

اس باب میں مصنف ؒ نے کل نو احادیث نقل کی ہیں، جن میں سے بعض میں ''إذا سلّم'' کے الفاظ ہیں، بعض میں ''في دبر كل صلاة'' ہے۔ بعض میں ''إذا سلّم من الصلاة'' ہے اور بعض میں ''إذا أراد أن ينصرف'' ہے، ان تمام تعبیرات کا مفاد یہی ہے کہ آپ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد اپنی جگہ سے ہٹنے سے پہلے یا رخ بدلنے سے پہلے مذکورہ دعا کو پڑھا کرتے تھے، لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابٌ فِي الِاسْتِغْفَارِ

استغفار کا بیان

۱۵۱۴- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ وَاقِدٍ الْعُمَرِيُّ، عَنْ أَبِي نُصَيْرَةَ، عَنْ مَوْلًى لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ، وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً»

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے آزاد کردہ غلام (ابوجابر) حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اِستغفار کیا (یعنی دل سے ندامت کے ساتھ گناہ سے توبہ کی) اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا؛ اگر چہ دن بھر میں اس سے ستر مرتبہ گناہ سرزد ہو جائے۔

مقصد ترجمہ: ''استغفار'' کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش چاہنا، اور اس کا تعلق زبان سے ہے کہ بندہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہے، جب کہ توبہ کا تعلق دل سے ہے کیوں کہ کسی گناہ پر ندامت وشرمندگی اور خدا کی طرف رجوع اور آئندہ اس گناہ میں ملوث نہ ہونے کا عہد (جو کہ عین توبہ ہے) دل ہی سے ہوتا ہے۔

۱۵۱۴- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب (۱۰۷) رقم (۳۵۵۹).

ہمارے مصنفؒ نے ماقبل میں نماز کے بعد کے اذکار اور دعا کو بیان فرمایا تھا، اب مصنفؒ اسی سے متعلق توبہ و استغفار کا عنوان قائم کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نمازوں کے بعد اور جب بھی موقع ہو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے، نمازوں کے بعد چوں کہ موقع آسانی سے مل جاتا ہے اس لیے کتاب الصلاۃ کے اخیر میں اس کو لا رہے ہیں، مصنفؒ نے اس مقصد کے لیے کل (۱۷) حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں توبہ واستغفار کی فضیلت، اہمیت اور فوائد کو بیان فرمایا ہے۔

رجال حدیث: عثمان بن واقِد: یہ مختلف فیہ راوی ہیں، یحییٰ بن معین نے ''ثقہ'' لکھا ہے، آجری نے ابوداوُد سے ''ضعیف'' نقل کیا ہے، جب حضرت امام ابوداوُدؒ سے کہا گیا کہ ابن معین نے تو ان کی توثیق کی ہے، تو بھی امام ابوداوُدؒ نے فرمایا کہ وہ تو ضعیف ہیں، اور بطور دلیل کے یہ بات کہی کہ انھوں نے ایک حدیث ایسی بیان کی ہے جس کو کوئی بیان نہیں کرتا وہ یہ ہے: ''**من أتى الجمعة من الرجال و النساء فليغتسل**'' اس کے علاوہ امام دارقطنیؒ نے ''**ليس به بأس**'' کہا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی اختلاف کی وجہ سے ان کو 'صدوق' کا درجہ دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۰۲)

أَبُوْ نُصَيْرَة: بالتصغیر ہے، یہ مسلم بن عبید الواسطی ہیں، ان کے بارے میں بھی ائمہ جرح وتعدیل کا اختلاف ہے، امام احمد اور ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے، یحییٰ بن معین نے ''صالح'' لکھا ہے، لیکن امام ازدی نے ان کی تضعیف کی ہے، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں ثقہ لکھا ہے، امام ترمذیؒ نے انھیں کی وجہ سے اس حدیث کی سند کو غیر قوی قرار دیا ہے۔

''مولى لأبي بكر'': امام بزار فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہیں، یعنی نہ ان کے نام کا پتہ ہے اور نہ ہی حالات معلوم ہیں۔

تشریح حدیث: اس حدیث کے ذیل میں پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اس کے رجال کے احوال سے معلوم ہو گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر ہم باب فضائل میں اس کو قابل قبول مان ہی لیں تو اس کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کا بیان ہے جو بتقاضۂ بشریت گناہ کر لیں لیکن پھر سچی توبہ کر لیں پھر دوبارہ غلبۂ نفس کی وجہ سے گناہ میں ملوث ہو جائیں مگر پھر توبہ کر لیں، ایسے لوگ مصر اور ضد کرنے والے نہیں کہلائیں گے، کیوں کہ یہ توبہ میں سچے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد گناہ گار لوگوں کو توبہ اور استغفار کی ترغیب دینا ہے نہ کہ گناہ کرنے کی دعوت دینا۔

تیسری بات یہ جاننی چاہیے کہ اصرار علی الذنب اور عود الی الذنب بعد التوبہ میں فرق ہے، چناں چہ الموسوعۃ الفقہیہ میں لکھا ہے کہ اصرار لغت میں کسی چیز پر مداومت کرنے اور اس پر برقرار رہنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اصرار کہتے ہیں کسی کام کا دل سے پختہ ارادہ کرنا اور اس سے الگ نہ ہونا، اصرار کا استعمال اکثر و بیشتر شر اور گناہ میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں: ''**الاصرار لغةً: مداومة الشئ و ملازمته و الثبوت عليه، واصطلاحًا: الاصرار هو العزم بالقلب على الأمر و على ترك الاقلاع عنه، و أكثر مايستعمل الاصرار في الشر و الإثم و الذنوب**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۵/ ۵۴)

اصرار کی مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات اجاگر ہوگئی کہ اگر کسی گناہ کے کرنے پر ضد اور مداومت ہوگی تو اس کا فاعل مصر علی الذنوب ہوگا یعنی ہماری اردو زبان میں ضدی ہوگا اور اگر گناہ کے بعد اس نے توبہ کرلی تو اس پر اصرار کی تعریف صادق ہی نہیں آئی، اس لیے فرمایا گیا: ''ما اصر من استغفر''۔

لہٰذا بندہ پر لازم ہے کہ استغفار کی حقیقت سے واقف ہو، محض زبان سے کلمہ استغفار کا پڑھ لینا اور گناہ کے نہ کرنے کا عزم نہ کرنا نیز گناہ سے الگ نہ ہونا استغفار کی حقیقت کے منافی ہے، شریعت میں جو استغفار مطلوب ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، اپنے کئے گناہ پر شرمندگی کا اظہار کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔

صاحبِ مظاہر حق نے اس حدیث کی شرح میں خلاصہ کے طور پر لکھا ہے اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے اور اس سے استغفار کرتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ حد اصرار سے خارج ہوجاتا ہے، چاہے اس سے اسی گناہ کا ارتکاب کتنی مرتبہ ہوا ہو، کیوں کہ گناہ پر اصرار کرنے والا تو اسی کو کہیں گے جو بار بار گناہ کرے مگر نہ تو وہ اس گناہ سے شرمندہ ہو اور نہ ہی استغفار کرے۔ (مظاہر حق جدید: ۳/۱۷۷)

۱۵۱۵- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ، - قَالَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ: وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ»

ترجمہ: حضرت اغر مزنی مسدد نے کہا کہ یہ صحابی ہیں- سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (امور حیات میں مشغولیت کی بنا پر) میرے دل پر ایک پردہ سا آجاتا ہے؛ اس لیے میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

رجال حدیث: الأغر المزني: یہ اغر بن یسار مزنی جہنی صحابی ہیں، لیکن قلیل الروایۃ ہیں (لاستيعاب في معرفة الاصحاب: ۱/۱۰۲)

تشریح حدیث: قوله: إنه لَيُغَانُ علَى قلبي: غَانَ يَغِينُ غَيْنًا: ابر آلود ہونا، غِيِنَ (بصیغۂ مجہول) عَلَى الرَّجُلِ: بھول اور غفلت طاری ہونا، خواہش نفس کا سوار ہونا، یہاں پر ''يُغَانُ'' باب ضرب سے صیغہ مجہول ہے، جس کا لفظی ترجمہ ہوگا، میرے دل پر پردہ آجاتا ہے، یا میرا دل ابر آلود ہوجاتا ہے، کیوں کہ غَين اور غَيم دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر پردہ آجانے یا قلب کے ابر آلود ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلہ میں شراح حدیث نے بہت کچھ لکھا ہے ہم اختصار کے ساتھ یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۵۱۵-أخرجه مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: استحباب الاستغفار والاستكثار منه حديث/ ۲۷۰۲.

(۱) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان متشابہات میں سے ہے جس کے معنی معلوم نہیں، علامہ سندھی بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر کے پیش نظر اس کلام کی حقیقت معلوم نہیں ہے، بھلا حضور ﷺ کے مرتبہ تک کے وہم وگمان کی رسائی ہوسکتی ہے، بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو کوئی ایسی حالت پیش آتی تھی جو استغفار کی طرف داعی ہوتی تھی۔

(۲) حدیث میں غَین سے مراد وہ سکینت ہے جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر چھا جاتی تھی، جس کو قرآن کریم میں "فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور سکینت کے اس نزول کے بعد آپ ﷺ کا استغفار اپنی عبودیت اور محتاجگی کے اظہار کے لیے ہوتا تھا اور اس لیے بھی ہوتا تھا کہ اللہ تعالی کی اس عظیم نعمت کا شکر ہو سکے۔

(۳) بعض حاجات اور ضروریات بشریہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا مصالح امت میں مشغول ہونے کی وجہ سے قلب کی یہ کیفیت ہوجاتی تھی حالاں کہ ان میں دو میں سے اوّل کا تو کم ازکم مباحات کا درجہ ہے اور ثانی عین عبادت ہے ہی، لیکن پیغمبر علیہ السلام اس کو بھی اپنے حق میں تقصیر تصور کرتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ اس ابر سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی خشیت کی حالت ہے جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر چھا جاتی تھی، اور آپ ﷺ کا استغفار بطور شکر کے ہوتا تھا، کیوں کہ استغفار کا شکر کے معنی میں استعمال ہونا عربوں کے محاورات میں عام ہے۔

(۵) حضور اکرم ﷺ ہر آن روحانی اور باطنی ترقی پر گامزن تھے، تو اس ترقی کے بعد آپ ﷺ جس بلند درجہ پر پہنچتے تھے تو اس سے نیچے کے درجہ کا جب تصور فرماتے تو اس کو اپنے حق میں تقصیر سمجھتے اور استغفار کرتے تھے۔ كان عليه السلام في ترق من مقام إلى مقام، فإذا ارتقى من المقام الذي كان فيه إلى مقام أعلى استغفر من المقام الذي كان فيه.

(۶) مصالح امت میں اشتغال کی وجہ سے جس وقت آپ ﷺ ذکر خدا نہ کر پاتے تھے اس وقت کو اپنے لیے گناہ تصور فر[illegible] استغفار کیا کرتے تھے۔

۷) اور کہا گیا ہے کہ "غین" یعنی ابر سے مراد انوار و برکات کا ابر ہے نہ کہ گناہ کا، اور آپ ﷺ کا استغفار اس انوار و[illegible]ات کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ یہ تو ترقی درجات کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔

(۸) بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ عوام اور ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ ملنے اور گفتگو کرنے میں بہت سا وقت لگانا پڑتا ہے، جس سے بعض وقت دل میں ایک قسم کی کدورت و کثافت محسوس ہونے لگتی ہے جو بعد میں ذکر اور مراقبہ سے دور ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ قلب و باطن جتنا زیادہ صاف ہوگا اتنی جلدی اس پر غبار کا اثر ظاہر ہوگا، کپڑا جتنا سفید ہوتا ہے اتنی ہی جلدی اس پر میل ظاہر ہوتا ہے اور حضور ﷺ کے صفاء باطن کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف میں استغفار کی بڑی ترغیب موجود ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ تمام گناہوں سے

معصوم ہونے کے باوجود ایک ایک دن میں سو سو مرتبہ استغفار کر رہے ہیں تو امت کو خود ہی فکر مند ہونا چاہیے کہ کتنا استغفار کرے، پیغمبر علیہ السلام اس کی ترغیب دے رہے ہیں۔ واللہ اعلم

١٥١٦-حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِائَةَ مَرَّةٍ: «رَبِّ اغْفِرْ لِي، وَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ»

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم آپ ﷺ کی مجلس میں "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" کو سو مرتبہ شمار کرتے تھے۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ کا اتنی کثرت سے استغفار و توبہ کرنا اس لیے نہیں تھا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ گناہ میں ملوث ہوتے تھے، بلکہ آپ ﷺ تو معصوم تھے، بلکہ دراصل وجہ اس کی یہ تھی کہ آں حضرت ﷺ مقام عبدیت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے خدا کی بندگی اور عبادت میں کوئی قصور ہو گیا ہو اور میں وہ بندگی نہ کر سکا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

نیز اس سے مقصود امت کو استغفار کی ترغیب دلانا بھی تھا کہ آں حضرت ﷺ باوجودیکہ معصوم اور خیر المخلوقات تھے، جب آپ اس قدر کثرت سے استغفار کرتے تو گنہگاروں کو بطریق اولیٰ استغفار کی کثرت کرنی چاہیے۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ روئے زمین پر عذاب الٰہی سے امن کی دو ہی پناہ گاہیں تھیں ایک تو اٹھ گئی دوسری باقی ہے، لہٰذا اس دوسری پناہ گاہ کو اختیار کرو، جو پناہ گاہ اٹھ گئی وہ تو نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی اور جو باقی ہے وہ استغفار ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ.

یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس حالت میں عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک وہ استغفار کرتے ہوں۔

صاحبِ "منہل" لکھتے ہیں:

وفي الحديث: ترغيب في كثرة الاستغفار بهذه الكلمات، لأنه ﷺ مع كونه معصومًا مغفورًا له كان

١٥١٦-أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ما يقول إذا قام من المجلس (٣٤٣٣)، النسائي في "عمل اليوم والليلة"، ابن ماجه: كتاب الأدب، باب: الاستغفار (٣٨١٤).

يستغفر في المجلس الواحد مائة مرة، فغيره ممن ليس بمعصوم أولى. وكان ﷺ يكثر من الاستغفار تعليمًا للأمة، وامتثالاً لقول الله تعالى: "واستغفره إنه كان توابا" (المنهل العذب المورود: ۸/ ۱۸۰)

۱۵۱۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُرَّةَ الشَّنِّيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ بِلَالَ بْنَ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ، مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يُحَدِّثُنِيهِ عَنْ جَدِّي، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " مَنْ قَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّومَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، غُفِرَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ "

ترجمہ: بلال بن یسار بن زید حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص "أَستَغفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّومَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ کہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے؛ اگر چہ اس نے کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کے گناہ عظیم کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو۔

رجال حدیث: حفص بن عمر الشني: ثقہ درجہ کے راوی ہیں لیکن ان کی اس حدیث ابوداؤد اور ترمذی ہی نے لیا ہے اور "شَنيِّ" بفتح الشین، یہ نسبت ہے قبیلہ عبدالقیس کی شاخ "شنؔ" کی طرف۔

"جَدِّيْ" یہ زید بن بولا ابو یسار ہیں، حضور اکرم ﷺ کو غزوۂ بنی ثعلبہ میں غنیمت میں ملے تھے آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ جو ایک مرتبہ بھی اس دعا کو پڑھے گا اس کے لیے یہ بشارت ہے، البتہ سنن ترمذی کی روایت میں "ثلاث مرات" کے الفاظ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے جائیں۔

قولہ: الحيّ القيوم: اس میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال ہیں، یا تو اللہ کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا "ھو" سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد سے راہ فرار اختیار کرنے کا گناہ عظیم بھی مذکورہ کلمات کے صدق دل سے پڑھنے سے معاف ہو جاتا ہے۔

۱۵۱۸- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُصْعَبٍ،

۱۵۱۷- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب: في دعاء الضيف (۳۵۷۷).

۱۵۱۸- أخرجه النسائي في "عمل اليوم والليلة"، ابن ماجه: كتاب الأدب، باب: الاستغفار (۳۸۱۹).

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو استغفار کرنے کو اپنے اوپر لازم کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا ایک راستہ پیدا فرمائے گا اور ہر غم سے نجات دے گا اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

تشریح حدیث: حدیث شریف میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استغفار کو لازم پکڑ لینے کا حکم دیا ہے اور پھر اس لزوم پر تین فوائد کو بیان کیا ہے، یہاں اوّلاً تو لزوم کے معنی سمجھنے چاہئیں اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ تین فوائد کس بنیاد پر ہیں۔

استغفار کو لازم پکڑنے کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان سے جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا کوئی آفت و مصیبت اور رنج و غم ظاہر ہو تو استغفار کرے، یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ استغفار پر مداومت و ہمیشگی اختیار کرے کیوں کہ زندگی کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں جس میں انسان استغفار کا محتاج نہ ہو، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيْفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا۔ خوش بختی اس شخص کے لیے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت پائی۔

اب دوسری بات کہ حدیث میں استغفار کے جو تین فوائد بیان کیے گئے ہیں ان کی بنیاد کیا ہے؟ تو ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے قلب کا تعلق اور اللہ تعالیٰ پر اس کا اعتماد مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں اس کا شمار متقین میں ہو جاتا ہے اور متقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ۝۲ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ''

اسی طرح قرآن کریم کی دوسری آیت: '' فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ۝۱۰ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًاۙ۝۱۱ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًاؕ۝۱۲ ''اس میں بھی استغفار کو وسعت رزق کا سبب کہا گیا ہے۔

۱۵۱۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ح وحَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، الْمَعْنَى، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَأَلَ قَتَادَةُ، أَنَسًا، أَيُّ دَعْوَةٍ كَانَ يَدْعُو

۱۵۱۹ - أخرجه البخاري: كتاب الدعاء، باب: قول النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ربنا آتنا في الدنيا حسنة (۴/ ۴۳)، مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: فضل الدعاء باللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة: ۲۶ - (۲۶۹۰).

بِهَا رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ، قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دَعْوَةٍ يَدْعُو بِهَا: «اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ»، وَزَادَ زِيَادٌ، وَكَانَ أَنَسٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ بِدَعْوَةٍ دَعَا بِهَا، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ بِدُعَاءٍ دَعَا بِهَا فِيهَا

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن صہیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے کون سی دعا مانگا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ اکثر یہ دعا پڑھتے تھے: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ زیاد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت انسؓ جب دعا کا ارادہ فرماتے تو یہی دعا کرتے اور اگر کوئی اور دعا کرنا چاہتے تو اس دعا کو بھی اسی میں شامل فرماتے۔

تشریح حدیث: حسنہ دنیا سے مراد ہر وہ اچھائی ہے جو طبیعت کے موافق ہو اور اعمال آخرت کے لیے معین و مددگار ہو، جیسے: عافیت، نیک بیوی، اچھی سواری، حلال رزق نیک اولاد، علم نافع وغیرہ اور حسنہ آخرہ سے مراد دخولِ جنت اور اس سے پہلے حساب و کتاب میں آسانی ہے۔

محدث کبیر امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حسنہ دنیا سے مراد پاکیزہ روزی اور علم ہے، اور حسنہ آخرہ سے مراد جنت ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حسنہ دنیا سے مراد علم اور عبادت ہے اور حسنہ آخرہ سے مراد عفو و مغفرت ہے۔

اور وقایہ من النار کا سبب دنیا میں محارم سے اجتناب اور شبہات کو چھوڑنا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دعا کو بہت زیادہ اختیار فرمایا کرتے تھے کیوں کہ یہ دعا دنیا اور آخرت کے تمام تر معانی کو شامل ہے اور جامع ترین دعا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جامع دعاؤں کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

زیاد راوی بیان کر رہے ہیں کہ صحابی رسول حضرت انسؓ کا معمول تھا کہ اگر ان کو مختصر دعا مانگنی ہوتی تو صرف اسی دعا پر اکتفاء فرماتے اور اگر بہت سی دعائیں مانگنی ہوتی تو پھر اس دعا کو شامل کر لیا کرتے تھے، حضرت امام بخاریؒ نے تو اس دعا کے تعلق سے مستقل باب قائم کیا ہے جیسا کہ تخریج میں گزرا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح ثابت کی جاسکتی ہے کہ استغفار سے مراد مطلق دعا ہے۔

۱۵۲۰ - أخرجه مسلم: كتاب الإمارة، باب: ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو (۱۵۷/ ۱۹۰۹)، الترمذي: كتاب فضائل الجهاد، باب: ماجاء فيمن سأل الشهادة (۱۶۵۳)، النسائي (۶/ ۳۷) كتاب الجهاد، باب: مسألة الشهادة (۲/ ۳۱۶)، ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب: القتال في سبيل الله سبحانه وتعالى (۲۷۹۷).

۱۵۲۰- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا، بَلَّغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ»

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صدق دل کے ساتھ شہادت کی تمنا کرے تو اللہ اس کو شہیدوں کا مرتبہ عطا فرمائے گا اگر چہ وہ اپنے بستر پر ہی پڑ کر کیوں نہ مرے۔

رجال حدیث: ''عبدالرحمن بن شریح'' یہ ابوشریح المعافری ہیں، اکثر ائمہ جرح وتعدیل جیسے عجلی، ابن معین، نسائی، ابن حبان، امام احمد بن حنبل وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے بھی ''لا بأس به'' کہا ہے، البتہ ابن سعد نے انکی تضعیف کی ہے اور کہا ہے: منکر الحدیث، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: ثقة فاضل لم يصب ابن سعد في تضعيفه۔ ۱۶۷ھ میں وفات ہوئی ہے، کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے شہادت کی موت نصیب فرما اور جہاد کا ارادہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی صدق نیت کی وجہ سے شہداء کے مقام ومرتبہ تک پہنچا دیتا ہے، اگر چہ اپنے گھر ہی میں اس کی وفات ہو جائے۔

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ انسان کو اس کی اچھی نیت پر عمل کا ثواب مل جاتا ہے، یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وانعام ہے۔

۱۵۲۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ الثَّقَفِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْأَسَدِيِّ، عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ الْحَكَمِ الْفَزَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي، وَإِذَا حَدَّثَنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ، فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ، قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا، فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: {وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ} إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

۱۵۲۱- أخرجه الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة عند التوبة (۴۰۶)، وكتاب تفسير القرآن، باب: ومن سورة آل عمران (۳۰۰۶) النسائي (الكبرى) كتاب التفسير، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ما جاء في أن الصلاة كفارة (۱۳۹۵).

ترجمه: حضرت اسماء بن حکمؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب میں حضور ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر عمل کی توفیق بخشتا جس قدر چاہتا۔ اور جب کوئی اور مجھ سے آپ ﷺ کی حدیث بیان کرتا تو میں اسکو قسم دیتا جب وہ قسم کھالیتا تو مجھے یقین آجاتا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابوبکر نے سچ کہا انکا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: کوئی بندہ ایسا نہیں جو کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اللہ سے معافی چاہے اور اللہ اسکو بخش نہ دے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی: " وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ آخر آیت تک۔

تشریح حدیث: قوله: بما شاء أن ينفعني یعنی اللہ تعالیٰ مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر جس قدر چاہتا عمل کی توفیق دے دیتا، معلوم ہوا کہ عمل کی توفیق کا مل جانا بھی اللہ کی عنایت ہی ہے۔

قوله: استحلفته: جب کوئی بھی شخص مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم دے کر معلوم کر لیتا کہ واقعتاً اللہ کے رسول ﷺ نے ہی یہ حدیث بیان کی ہے، حضرت علیؓ ایسا غایت احتیاط کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام:

قوله: وصدق أبو بكر: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے جب یہ حدیث بیان کی تو ان کو حضرت علیؓ نے قسم نہیں کھلائی، اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام ومرتبہ ان کی نظر میں بہت بلند تھا، وہ جانتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تو خود رسول اللہ ﷺ نے صدیق کے لقب سے نوازا ہے، پھر قسم کھلا کر مزید تصدیق کی کیا ضرورت ہے۔

اس جگہ صاحبِ منہلؒ نے ابن جریرؒ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب بھی مجھ سے کسی نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ سے کوئی حدیث بیان کی تو میں نے اس سے قسم ضرور لی لیکن حضرت ابوبکرؓ سے کبھی قسم نہیں لی، اس لیے کہ وہ کبھی غلط بیانی ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔

یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اور حضرات صحابہؓ تو روایت بالمعنی بھی کر لیا کرتے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت باللفظ کا التزام فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی روایت بہت کم ہیں، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا معاملہ تھا، اس وجہ سے حضرت علیؓ نے ان کو قسم کھلانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔

صلاۃ التوبہ کا ثبوت:

اس حدیث میں صلاۃ التوبہ کا بیان ہے کہ جب کسی بندہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ

سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

قولہ: ثم قرأ هذه الآية: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیت کریمہ بطورِ استشہاد کے پڑھی کیوں کہ اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ گناہ کر کے استغفار کرنا چاہیے۔

۱۵۲۲- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ، يَقُولُ: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيُّ، عَنْ الصُّنَابِحِيِّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: «يَا مُعَاذُ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ»، فَقَالَ: " أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ "، وَأَوْصَى بِذَلِكَ مُعَاذٌ الصُّنَابِحِيَّ، وَأَوْصَى بِهِ الصُّنَابِحِيُّ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے انکا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں، اور اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑنا یعنی "اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (اے اللہ! میری مدد کر اپنے ذکر و شکر کرنے پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر) حضرت معاذ نے یہی نصیحت صنابحی کو کی اور یہی نصیحت صنابحی نے عبدالرحمن کو کی۔

رجال حدیث: "الصنابحي" یہ عبدالرحمن بن عسیلہ ابوعبداللہ ہیں، یمن کے قبیلہ مراد کی شاخ "صنابح" کی طرف نسبت ہے، پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات کے لیے آرہے تھے، ابھی مقام جحفہ میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اس لیے حضور ﷺ کا دیدار نہ کر سکے اور شرف صحابیت حاصل نہ ہو سکا، لیکن کبار تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: أخذ بيده: اس میں کمال محبت کی طرف اشارہ ہے، پھر دوہرے کلمات کے ذریعہ محبت کا اظہار بھی ہے۔

اسی جگہ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلسلات میں سے ہے، اس میں تسلسل اس بات کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح یہ حدیث حضرت معاذؓ کو "أنا أحب" فرما کر سنائی اسی طرح حضرت معاذؓ نے اپنے شاگرد صنابحی کو یہ حدیث "أنا أحبك" کہہ کر سنائی، هكذا الى آخر

قولہ: "فقال: أوصيك": یہاں وصیت بمعنی امر ہے اس جملہ میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب سے اس بات کی

۱۵۲۲- أخرجه النسائي: كتاب السهو، باب: نوع آخر من الدعاء (۳/ ۵۳).

ترغیب اور اہتمام ہے کہ حدیث میں مذکور جو دعا ہے اس کی پابندی کرنی چاہیے۔

قوله: "اعني على ذكرك": ذکر قرآن کو بھی شامل ہے، بلکہ قرآن پاک کی تلاوت تو افضل الذکر ہے، اسی طرح ذکر ہر قسم کی تسبیح اور استغفار کو بھی شامل ہے۔

قوله: "شكرك" شکر کی اصل روح عمل صالح ہے، قرآن پاک میں ہے: اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا، اگر زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کر کے بھی اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جاتا ہے اور عظیم ترین شکر تو پرہیزگار کا اختیار کرنا ہے۔

قوله: "حسن عبادتك" عبادت کا حسن اس کو کامل و مکمل طریقہ سے ادا کرنا ہے۔

۱۵۲۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ حُنَيْنَ بْنَ أَبِي حَكِيمٍ، حَدَّثَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اللَّخْمِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: «أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ»

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے مجھ کو رسول ﷺ نے ہر نماز کے بعد معوذات (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھنے کا حکم دیا۔

رجال حديث: حُنَين بن أبي حكيم: ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں صدوق لکھا ہے، ابن عدی نے لکھا ہے: "أحاديثه غير محفوظة"۔

تشريح حديث: المعوِّذات: اگر یہ واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے تو یہ معوِّذة کی جمع ہے بمعنی پناہ دینے والی، اور نسبت فاعلی مجاز ہے اصل پناہ دینے والا تو اللہ ہے اور واؤ کے فتح کے ساتھ ہے تو صیغۂ اسم مفعول ہے یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ پناہ حاصل کی گئی مراد اس سے قرآن پاک کی آخری دو سورتیں ہیں، ایک سورۂ فلق دوسری سورۃ الناس، اور جمع کا صیغہ مافوق الواحد کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ فرض نمازوں کے بعد ان دونوں سورتوں کا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

۱۵۲۴- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ سُوَيْدٍ السَّدُوسِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ يَدْعُوَ ثَلَاثًا، وَيَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو تین تین مرتبہ دعا و استغفار کرنا پسند تھا۔

۱۵۲۳ - أخرجه الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب: ما جاء في المعوذتين (۲۹۰۳)، النسائي: كتاب السهو، باب، الأمر بقراءة المعوذات بعد التسليم من الصلاة (۶۸/۳).

۱۵۲۴ - أخرجه النسائي: في عمل اليوم والليلة (۱۴۸).

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ جب دعا فرماتے تو دعائیہ کلمات کو تین تین بار کہتے تھے اسی طرح استغفار کو بھی تین تین بار ہی کہا کرتے تھے، اس میں درحقیقت کمالِ احتیاج کا اظہار ہے اور یہ چیز شانِ عبدیت کے عین مناسب ہے، امام بخاریؒ نے بھی اس مسئلہ کو اپنی صحیح میں مستقل عنوان کے تحت بیان کیا ہے، چناں چہ عنوان قائم کرتے ہیں: ''باب تکریر الدعاء'' لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی پیروی اور اقتداء میں ایسا کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۱۵۲۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنِ ابْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ - أَوْ فِي الْكَرْبِ -؟ أَللَّهُ أَللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا هِلَالٌ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَابْنُ جَعْفَرٍ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ»

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تجھ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کو تو سختی اور مصیبت کے وقت پڑھا کرے وہ کلمات یہ ہیں: "أَللهُ أَللهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا (یعنی اللہ میرا رب ہے میں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا) ابوداود کہتے ہیں: ہلال، عمر بن عبدالعزیز کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ابن جعفر سے عبداللہ بن جعفر مراد ہیں۔

رجال حدیث: عبدالعزیز بن عمر: یہ ابومحمد المدنی ہیں، ابوداود و یحییٰ بن معین اور یعقوب بن سفیان نے ثقہ کہا ہے، البتہ ابومسہر نے ضعیف کہا ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **ليس من أهل الحفظ و الاتقان۔**

ھلال: یہ عمر بن عبدالعزیز کے آزاد کردہ غلام ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں مقبول لکھا ہے، ابن عمار نے توثیق کی ہے۔

تشریح حدیث: پریشانی اور مشکلات کے وقت میں مذکورہ کلمات کا پڑھنا بے حد مفید ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمام مشکلات کو آسان کر دیتا ہے ان کلمات میں شرک سے براءت کا اظہار ہے۔

۱۵۲۶- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، وَعَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، وَسَعِيدٍ

۱۵۲۵- أخرجه ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: الدعاء عند الكرب (۳۸۸۲).

۱۵۲۶- أخرجه البخاري: كتاب الجهاد، باب: ما يكره من رفع الصوت، مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: استحباب خفض الصوت بالذكر (۲۷۰۴)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ما جاء في فضل التسبيح والتكبير والتهليل والتحميد (۳۴۶۱)، النسائي في "الكبرى"، ابن ماجه: كتاب الأدب، باب: ما جاء في "لا حول ولا قوة إلا بالله" (۳۸۲۴).

الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، أَنَّ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَلَمَّا دَنَوْا مِنَ الْمَدِينَةِ كَبَّرَ النَّاسُ، وَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ، وَلَا غَائِبًا، إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ أَعْنَاقِ رِكَابِكُمْ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَبَا مُوسَى، أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟» فَقُلْتُ، وَمَا هُوَ؟ قَالَ: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»،

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری ؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں میں رسول ﷺ کے ساتھ تھا جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگوں نے چلا چلا کر تکبیر شروع کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم کسی ایسی ہستی کو نہیں پکار رہے ہو جو گونگی ہو یا دور ہو؛ بلکہ تم ایسی ہستی کو پکار رہے ہو جو تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے بیچ میں ہے (یعنی تم سے بیحد قریب ہے) پھر فرمایا: اے ابوموسی! کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی نشاندہی نہ کروں؟ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خزانہ ہے: "لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

تشریح حدیث: قوله: "كبر الناس": چوں کہ بلندی پر چڑھتے وقت "الله اكبر لا إله إلا الله" کہنا سنت ہے اس لیے لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اس پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ اپنی آوازوں کو زیادہ بلند نہ کرو کیوں کہ تم کسی گونگے بہرے خدا کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم ایسے خدا کو پکار رہے ہو جو تمہارے بہت ہی قریب ہے، زیادہ زور سے پکارنے میں دوام بھی نہیں ہوتا ہے اس لیے میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔

پھر آپ ﷺ کا ذکر بالجہر سے منع فرمانا بطورِ شفقت کے تھا ورنہ اصلاً تو ذکر بالجہر جائز ہے جیسا کہ ماقبل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

قوله: "إن الذي تدعونه بينكم وبين أعناق رقابكم" یہ غایت قرب سے کنایہ ہے اور ہماری تفہیم کے لیے آپ ﷺ نے ایسا جملہ استعمال فرمایا ہے ورنہ تو قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے: نحن أقرب إليه من حبل الوريد"

قوله: كنز من كنوز الجنة: یعنی میں آپ لوگوں کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور جنت میں دخول کا سبب بنتا ہے اور وہ عمل "لا حول و لا قوة إلا بالله" ہے۔

اس کلمہ "لا حول و لا قوة إلا بالله" میں انسان اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کا کرنا سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی نعمت کا اقرار کرنا شکر کے قائم مقام ہے، اور شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، جو کہ ایک طرح کا خزانہ ہی ہے۔

نیز شارح بخاری ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو بہتر سے بہتر حال پر دیکھنا چاہتے تھے، جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ لوگ کلمہ اخلاص کو بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں اور نیکی میں کوشش کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے مزید اس کلمہ کی تلقین بھی فرمائی تا کہ توحید کے اقرار کے ساتھ ایمان بالقدر بھی حاصل ہوتا رہے۔

ملا علی القاریؒ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس کو کنز اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمہ اپنی نفاست اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہونے میں مانند کنز اور خزانہ کے ہے، کنز چوں کہ زمین میں مدفون سونا چاندی ہی کو کہا جاتا ہے، جو لوگوں کی نظروں سے غائب بھی ہوتا ہے اور محفوظ بھی ہوتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/ ۵۹۷)

۱۵۲۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُمْ يَتَصَعَّدُونَ فِي ثَنِيَّةٍ، فَجَعَلَ رَجُلٌ كُلَّمَا عَلَا الثَّنِيَّةَ نَادَى: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّكُمْ لَا تُنَادُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا»، ثُمَّ قَالَ: «يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ»، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ،

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ وہ اور دوسرے صحابہ نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ایک گھاٹی پر چڑھ رہے تھے ایک شخص تھا جب وہ گھاٹی پر چڑھ گیا تو اس نے پکار کر کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ " رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، پھر کہا: اے عبد اللہ ابن قیس (ابو موسیٰ اشعری) اور اسی معنی کی حدیث ذکر کی۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں ابو عثمان نہدی سے نقل کرنے والے تین حضرات ثابت، علی بن زید، سعید الجریری تھے اور اس حدیث میں سلیمان تیمی ہیں، سلیمان تیمی کی اس روایت میں یہ الفاظ آئے "يتصعدون في ثنية" کہ صحابہ پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھ رہے تھے، یہ جملہ سلیمان التیمی کے دوسرے ساتھیوں نے نقل نہیں کیا، مصنفؒ اس کے تیسرے طریق کو اور لا رہے ہیں، اس تیسرے طریق میں ابو عثمان کے پانچویں شاگرد عاصم ہیں۔

۱۵۲۸- حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ مَحْبُوبُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَقَالَ فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ»

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے یہی حدیث ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر آسانی کرو (یعنی زور زور سے تکبیر مت کہو)۔

۱۵۲۷-انظر الحديث السابق. ۱۵۲۸-انظر الحديث السابق.

تشریح حدیث: ''اربعوا علی انفسکم'' اربعوا صیغہ امر ہے رَبَعَ عَلَی النَّفس بمعنی نرمی کرنا، شفقت کرنا، یعنی طلب اور دعا میں اپنی آواز کو اتنی بلند نہ کرو جس سے تمھیں تکلیف اور مشقت ہو بلکہ اپنے اوپر نرمی کا معاملہ کرو، اس لیے کہ دعا کرنے والا آواز بلند اس وجہ سے کرتا ہے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے وہ دور ہے، جب کہ یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ قریب اور بہت قریب ہے، پھر زور سے پکارنے کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے، بلکہ جب آدمی آہستہ آواز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس میں توقیر و تعظیم زیادہ ہوتی ہے، ہاں اگر ذکر بالجہر کی کوئی چیز داعی ہو تو پھر اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، مثلاً کہیں تعلیم کی غرض سے جہراً ذکر کیا جائے۔

۱۵۲۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شُرَيْحٍ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَلِيٍّ الْجَنْبِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَنْ قَالَ: رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ "

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ کہے: "رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا (یعنی میں راضی ہوں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور آپ ﷺ کے رسول ہونے پر) تو اسکے لیے جنت واجب ہو جائیگی۔

تشریح حدیث: اللہ کے رب ہونے پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی ربوبیت اور اس کی قضا و قدر پر قناعت کرتا ہوں اور اسی کی عبادت کرتا ہوں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، اور دین اسلام کے علاوہ کسی دین کو میں نہ قبول کرتا ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں، اور اس بات پر خوش ہوں کہ پیغمبر محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں آپ ﷺ کی تمام تعلیمات برحق ہیں، اس حدیث کے متعلقات پر ''باب مایقول إذا سمع المؤذن'' میں کلام گزر چکا ہے۔

۱۵۳۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»

۱۵۲۹- أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، ابواب الوتر، باب الاستغفار (۲/۱۱۸/۳۹۵۳) والنسائي في السنن الكبرى (۴/۲۸۱/۴۳۲۴).

۱۵۳۰- أخرجه مسلم: كتاب الصلاة، باب: الصلاة على النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعد التشهد له (۴۰۸)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ما جاء في فضل الصلاة على النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۴۸۵)، النسائي: كتاب السهو، باب: الفضل في الصلاة على النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳/۵۰) (۱۲۹۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام کے بے شمار فضائل ہیں جن کا بیان ماقبل میں باب الصلوٰۃ میں تفصیل سے گزر بھی چکا ہے، حضرت امام ابوداوُدؒ نے تو اس جگہ پر اس حدیث کو اس لیے نقل فرما دیا ہے کہ حضور ﷺ پر درود پڑھنا بھی ایک قسم کی دعا ہے اور گناہوں سے نجات کا ایک سبب ہے ورنہ یہاں اس حدیث کو لانے کا کوئی محل نہیں ہے، حضور ﷺ پر درود کے تعلق سے یہ حدیث گزر چکی ہے اس کی شرح وہیں دیکھ لی جائے۔

۱۵۳۱- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ»، قَالَ: فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ، وَقَدْ أَرَمْتَ؟ - قَالَ: يَقُولُونَ: بَلِيتَ - قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِمْ»

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: تمہارے بہتر دنوں میں ایک دن جمعہ کا دن ہے؛ لہذا اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو؛ کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (آپ ﷺ کی وفات کے بعد) جب آپ کا جسم مٹی میں مل کر ختم ہو جائیگا تو درود آپ ﷺ پر کس طرح پیش کیا جائیگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام قرار دے دیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث بھی باب تفریع ابواب الجمعہ کے تحت گزر چکی ہے، اس کی مکمل تشریح ہم نے وہیں کر دی ہے، دوبارہ نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں اس لیے وہیں رجوع کر لیا جائے۔ جزاکم اللہ۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يَدْعُوَ الْإِنْسَانُ عَلَى أَهْلِهِ وَمَالِهِ

اپنے اہل و مال پر بددعا کرنے کی ممانعت

۱۵۳۲- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، وَيَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالُوا: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ مُجَاهِدٍ أَبُو حَزْرَةَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ

۱۵۳۱ -اخرجه النسائي: ۳/ ۹۱، و ۹۲ في الجمعة، باب إكثار الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة.

۱۵۳۲ -اخرجه مسلم: كتاب الزهد والرقائق، باب: حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر (۳۰۰۹).

الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى خَدَمِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَاعَةَ نَيْلٍ فِيهَا عَطَاءٌ، فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ»،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا الْحَدِيثُ مُتَّصِلٌ، عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ، لَقِيَ جَابِراً»

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: بددعا نہ کرو اپنے اوپر، نہ اپنی اولاد پر، نہ اپنے خادموں پر، اور نہ اپنے مالوں پر؛ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہ روایت متصل ہے؛ کیونکہ عبادہ بن ولید کی ملاقات حضرت جابر بن عبد اللہ سے ثابت ہے۔

مقصد ترجمہ: بیان چوں کہ دعاؤں کا چل رہا ہے اب ہمارے مصنفؒ ایک تنبیہ فرما رہے ہیں کہ آدمی دعا تو کرے لیکن ایسی دعا نہ کرے جو اس کے لیے مضرت، تکلیف یا افسوس کا سبب بنے، چناں چہ ترجمۃ الباب میں فرما رہے ہیں کہ حالات سے پریشان ہو کر اپنی اولاد اور مال واسباب کے خلاف دعا نہ کرے، یہ اس کے حق میں درحقیقت دعا نہیں ہے بلکہ بددعا ہے۔

تشریح حدیث: خَدَمِكُمْ: خادم کی جمع ہے، مذکر ومؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، مراد غلام، باندیاں ہیں، فَيَسْتَجِيبَ: یہ منصوب ہے جواب نہی ہونے کی وجہ سے۔

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا جاتا ہے، اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جس وقت اپنے لیے یا اپنی اولاد اور مال کے لیے بددعا کر رہے ہو وہی وقت قبولیت دعا کا ہو اور پھر تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بددعا قبول ہو جائے جس کے نتیجہ میں تم کو نقصان بھی ہو، اور پشیمانی بھی ہو، اس لیے کسی بھی مصیبت، تکلیف یا غصہ کے وقت اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیے یا اپنے مال کے لیے بددعا نہ کرو، دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض جہلاء اپنے جانوروں کو کوستے رہتے ہیں، یا غصہ میں اپنی اولاد کو موت کی بددعا کرتے ہیں، ان کو اپنے اس عمل سے باز رہنا چاہیے۔ (مرقات: ۴/ ۵۲۶)

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور پر درود بھیجنا

۱۵۳۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ نُبَيْحٍ

۱۵۳۳- أخرجه الترمذي في "الشمائل"، باب: ما جاء في إدام رسول الله ﷺ (۱۸۰)، النسائي: في "عمل اليوم والليلة".

الْعَنَزِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ امْرَأَةً، قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: صَلِّ عَلَيَّ وَعَلَى زَوْجِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلَى زَوْجِكِ»

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔

مقصد ترجمہ: دعا کا ایک حصہ حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنا بھی ہے، لیکن یہ صلاۃ جس کے معنی دعا کے ہیں پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ پر بھی بھیجی جاسکتی ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوداوُدؒ اسی مسئلہ کی وضاحت فرمارہے ہیں، اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، تشریح حدیث کے بعد ہم اس کی تفصیل تحریر کریں گے۔

تشریح حدیث: ایک صحابیہ خاتون جن کا نام روایات میں مذکور نہیں، رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے اور میرے شوہر کے لیے دعا فرمادیجئے؟ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً دعا فرمادی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔

مستقلاً غیر نبی پر صلاۃ کا حکم:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غیر نبی پر مستقلاً صلاۃ پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ غیر نبی پر مستقلاً صلاۃ جائز نہیں ہے، البتہ انبیاء کے تابع کرکے جائز ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل:

(۱) حدیث باب ہے، اس میں خود رسول اللہ ﷺ نے غیر نبی پر مستقلاً صلاۃ بھیجی ہے۔

(۲) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "صَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ"۔

(۳) آگے کتاب الزکاۃ میں ایک حدیث آرہی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے ابواوفیؓ کے اہل وعیال پر صلاۃ بھیجی ہے فرمایا ہے: أللهم صل علی آل أبي أوفي۔

ہماری طرف سے ان تینوں دلائل اور ان جیسی دیگر نصوص کا جواب یہ ہے کہ یہاں صلاۃ کا لفظ دعا کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں ظاہر کیا ہے، ان نصوص میں درود کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو انبیاء کے ساتھ خاص ہیں۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً.

(۲) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴿۵۶﴾ اس جیسی نصوص اس بات پر دال ہیں کہ صلاۃ نبی ہی کے لیے خاص ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ میں نقل فرمایا ہے: ''لا أعلم الصلاة تنبغي من أحد على أحد إلا على الرسول ﷺ'' ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ جملہ اس وقت فرمایا تھا جب روافض کا ظہور ہوا اور انھوں نے حضرت علیؓ کو علیہ الصلوٰۃ کہنا شروع کر دیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/ ۱۰۵)

حضرات ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں تبعاً غیر نبی پر صلاۃ کا ثبوت خود درود ابراہیمی میں موجود ہے کیوں کہ ''وعلی آل محمد'' میں آل محمد غیر نبی ہی ہیں، لیکن یہ صلوٰۃ تبعاً ہے اصلاً نہیں ہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ

(اپنے مسلمان بھائی کے لیے) غائبانہ دعا کرنا

۱۵۳۴- حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ ثَرْوَانَ، حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ كَرِيزٍ، حَدَّثَتْنِي أُمُّ الدَّرْدَاءِ، قَالَتْ: حَدَّثَنِي سَيِّدِي أَبُو الدَّرْدَاءِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: آمِينَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ "

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمار ہے تھے: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں تیرے لئے بھی اسی کے مثل ہو۔

مقصد ترجمہ: یہاں سے مصنفؒ ایسی دعا کی نشاندہی فرمار ہے ہیں جو بارگاہِ ایزدی میں بہت جلد مقبول ہوتی ہے، اور وہ دعا کسی مسلمان بھائی کی دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں غائبانہ طور پر دعا کرنا، یہ دعا بہت جلد قبول اس لیے ہوتی ہے کہ اس میں اخلاص ہی ہوتا ہے، کسی کے سامنے اس کے حق میں دعا کرنے میں احتمال ریا بھی ہوتا ہے لیکن پیٹھ پیچھے دعا کرنے میں اس کا احتمال نہیں ہے مصنفؒ نے اس تعلق سے باب میں کل تین حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن سے غائبانہ دعا کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

تشریح حدیث: ایک آدمی یا تو مجلس میں نہ ہو اور اس کے حق میں دعا کی جائے، یا مجلس میں ہو لیکن اس کے حق میں

۱۵۳۴- أخرجه مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب ۸۷- (۲۷۳۲).

سرأ دعا کی جائے تو یہ دعا مقرون بالاخلاص ہوتی ہے، اس لیے فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور آمین کا مطلب ہے اے اللہ! اس دعا کو قبول فرما اور ساتھ ساتھ فرشتے یہ بھی کہتے ہیں ولك بمثل کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ کو بھی یہی چیز عطا فرمائے۔

قوله: ولك بمثل: اس میں باء زائدہ ہے، اور "مِثْلٍ" بکسر المیم وسکون الثاء وکسر اللام بدون تنوین ہے، اس لیے کہ مضاف الیہ محذوف ہے، اور "لِ" پر تنوین پڑھیں گے تو پھر یہ تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہوگی، اصل تقدیری عبارت ہوگی: "لك مثل ما سألت لأخيك"۔

فقه الحديث: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر جماعت مسلمین کے لیے دعا مانگی تو بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے لیے فرشتوں سے دعا کرانا چاہتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی دعا کیا کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے، یہ خود فرشتوں کی دعا کا مستحق ہو جائے گا۔

۱۵۳۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَةً، دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: بہت جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو غائبانہ طور پر (اپنے کسی مسلمان بھائی کے لیے) کی جائے۔

تشريح حديث: اس حدیث کی تشریح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

۱۵۳۶- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْوَالِدِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ "

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں ضرور قبول کی جاتی ہیں اور انکی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے، باپ کی دعا اولاد کے حق میں، مسافر کی دعا، مظلوم کی دعا (خواہ فاسق وکافر ہی کیوں نہ ہو)

تشريح حديث: قوله: "ثلاث دعوات مستجابات": اس جملہ کی ترکیب میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ: "ثلاث" مضاف "دعوات" مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء اور "مستجابات" خبر اوّل اور جملہ "لاشك فيهن" خبر ثانی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ مستجابات صفت ہے "دعوات" کی اور مجرور ہے، پھر ترکیب

۱۵۳۵- أخرجه الترمذي: كتاب البر والصلة، باب: ماجاء في دعوة الأخ لأخيه بظهر الغيب (۱۹۸۰).

۱۵۳۶- أخرجه الترمذي: كتاب البر والصلة، باب: ما جاء في دعوة الوالدين (۱۹۰۵) وكتاب بالدعوات، باب: حدثنا محمد بن بشار (۳۴۴۸)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: دعوة الوالد ودعوة المظلوم (۳۸۶۲).

توصیفی ترکیب اضافی سے مل کر مبتداء ہے اور جملہ ''لا شك فيهن '' خبر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تین لوگوں کی دعا کی قبولیت کو مؤکد فرمایا ہے کیوں کہ یہ تینوں قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے میں رقت قلب اور طلب صادق کے مالک ہیں، صاحب منہل فرماتے ہیں کہ حدیث میں تین کا ذکر علی سبیل المثال ہے، حصر مقصود نہیں ہے کیوں کہ ان کے علاوہ اور حضرات کی دعاؤں کو بھی مستجاب کہا گیا ہے، جیسا کہ عادل بادشاہ اور روزہ دار کی دعا۔

قوله: ''دعوات الوالد'': یہ عام ہے والد اپنی اولاد کے حق دعا کرے یا بددعا کرے، دونوں ہی جلد قبول ہوتی ہیں، اور جب باپ کی دعا قبول ہوتی ہے تو ماں کی بدرجہ اولیٰ قبول ہوگی اگر چہ حدیث میں ماں کی دعا کا ذکر نہیں ہے، کیوں کہ ماں اپنی اولاد کے حق میں والد کے مقابلہ میں بہت زیادہ شفیق ہوتی ہے۔

قوله: ''دعوة المسافر'' مسافر کی دعا کے بارے میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ کہ مسافر کی دعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اس کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرتا ہے اور بددعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اس کو ایذاء پہنچاتا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مسافر کی دعا مطلقاً قبول ہوتی ہے خواہ وہ اپنے لیے کرے یا دوسرے کے لیے۔ اور وجہ مسافر کی دعا کی قبولیت کی یہ ہے کہ حالت سفر میں اس کے اندر تواضع اور عاجزی زیادہ ہوتی ہے۔

قوله: ''دعوة المظلوم'' اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کو تسلی اور تسکین دلاتا ہے اور مظلوم اس کے حق میں دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مظلوم پر ظلم کرتا ہے یا جو ظالم کی حمایت کر کے مظلوم کی ذہنی اور جسمانی تکلیف میں اضافہ کرتا ہے اور مظلوم اس کے حق میں بددعا کرے تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے، اسی طرح ظالم کے حمایتی کے بارے میں بھی بددعا قبول ہوتی ہے۔ شراح حدیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر چہ یہ مظلوم فاسق، فاجر اور کافر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ مسند ابوداؤد طیالسی کی روایت میں جملہ حدیث اس طرح ہے: ''دعوة المظلوم مستجابة وإن كان فاجرًا ففجوره على نفسه'' اسی طرح مسند احمد کی روایت میں ''ولو كان كافرًا'' بھی منقول ہے۔ (المنہل: ۸/ ۱۹۶)

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا خَافَ قَوْمًا

جب کسی قوم سے خوف ہو تو کیا کرے

۱۵۳۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثنا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي

۱۵۳۷- خرجه أحمد (۴/ ۴۱۴) و النسائي في الكبرى: كتاب السير (۹/ ۲۲/ ۱۰۳۶۲) و الحاكم في المستدرك على الصحيحين (۲/ ۱۵۴) وقال: هٰذا حديث صحيح على شرط الشيخين، وأكبر ظني أنهما لم يخرجاه"

بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَافَ قَوْمًا، قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو جب کسی قوم سے خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُکَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُبِکَ مِنْ شُرُورِهِمْ یعنی اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے سامنے کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

تشریح حدیث: قوله: "في نحورهم" نُحُور جمع ہے نَحْر کی بمعنی سینہ، بولا جاتا ہے جَعَلْتُ فلانًا فی نَحْرِ العَدُوِّ میں فلاں کو دشمن کے مقابلہ میں کردیا، اور نحر کی تخصیص اس جگہ اس لیے کی گئی کہ قتال کے وقت دشمن اپنے سینہ کے ذریعہ ہی مقابل ہوتا ہے، اور مطلب یہ دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ ہم تجھ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ تو دشمن کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ اور ان کے اور ہمارے درمیان حائل ہو۔

ایک سوال کا جواب:

صاحبِ منہلؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں اشکال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ تو انسان و جنات کے شر سے محفوظ تھے تو پھر آپ ﷺ کو خوف کیسا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ خوف بتقاضۂ بشریت تھا اور یہ طبعی خوف تو تمام انبیاء کی سنت بھی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے ایمان کی دعوت دیتے ہوئے بھی پیش آیا تھا حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا تھا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے۔

یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ خوف صحابہ پر تھا یا تعلیم امت کے لیے ایسا فرمایا ہے۔

بَابٌ فِي الِاسْتِخَارَةِ

استخارہ کا بیان

۱۵۳۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُقَاتِلٍ، خَالُ الْقَعْنَبِيِّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ

۱۵۳۸- أخرجه البخاري: كتاب التهجد، باب: ماجاء في تطوع مثنى مثنى (۱۱۶۲)، الترمذي: كتاب الصلاة، باب: ماجاء في صلاة الاستخارة (۴۸۰)، النسائي: كتاب النكاح، باب: كيف الاستخارة؟ (۳۲۵۳)، ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة، باب: ماجاء في صلاة الاستخارة (۱۳۸۳).

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ لَنَا: " إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ، وَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ - يُسَمِّيهِ - بِعَيْنِهِ الَّذِي يُرِيدُ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي، وَمَعَادِي، وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِي، وَبَارِكْ لِي فِيهِ، اللَّهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِي مِثْلَ الْأَوَّلِ، فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ "، أَوْ قَال : فِي عَاجِلِ أَمْرِي، وَآجِلِهِ »، قَالَ ابْنُ مَسْلَمَةَ، وَابْنُ عِيسَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ہمیں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے: جب تمہیں کوئی اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر یہ دعا کرو: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ يُسَمِّيهِ بِعَيْنِهِ الَّذِي يُرِيدُ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَمَعَادِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ اللَّهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِي مِثْلَ الْأَوَّلِ فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ۔**

(اے اللہ میں تیرے علم کی مدد سے خیر مانگتا ہوں اور تجھ ہی سے تیری قدرت کے ذریعہ قدرت طلب کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے، اور میں (کسی چیز پر) قادر نہیں، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کا علم رکھنے والا ہے، الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لیے میرے دین اور میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے مقدر میں کر اور آسان کردے، پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے اور میرے دین اور میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی مہیا کر جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کردے) اور ابن مسلمہ نے کہا کہ ابن عیسیٰ نے ''عن محمد ابن المکندر عن جابر'' روایت کیا ہے۔

مقصد ترجمہ: نماز استخارہ کا باب قائم کر کے مصنفؒ اس کی اہمیت اور اس کے طریقہ کو بیان فرما رہے ہیں، یہ

باب انتہائی اہم ہے اس لیے ہم اولاً حدیث باب کی مختصر تشریح نقل کرتے ہیں اور پھر استخارہ سے متعلق تفصیلی مباحث پیش کریں گے، ہم نے ان مباحث کو اپنے اکابرین کی متعدد اردو تصانیف سے لیا ہے، بے حد مفید مباحث ہیں۔

باب میں مصنفؒ جس حدیث کو لائے ہیں صحیح درجہ کی روایت ہے، امام بخاریؒ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

الاستخارۃ: اسم ہے اور ''استخار الله'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس نے بہتر چیز اور خیر طلب کی، اور مراد اس سے یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دو کاموں میں سے بہتر اور اچھا کام طلب کرنا، یعنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے اپنے ہر جائز کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ سے اس کام میں خیر، بھلائی اور رہنمائی طلب کرنا، استخارہ کے عمل کو یہ سمجھنا کہ اس سے کوئی خبر مل جاتی ہے تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے کئی غلط فہمیوں نے جنم لیا جن کا تفصیل سے تذکرہ آگے آرہا ہے۔

قولہ: يُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَةَ: ہمیں نبی کریم ﷺ سب معاملات میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے، ابن ابی جمرہ کہتے ہیں عام کہہ کر خاص مراد لیا گیا ہے، کیوں کہ کسی واجب اور مستحب کام کرنے کے لیے استخارہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی حرام اور مکروہ کام کو ترک کرنے کے لیے استخارہ ہوگا، بلکہ جب کوئی مباح اور مستحب کام میں سے دو معاملے ایک دوسرے کے معارض ہوں کہ اسے کون سے عمل سے ابتدا کرنی چاہیے اور کس کام پر اقتصار کرنے کے لیے استخارہ ہوگا۔

قولہ: اذا هم جب اسے کوئی کام درپیش ہو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں یہ الفاظ: جب تم میں کوئی کام کرنا چاہے تو وہ یہ کہے۔

قولہ: فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ: تو وہ فرض کے علاوہ دو رکعت ادا کرے، اس میں نماز فجر سے احتراز کیا گیا ہے، امام نوویؒ ''الاذکار'' میں کہتے ہیں: مثلاً اگر کسی نے نماز ظہر کے فرضوں یا دوسری سنت مؤکدہ کے بعد دعا استخارہ کہی، اگر اس نے بعینہٖ اس نماز اور نماز استخارہ کی نیت کی تو یہ کافی ہوگی۔ لیکن اگر نیت نہ کی تو پھر نہیں اور ابن ابی جمرہ کہتے ہیں نماز کو دعا سے مقدم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ: استخارہ سے مراد دنیا اور آخرت کی خیر و بھلائی جمع کرنا ہے، اس لیے مالک الملک کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے نماز سے بہتر اور افضل اور نفع مند چیز کوئی نہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی حمد و تعریف اور ثنا اور مالی اور حال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجگی ہے۔

قولہ: ثم ليقل: پھر یہ کہے ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا دو رکعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جائے گی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں نماز کے اذکار اور دعا کی ترتیب ہو تو اس طرح فراغت کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل یہ دعا پڑھے۔

قولہ: اللهم إني استخيرك: یہاں باء تعلیل کے لیے ہے، یعنی اس لیے کہ اے اللہ تو زیادہ علم والا ہے اور اسی طرح ''بقدرتك'' میں بھی باء تعلیل کے لیے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ باء استغاثہ کی ہو۔

قوله: استقدرك: اس کا معنی یہ ہے میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کہ مطلوبہ عمل اور کام پر مجھے قدرت عطا کر اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو، میں تجھ سے اس کام میں آسانی اور سہولت کا طلبگار ہوں یعنی میری قدرت میں کر دے۔

قوله: واسئلك من فضلك: یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ رب کی جانب سے عطا اسکی جانب سے فضل ہے اور کسی ایک کو بھی اس کی نعمتوں میں اس پر حق حاصل نہیں، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

قوله: فانك تقدر ولا اقدر، وتعلم ولا اعلم: تو قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور میں طاقت نہیں رکھتا، تو علم والا ہے اور مجھے علم نہیں، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یقیناً علم اور قدرت صرف اللہ وحدہ کے لیے ہی ہے اور اس میں سے بندے کے لیے وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں رکھا ہے۔

قوله: اللهم ان كنت تعلم ان هٰذا الامر: اے اللہ اگر تجھے علم ہے کہ یہ کام اور ایک دوسری روایت میں ہے: پھر اس کام کا بعینہ نام لے، اس کا ظاہر سیاق یہی ہے کہ اسے زبان سے ادا کرے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ دعا کرتے وقت اس کام کو اپنے ذہن میں رکھے۔

قوله: فاقدره لي: یعنی اسے میرے لیے پورا کر دے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے میرے لیے اس کام کو آسان کر دے۔

قوله: فاصرفه عني واصرفني عنه: اسے مجھ سے اور مجھے اس سے دور کر دے، یعنی اس کام کو چاہنے کے باوجود اس کام کو نہ کر سکنے کی حالت میں اس کے دل میں کچھ باقی نہ رہے۔

قوله: ورضني: یعنی مجھے اس پر راضی کر دے، تا کہ میں اسے طلب کرنے اور نہ ہی اسے کرنے پر نادم نہ رہوں، کیوں کہ مجھے اس کے انجام کی خبر نہیں، اگرچہ میں اس کام کو کرنے کی خواہش کے وقت اس پر راضی تھا، اس میں راز یہ ہے کہ اس کا دل اس کام کے ساتھ معلق نہ رہے اور وہ کبیدہ خاطر نہ ہو، بلکہ اس کا دل مطمئن ہو جائے اور فیصلہ اور قضا پر راضی اور سکون نفس حاصل ہو سکے۔

استخارہ کا حکم:

استخارہ ایک مسنون عمل ہے، جس کا طریقہ اور دعا نبی ﷺ سے احادیث میں منقول ہے، حضور اکرم ﷺ حضرات صحابہ کرام ؓ کو ہر کام سے پہلے اہمیت کے ساتھ استخارے کی تعلیم دیا کرتے تھے، حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذاهم احدكم بالامر فليركع ركعتين من غير الفريضة (بخاری)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی بھی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے۔

استخارہ نہ کرنا محرومی اور بدنصیبی ہے:

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من شقوة ابن آدم تركه استخارة الله** (مجمع الاسانید) یعنی اللہ تعالیٰ سے استخارہ کا چھوڑ دینا اور نہ کرنا انسان کے لیے بدبختی اور بدنصیبی میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں حضرت سعد بن وقاص ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **عن سعد بن وقاص ؓ عن النبي ﷺ قال: من سعادة ابن آدم استخارته من الله ومن شقاوته تركه الاستخارة ومن سعادة ابن آدم رضاه بما قضاه الله ومن شقوة ابن آدم سخطه بما قضي الله.** (مشکوٰۃ)

ترجمہ: انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے، اور انسان کی خوش نصیبی اس میں ہے کہ اس کے بارے میں کیے گئے اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہے اور بدبختی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا:

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ما خاب من استخار وما ندم من استشار** (طبرانی) یعنی جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو اس کو کبھی شرمندگی یا پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے گا کہ میں نے یہ کام کیوں کیا؟ یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ جو کام کیا وہ مشورہ کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورہ کے بعد نہیں کیا اس وجہ سے وہ شرمندہ نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا، مطلب اس کا یہ کہ انجام کے اعتبار سے استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا رہے، اسی طرح جو شخص مشورہ کر کے کام کرے گا وہ کبھی پچھتائے گا نہیں، اس لیے کہ خدانخواستہ اگر وہ کام خراب بھی ہو گیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خودرائی اور اپنے بل بوتے پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں اور بڑوں سے مشورہ کے بعد کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں، اس لیے آپ ﷺ نے دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کر لیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرے استشارہ یعنی مشورہ۔

استخارہ کا مقصد:

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں کہ:

''واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے حوالہ کردیا گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوگیا ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے تو وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے، گویا استخارہ کیا ہے؟ حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کردی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی، حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا اس کی رہنمائی فرمائے گا پھر یہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت، جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئے یا نہ آئے، اطمینان و سکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہوگا، یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب! اسی لیے تمام امت کے لیے تا قیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے۔ (دور حاضر کے فتنے اور ان کا علاج)

استخارہ کی حکمت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں استخارہ کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) فال نکالنے سے نجات اور اس کی حرمت:

(۱) پہلی حکمت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا مثلاً سفر یا نکاح یا کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا تو وہ تیروں کے ذریعہ فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبہ شریف کے مجاور کے پاس رہتے تھے، ان میں سے کسی تیر پر لکھا ہوتا ''امرني ربي'' (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے) اور کسی پر لکھا ہوتا ''نهاني ربي'' (میرے رب نے مجھے منع کیا ہے) اور کوئی تیر بے نشان ہوتا، اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، مجاور تھیلا ہلا کر فال طلب کرنے والے سے کہتا کہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لے، اگر ''امرني ربي'' (کام کے حکم) والا تیر نکلتا تو وہ شخص کام کرتا اور ''نہانی ربی'' (کام سے منع) والا تیر نکلتا تو وہ کام سے رک جاتا اور بے نشان تیر ہاتھ میں آتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی، سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳، کے ذریعہ اس کی حرمت نازل ہوئی اور حرمت کی دو وجہیں ہیں:

(۱) یہ ایک بے بنیاد عمل ہے، اور محض اتفاق ہے، جب بھی تھیلے میں ہاتھ ڈالا جائے گا تو کوئی نہ کوئی تیر ضرور ہاتھ آئے گا۔

(۲) اس طرح سے فال نکالنا یہ اللہ تعالیٰ پر افترا اور جھوٹا الزام ہے، اللہ تعالیٰ نے کہاں حکم دیا ہے اور کب منع

کیا ہے؟ اور اللہ پر افتراء حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بندہ رب علیم سے رہنمائی کی التجاء کرتا ہے تو اپنے معاملے کو اپنے مولی کے حوالے کر کے اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا شدید خواہش مند ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جا پڑتا ہے اور اس کا دل ملتجی ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کا باب کشادہ ہوتا ہے اور اس پر معاملہ کا راز کھولا جاتا ہے چناں چہ استخارہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ اس کی مضبوط بنیاد ہے۔

(۲) فرشتوں کی مشابہت:

(۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ استخارہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے، استخارہ کرنے والا اپنی ذاتی رائے سے نکل جاتا ہے اور اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے اس کی بہیمیت (حیوانیت) ملکیت (فرشتہ صفتی) کی تابع داری کرنے لگتی ہے اور وہ اپنا رخ پوری طرح اللہ کی طرف جھکا دیتا ہے تو اس میں فرشتوں کی سی خوبی پیدا ہو جاتی ہے، ملائکہ الہام ربانی کا انتظام کرتے ہیں اور جب ان کو الہام ہوتا ہے تو وہ داعیہ ربانی سے اس معاملے میں اپنی سی پوری کوشش خرچ کرتے ہیں، ان میں کوئی داعیہ نفسانی نہیں ہوتا، اسی طرح جو بندہ بکثرت استخارہ کرتا ہے وہ رفتہ رفتہ فرشتوں کے مانند ہو جاتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کے مانند بننے کا یہ ایک تیر بہدف مجرب نسخہ ہے جو چاہے آزما کر دیکھے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ)

استخارہ کا مسنون اور صحیح طریقہ:

سنت کے مطابق استخارہ کا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں کسی بھی وقت (بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیں نیت یہ کرے کہ میرے سامنے یہ معاملہ یا مسئلہ ہے اس میں جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں۔

سلام پھیر کر نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا مانگیں جو حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہے، یہ بڑی عجیب دعا ہے، اللہ جل شانہ کے نبی ہی یہ دعا مانگ سکتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں، کوئی گوشہ زندگی کا اس دعا میں نبی ﷺ نے چھوڑا نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کر سکتا جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی، اگر کسی کو دعا یاد نہ ہو تو کوئی بات نہیں کتاب سے دیکھ کر یہ دعا مانگ لے اگر عربی میں دعا مانگنے میں دقت ہو رہی ہو تو ساتھ ساتھ اردو میں بھی یہ دعا

مانگے بس! دعا کے جتنے الفاظ ہیں وہی اس سے مطلوب و مقصود ہیں وہ الفاظ یہ ہیں:

استخارہ کی مسنون دعا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ ....خَيْرٌ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَتَعَادِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدُره لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُه ...... شَرًّا لِيْ فَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدُرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ

دعا کرتے وقت جب ''ہذا الامر'' پر پہنچے (جس کے بعد لکیر بنی ہے) تو اگر عربی جانتا ہے تو اس جگہ اپنی حاجت کا تذکرہ کرے یعنی ''هذاالامر'' کی جگہ اپنے کام کا نام لے، مثلاً هذا السفر یا هذا النكاح، یا هذه التجارة، یا هذا البيع، کہے اور اگر عربی نہیں جانتا تو هذا الامر ہی کہہ کر دل میں اپنے اس کام کے بارے میں سوچے اور دھیان دے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے۔

استخارہ کی دعا کا مطلب و مفہوم:

اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں اور آپکی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔

اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں میں علم نہیں رکھتا، یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے، مجھے نہیں، اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور مجھ میں قوت نہیں۔

یا اللہ! اگر آپکے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لیے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور میری فوری نفع کے اعتبار سے اور دیر پا فائدے کے اعتبار سے بھی تو اسکو میرے لیے مقدر فرما دیجئے اور اسکو میرے لیے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لیے برکت پیدا فرما دیجئے۔

اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے، فوری نفع اور دیر پا نفع کے اعتبار سے بھی بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور

مجھے اس سے پھیر دیجئے اور میرے لیے خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو، یعنی اگر یہ معاملہ میرے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے لیے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے۔ (اصلاحی خطبات)

استخارہ کتنی بار کیا جائے؟

حضرت انس ؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے، یعنی استخارے کے نتیجے میں بارگاہ حق کی جانب سے جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لیے وہی بہتر ہے۔ (مظاہر حق)

بہتر یہ ہے کہ استخارہ تین سے سات دن تک پابندی کے ساتھ متواتر کیا جائے، اگر اس کے بعد بھی تذبذب اور شک باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے، جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے کوئی عملی اقدام نہ کرے، اس موقع پر اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ استخارہ کرنے کے لیے کوئی مدت متعین نہیں حضرت عمر ؓ نے جو ایک ماہ تک استخارہ کیا تھا تو ایک ماہ بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا تھا اگر شرح صدر نہ ہوتا تو آپ آگے بھی استخارہ جاری رکھتے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ فرماتے ہیں:

''دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے، استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے کیوں کہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے استخارہ سنت عمل ہے، اس کی دعا مشہور ہے، اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خواب میں کچھ نظر آنا، یا یہ قلبی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا اور یہ جو دوسرں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر لیے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ہیں، ہاں دوسروں سے کرا لینا گناہ تو نہیں لیکن اس دعا کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ خود کرنا چاہیے۔ (مجالس مفتی اعظم)

استخارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت

حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ تو استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں:

(۱) دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا۔

(۲) اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا۔

تاہم اس میں خواب آنا ضروری نہیں۔ (اصلاح انقلاب امت)

استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، اس کے بعد اس کے مقتضی پر عمل کرے اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد بھی یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہوا ہی کرے۔ (الکلام الحسن)

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرلے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے، لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہو گیا، اس لیے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے معلوم بھی نہیں ہوتا، بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے، اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

بس استخارہ کی حقیقت اتنی سی ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لی پھر آگے جو ہوگا اسی میں خیر ہے، کام ہو گیا تو خیر! نہیں ہوا تو خیر! دل جس طرف متوجہ ہو جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کرلیں کہ یہی میرے لیے بہتر ہے اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر استخارہ کے بعد ختم ہو گئے کام نہیں ہو سکا تو اطمینان رکھے، اللہ پر یقین رکھے کہ اس میں میری بہتری ہوگی، اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ میرے نفع ونقصان کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس طرح سوچنے سے ان شاء اللہ اطمینان ہو جائے گا اگر دل کا رجحان کسی جانب نہ ہو تو صرف اسباب کے پیش نظر جو فیصلہ بھی کرلے گا اس میں خیر ہوگی، خدانخواستہ اگر استخارہ کے بعد کوئی نقصان بھی ہو جائے تو یہ عقیدہ رکھے کہ استخارہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے نقصان کے ذریعہ کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، استخارہ کی دعا میں دین کا ذکر پہلے ہے اور دنیا کا بعد میں، اس لیے کہ مسلمان کا اصل مقصد دین ہے، دنیا تو درحقیقت دین کے تابع ہے۔

استخارہ کے باوجود اگر نقصان ہو گیا تو؟!

عن مكحول الازدي رحمه الله قال: سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: ان الرجل يستخير الله تبارك وتعالى

فیختار له، فیسخط علی ربه عزوجل، فلا یلبث ان ینظر في العاقبة فاذا هو خیر له (کتاب الزہد)

مکحول ازدیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد سنا فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے کہ جس کام میں میرے لیے خیر ہو وہ کام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ کام اختیار فرما دیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا تو بندہ اپنے پروردگار سے ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لیے اچھا کام تلاش کیجئے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آ رہا ہے، اس میں میرے لیے تکلیف اور پریشانی ہے، لیکن کچھ عرصے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا، اس وقت اس کو پتہ نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

اب جب وہ کام ہو گیا تو ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آ رہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرما رہے ہیں کہ ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا، بعض اوقات دنیا میں تجھے پتہ چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتہ نہیں چلے گا جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعتاً یہی میرے لیے بہتر تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے جو ماں باپ کے سامنے مچل رہا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور ماں باپ جانتے ہیں کہ اس وقت یہ چیز کھانا بچے کے لیے نقصان دہ اور مہلک ہے چناں چہ ماں باپ بچے کو وہ چیز نہیں دیتے اب بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میرے ماں باپ نے مجھ پر ظلم کیا، میں جو چیز مانگ رہا تھا وہ مجھے نہیں دی اور اس کے بدلے میں مجھے کڑوی کڑوی دوا کھلا رہے ہیں، اب وہ بچہ اس دوا کو اپنے حق میں خیر نہیں سمجھ رہا ہے لیکن بڑا ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو عقل اور فہم عطا فرمائیں گے اور اس کو سمجھ آئے گی تو اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ میں تو اپنے لیے موت مانگ رہا تھا اور میرے ماں باپ میرے لیے زندگی اور صحت کا راستہ تلاش کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اختیار فرماتے ہیں جو انجام کار بندہ کے لیے بہتر ہوتا ہے، اب بعض اوقات اس کا بہتر ہونا دنیا میں پتہ چل جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا میں پتہ نہیں چلتا۔

یہ کمزور انسان کس طرح اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا ادراک کرسکتا ہے وہی جانتے ہیں کہ کس بندے کے حق میں کیا بہتر ہے؟ انسان صرف ظاہر میں چند چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو برا ماننے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا کہ کس کے حق میں کیا اور کب بہتر ہے۔

اسی وجہ سے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی کام کا استخارہ کر چکو تو اس کے بعد اس پر مطمئن ہو جاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ خیر ہی کا فیصلہ فرمائیں گے، چاہے وہ فیصلہ ظاہر نظر میں تمھیں اچھا نظر نہ آرہا ہو، لیکن انجام کے اعتبار سے وہی بہتر ہوگا اور پھر اس کا بہتر ہونا یا تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائے گا، ورنہ آخرت میں جا کر یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔ (اصلاحی خطبات)

استخارہ کے بارے میں چند کوتاہیاں اور غلط فہمیاں:

مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

اب دیکھئے یہ (استخارہ) کس قدر آسان کام ہے مگر اس میں بھی شیطان نے کئی پیوند لگا دیے ہیں۔

(۱) پہلا پیوند یہ کہ دو رکعت پڑھ کر کسی سے بات کیے بغیر سو جاؤ، سونا ضروری ہے ورنہ استخارہ بے فائدہ رہے گا۔

(۲) دوسرا پیوند یہ لگایا کہ لیٹو بھی دائیں کروٹ پر۔

(۳) تیسرا یہ کہ قبلہ رو لیٹو۔

(۴) چوتھا پیوند یہ لگایا کہ لیٹنے کے بعد اب خواب کا انتظار کرو، استخارہ کے دوران خواب نظر آئے گا۔

(۵) پانچواں پیوند یہ لگایا کہ اگر خواب میں فلاں رنگ نظر آئے تو وہ کام بہتر ہوتا ہے، فلاں نظر آئے تو وہ بہتر نہیں۔

(۶) چھٹا پیوند یہ لگایا کہ اس خواب میں کوئی بزرگ آئے گا بزرگ کا انتظار کیجئے کہ وہ خواب میں آکر سب کچھ بتا دے گا، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بزرگ کون ہوگا؟ اگر شیطان ہی بزرگ بن کر خواب میں آجائے تو اس کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ شیطان ہے یا کوئی بزرگ؟

یاد رکھئے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حدیث سے ثابت نہیں، بس یہ باتیں لکھنے والوں نے کتابوں میں بغیر تحقیق کے لکھ دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان لکھنے والے مصنّفین پر رحم فرمائیں۔ (خطبات الرشید)

باوضو، قبلہ رخ اور دائیں کروٹ پر سونا نیند کے آداب میں سے تو ضرور ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ استخارہ رات کو سونے سے پہلے ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ لازمی سمجھ کر کیا جائے۔

(۱) استخارہ صرف اہم کام کے لیے نہیں !:

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ صرف اسی کام میں ہے جو کام بہت اہم یا بڑا ہے اور جہاں انسان کے سامنے دو راستے ہیں یا جس کام میں انسان کو تردد یا شک ہے صرف ایسے ہی کاموں میں استخارہ کرنا چاہیے، چناں چہ آج کل عوام الناس کو اپنی زندگی کے صرف چند مواقع پر ہی استخارہ کے مسنون عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے، مثلاً نکاح کے لیے یا کاروبار کے لیے استخارہ کرلیا اور بس! گویا ہم ان چند گنے چنے مواقع پر تو اللہ سے خیر اور بھلائی کے طلب گار ہیں اور باقی تمام زندگی کے روز وشب میں ہم اللہ سے خیر مانگنے سے بے نیاز اور مستغنی ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ استخارہ صرف اہم اور بڑے کاموں ہی میں نہیں ہے بلکہ اپنے ہر کام میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی طلب کرنی چاہیے، اسی طرح استخارے میں یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کام میں تردد اور تذبذب ہو تب ہی استخارہ کیا جائے، بلکہ تردد نہ بھی ہو اور اس کام میں ایک ہی صورت اور ایک ہی راستہ ہو تب بھی استخارہ کرنا چاہیے، حدیث نبوی کے الفاظ ہیں:

كان رسول الله ﷺ يعلمنا الاستخارة في الامور كلها. (بخاری)

یعنی حضور اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کو ہر کام میں استخارے یعنی اللہ سے خیر طلب کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔

(۲) استخارہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہیے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہیے، ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت استخارہ کرلے، نہ رات کی کوئی قید ہے اور نہ دن کی کوئی قید ہے، نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو۔

(۳) استخارہ کے بعد خواب آنا ضروری نہیں:

استخارہ کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "استخارہ" کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو، خوب سمجھ لیں کہ حضور اکرم ﷺ سے استخارہ کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد آسمان سے کوئی فرشتہ آئے گا یا کوئی کشف والہام ہوگا یا خواب آئے گا اور خواب کے ذریعے ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو، یاد رکھیے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آجاتا ہے اور بعض مرتبہ نہیں آتا۔

(۴) کسی دوسرے سے "استخارہ نکلوانا":

استخارہ کے باب میں لوگ ایک غلطی کرتے ہیں اس کی اصلاح بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگ خود استخارہ کرنے کی بجائے دوسروں سے کرواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے "استخارہ نکال دیجئے" گویا جیسے فال نکالی جاتی ہے ویسے ہی استخارہ بھی نکال دیجئے، دوسروں سے استخارے کروانے کا مطلب تو وہی عمل ہوا جو جاہلیت میں مشرکین کیا کرتے تھے اور جس کے انسداد اور خاتمہ کے لیے آں حضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو استخارے کی نماز اور دعا سکھائی، اور یہ اسی وجہ سے ہوا کہ لوگوں نے استخارے کو یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے گویا کوئی خبر مل جاتی ہے یا یہ الہام ہو جاتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ جس طرح جاہلیت میں تیروں پر لکھ کر یہ معلوم کیا جاتا تھا، اسی طرح آج کل تسبیح کے دانوں پر اس قسم کے استخارے کئے جا رہے ہیں، یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور انتہا تو یہ ہوگئی کہ اب عوام میں یہ رواج چل پڑا ہے کہ ٹی وی اور ریڈیو پر استخارے نکلوائے جا رہے ہیں، حالاں کہ استخارہ اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملے میں خیر اور بھلائی کا طلب کرنا ہے نہ کہ خبر کا معلوم کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایت یہ ہے کہ جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے دوسروں سے کروانے کا کوئی ثبوت نہیں، جب حضور اقدس ﷺ دنیا میں موجود تھے اس وقت صحابہ سے زیادہ دین پر عمل کرنے والا کوئی نہیں تھا اور حضور سے بہتر استخارہ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا، لیکن آج تک کہیں یہ نہیں لکھا کہ کسی صحابی نے حضور ﷺ سے جا کر یہ کہا ہو کہ آپ میرے لیے استخارہ کر دیجئے، سنت طریقہ یہی ہے کہ صاحبِ معاملہ خود کرے، اسی میں برکت ہے، لوگ یہ سوچ کر کہ ہم تو گناہ گار ہیں، ہمارے استخارے کا کیا اعتبار؟ اس لیے خود استخارہ کرنے کی بجائے فلاں بزرگ اور عالم سے یا کسی نیک آدمی سے کرواتے ہیں کہ اس میں برکت ہوگی، لوگوں کا یہ زعم اور یہ عقیدہ غلط ہے جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا گناہ گار، دوسرے سے استخارہ کرانا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، خود دعا کے الفاظ سے بھی یہی مترشح ہو رہا ہے، دعا کے الفاظ میں متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے صاحبِ معاملہ کو خود کرنا چاہیے، استخارہ دوسرے سے کروانا، ناجائز تو نہیں لیکن بہتر اور مسنون بھی نہیں ہے، سلامتی کا طریقہ وہی ہے، جو نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے کہ صاحب معاملہ خود کرے۔

(۵) ہم گناہ گار ہیں! استخارہ کیسے کریں؟

انسان کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، بندہ تو اللہ ہی کا ہے اور جب بندہ اللہ سے مانگے گا تو جواب ضرور آئے گا، جس ذات کا یہ فرمان ہو کہ "ادعوني استجب لكم" مجھ سے مانگو میں دعا قبول کروں گا، تو یہ اس عظیم وکبیر ذات کے ساتھ بدگمانی ہے، وہ ذات تو ایسی ہے کہ شیطان جب جنت سے نکالا جا رہا ہے راندہ درگاہ کیا جا رہا ہے تو اس وقت شیطان نے دعا کی، اللہ نے اس کی دعا کو قبول فرمایا، جو شیطان کی دعا قبول کر رہا ہے کیا وہ ہم گناہ گاروں کی دعا قبول نہ کرے گا اور جب کوئی استخارہ

رسول اللہ کی اتباعِ سنت کے طور پر کرے گا تو یہ ممکن نہیں کہ اللہ دعا نہ سنے بلکہ ضرور سنے گا اور خیر کو مقدر فرمائے گا اللہ کی بارگاہ میں سب کی دعائیں سنی جاتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ گناہوں سے بچنا چاہیے تا کہ دعا جلد قبول ہو۔

لوگوں میں بکثرت یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ گناہ گار استخارہ نہیں کر سکتے یہ دو وجہ سے باطل اور غلط ہے:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچنا آپ کے اختیار میں ہے، مسلمان ہو کر کیوں گناہ گار رہیں؟ گناہ صادر ہو گیا تو صدقِ دل سے توبہ کر لیجئے، بس گناہوں سے پاک ہو گئے گناہ گار نہ رہے، نیک لوگوں کے زمرے میں شامل ہو گئے توبہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اب اللہ کی اس رحمت کی قدر کریں اور آئندہ جان بوجھ کر گناہ نہ کریں۔

(۲) دوسری وجہ یہ کہ استخارہ کے لیے شریعت نے تو کوئی ایسی شرط نہیں لگائی کہ استخارہ گناہ گار انسان نہ کرے، کوئی ولی اللہ کرے، جو شرط شریعت نے نہیں لگائی آپ اپنی طرف سے اس شرط کو کیوں بڑھاتے ہیں؟ شریعت کی طرف سے تو صرف یہ حکم ہے کہ جس کی حاجت ہو وہ استخارہ کرے خواہ وہ گناہ گار ہو یا نیک، جیسا بھی ہو خود کرے، عوام یہ کہتے ہیں کہ استخارہ کرنا بزرگوں کا کام ہے تو بزرگ حضرات بھی سمجھنے لگے کہ ہاں! یہ صحیح کہہ رہے ہیں، استخارہ کرنا ہمارا ہی کام ہے، عوام کا کام نہیں، عوام کو غلطی پر تنبیہ کرنے کی بجائے خود غلطی میں شریک ہو گئے ان کے پاس جو بھی چلا جائے یہ پہلے سے تیار بیٹھے ہیں کہ ہاں لائیں! آپ کا استخارہ ہم ''نکال دیں گے'' اور استخارہ کرنے کو ''استخارہ نکالنا'' کہتے ہیں، یاد رکھیں یہ ایک غلط روش ہے اور اس غلط روش کی اصلاح فرض ہے۔

(۶) استخارہ کے ذریعہ گذشتہ یا آئندہ کا کوئی واقعہ معلوم کرنا:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی امر کے مصلحت یا خلاف مصلحت ہونے میں تردد ہو تو خاص دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس کے دل میں جو بات عزم اور پختگی کے ساتھ آئے اسی میں خیر سمجھے، استخارہ کا مقصد تردد اور شک ختم کرنا ہے نہ کہ آئندہ کسی واقعے کو معلوم کر لینا۔

بعض لوگ استخارہ کی یہ غرض بتلاتے ہیں کہ اس سے گذشتہ زمانے میں پیش آنے والا کوئی واقعہ یا آئندہ ہونے والا واقعہ معلوم ہو جاتا ہے، سو استخارہ شریعت میں اس غرض سے منقول نہیں بلکہ وہ تو محض کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا تردد اور شک دور کرنے کے لیے ہے نہ کہ واقعات معلوم کرنے کے لیے بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ اور نتیجے پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔ (اغلاط العوام)

(۷) استخارہ کے ذریعہ چور کا پتہ یا خواب میں کوئی بات معلوم کرنا:

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح استخارہ سے گذشتہ زمانے میں پیش آنے والا کوئی واقعہ نہیں پتہ چل سکتا بالکل اسی طرح

آئندہ پیش آنے والا واقعہ کہ فلاں بات یوں ہوگی معلوم نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کے لیے سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ یہ بالکل باطل اعتقاد ہے، مثلاً کسی کے ہاں چوری ہوجائے تو اس غرض کے لیے کہ چور کا پتہ معلوم ہوجائے استخارہ کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ مفید ہے۔

اور بعض بزرگوں سے جو اس قسم کے بعض استخارے منقول ہیں، جس سے کوئی واقعتاً صراحتاً یا اشارۃً خواب میں نظر آجائے، سو وہ استخارہ نہیں ہے بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے، پھر اس کا یہ اثر بھی لازم نہیں، خواب کبھی نظر آتا ہے اور کبھی نہیں اور اگر خواب نظر آ بھی گیا تو وہ محتاج تعبیر ہے، اگر چہ صراحت کے ساتھ نظر آئے پھر تعبیر جو ہوگی وہ بھی ظنی ہوگی یقینی نہیں، اس میں اتنے شبہات ہیں پس اس کو استخارہ کہنا یا مجاز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ نام منقول ہے ورنہ اغلاط عامہ میں سے ہے۔ (اصلاح انقلاب امت)

(۸) استخارہ کام کے ارادہ سے پہلے ہو:

استخارہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ارادہ ابھی کرلو پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو، استخارہ تو ارادہ سے پہلے کرنا چاہیے تاکہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہوجائے، اس میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں استخارہ اس شخص کے لیے مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات ذہن میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں دل اسی جانب مائل ہوجاتا ہے اور وہ شخص اس غلط فہمی کا شکار رہتا ہے کہ یہ بات استخارہ سے معلوم ہوئی ہے۔

(۹) استخارہ صرف جائز کاموں میں ہے:

ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ استخارہ کا محل مباحات ہے، جو مباح یعنی جائز کام ہیں ان میں استخارہ کرنا چاہیے، جو چیزیں اللہ نے فرض کردی ہیں یا واجبات اور سنن مؤکدہ ہیں ان میں استخارے کی حاجت نہیں۔

اسی طرح جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام اور ناجائز کردیا ہے ان میں بھی استخارہ نہیں ہے، مثلاً کوئی آدمی استخارہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ روزہ رکھوں یا نہ رکھوں؟ تو یہاں استخارہ نہیں، یہ کام تو اللہ تعالیٰ نے فرض کردیا ہے، یا کوئی شخص اس بارے میں استخارہ کرے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں، رشوت لوں یا نہ لوں، ویڈیو فلموں کا کاروبار کروں یا نہ کروں، سودی معاملہ کروں یا نہ کروں، تو ان سب منہیات میں بھی استخارہ نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ سب تو حرام ہیں، استخارہ ان چیزوں میں کیا جائے جو جائز امور ہیں، رزق حلال کے حاصل کرنے اور کسب معاش کے لیے استخارے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ تو فریضہ ہے استخارہ اس میں کیا جائے کہ رزق حلال کے حصول کے لیے ملازمت کروں یا تجارت کروں؟ تجارت

کپڑے کی کی جائے یا اشیائے خوردونوش کی؟ اب یہاں استخارہ کی ضرورت ہے اسی طرح اگر حج کے لیے جانا ہو تو یہ استخارہ نہ کرے کہ میں جاؤں یا نہ جاؤں؟ بلکہ یوں استخارہ کرے کہ فلاں دن جاؤں یا نہ جاؤں؟

رشتوں کے لیے استخارہ:

رشتہ کا معاملہ عام معاملات سے الگ ہے یہ صرف اولاد کا کام نہیں بلکہ والدین کا کام بھی ہے، صحیح رشتہ کا انتخاب والدین ہی کر سکتے ہیں، یہ ان کی ذمہ داری ہے، اور ان کو مستقبل کے حوالے سے سوچنا پڑتا ہے کہ کہاں رشتہ کریں؟ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جن لڑکوں یا لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ہے وہ خود بھی استخارہ کرلیں اور اگر ان کے والدین زندہ ہوں تو وہ بھی کرلیں۔

استخارہ ہر مشکل، پریشانی اور فتنے سے بچاؤ کا حل:

محدث العصر حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں کہ:

''دورِ حاضر میں امت کا شیرازہ جس بری طرح سے بکھر گیا ہے، مستقبل قریب میں اس کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جب استشارے کا راستہ بند ہو گیا تو اب صرف استخارہ کا راستہ ہی باقی رہ گیا ہے، حدیث شریف میں تو فرمایا تھا:

مَاخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَمَانَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ.

ترجمہ: جو استخارہ کرے گا خائب وخاسر (ناکام اور نقصان اٹھانے والا) نہ ہوگا اور جو مشورہ کرے گا وہ پشیمان شرمندہ نہ ہوگا۔

عوام کے لیے یہی دستور العمل ہے کہ اگر کوئی ان فتنوں میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا تو مسنون استخارہ کر کے عمل کرے اور امید ہے کہ استخارہ کے بعد اس کا قدم صحیح ہوگا، مسنون استخارہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب کسی امر میں متحیر اور متردد ہوتا ہے اور کوئی واضح اور صاف پہلو نظر نہیں آتا، اس کا علم رہنمائی سے قاصر اور اس کی طاقت بہتر کام کرنے سے عاجز تو حق تعالیٰ کی بارگاہ رحمت والطاف میں التجا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے دعا توکل تفویض اور تسلیم ورضا بالقضا کے راستوں سے کرتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری اور رہنمائی فرمائے، بہتر صورت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) (دورِ حاضر کے فتنے اور ان کا علاج)

استخارہ کے خودساختہ طریقے اور ان کے مفاسد:

اس زمانے کے مسلمانوں نے استخارہ کے کئی ایسے طریقے خود گھڑ لیے ہیں جن کا طریقہ مسنونہ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، رسول اللہ ﷺ نے جو استخارہ کا طریقہ بیان فرمایا درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول کے ذریعہ بندوں تک پہنچایا مگر بندوں نے یہ قدر کی کہ اسے پس پشت ڈال کر اپنی طرف سے کئی طریقے ایجاد کر لیے، اللہ تعالیٰ نے جو استخارہ رسول اللہ ﷺ کو سکھایا آپ ﷺ نے وہی اپنی امت کو سکھایا اور ایسے اہتمام سے سکھایا جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

مگر آج کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے ہوئے طریقے کے مقابلہ میں اپنی پسند کے مختلف طریقے گھڑ لیے ہیں انھیں رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر اعتماد نہیں، تو وہ تمام طریقے مسنون نہیں ہے، کوئی تکیہ کے نیچے رکھنے کا ہے، کوئی سر کے گھوم جانے کا ہے، کوئی تسبیح پر پڑھنے کا ہے وغیرہ وغیرہ، اس میں سے کوئی سنت سے ثابت نہیں ہے بلکہ ان طریقوں میں تو ایک گونہ خطرے کا اندیشہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا سنت طریقہ چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار کرنا پتہ نہیں اللہ کو پسند بھی ہو یا نہ ہو۔

وقت کی کمی اور فوری فیصلے کی صورت میں استخارے کا ایک اور مسنون طریقہ:

سنت استخارے کا ایک تفصیلی طریقہ تو وہ ہوا جس کو ماقبل میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا لیکن قربان جایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے وقت کی کمی اور فوری فیصلے کی صورت میں بھی ایک مختصر سا استخارہ تجویز فرما دیا تا کہ استخارے سے محرومی نہ ہو جائے، اس سے قبل استخارہ کا جو مسنون طریقہ عرض کیا گیا یہ تو اس وقت ہے جب آدمی کو استخارہ کرنے کی مہلت اور موقع ہو، اس وقت تو وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر وہ استخارہ کی مسنون دعا کرے، لیکن بسا اوقات انسان کو اتنی جلدی اور فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے دو رکعت پڑھ کر دعا کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا، اس لیے کہ اچانک کوئی کام سامنے آ گیا اور فوراً اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے، اتنا وقت ہے نہیں کہ دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کیا جائے تو ایسے موقع کے لیے خود نبی کریم ﷺ نے ایک دعا تلقین فرمائی وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَاخْتَرْ لِیْ. (کنز العمال)

اے اللہ! میرے لیے آپ پسند فرما دیجئے کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے، بس یہ دعا پڑھ لے، اس کے علاوہ ایک اور دعا حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ (صحیح مسلم)

اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمایے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھیے۔

اسی طرح ایک اور مسنون دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ (ترمذی)

اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القا فرما دیجئے، ان دعاؤں میں سے جو دعا یاد آجائے اس کو اسی وقت پڑھ لے، اور اگر عربی میں دعا یاد نہ آئے تو اردو ہی میں دعا کر لو کہ اے اللہ! مجھے یہ کشمکش پیش آئی ہے آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجئے اگر زبان سے نہ کہہ سکو تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! یہ مشکل اور یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ صحیح راستہ پر ڈال دیجئے جو راستہ آپ کی رضا کے مطابق ہو اور جس میں میرے لیے خیر ہو۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کا ساری عمر یہ معمول رہا کہ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا تو آپ اس وقت چند لمحوں کے لیے آنکھ بند کر لیتے اب جو شخص آپ کی عادت سے واقف نہیں اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ آنکھ بند کر کے کیا کام ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ آنکھ بند کر کے ذرا سی دیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیتے کہ یا اللہ! میرے سامنے یہ کشمکش کی بات پیش آگئی ہے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا فیصلہ کروں، آپ میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو، بس دل ہی دل میں یہ چھوٹا سا اور مختصر سا استخارہ ہو گیا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں، اس لیے کہ تمھیں اس کا اندازہ نہیں کہ تم نے ایک لمحہ کے اندر کیا سے کیا کر لیا، یعنی اس ایک لمحے کے اندر تم نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیا اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ لی اور اپنے لیے صحیح راستہ طلب کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تمھیں صحیح راستہ مل گیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اجر بھی مل گیا اور دعا کرنے کا بھی اجر و ثواب مل گیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایسے مواقع پر مجھ سے رجوع کرتا ہے اور اس پر خاص اجر و ثواب بھی عطا فرماتے ہیں، اس لیے انسان کو اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے، صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کتنے واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس میں آدمی کو کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں، اس وقت فوراً ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو، یا اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کی رضا کے مطابق ہو۔ (اصلاحی خطبات)

الغرض استخارہ اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنے اور بھلائی طلب کرنے کا مسنون ذریعہ ہے لہٰذا اس بات کی کوشش کی جائے کہ اس کی وہی اصل شکل اور روح برقرار رہے جو شریعت اسلام نے واضح فرمائی ہے محض سنی سنائی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے حضرات علماء کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح معنی میں سمجھ اس پر عمل کرنے والا اور عملاً اس کو روئے زمین پر قائم کرنے والا بنائے۔ آمین

بَابٌ فِي الِاسْتِعَاذَةِ

اللہ سے پناہ طلب کرنے والی چیزیں

۱۵۳۹- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: " كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْجُبْنِ، وَالْبُخْلِ، وَسُوءِ الْعُمُرِ، وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ "

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے: بزدلی سے، کنجوسی سے، بری عمر سے، دل کے فتنہ سے، اور قبر کے عذاب سے۔

مقصد ترجمہ: دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو جلب منفعت کی قبیل سے ہیں، دوسری وہ جو کہ دفع مضرت کی قبیل سے ہیں، جن میں غیر پسندیدہ، غیر شرعی اور نقصان دہ چیزوں، نیز شیطان کے مکروفریب سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا ذکر ہوتا ہے، ماقبل میں مصنف نے نوع اوّل کی دعاؤں کو بیان فرمایا تھا اور اس باب میں نوع ثانی کی ادعیہ کو نقل فرما رہے ہیں۔

تشریح حدیث: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پانچ چیزوں سے حفاظت کی دعا کیا کرتے تھے، کیوں کہ درج ذیل پانچوں چیزیں دین اور دنیا کے اعتبار سے مضر ہیں۔

قولہ: "البخل" بضم الباء وسکون الخاء المعجمہ، باب سمع سے ہے، مالی واجب کی عدم ادائے گی کو کہتے ہیں۔ اور "بخل" تو ایک ایسی بیماری ہے جو بندہ پر فرض مالی عبادت کی انجام دہی سے مانع ہوتی ہے، واجب نفقات کی ادائے گی میں رکاوٹ بنتی ہے، جیسا کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا مشکل ہونے لگتا ہے۔

قولہ: "الجُبنِ" بضم الجیم وسکون الباء مصدر ہے باب کرم سے بمعنی بزدل ہونا، یہ ایک ایسی بری صفت ہے جو بہت سی شرعی واجبات کی ادائے گی میں کوتاہی کا سبب بنتی ہے، جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو علی الاعلان قائم کرنا۔

۱۵۳۹- أخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من فتنة القبر (۸/ ۲۶۲)، وباب: الاستعاذة من "فتنة الدنيا (۷/ ۲۶۶)، ابن ماجه: كتاب الدعاء باب: ماتعوذ منه رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۸۴۴)

قولہ: "سوء العمر": بری عمر سے مراد بڑھاپے کی اس دہلیز تک پہنچنا ہے جس میں اس کی عقل کمزور پڑ جاتی ہے اور وہ اپنی قلت فہم اور ذہنی و بدنی کمزوری میں بچے کی طرح ہو جاتا ہے اور گھر والوں کے لیے ایک بوجھ بن جاتا ہے۔

قولہ: "وفتنة الصدر": سینہ سے مراد دل ہے اور دل کے فتنہ سے مراد وہ شیطانی خیالات و وساوس ہیں جو بہت سے گناہوں کا سبب بنتے ہیں، جن کے نتیجہ میں انسان میں قساوت، حسد، اخلاق رذیلہ، اور عقائد باطلہ جیسی سنگین بیماریوں سے دوچار ہو جاتا ہے، علامہ ابن الجوزی فرمایا کرتے تھے کہ دل کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی بغیر توبہ کے مر جائے، حقیقت یہ ہے کہ جب کسی انسان کا دل فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے، قلب کی حیثیت ایک بادشاہ کی ہے اور تمام اعضاء ایک رعایہ کی مانند ہیں، اور اگر بادشاہ ہی بگڑ جائے تو رعایہ میں فساد کا آنا یقینی ہو جاتا ہے، اس لیے اپنے دل کو بیماریوں سے بچانا چاہیے۔

قولہ: "وعذاب القبر": قبر کا عذاب کتاب و سنت سے ثابت ہے اور برحق ہے، اور انسان کے مرنے کے بعد سب سے پہلی منزل قبر ہی کی ہے۔

۱۵۴۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا الْمُعْتَمِرُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ».

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں عاجزی سے، کاہلی اور بزدلی سے، کنجوسی اور بے حد بڑھاپے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

تشریح حدیث: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مختلف مواقع پر مختلف دعائیں پڑھا کرتے تھے اگر کسی روایت میں چند خاص متعین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، جیسا کہ حدیث سابق میں پانچ کا ذکر تھا تو یہ عدد محض مراد نہیں ہوتا، بلکہ اس سے تکثیر مراد ہوتی ہے چناں چہ اس حدیث میں پانچ سے زیادہ چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔

چناں چہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ایسی عاجزی سے پناہ مانگ رہے ہیں جو افعال خیر پر قدرت سے روک دے، اسی طرح وہ کسل و سستی جو خیر کے کاموں کے لیے رکاوٹ بن جائے اور وہ بزدلی جو مخالفت نفس اور شیطان سے نہ

۱۵۴۰- اخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب: التعوذ من فتنة المحيا والممات (٦٣٦٧)، مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: التعوذ من العجز والكسل وغيره (٢٧٠٦)، النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الهم (٨/٢٥٨).

روکے، ان سب بری چیزوں سے آپ ﷺ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

حدیث میں موت وزندگی کے فتنہ سے بھی پناہ مانگی گئی ہے، موت کے فتنہ سے مراد یا تو مرتے وقت میں کلمہ کا نصیب نہ ہونا ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ انسان دنیا اور زندگی کی خواہشات کی تکمیل میں ایسا منہمک ہو جائے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت اور فرماں برداری بھی نہ کر سکے، ابن دقیق العید فرماتے ہیں: فتنة المحيا مايعرض للإنسان مدة حياته من الافتتان بالدنيا والشهوات والجهالات وأعظمها العياذ بالله أمر الخاتمة عند الموت (اسلام ویب رقم/۵۲۵۹۰)

۱۵۴۱- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ سَعِيدٌ الزُّهْرِيُّ: عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ أَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ كَثِيرًا، يَقُولُ: «اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَضَلْعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»، وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرَهُ التَّيْمِيُّ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے، قرض کے بوجھ سے، اور لوگوں کے غلبہ سے۔

تشریح حدیث: الحَزَن: یہ یا تو بفتح الحاء والزاء ہے یا بضم الحاء وسکون الزاء ہے، بمعنی رنج وغم، خوف اور رنج میں فرق یہ ہوتا ہے کہ خوف وہ ہے جس کا حصول مستقبل میں متوقع ہو اور رنج یا غم دنیا وآخرت کی ماضی میں کسی خیر کے فوت ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔

قولہ: ''ضلع الدین'' قرض کا بوجھ ''ضلع'' ضاد اور لام کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی ثقل اور بوجھ اور ''دین'' کے معنی قرض کے ہیں۔

قولہ: ''غلبۃ الرجال'': رجال سے مراد اعداء اور دشمن ہیں، اور یہ اضافت یا تو فاعل کی طرف ہے یا مفعول کی طرف ہے جس میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ ظالم ہونے سے پناہ مانگتے تھے اسی طرح مظلوم بننے سے بھی پناہ مانگا کرتے تھے۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعا جوامع الکلم میں سے ہے، کیوں کہ انسان کی قوتِ عقلیہ، غضبیہ اور شہوانیہ کے لحاظ سے رذائل کی تین قسمیں ہیں (۱) رذائل نفسیہ (۲) رذائل بدنیہ (۳) رذائل خارجیہ، اب دعا میں ''ھَمّ'' اور ''حزن'' کا تعلق عقلیہ سے ہے، جُبن کا تعلق غضبیہ سے ہے، بُخل کا تعلق شہوانیہ سے ہے، پھر عجز وکسل کا تعلق بدنیہ سے ہے اور ضلع اور غلبہ کا تعلق خارجیہ سے ہے۔

۱۵۴۱- أخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب: الاستعاذة من الجبن والكسل (۶۳۶۹)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب رقم (۷۱) (۳۴۸۴)، النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الهم (۸/۲۵۷) و (۸/۲۶۵، ۲۷۴).

قوله: "وذكر بعض ماذكر التيمي": یہ طریق چوں کہ حدیث اوّل ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں مصنف کے شیخ الشیخ سلیمان التیمی تھے اور اس طریق میں یعقوب بن عبدالرحمن ہیں اب مصنفؒ یہ فرمارہے ہیں کہ یعقوب بن عبدالرحمن نے اپنی اس حدیث میں بعض وہ کلمات ذکر کیے ہیں جو سلیمان التیمی نے ذکر کئے تھے، اب وہ بعض کلمات کون کون سے ہیں ان کی وضاحت نہیں فرمائی۔ (المنہل: ۸/ ۲۰۳)

۱۵۴۲- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ لوگوں کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں جھنم کے عذاب سے اور پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

تشریح حدیث: مسیح دجال کے فتنہ سے بچنے کے لیے پیغمبر علیہ السلام بہت اہتمام سے دعا سکھلایا کرتے تھے، کیوں کہ یہ فتنہ انتہائی خطرناک اور سنگین ہوگا، تاکہ آپ ﷺ کے اس اہتمام کو دیکھ کر لوگ اس ملعون سے زیادہ سے زیادہ بچنے کی کوشش کریں، اسکے لیے آپ ﷺ نے مندرجہ بالا کلمات کی تعلیم امت کو دی ہے، مسیح دجال کے تعلق سے تفصیلی کلام ہمارا "باب الدعاء في الصلاة" میں گزر چکا ہے۔

۱۵۴۳- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ شَرِّ الْغِنَى وَالْفَقْرِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ان کلمات کے ذریعہ سے دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے فتنہ اور دوزخ کے عذاب سے اور مالداری اور ناداری کے شر سے۔

۱۵۴۲-اخرجه مسلم ": كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: ما " يستعاذ منه في الصلاة (۵۹۰)، والترمذي: كتاب الدعوات، باب رقم (۷۷) (۳۴۹۴)، النسائي: كتاب الجنائز، باب: التعوذ من عذاب القبر (۴/ ۱۰۴).

۱۵۴۳-أخرجه البخاري: كتاب الدعوات، باب: التعوذ من فتنة الفقر (۶۳۷۷)، مسلم: كتاب الجوكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: التعوذ من شر الفتن وغيرها (۵۸۹)، الترمذي: كتاب الدعوات، باب: ۷۷ (۳۴۹۵)، النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من شر فتنة الغنى (۸/ ۲۶۶)، ابن ماجه": كتاب الدعاء، باب: لاتعوذ منه رسول الله ﷺ (۳۸۳۸).

تشریح حدیث: حدیث میں فتنۂ نار سے مراد وہ اعمال سیئہ ہیں جو دخول نار یعنی جہنم میں جانے کا سبب بنتے ہیں۔

قوله: "من فتنة شر الغني": دولت کے فتنہ سے مراد تکبر و سرکشی کرنا، حرام ذرائع سے مال حاصل کرنا، مال وجاہ پر فخر کرنا اور حرام مواقع میں خرچ کرنا، اور فقر کے فتنہ سے مراد قلت صبر اور اس چیز پر راضی نہ ہونا ہے جو اللہ نے اس کی قسمت میں لکھ دی ہے یعنی فقر، نیز اس کی وجہ سے حرام میں پڑ جانا بھی ہے۔

۱۵۴۴- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ، وَالْقِلَّةِ، وَالذِّلَّةِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ، أَوْ أُظْلَمَ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں محتاجی سے، کمی سے، ذلت سے، اور پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں ظالم ہوں یا مظلوم بنوں۔

تشریح حدیث: قوله: "من الفقر": اس سے مراد دل کی محتاجگی ہے کہ دل مال وزر جمع کرنے کا حریص ہو یا مراد افلاس ہے کہ اس کی وجہ سے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

قوله: "القِلَّةِ": بہتر ہے کہ کمی سے مراد یہاں نیکیوں کی کمی لی جائے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ تو خود مال وزر کی قلت رکھتے تھے، اور مال کی کثرت وزیادتی کو ناپسند فرماتے تھے، اور اگر مال کی قلت ہی مراد لیں تو پھر اتنی قلت مراد ہے کہ وہ لقاء زندگی کی غذاء کے لیے بھی کافی نہ ہو جس کی وجہ سے عبادت میں کوتاہی اور نقصان واقع ہو۔

قوله: "الذِّلَّةِ": اس سے مراد گناہوں کی وجہ سے ملنے والی ذلت ہے، گنہ گار اللہ کے یہاں ذلیل ہوتا ہے۔ (مرقاة الفاتیح: ۴/ ۷۰۹)

۱۵۴۵- حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْفٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ عَبْدِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحْوِيلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نَقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سُخْطِكَ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا تھی: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا

۱۵۴۴-أخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الذلة (۸/ ۲۶۱).

۱۵۴۵-أخرجه مسلم: كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: أكثر أهل الجنة الفقراء، وأكثر أهل النار النساء، وبيان الفتنة بالنساء: ۹۶-(۲۷۳۹).

ہوں تیری نعمت کے زوال سے تیری بخشی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے، اور تیرے ناگہانی عذاب سے، اور تیرے ہر قسم کے غصہ سے۔

تشریح حدیث: قوله: ''زوال نعمتك'' نعمت کا اعلیٰ مصداق ایمان واسلام ہے، اگر چہ اس کے عموم میں دنیا وآخرت کی تمام تر نعمتیں ہی شامل ہیں، جن کے فوت ہونے پر انسان کو غم ورنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قوله: ''تحويل عافيتك'': بعض نسخوں میں ''تَحَوُّلِ'' بھی ہے، عافیت کی تبدیلی یہ ہے کہ صحت کو بیماری سے اور غنیٰ کو محتاجگی سے بدل دیا جائے، اور زوال اور تبدیلی کا فرق عرف میں واضح ہے۔

قوله: ''فُجَاءَةُ نَقْمَتِكَ'': بفتح الفاء وسكون الجيم، اور بضم الفاء وسكون الجيم دونوں طرح ہے اور یہ مصدر ہے باب فتح سے، فَجَأَ فُجَاءَةً بمعنی اچانک اور ناگہانی ہونا، پیش آنا، بغیر کسی سبب کے کوئی چیز پیش آجائے تو فجاءة کا اطلاق ہوتا ہے، اور ''نَقْمَة'' بکسر النون وفتحہا وسکون القاف بمعنی سزا اور عذاب، اس کی جمع ''نِقَمْ'' آتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناگہانی عذاب سے پناہ مانگتے تھے، کیوں کہ ناگہانی عذاب اور مصیبت تدریجی مصیبت سے سخت ہوتا ہے۔

قوله: جَمِيع سَخَطِكَ'': سَخَط سین اور خاء دونوں نے فتح کے ساتھ باب سمع کا مصدر ہے سَخِطَ (س) سَخَطًا: غضبناک ہونا، اور ''سُخط'' سین کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے بمعنی ناراضی، عامۃ بڑے کی ناراضی کو سُخط سے تعبیر کرتے ہیں، مراد یہاں یہ ہے کہ اے اللہ! میں آپ کی ناراضگی کے تمام اسباب سے پناہ چاہتا ہوں۔

۱۵۴۶- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، حَدَّثَنَا ضُبَارَةُ بْنُ عَبْدِ بْنِ أَبِي السُّلَيْكِ، عَنْ دُوَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنَّ رَسُولَ ﷺ كَانَ يَدْعُو يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ، وَالنِّفَاقِ، وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عداوت سے، نفاق سے، اور بداخلاقی سے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے پناہ مانگی ہے، ایک تو شقاق سے، شقاق کے معنی نفاق اور دشمنی، جس میں جانب حق کو چھوڑ کر دل میں دشمنی کو رکھا جائے، دوسری چیز ''نفاق'' ہے کہ دل میں تو کفر ہو اور اظہار اسلام کا ہو، اور تیسری چیز ''برے اخلاق'' ہیں، یہ عطف العام علی الخاص ہے، اور اس میں اضافۃ الصفت الی الموصوف ہے، اخلاق اس قوت راسخہ کا نام ہے جس سے افعال کا صدور ہوتا ہے اگر شرعاً وعقلاً افعال محمودہ کا صدور ہو تو اخلاق حسنہ ہیں ورنہ اخلاق سیئہ ہیں۔

۱۵۴۶- أخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الشقاق والنفاق وسوء الأخلاق (۸/ ۲۶۴).

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اخلاق حسنہ ہی نہ تھے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے بھی بلند درجہ کے اخلاق سے نوازا تھا جن کو اخلاق عظیمہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا ہے: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ لیکن حضور اکرم ﷺ اخلاق عظیمہ سے متصف ہونے کے باوجود یہ دعا کررہے ہیں اس میں درحقیقت تعلیم ہے امت مسلمہ کے لیے کہ جب آپ ﷺ ان برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہونے کے باوجود یہ دعا کرتے ہیں تو پھر آپ کو اور ہمیں تو بدرجہ اولیٰ یہ دعائیں کرنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تمام شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

۱۵۴۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، عَنِ ابْنِ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ، فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيعُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ، فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے؛ کیونکہ وہ برا ساتھی ہے اور پناہ چاہتا ہوں خیانت سے؛ کیونکہ وہ پوشیدہ بری خصلت ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: من الجوع: یعنی پناہ چاہتا ہوں بھوک کی اس تکلیف سے جو معدے کے خالی ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اور کبھی کبھی شدید مرض یا موت کا سبب بن جاتی ہے۔

"ضَجِيع" علامہ سندھی لکھتے ہیں یہ بفتح الضاد وکسر الجیم ہے، بمعنی ہم خواب، جو آپ کے ساتھ آپ کے بستر پر سوئے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بھوک جب کہ معدہ غذا سے خالی ہو۔ انسان سے جدا نہیں ہوتی، اسی وجہ سے اس کو ضجیع کہا گیا ہے۔ یہاں بھوک سے اس لیے پناہ مانگی گئی ہے کہ:

اس کی وجہ سے انسان کے بدن، قویٰ اور حواس میں کمزوری ہوجاتی ہے، اور اس کا اثر عبادت میں نقصان، اور حضوری میں خلل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا بدترین بھوک وہی ہے جو نقصان وخلل کا باعث بنے اور اکثر ہو، اسی وجہ سے صومِ وصال سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

رہی وہ بھوک جو مجاہدے کے مقصد سے بطریق اعتدال اور اپنی حالت کے موافق ہو تو وہ بری نہیں، بلکہ وہ باطن کی صفائی، دل کی نورانیت، اور بیماریوں سے بدن کی صحت وسلامتی کا سبب ہے۔ (مرقاۃ: ۴/ ۷۱۱)

قولہ: من الخیانۃ: خیانت سے مراد اللہ اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے، نیز لوگوں کے اموال میں بے ایمانی اور خرد برد کرنا بھی اس خیانت کا مصداق ہے، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد

۱۵۴۷- أخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الخيانة (۸/ ۲۶۳).

ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اے ایمان والو! (نافرمانی کر کے) اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیانت نہ کرو اور نہ ہی اپنے اموال میں خیانت کرو۔

قوله: "فإنها بئست البِطَانَة": "بِطَانَة" باء کے کسرہ کے ساتھ ہے، "بطانة الثوب" کپڑے کا استر، بطانة الرجل: اہل وعیال، خاص لوگ، استعارہ کے طور پر ہم راز، مصاحب، ساتھی اور ہم نشیں کو بطانہ کہا جاتا ہے، مراد یہاں پر باطنی خصلت ہے، اور حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ خیانت کرنا انسان کی بدترین خصلت ہے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اسی وجہ سے اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

۱۵۴۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَخِيهِ عَبَّادِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْأَرْبَعِ، مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ»

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میں چار چیزوں سے پناہ چاہتا ہوں، ایسا علم جو نفع بخش نہ ہو، ایسا دل جس میں خشوع نہ ہو، ایسا نفس جو سیر نہ ہو، ایسی دعا جو سنی نہ جائے۔

تشريح حديث: قوله: "من علم لاينفع" علم غیر نافع سے مراد وہ ہے جس پر دنیا میں عمل کی توفیق نہ ملے، اور آخرت میں ثواب نہ ملے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے علم سے پناہ اس لیے مانگی کہ ایسا علم صاحب علم کے لیے آخرت میں حسرت اور افسوس کا ذریعہ بنے گا، وہ آدمی جو اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو اس چراغ کی مانند ہے جو لوگوں کو تو روشنی دیتا ہے لیکن خود جل کر راکھ بن جاتا ہے۔

قوله: "ومن قلب لايخشع": یعنی میں ایسے قلب سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ کے ذکر کے وقت ڈرتا نہ ہو اور احکام شرعیہ کے لیے مطیع وفرماں بردار نہ ہو، اور یہ کیفیت اسی دل کی ہوتی ہے، جس میں سختی ہو اور سخت دلی کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد بھی ہے: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

قوله: "من نفس لاتشبع": سیر نہ ہونے والے نفس سے وہ ہے جو دنیا طلبی کے لیے انتہائی حریص ہو، اللہ نے جو اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اس پر قانع نہ ہو۔

قوله:: "ومن دعاء لايسمع": دعا کا نہ سنا جانا عدم قبولیت سے کنایہ ہے، کیوں کہ جو دعا قبول نہ ہو وہ فائدہ

۱۵۴۸ -أخرجه النسائي: (۸/۲۶۳) كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من نفس لاتشبع (۸/۲۶۳)، وباب: الاستعاذة من دعاء لايسمع (۸/۲۸۴)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: دعاء رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۸۳۷).

مقصودہ کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ایسی ہی ہے جیسا کہ اس کو سنا ہی نہ گیا۔

فقه الحديث: حضرات علماء نے حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ دعا میں سجع بھی درست ہے، ممانعت سجع سے اس وقت ہے جب کہ سجع بہ تکلف ہو اس لیے کہ ایسی صورت میں خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔

۱۵۴۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، قَالَ: قَالَ أَبُو الْمُعْتَمِرِ: أُرَى أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَنَا، أَنَّ رَسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ صَلَاةٍ لَا تَنْفَعُ»، وَذَكَرَ دُعَاءً آخَرَ

ترجمه: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ یوں دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں ایسی نماز سے جو نفع بخش نہ ہو اور دوسری دعا کو بھی ذکر کیا۔

تشریح حدیث: سابقہ روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی تھی اور یہ روایت حضرت انس ؓ کی ہے اس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی نماز سے بھی پناہ مانگی ہے جو نافع نہ ہو اور غیر نافع نماز وہ ہوتی ہے جو اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو اور اس پر ثواب نہ ملے، آگے حضرت انس ؓ نے دوسری دعا کو ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ اس دوسری دعا سے مراد وہی ہو جو سابق میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کے حوالہ سے منقول ہوئی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ثواب کی امید سے پڑھی جائے جب بھی وہ نفع بخش ثابت ہوگی ورنہ پرانے کپڑے میں لپیٹ کر پھینک دی جائے گی۔

۱۵۵۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، عَمَّا كَانَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهِ، قَالَتْ: كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ، وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ»

ترجمه: حضرت فروہ بن نوفل اشجعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیا دعا مانگتے تھے؟ انہوں نے کہا: کہ آپ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کام کی برائی سے جسکو میں نے کیا اور اس کام کی برائی سے جسکو میں نے نہیں کیا۔

۱۵۴۹- صحیح ابن حبان - مخرجا (۳/۲۹۳/۱۰۱۵) الدعوات الكبير للبيهقي (۱/۴۹/۳۵۹)

۱۵۵۰- اخرجه مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب: التعوذ من شر ما عمل ومن شر مالم يعمل (۶۵/۲۷۱۶)، النسائي: كتاب السهو، باب: التعوذ في الصلاة (۳/۵۶)، وكتاب الاستعاذة، باب: من شر ما عمل وذكر الاختلاف على هلال (۸/۲۸۱)، ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب: ماتعوذ منه رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۳۸۳۹).

تشریح حدیث: حدیث شریف کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھ سے جو برے کام ہو گئے ہیں ان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں کہ ان کی وجہ سے میں عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اور وہ برے کام معاف فرما دیئے جائیں اور جو کام نہیں کیے ہیں ان کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں یعنی کہ آئندہ ایسا کوئی کام نہ کروں جو تیرے غضب کا سبب ہو۔

صاحب منہل فرماتے ہیں کہ اس دعا کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے علاوہ لوگوں کے اعمال کے شر سے پناہ مانگی ہو کیوں کہ کبھی کبھی دوسرے کے گناہ کی وجہ سے جو عذاب آتا ہے وہ نیکو کار کو بھی پہنچ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (المنهل العذب المورود: ۸/ ۲۱۰)

۱۵۵۱- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ بْنِ الزُّبَيْرِ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، الْمَعْنَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ بِلَالٍ الْعَبْسِيِّ، عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، عَنْ أَبِيهِ - فِي حَدِيثِ أَبِي أَحْمَدَ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ -، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ، عَلِّمْنِي دُعَاءً، قَالَ: " قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي، وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي "

ترجمہ: حضرت شکل بن حمیدؓ سے روایت ہے کہ عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہہ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کان کی برائی سے اور اپنی آنکھ کی برائی سے اور اپنی زبان کی برائی سے اور اپنے دل کی برائی سے اور اپنی خواہش کی برائی سے۔

رجال حدیث شُتَیر بن شکل: شتر مصغرًا ہے، یہ شتیر بن شکل بن حمید ابو عیسیٰ کوفی ہیں امام نسائی اور عجلیؒ نے توثیق کی ہے، ابن سعد نے بھی توثیق ہی کی ہے، لیکن قلیل الحدیث لکھا ہے، ان کے والد شکل بن حمید بھی ثقہ ہیں۔

قَال: في حديث أبي احمد شكل بن حميد": جب امام احمد بن حنبلؒ نے "ابو احمد محمد بن عبدالله عن ابيه" کے طریق سے یہ روایت نقل کی تو کلمہ "أبيه" کے بعد "شکل بن حمید" کا اضافہ فرمایا جب کہ وکیع نے صرف "عن ابيه" کہا۔

تشریح حدیث: قوله: "من شر سمعي" سماعت کی برائی یہ ہے کہ اپنے کان سے بری باتیں نہ سنوں جیسے غیبت، چغلی اور جھوٹ، گانا وغیرہ۔

قوله: "من شَرِّ بصري": بینائی کی برائی یہ ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے بری چیزیں نہ دیکھوں، مثلاً جن کا دیکھنا حرام ہے اسی طرح کسی کو حقارت سے نہ دیکھوں۔

۱۵۵۱- أخرجه الترمذي: كتاب الدعوات، باب رقم (۷۵)" (۳۴۹۲)، النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من شر الذكر (۸/۲۶۷).

قوله: من شر لساني: زبان کی برائی یہ ہے کہ آدمی جھوٹ بولے اور ان باتوں کا اپنی زبان سے تکلم کرے جو حرام ہیں۔

قوله: ومن شر قلبي: دل کی برائی یہ ہے کہ دل میں باطل عقائد اور حسد و کینہ وغیرہ ہو۔

قوله: من شر مني: اور منی (مادہ منویہ) کی برائی حرام کاری ہے، پیغمبر علیہ السلام ان چیزوں سے پناہ تعلیماً للامہ مانگتے تھے، ورنہ آپ ﷺ تو تمام گناہوں سے معصوم تھے۔

۱۵۵۲- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ صَيْفِيٍّ، مَوْلَى أَفْلَحَ، مَوْلَى أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْيَسَرِ، أَنَّ رَسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغَرَقِ، وَالْحَرَقِ، وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا»،

ترجمہ: حضرت ابوالیسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ (کوئی مکان یا دیوار) مجھ پر گرے اور پناہ مانگتا ہوں میں اس بات سے کہ کسی بلند مقام سے گر پڑوں اور پناہ مانگتا ہوں ڈوبنے سے، جلنے سے اور بہت زیادہ بڑھاپے سے، اور پناہ چاہتا ہوں موت کے وقت شیطان کے غلبہ پا جانے سے اور پناہ چاہتا ہوں میں تیری راہ میں (جہاد سے) منہ موڑ کر بھاگنے سے اور پناہ مانگتا ہوں میں زہریلے جانور کے کاٹنے سے۔

تشریح حدیث: قوله: "مِنَ الْهَدْمِ": بفتح الباء وسكون الدال، مصدر باب ضرب سے هَدَمَ الْبِنَاءَ هَدْمًا عمارت گرانا، توڑنا مطلب یہ ہے کہ میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی مکان یا دیوار مجھ پر نہ گر پڑے کہ جس کی وجہ سے میں ہلاک ہو جاؤں۔

قوله: ومن التردي: تَرَدَّي فِي الْمَكَانِ تَرَدِّيًا: بلندی سے گرنا، جیسا کہ پہاڑ سے لڑھک کر نیچے گرنا، مکان کی چھت سے گرنا، زمین سے کنویں یا کھائی میں گرنا وغیرہ۔

قوله: "الحرق": بفتح الحاء والراء بمعنی آگ، بولا جاتا ہے: حَرَقَ النَّارُ الشيءَ: جلانا۔

قوله: "أن يخبطني الشيطان:: تَخَبَّطَ الشيطانُ فُلَانًا: شیطان کا دیوانہ اور خبطی بنا دینا، اور مطلب یہ ہے کہ میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ شیطان مجھے موت کے وقت خبطی اور دیوانہ بنا کر میرے دین اور عمل کو فاسد کرے، اور موت کے وقت توبہ و استغفار سے روک دے، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دے، امام خطابیؒ فرمایا کرتے

۱۵۵۲- أخرجه النسائي": كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من التردي والهدم (۸/ ۲۸۲)

تھے کہ شیطان موت کے وقت میں سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور کوشاں ہوتا ہے کہ کسی بھی صورت سے وہ بندے کو گناہ اور فتنہ میں مبتلا کر دے، کیوں کہ خاتمہ کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے۔

قوله: "لَدِيغًا" یہ "مَلْدُوْغ" کے معنی میں ہے، کیوں کہ لدیغ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور لدیغ اس کو کہتے ہیں جس کو سانپ اور بچھو وغیرہ نے کاٹ لیا ہو۔

ایک اشکال کا جواب:

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے حدیث میں مذکور بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے سبب موت واقع ہو جانے کی صورت میں شہادت کا درجہ ملتا ہے پھر آپ ﷺ نے ان چیزوں سے پناہ کیوں مانگی؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تکالیف اور پریشانیوں کا گویا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ایسے سخت اور نازک موقع پر کوئی صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور شیطان کو موقع مل جائے اور وہ بہکا کر دینی واخروی سعادتوں کو ملیا میٹ کر دے، اس لیے آپ ﷺ نے ان سے بھی پناہ مانگی تا کہ امت کے لوگ ان سے پناہ مانگیں۔ (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۲۱۳)

۱۵۵۳- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي مَوْلًى لِأَبِي أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْيَسَرِ، زَادَ فِيهِ وَالْغَمِّ

ترجمه: حضرت ابوالیسر ؓ سے یہی روایت ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے، اسمیں یہ لفظ زائد ہے کہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں غم سے۔

تشريح حديث: حدیث اوّل ہی کا طریق ثانی ہے پہلے طریق میں مصنف ؒ کے استاذ الاساتذہ مکی بن ابراہیم تھے اور اس میں عیسیٰ بن یونس ہیں، ان کی روایت میں پناہ مانگے جانے والی چیزوں میں "غم" بھی ہے۔

۱۵۵۴- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُونِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ»

ترجمه: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ فرماتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں برص کی بیماری سے، پاگل پن سے، کوڑھ کی بیماری سے، اور تمام نقائص سے اور تمام بیماریوں سے۔

۱۵۵۳- اخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من التردي والهدم (۸/ ۲۸۳).
۱۵۵۴- اخرجه النسائي: كتاب الاستعاذة، باب: الاستعاذة من الجنون (۸/ ۲۷۰)۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔

البَرَص: یہ باب سمع کا مصدر ہے، اور یہ ایک بیماری ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔

الجنون: دماغی خلل، بے وقوفی، اس عقل کا زائل ہو جانا جو کہ علمی وعملی خیرات کا مرکز ہے۔

الجذام: یہ غراب کے وزن پر ہے بمعنی: کوڑھ، ایسی بیماری جس میں اعضا جسم گل سڑ کر الگ ہونے لگتے ہیں۔

سئي الأسقام: یہ اضافت الصفت الی الموصوف کی قبیل سے ہے أی الأسقام السیئة بری بیماریاں جو انسان کی عقل اور اس کے بدن میں نقصان کا سبب بنتی ہیں، جیسا کہ استسقاء کی بیماری۔

تین متعینہ بیماریوں کے بعد سئی الاسقام کا ذکر تعمیم بعد تخصیص کے طور پر ہے یعنی پہلے تو آپ ﷺ نے خاص طور پر چند بری بیماریوں کا نام لیتے ہوئے پناہ مانگی، پھر عام طور پر ہر بری بیماری مثلاً دق اور استسقاء وغیرہ سے پناہ مانگی، ان بیماریوں سے آپ ﷺ نے پناہ اس لیے مانگی کہ جس شخص کو ان میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اکثر لوگ اس سے گھن کرتے ہیں، اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں، نیز برص اور کوڑھ تو ایسے مرض ہیں جن کی وجہ سے مریض کا جسم بدنمائی کا شکار بن جاتا ہے، پھر یہ کہ یہ امراض دائمی بھی ہوتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے چپک کر رہ جاتے ہیں، برخلاف اور امراض کے مثلاً بخار درد سر وغیرہ کا یہ حال نہیں ہوتا، نیز مریض مذکورہ امراض کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائے گی سے بھی عاجز ہو جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے بھی ایسے امراض سے پناہ مانگی ہے اور ہمیں بھی اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ امراض بالطبع متعدی نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود ان کی مجالست سے رسول اللہ ﷺ نے عقیدہ کے تحفظ کے پیش نظر منع فرمایا ہے۔ (مرقاة المفاتیح: ۴/۱۱/۷، المنہل: ۸/ ۲۱۳)

١٥٥٥- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدِ الْغُدَانِيُّ، أَخْبَرَنَا غَسَّانُ بْنُ عَوْفٍ، أَخْبَرَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، يُقَالُ لَهُ: أَبُو أُمَامَةَ، فَقَالَ: «يَا أُمَامَةَ، مَا لِي أَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟»، قَالَ: هُمُومٌ لَزِمَتْنِي، وَدُيُونٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: «أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا أَنْتَ قُلْتَهُ أَذْهَبَ عَزَّ وَجَلَّ هَمَّكَ، وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ؟»، قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: " قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَقَهْرِ

١٥٥٥- أخرجه البيهقي في الدعوات الكبير، باب دعاء المديون رجاء أن يؤدي الله عنه دينه، (١/ ٢١٤/ ٣٠٥)

الرِّجَالِ "، قَالَ: فَفَعَلْتُ ذَلِكَ، فَأَذْهَبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ هَمِّي، وَقَضَى عَنِّي دَيْنِي

ترجمه: ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول ﷺ مسجد میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے ایک انصاری شخص کو دیکھا جسکا نام ابوامامہ تھا آپ نے پوچھا: اے ابوامامہ! کیا بات ہے کہ میں تم کو ایسے وقت میں مسجد میں دیکھ رہا ہوں جبکہ نماز کا وقت نہیں ہے؟ ابوامامہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے غم و آلام نے اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھ کو ایسے کلمات نہ سکھادوں جنکو اگر تو کہے تو اللہ تعالی تیری تمام فکریں دور فرمادے گا اور تیرا تمام قرض ادا ہو جائے گا؟ کہا: کیوں نہیں بتایئے یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھا کر، اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں رنج و غم سے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سستی سے اور میں پناہ چاہتا ہوں کم ہمتی اور بخل سے اور میں پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے قہر سے۔

ابوامامہ کہتے ہیں کہ: میں نے آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا تو اللہ تعالی نے میری تمام فکریں دور فرمادیں اور میرا تمام قرض ادا کروادیا۔

رجال حديث: الغُدَاني: بضم الغين المعجمة وتخفيف الدال، یربوع کے ایک قبیلہ "غُدَانه" کی طرف نسبت ہے؟ احمد بن عبداللہ الغدانی صدوق درجہ کے راوی ہیں۔

غسَّان بن عوف: مختلف فیہ رواۃ میں سے ہے امام ساجی اور ازدی نے ضعیف کہا ہے، اور عقیلی نے کہا ہے: "لا يتابع على كثير من حديثه" تقریب میں لین الحدیث لکھا ہے، لیکن چوں کہ اس مضمون کی روایات متعدد ہیں اس لیے حدیث درجۂ ضعف سے ترقی کر کے حسن لغیرہ کو ضرور پہنچ جائے گی، اسی وجہ سے مصنفؒ نے بھی سکوت اختیار فرمایا ہے۔

تشريح حديث: قوله: "هموم لزمتني" یعنی یارسول اللہ! اس وقت میرے مسجد میں بیٹھنے کا سبب فکرات اور قرض ہے میرے اوپر لوگوں کا قرض ہے اس کے فکر و غم میں یہاں بیٹھا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہؓ کو یہ دعا بتائی جو حدیث میں مذکور ہے، جس کے سبھی کلمات کی تشریح احادیث سابقہ کے ضمن میں گزر چکی ہے حضرت ابوامامہؓ نے آپ ﷺ کی بتائی ہوئی دعا کو اہتمام کے ساتھ صبح و شام پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فکرات کو دور کر دیا اور ان کے قرض کی ادائیگی کی غیب سے شکلیں پیدا کر دیں۔

خلاصة الباب: اس باب میں مصنفؒ نے کل ۱۷/ حدیثیں نقل فرمائی ہیں اور یہ باب کافی طویل تھا کتاب الصلاۃ کے آخر میں اس باب کو لاکر مصنفؒ اس بات کی تعلیم دے رہے ہیں کہ انسان کو ہر وقت اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے اپنے عمل پر ذرہ برابر بھی فخر اور ریا نہ ہونا چاہیے اگر کبھی اپنے عمل پر ریا کا احتمال اور خیال دل میں آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الحمد للہ آج مورخہ ۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۶/دسمبر ۲۰۱۵ بروز ہفتہ بعد نماز مغرب السمح المحمود فی حل سنن ابی داؤد کی جلد ششم کا مسودہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، اس میں سنن ابوداؤد کی کتاب الصلاۃ مکمل ہوگئی، سنن ابوداؤد کی کتاب الصلاۃ انتہائی اہم اور طویل تھی، کیوں کہ کتب ستہ میں سب سے مفصل سنن ابوداؤد ہی کی کتاب الصلوۃ ہے، آپ نے نماز کے تمام مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے، کتاب الصلاۃ کی کل روایات کی تعداد (۱۱۶۴) ہے، لیکن ہمارے ہندوستانی نسخوں میں کتاب الصلاۃ کے بعد فوراً کتاب الزکاۃ شروع ہوتی ہے، جب کہ "المنہل العذب المورود" میں کتاب الصلاۃ کے بعد "کتاب الجنائز" ہے جو دیگر مصنفین کتب حدیث کے مطابق ہے، چوں کہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ حضرات نے بھی کتاب الجنائز کو کتاب الصلاۃ کے بعد ہی نقل کیا ہے ہمارے ہندوستانی نسخوں میں کتاب الجنائز جلد ثانی میں "کتاب الخراج والفیٔ والامارہ" کے بعد ہے ہم ہندوستانی نسخوں کا لحاظ کر کے اگلی جلد میں ان شاء اللہ کتاب الزکاۃ ہی کی تشریح کا کام کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیری سی خدمت کو قبول فرمائے اور میرے لیے اور اہل خانہ کے لیے ذریعہ مغفرت بنائے اور مکمل کتاب کی تشریح کو آسان فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

عبد الرزاق امروہوی
استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ

۲۶/دسمبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ

فہرست ابواب
السمح المحمود فی حل سنن ابی داؤد

جلد سادس

عنوان — صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

☆☆☆